نوادر الفقہ

سیکڑوں فقہی مسائل، کلامی مباحث، سیرت پاک اور دعوت و تبلیغ پر مشتمل مکاتیب و مضامین کا مجموعہ احادیث کی روشنی میں

از

محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری، ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگہ، ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب............ نوادر الفقہ

افادات .... حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

انتخاب وترتیب............ محمد زید مظاہری، ندوی

کمپوزنگ............محمد نسیم القاسمی (رحمت گرافکس) سہارنپور (یوپی)

سن اشاعت............ ۱۴۳۱ھ

صفحات............ ۴۷۲

قیمت............

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگہ ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

اجمالی فہرست نوادرالفقہ

باب	عنوان	صفحہ
باب نمبر(۱)	طہارت وعبادات	۲۸
باب نمبر(۲)	زکوٰۃ، حج وقربانی	۷۴
باب نمبر(۳)	حظر واباحت اور متفرق احکام	۱۰۳
باب نمبر(۴)	تبلیغ اور اس کے متعلقات	۱۲۹
باب نمبر(۵)	اختلافات وبدعات، کلام	۱۸۲
باب نمبر(۶)	کتاب الانبیاء، انبیاء علیہم السلام اور ان کے متعلقات	۲۰۸
باب نمبر(۷)	سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے متعلقات	۲۵۰
باب نمبر(۸)	متفرق احادیث کی تحقیق	۳۲۴
باب نمبر(۹)	متفرقات	۳۷۶
باب نمبر(۱۰)	مختلف رسائل	۳۹۱

فہرست

عناوین	صفحات

باب (۱)

طہارات وعبادات

عرض مرتب ۱۹
مقدمہ ۲۲
فرض عین وفرض کفایہ کی تعریف ۲۸
مسجد میں برتن میں پیشاب کرنے کے جواز وعدم جواز کی تحقیق ۲۹
مسجد میں اخراج ریح کا مسئلہ ۲۹
مسح علی الرأس ثلاثا کی روایت ۳۰
مسح رقبۃ حدیث صحیح سے ثابت ہے یانہیں ۳۱
وضو سے صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبائر؟ ۳۱
امام صاحب کے ایک واقعہ سے اشکال اوراس کا جواب ۳۲
مسائل منصوصہ وغیر منصوصہ کا فرق ۳۳
بحالت صلوۃ بہنے والا خون ناقض وضواور مفسد صلوۃ ہے یانہیں: ۳۴
خروج منی کے باوجود غسل واجب نہ ہونے کا فتوی ۳۴
تحیۃ الوضو یا شکرالوضوء ۳۴
اذان کے بعد کی دعاء میں ’’والدرجة الرفيعة‘‘اور ’’وارزقنا شفاعته‘‘ حدیث صحیح سے ثابت ہے یانہیں ۳۵
اپریشن وغیرہ کے حال میں جبکہ کپڑے اور بدن پاک نہ رہ سکتے ہوں کس طرح نماز ادا کریں گے ۳۸
رکوع کی کیفیت میں حتی استقر کل عضو موضعه حدیث صحیح سے ثابت ہے یانہیں؟ ۲۹

مثلین کے مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع صاحبین کے مسلک کی طرف ثابت ہے یا نہیں؟	۴۰
مسئلہ رفع یدین وفاتحہ خلف الامام	۴۱
نماز میں سورتوں کو کاٹ کاٹ کر درمیان سے پڑھنے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے یا نہیں	۴۱
نماز میں تعدیل ارکان کے واجب ہونے کی تحقیق	۴۲
قراءۃ من المصحف فی الصلوۃ کا مسئلہ اور ائمہ کا اختلاف	۴۲
رمضان شریف میں تہجد کی نماز جماعت سے ثابت ہے یا نہیں	۴۳
عیدین کے خطبہ کو تکبیر سے شروع کرنا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں	۴۵
ابن قیمؒ کی تحقیق کی تردید	۴۵
فرائض کے بعد امام ومقتدی کے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی تحقیق	۴۶
کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ امام دعاء میں اپنے ساتھ مقتدیوں کو بھی شریک کرے	۴۹
وتر کی تعریف اور تین رکعات وتر کا ثبوت	۵۰
نقض وتر کے سلسلہ میں دو متضاد روایتیں اور ان کا حل	۵۱
نقض الوتر کا مسئلہ اور حدیث پاک کی تشریح	۵۲
وتر کے بعد دو نفلوں کے بیٹھ کر پڑھنے کی تحقیق	۵۳
جمعة فی القریٰ	۵۳
عورت کے لیے نماز پڑھنے کی بہترین جگہ گھر کا اندرونی حصہ ہے	۵۴
مخدع اور بیت کا فرق	۵۴
عورتیں نماز میں مردوں کی طرح کیوں نہیں بیٹھتیں جب کہ بخاری کی حدیث ام الدرداء سے مردوں کی طرح بیٹھنا ثابت ہے، مسئلہ مکمل تحقیق دلائل کی روشنی میں	۵۵
احادیث کے ضمن میں فروعی اختلافات کی حقیقت	۵۶
ائمہ اربعہ کے مسالک کی تفصیل اور تربع وتورک کی وضاحت	۵۸
خلاصہ مسالک	۵۹
مردوں عورتوں کے بیٹھنے میں فرق ہے یا نہیں	۶۰
احناف عورتوں ومردوں کے درمیان بیٹھنے میں تفریق کے کیوں قائل ہیں	۶۱

امام ابوحنیفہؒ تابعی کے قول کے پابند نہیں ٦٢
یہ خیال صحیح نہیں کہ صحیحین کی روایتیں غیر صحیحین پر مقدم ہوگی ٦٣
صحابی وتابعی کا قول حجت ہے یا نہیں ٦٣
فروعی مسائل میں الجھنا اور اختلاف کرنا قابل افسوس ہے ٦٤
یہ خیال صحیح نہیں کہ صحیحین کی روایتیں غیر صحیحین پر راجح ہوں گی ٦٥
صحیح روایتیں بخاری و مسلم میں منحصر نہیں ٦٥
صحیحین کی روایتوں پر نقد ٦٦
صحیحین کے مقابلہ میں دوسری روایتوں کو ترجیح دی جاسکتی ہے ٦٨
اس قاعدہ کی تشریح ''مافی الصحیحین اولی مما فی غیرہ'' ٦٨
مکحول رواۃ بخاری میں سے نہیں ٦٩
حدیث مؤنّن، معنعن کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ٦٩
مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں ٧٠
علامہ عینیؒ کا سہو ٧١
کچھ مسئلوں میں امام صاحب کے مسلک پر عمل نہ کرنا تقلید کے منافی نہیں ٧٢

باب (٢)

زکوۃ، حج وقربانی

بقدر نصاب بکریاں حولان حول سے پہلے مرجائیں یا فروخت کردے تو کیا حکم ہے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ٧٤
بھینس کی قربانی احادیث سے ثابت ہے یا نہیں ٧٥
ایک جانور کی قربانی سارے گھروالوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ٧٦
مسئلہ کی تحقیق احادیث کی روشنی میں ٧٦
کیا امام طحاویؒ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں؟ ٨٠
إن المعلومات یوم النحر وثلاثة أیام بعدهٗ کی تحقیق ٨٠
ایام نحر یعنی قربانی تین دن ہیں یا چار دن ٨١

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا اختلاف ۸۱
ایام معلومات وایام معدودات کا فرق ۸۲
حجاج وغیر حجاج کے لئے عیدین اور ایام تشریق میں روزہ کی حرمت کے متعلق ائمہ اربعہ کے
مسالک کی تحقیق ۸۳
ایام تشریق کی تعیین میں اختلاف ۸۶
ایام تشریق کے روزوں کا حکم ۸۸
ایام تشریق کے روزے ۹۱
حاجی اگر متمتع یا قارن ہو تو اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟ ۹۲
تنعیم سے عمرہ کے بدعت ہونے کی تحقیق، غیر مقلدین کا اشکال اور اس کا جواب ۹۵
اس حدیث کی تحقیق کہ ''جس پر قربانی واجب نہ ہو اس کا بال و ناخن وغیرہ کاٹنا قربانی کا درجہ رکھتا ہے'' ۹۹
تکملہ: قوله ولكن تاخذ من شعرك! الخ ۱۰۰

باب (۳)

حظر واباحت اور متفرق احکام

دستی گھڑی استعمال کرنے کا حکم ۱۰۲
دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے والی روایت ۱۰۲
مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟ ۱۰۳
کافر و مبتدع اور فاسق سے سلام کرنے و جواب دینے کا حکم ۱۰۵
مطلقہ مبتوتہ کے نفقہ کی بابت ہدایہ کی ایک حدیث کی تحقیق ۱۰۵
دعوت ختان سے متعلق روایت، ممنوع و مشروع دعوتیں ۱۰۶
شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کرنے والی موضوع حدیث ۱۰۷
سورہ بقرۃ کے ختم پر خوشی میں حضرت عمرؓ کے دعوت کرنے کی تحقیق ۱۰۸
صومِ عاشوراء، صوم رمضان سے قبل واجب تھا ۱۰۸
عاشوراء میں توسیع علی العیال کا استحباب ۱۰۸

ڈاڑھی کے متعلق کالج کے ایک طالب علم کا سوال	۱۰۹
ڈاڑھی رکھنے کی چند حکمتیں	۱۰۹
ڈاڑھی کی شرعی مقدار اور مقدار قبضہ سے زائد کاٹنے کا حکم حدیث کی روشنی میں	۱۱۰
امور فطرت کی تشریح اور پوری ڈاڑھی رکھنے کا شرعی وجوب، ایک رسالہ پر مختصر تبصرہ وتنبیہات	۱۱۱
إنهكوا الشوارب کا مفہوم	۱۱۵
سر میں چھوٹے یا بڑے یا ہپی کٹ بال رکھانے کے متعلق شرعی حکم	۱۱۶
کالا جوتا پہننا مکروہ ہے اس کی تحقیق	۱۱۶
ہدہد کی حلت وحرمت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف	۱۱۷
قیام تعظیمی سے متعلق روایات، مسئلہ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم	۱۱۸
صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے یا نہیں؟	۱۱۸
کعبہ پر قیاس کر کے حضور پاک ﷺ کے لئے غائبانہ ہر جگہ قیام تعظیمی کرنا باطل اور غلط ہے	۱۲۰
تقبیل الید والرجل	۱۲۱
ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا احادیث کی روشنی میں	۱۲۱
خط میں ''۷۸۶'' لکھنا	۱۲۳
دار الاسلام سے دار الحرب بغرض تجارت جانے کا حکم	۱۲۳
معنی الکفر لغة و شرعاً	۱۳۴
کفر کی شرعی ولغوی تحقیق مع اقسام واحکام	۱۲۳
أنواع الکفر الأصلي والفرعي	۱۲۴
الکفر علی أربعة أنحاء	۱۲۵
أقسام الکفر الفرعي	۱۲۵
لانکفر أهل القبلة کی تشریح، اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ	
اور ننانوے احتمالات کفر ہوتے ہوئے ایک وجہ اسلام کا اعتبار کئے جانے کا مطلب	۱۲۷

باب۴

تبلیغ اور اس کے متعلقات

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ تبلیغی جماعت کے رہبر کو اللہ تعالیٰ جنت میں رہبر بنائیں گے جو لوگوں کو جنت میں لے جائے گا ۱۲۹

قدرت کے باوجود معاصی کو دیکھ کر نہ روکنے والے قیامت میں اپنی قبروں سے بندر اور خنزیر کی شکل میں اٹھیں گے ۱۲۹

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جب امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ دے گی برکات وحی سے محرم ہوجائے گی، برکات وحی کا مطلب ۱۳۰

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ ایمان پرانا ہوجاتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہوتا ہے ۱۳۱

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ ''جو کسی ذمی (کافر) کا حق دبائے گا میں قیامت میں ذمی کی طرف سے وکیل ہوں گا'' ۱۳۲

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ مبلغین ومجاہدین جس راستے سے گذر جاتے ہیں وہ راستہ دوسرے راستوں پر فخر کرتا ہے ۱۳۲

گشت کے بعد جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب سات لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے ۱۳۳

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جو طالب علم یا جو جماعت جس قبرستان کے قریب سے گذر جاتی ہے چالیس روز تک اللہ تعالیٰ عذاب قبر معاف فرما دیتا ہے ۱۳۴

اللہ کے راستہ میں ایک ساعت حجر اسود کے سامنے ساری رات عبادت سے افضل ہے ۱۳۴

فی سبیل اللہ وجہاد فی سبیل اللہ کی تشریح اور اس کا مصداق ۱۳۴

تعلیم وتبلیغ کا درجہ نفلی عبادت سے بڑھ کر ہے ۱۳۶

یہ کہنا صحیح نہیں کہ تعلیم وتعلم نمبر دو پر ہے اور تبلیغ ایک پر ہے تعلیم کے بغیر تبلیغ محال ہے ۱۳۶

صحابہ کرام کے اس جملہ کی تحقیق کہ ہم نے پہلے سیکھا پھر قرآن ۱۳۷

دین کے لیے تھوڑی دیر غور وفکر کرنا ساٹھ سال عبادت سے بہتر ہے ۱۳۷

جولوگوں کومشقت میں ڈالے اللہ اس کومشقت میں ڈالے گا	۱۳۹
اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جومسلمانوں کا راستہ تنگ کرے اس کا جہاد مقبول نہیں	۱۴۰
اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جو مردہ سنتوں کو زندہ کرے سوشہیدوں کا ثواب پائے	۱۴۰
اس حدیث پاک کی تحقیق کہ اللہ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے	۱۴۱
نماز اور دعاء کی برکت سے ازخود چکی چلنے والی روایت کی تحقیق	۱۴۲
اس حدیث کی تحقیق کہ بعض آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتے ہیں اور ایک بھی مقبول نہیں ہوتی	۱۴۳
اس مسئلہ کی تحقیق کہ دو پیسے کے عوض سات سومقبول نمازیں قبول نہ ہونگی	۱۴۴
مسواک کے ستر فوائد سے متعلق	۱۴۴
کیا باسی روٹی کھانا سنت ہے؟	۱۴۵
جمعہ کے دن اسی مرتبہ درود شریف پڑھنے والی روایت کی تحقیق	۱۴۵
”جزی اللّٰہ عنّا محمداً صلی اللّٰہ علیہ وسلم“ درود شریف کی تحقیق	۱۴۷
جمعہ کے دن سوبار درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سوضرورتیں پوری کرے گا	۱۴۸
اس حدیث کی تحقیق کہ سونے سے قبل چار کام کر کے سویا کرو	۱۴۸
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ نصیحتیں کرنے والی موضوع روایت	۱۴۹
حضرت فاطمہ کے نکاح سے متعلق روایت کا حوالہ	۱۵۰
اس حدیث کی تحقیق کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہوتی ہے	۱۵۰
اس حدیث کی تحقیق کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں فاقہ ان کی طرف تیزی سے آتا ہے	۱۵۱
مہاجرین کے تمام لوگوں سے چالیس یا ستر سال پہلے جنت میں جانے والی روایت	۱۵۱
ایک دعاء کی تحقیق جس کے پڑھنے سے مرتے دم تک ثواب ملتا رہے گا	۱۵۳
شام میں ابدال ہونے سے متعلق حدیث کی تحقیق	۱۵۴
چند غیر معروف احادیث کی تحقیق	۱۵۵
سر میں تیل لگانے سے قبل آنکھوں اور بھوؤں میں تیل لگانے والی حدیث	۱۵۶
داڑھی میں تیل لگانے والی روایت	۱۵۶

جمعہ کے دن سرمہ لگانا حدیث پاک سے ثابت ہے یا نہیں؟	۱۵۷
ناخن کاٹنے کی کوئی ترتیب حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟	۱۵۷
کنگھا کھڑے ہوکر کرنے سے مفلسی آتی ہے اس کی تحقیق	۱۵۷
حضرت اسماء کے دردسر کے وقت ہاتھ سر پر رکھنے اور ایک کلمہ کہنے والی	۱۵۸
اس حدیث کی تحقیق کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگی تو توبہ قبول ہوگئی	۱۵۸
ماثور دعاء میں و بالاسماء الثمانیۃ کون سے اسماء مراد ہیں	۱۶۰
فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد اور اس کا جواب	۱۶۱
حدیث ضعیف و موضوع کے متعلق ایک اہم ضابطہ	۱۶۱
فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کی گنجائش اتفاقی مسئلہ ہے	۱۶۲
عمل قلیل پر ثواب کثیر کا وعدہ علامات وضع میں سے ہے یا نہیں	۱۶۲
حدیث مطروح کی حقیقت اور اس کا حکم	۱۶۳
اس روایت کی تحقیق کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے	۱۶۵
عمامہ سے متعلق چند روایتوں اور احکام کی تحقیق	۱۶۵
مسند الفردوس کا محدثین کے نزدیک کیا مقام ہے	۱۷۰
کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا لے کر آگے آگے چلتے تھے	۱۷۱
جمعہ کے خطبہ سے قبل ممبر پر بیٹھ کر وعظ کہنے ولی روایت	۱۷۱
مسجد میں پنکھا جھلنے والی روایت	۱۷۳
حضرت ابوطلحہ کا مہمانوں کو کھانا کھلانے اور بیوی بچوں کو بھوکا سلانے والی روایت	۱۷۴
عذاب والی اجڑی ہوئی بستی سے گذرتے ہوئے آپ کا فرمانا ''یہاں سے فوراً چلو'' حدیث کی تحقیق	۱۷۵
بنی اسرائیل کی ایک عورت کے بلی باندھنے الخ والی روایت کی تحقیق	۱۷۶
بندہ جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل ہوگا یا اللہ کے فضل سے	۱۷۸
لیلۃ القدر کی تعیین کا اٹھالیا جانا باعث برکت ہوا یا باعث حرمان	۱۸۰
اس حدیث کی تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح سے ظہر تک اور نماز ظہر سے عصر تک خطبہ دیا	۱۸۱

باب (۵)

اختلافات و بدعات، کلام

حضرات صوفیاء کے تجویز کردہ اذکار واشغال کے بدعت ہونے پر شبہ اوراس کا جواب ۱۸۲
قرآن پاک سے فال نکالنے کی تحقیق ۱۸۴
انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۱۸۵
انبیاء واولیاء ایک وقت میں مختلف مقامات میں جاسکتے ہیں یانہیں؟ ۱۸۵
مجالس میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ۱۸۶
انبیاء واولیاء سے وفات کے بعد دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے یانہیں؟ ۱۸۷
ستمداد از اہل قبور کی مختلف صورتیں اوران کا حکم ۱۸۷
کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہفتہ میں امت کے دومرتبہ اعمال پیش ہونا حدیث سے ثابت ہے ۱۹۰
دوشنبہ وپنجشنبہ میں اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آبا کے سامنے اعمال پیش ہونے کی تحقیق ۱۹۱
والدین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کس دن اعمال کی پیشی ہوتی ہے ۱۹۲
رمضان المبارک میں موت ہوجانے کی فضیلت ۱۹۳
مسئلہ زیارۃ القبور وشد رحال الی القبور ۱۹۳
مُردوں کو زیارت کرنے والے کا علم ہوتا ہے یانہیں ۱۹۴
ایصال ثواب کی بابت محققین کا مسلک ۱۹۴
ایصال ثواب کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے یا صرف نیت کافی ہے؟ ۱۹۴
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کا حکم ۱۹۵
قرأۃ قرآن کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے یانہیں؟ مسئلہ کی تحقیق دلائل کی روشنی میں ۱۹۵
مانعین کے مستدلات اوران کے جوابات ۱۹۷
مثبتین کے دلائل ۱۹۹
مسئلہ ایصال ثواب للاموات کی تحقیق ۲۰۴

باب (۶)

کتاب الانبیاء

انبیاء علیہم السلام اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات ۲۰۸

مسئلہ عصمت انبیاء عصمت انبیاء کی سات دلیلیں ۲۰۸

انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی صغائر و کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں ۲۰۸

زلات انبیاء کی حقیقت اور انبیاء کے صغائر سے معصوم ہونے کی تحقیق ۲۱۶

حدیث کل ابن آدم خطأ کی تشریح ۲۱۶

اس جملہ کی تحقیق کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں اجتہادی خطا ہوئی جس کا خمیازہ ذریت کو بھگتنا پڑا ۲۱۹

مسئلہ حیات انبیاء، حیات انبیاء سے متعلق دس حدیثیں ۲۲۱

چند شبہات اور ان کا ازالہ، حیات مؤمنین و حیات شہداء اور حیات انبیاء کا فرق ۲۲۷

اس شبہ کا جواب کہ قرآن اور صحابہ تو کہتے ہیں کہ انبیاء پر موت طاری ہوگئی؟ ۲۲۷

مسئلہ حیات انبیاء پر ایک بڑا اشکال اور اس کا جواب ۲۲۹

انبیاء اور سید الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر اور میدان حشر میں حساب و کتاب اور سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟ ۲۳۳

انبیاء علیہم السلام سے قبر میں سوال و جواب ہوگا یا نہیں؟ ۲۳۶

نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق روایات کی تحقیق و تفصیل ۲۳۷

چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ ۲۳۹

عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صبح کے وقت ہوگا یا عصر کے وقت ۲۴۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے یا امتی ہونے کے ساتھ اور آپ کا وصف نبوت باقی رہے گا یا نہیں؟ ۲۴۵

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کی تحقیق ۲۴۸

اس اشکال کا جواب کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پیغام پہنچایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر خود خدا آیا اور کلام کیا ۲۴۹

باب (۷)

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے متعلقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے اور آپ کا سایہ ہونے یا نہ ہونے کی مفصل تحقیق ۲۵۰
چند غلط استدلالات اور ان کے جوابات ۲۵۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ ہونے والی روایات ۲۵۴
رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ پڑنے سے متعلق روایات کی تحقیق ۲۵۷
رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہونے کی صریح صحیح روایت ۲۵۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی بابت قاضی عیاض کی صراحت اور اس کا جواب ۲۵۹
مسند احمد کا درجہ ابوداؤد سے بڑھ کر ہے ۲۵۹
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کتنی مرتبہ ہوا ۲۶۰
شرح صدر کی دو صورتیں ظاہری و باطنی ۲۷۵
رسول اکرم ﷺ کا اپنی ازواج سے ایک رات میں سو مرتبہ صحبت کرنے سے متعلق روایات اور اشکالات کے جوابات ۲۷۶
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینب سے نکاح کرنے سے متعلق مختلف روایات اور اشکالات کے جوابات ۲۸۲
لیلۃ المعراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے یا نہیں ۲۸۶
کیا حضرت عائشہؓ نے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے؟ ۲۸۷
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی ابتداء رات کے وقت ہوئی یا دن میں دو متضاد واقعوں کی تحقیق روایات کی روشنی میں ۲۸۸
حجۃ الوداع کے موقع کی ایک حدیث کی تحقیق ۲۹۳
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا؟ ۲۹۴
حجۃ الوداع کے علاوہ حضور پاک ﷺ نے سر کے بال منڈائے یا نہیں؟ ۲۹۶

حج وعمرہ کے علاوہ سر کے بال منڈانا آپ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟	۲۹۸
رسول اللہ ﷺ کا کرتا شریف کتنا لمبا ہوتا تھا؟	۲۹۸
رسول اللہ ﷺ کا گریبان کھلا ہوا ہونے والی روایت	۲۹۹
پیر دبوانے والی حدیث	۳۰۰
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر دبوائے ہیں؟	۳۰۰
رسول اللہ ﷺ کے بعض ازواج کو طلاق دینے کی تحقیق	۳۰۱
آپ نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تھی یا حضرت سودۃ کو؟	۳۰۱
کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے کہ کسی صحابی نے حضور ﷺ کا خون پی لیا تھا	۳۰۴
اس کی تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ کا خون اور پیشاب پاک ہے	۳۰۴
ایک حدیث پاک کی تحقیق جس میں آپ کی وفات کے وقت ملک الموت اور فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے	۳۰۶
رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ملک الموت نے آکر آپ سے کیا کہا اور کیسے اجازت چاہی؟	۳۱۰
اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جنازہ میں تاخیر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی انگلی میں سیاہ دھبہ آگیا تھا	۳۱۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں قمیص تھی یا نہیں؟	۳۱۴
حضور اکرم ﷺ کے قتل کی شازس کے سلسلہ میں کعب بن اشرف اور ابولہب کی بیوی کے واقعہ کی تحقیق	۳۱۴
لیلۃ المعراج میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے امت محمدیہ کو سلام پہنچانے کے واقعہ کی تحقیق	۳۱۵
معراج کے موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین اتارنے والی روایت بے اصل ہے	۳۱۶
عہد نبوی میں مسجد نبوی کی تعمیر دو مرتبہ ہوئی ہے	۳۱۶
تعمیر مسجد نبوی میں ابو ہریرۃ بھی شریک تھے	۳۱۶
قبہ میں قیام سے متعلق دو روایتوں کی تحقیق و تطبیق	۳۱۷
عذاب قبر اور ضغطہ قبر کا فرق	۳۱۸
صحابی رسول حضرت ابن معاذ کو عذاب قبر ہوا تھا یا نہیں؟	۳۱۸
اس روایت کی تحقیق کہ ایک صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے	۳۲۰
ایک صحابیہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں جوئیں دیکھنے والی روایت پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۲۱
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ’’یا نبی‘‘ اے میرے بیٹے کہنا ثابت ہے یا نہیں	۳۲۲

باب (۸)

متفرق احادیث کی تحقیق

حضرت حمزہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک روایت کی تحقیق ۳۲۴
حدیث عطارہ کی تحقیق ۳۲۶
حدیث مسجد العشار کی تحقیق ۳۲۹
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے ابوشحمۃ کے شراب پینے اور زنا کرنے والا واقعہ
موضوع اور باطل ہے ۳۳۲
حضرت ابوہریرہ کے کوہ طور جانے والی روایت ۳۳۳
افطار کے مختلف معانی ۳۳۳
محدثین کے نزدیک ''رکاکت'' کا مطلب ۳۳۸
حدیث موضوع کی ایک علامت ۳۳۸
صلوۃ الاوابین کی تحقیق اور اس کے مصداق میں اقوال اربعہ ۳۳۹
اقوال متعارضہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا مطلب ۳۴۴
ترجیح کی ضرورت کب پیش آتی ہے ۳۴۴
ابوداؤد شریف کی ایک روایت کا مطلب ۳۴۵
ولاء میں میراث جاری ہونے نہ ہونے کا مسئلہ ۳۴۵
ترمذی شریف کی ایک حدیث کی تشریح ۳۴۷
حدیث مسئول میں امانت کا مفہوم ومصداق ۳۴۷
آداب مباشرت، وطی کرنے کا طریقہ جو حدیث پاک سے مستفاد ہے ۳۴۸
الترغیب والترہیب کی ایک حدیث پاک، بعض الفاظ کی تحقیق ۳۴۹
حدیث پاک میں صوم رمضان کو حج پر کیوں مؤخر کیا جب کہ اس کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے ۳۵۰
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کی تشریح ۳۵۰

طحاوی شریف کی ایک حدیث کا مطلب اور بعض روایات وآثار کی تحقیق	۳۵۳
تقریر بخاری شریف کی ایک عبارت پر شبہ اور اس کا حل	۳۵۷
طحاوی کے باب ''ما یقتل المحرم من الدواب'' کی تشریح اور خلاصہ	۳۵۸
حالت احرام میں کلب عقور اور درندوں کے قتل کرنے کا حکم	۳۶۱
ایک روایت میں حط ورس یا خط ورس	۳۶۲
مشکوۃ شریف کی ایک روایت کی تحقیق	۳۶۲
مجمع الزوائد کی ایک روایت میں تصحیف	۳۶۲
امام نوویؒ کی ایک عبارت کی تحقیق	۳۶۵
مجمع الزوائد کی ایک عبارت میں تحریف	۳۶۶
یزید بن معاویہ کی ایک مرسل روایت کی تحقیق	۳۶۶
حکایات صحابہ کے بعض مقامات کی تحقیق وتصحیح	۳۶۷
حیوٰۃ الصحابہ کے بعض الفاظ حدیث اور بعض مقامات کی تحقیق	۳۶۸
جیش اسامہ کی تعداد کتنی تھی؟	۳۷۴
مصری لشکر کے امیر عقبہ بن عامر تھے یا حضرت فضالہ؟	۳۷۴

باب (۹) متفرقات

حضرت معاویہ کا اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانا اجتہادی خطا تھی یا نہیں؟	۳۷۶
صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محمد بن عبداللہ لکھنے اور محمد رسول اللہ نہ لکھنے پر اشکال وجواب	۳۷۷
حضرت علیؓ کے ساتھ ''کرم اللہ وجہہ'' کیوں کہا جاتا ہے	۳۷۹
مقدرات میں تغیر ہوسکتا ہے یا نہیں حنفیہ واشاعرہ کے مسلک کی توضیح	۳۷۹
اس روایت کی تحقیق سورہ فاتحہ ومعوذتین کلام اللہ کا جز نہیں ہیں	۳۸۰
آیت ثم سوّاہ ونفخ فیہ من رُّوحِہ کی ضمیر کے مرجع کی تحقیق	۳۸۳
تفسیر سے متعلق ایک سوال کا جواب	۳۸۳

سورۃ واقعہ میں ''فأما إن كان من المقربين'' کا تعلق آخرت سے ہے یا موت کے وقت سے؟ ۳۸۳
رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی مبارک کس عہد میں کس کے ہاتھ سے کہاں گری ۳۸۵
پردہ کی مشروعیت کس سن میں ہوئی ۳۸۵
اعتکاف کی ابتداء کس سال ہوئی ۳۸۶
مالکی عالم سے تعلم کے سلسلہ میں مشورہ، منطق پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال ۳۸۶
''رحم'' کا مشتق منہ اور اشتقاق لغوی واصطلاحی کا فرق ۳۸۷
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اشعار ''صبت علي مصائب الخ'' کی تحقیق ۳۸۸
وہ سات آدمی کون ہیں جنھوں نے بادشاہ کے دربار میں اعلان حق کیا ۳۸۹
ایک عربی وفارسی عبارت کا ترجمہ ۳۸۹
''کن حدیث بو ہریرۃ راشمار'' کس کا شعر ہے؟ ۳۹۰
أبواب الجنة ۳۹۰

باب (۱۰)

مختلف رسائل

رسالہ نمبر (۱) إرشاد اللبيب الى حديث التحبيب ۳۹۰
رسالہ نمبر (۲) أحاديث النهي عن الخصاء والترغيب فى تزويج الولود ۴۲۵
رسالہ نمبر (۳) عربی زبان کی فضیلت سے متعلق روایات کا مجموعہ ۴۳۱
رسالہ نمبر (٤) فضائل مدینہ سے متعلق مجموعۂ روایات ۴۳۹
رسالہ نمبر (٥) منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مجموعۂ روایات ۴۶۲
رسالہ نمبر (٦) تحقيق لواء النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه رضي الله تعالى عنهم أجمعين ۴۶۵.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمداللہ و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

قرآن وحدیث میں جا بجا تاکیدی انداز میں کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے اور اسی پر ڈٹے و جمے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کو مدارِ نجات قرار دیا گیا ہے۔ **کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ و سنتي۔**(موطا امام مالک)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ”الفوز الکبیر“ کے اوائل میں تحریر فرمایا ہے کہ: کتاب اللہ میں علوم خمسہ بیان کئے گئے ہیں پھر ان کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، انہیں علوم خمسہ میں ”علم الاحکام“ کو بھی ذکر فرمایا ہے جس کو ہم فقہ سے تعبیر کرتے ہیں، جس کی کفالت ائمۂ مجتہدین اور فقہائے امت نے فرمائی ہے یعنی کتاب وسنت کا وہ حصہ جو احکام ومسائل سے تعلق رکھتا ہے یہ سب سے اہم اور مشکل ترین تھا اسی لیے ائمہ مجتہدین نے اس کو اپنا موضوع بنایا اور امت کی آسانی کے لیے کتاب وسنت کے اس حصہ کو علیحدہ احکام وقوانین اور مسائل کی شکل میں فقہی ترتیب کے مطابق آسان زبان میں مدوّن کردیا اس کو علم الفقہ کہا جانے لگا۔ ورنہ درحقیقت یہ کتاب وسنت ہی کا ایک حصہ ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم الاحکام سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”کنز الدقائق اور ہدایہ وغیرہ فقہی کتابوں میں وہ مسائل بیان کئے گئے ہیں جن کی تبلیغ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا“۔

(کمالات عزیزی ص: ۱۴۰)

حقیقت اس کی بھی یہی ہے کہ علم الاحکام اور فقہ چونکہ کتاب وسنت ہی کا ایک حصہ ہے اس لیے اس کی تبلیغ وتبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”**إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ**“.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من یرد اللہ به خیراً یفقهه في الدین**۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو تفقہ فی الدین کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے، جس میں کتاب وسنت کی روشنی

میں احکام شرعیہ سے واقفیت وفہم اوراس کے اسرار وحکم اور علل پر اطلاع بھی شامل ہے۔اور تفقہ فی الدین کے سب سے اولین مصداق یقیناً ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت قرار پاتے ہیں۔اور یہ سلسلہ تا قیامت انشاءاللہ جاری رہے گا۔اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جو حدیث بالا "من یرد اللہ بہ خیراً یفقهه في الدين" کا مصداق ہوں گے۔

محدث کبیر عارف جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی شخصیت اور فن حدیث کے سلسلہ میں آپ کا تبحر علمی محتاج تعارف نہیں، کبار علماء وفقہاء اور مشائخ ومحدثین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ مرکز نظام الدین دہلی، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی، فقیہ امت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ جیسے حضرات اور دیگر عرب وعجم کے علماء کا آپ کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی علمی تحقیق پر اعتماد کرنا سند وشہادت کے لیے کافی ہے۔

چالیس پچاس سال کے عرصہ میں مختلف علوم وفنون خصوصاً فن حدیث وفقہ کے تعلق سے علماء وفضلاء کی طرف سے اطراف عالم سے آپ سے سوالات کئے گئے جن کے جوابات آپ نے پوری تحقیق وتفصیل سے تحریر فرمائے تھے جو مختلف کاپیوں اور فائلوں میں محفوظ تھے، شیخ کے خدام وتلامذہ نے حضرت والا سے بار بار درخواست کی کہ ان علمی جواہر پاروں کی اگر اشاعت ہوجائے تو اہل علم وارباب افتاء نیز حدیث وفقہ پڑھنے پڑھانے والے اساتذہ کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہوگا۔لیکن حضرت اقدس مدظلہ غایت تواضع کی وجہ سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ بالآخر تلامذہ کے اصرار کی وجہ سے حضرت نے اجازت مرحمت فرمادی کہ شاید طلبہ علم کو اس سے کچھ فائدہ پہنچ جائے، احقر کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ نے اس ناکارہ کو اس کی ترتیب وتبویب کا حکم فرمایا، چنانچہ احقر نے پورے ذخیرہ کو سامنے رکھ کر اس کی ترتیب قائم کی، فن حدیث اور اصول حدیث سے متعلق سوالات و جوابات علیحدہ جلد میں مرتب کئے جس میں حروف تہجی کے مطابق حدیثوں کی تحقیقات بھی شامل ہیں۔(جو اللآلی المنثورہ کے نام سے موسوم ہے) نیز رواۃ پر بھی تفصیلی کلام ہے یہ پورا مجموعہ جو ۶۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، **نوادر الحدیث** کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

الحمدللہ کبار علماء وفقہاء اور فن حدیث سے تعلق رکھنے والوں نے اس کی بڑی قدردانی فرمائی اور بلند کلمات سے اس کی ستائش کی، فالحمدللہ علی ذلك۔

پیش نظر جلد "**نوادر الفقہ**" بھی انہیں علمی خطوط اور سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے جس کو احقر

نے فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے جس میں فقہ کے بے شمار اہم مسائل پر محققانہ کلام کیا گیا ہے صرف فقہ ہی نہیں علم کلام، سیرت پاک اور دعوت وتبلیغ کے تعلق سے ایسے علمی مباحث اور ایسے سوالات کے تفصیلی و تحقیقی اور تشفی بخش جوابات اس مجموعہ میں شامل ہیں کہ شاید دوسرے علمی ذخیروں میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکے۔

پہلی جلد نوادر الحدیث کی طرح اس جلد کے مضامین کی تسوید وتصحیح کے جملہ مراحل سے گذرنے کے لیے حضرت شیخ مدظلہ کی طرف بار بار رجوع کرنا پڑا، الحمدللہ حضرت اقدس نے ضعف ونقاہت کے باوجود پورے انشراح وانبساط کے ساتھ اس کے لیے وقت عنایت فرمایا اور کتابوں کی مراجعت کے بعد جابجا اصلاحات بھی فرمائیں اور حسب موقع حذف واضافہ بھی فرمایا۔ فالحمدللہ اس لحاظ سے یہ مجموعہ بھی انشاءاللہ نہایت مستند ہوگا۔

اس مجموعہ کو دیکھنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس فرمان کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ فقہ دراصل کتاب وسنت ہی کا ایک حصہ ہے بلکہ معنًی عین کتاب و سنت ہے جس کو فقہائے امت نے آسانی کے لیے خاص انداز سے مرتب ومدوّن کردیا۔

ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کے کتنے ذکر کردہ مسائل ایسے ہیں کہ جن کو ناواقفیت کی بنا پر اور اس کے ماخذ ومراجع سے عدم اطلاع کی بنا پر بے اصل سمجھا جاتا ہے لیکن شیخ کبیر کے تحقیقی جوابات سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فقہاء امت نے جو کچھ ذخیرہ امت کے لیے مدوّن کیا ہے وہ کتاب وسنت ہی کی تشریح وتبیین ہے۔ اور اسی سے ماخوذ ہے۔ فالحمدللّٰہ علی ذلك۔

شیخ موصوف باوجودیکہ مفتی نہیں اور نہ ہی فقہ آپ کا خاص موضوع اور فتوی نویسی آپ کا مشغلہ رہا ہے لیکن اس کے باوجود جن فقہی مسائل کی بابت آپ سے سوالات کے گئے آپ نے ان کے جوابات کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں ایسے انداز سے تحریر فرمائے ہیں کہ طالب حق کو اس سے پوری بصیرت حاصل ہوجاتی ہے۔

بہت سے مسائل میں محققانہ شان رکھنے کے باوجود آپ مسلکاً حنفی اور مشرباً صوفی ہیں۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں اسلاف کے نقش قدم پر ہیں، آپ کی فقہی تحقیقات اور سوالات کے جوابات بھی فقہ حنفی کے مسلک کے مطابق دلائل شرعیہ سے مبرہن ہیں جیسا کہ کتاب کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے، علمی وفقہی اور تحقیقی وتصنیفی کام کرنے والوں اور ارباب افتاء کے لیے یہ مجموعہ انشاءاللہ خاص طور پر مفید ہوگا۔

اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ کی یہ حقیر خدمت قبول فرمائے اور ہمارے حضرت شیخ کے لیے درجات عالیہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد زید مظاہری ندوی ۱۵/رجب ۱۴۳۰ھ

مُقَدِّمَہ

حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب قاسمی بستوی

استاذ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ و صدر معهد الشريعة لکھنؤ

الحمدلله الذي رفع منزلة العلماء بقوله: ”قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون“ وخص الراسخين منهم بقوله: وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ...... والصلاة والسلام على أشرف خلق الله محمدنِ المصطفى الذي أعلى منزلة الفقهاء بقوله:
”من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين“ وعلى آله وأصحابه الذين تميزوا بالرسوخ في العلم والفقة في الدين. أمابعد!

دور حاضر میں اسلامی مدارس اور جامعات کی کثرت اور علماء اسلام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کے باوجود علمی رسوخ، فنی اور تحقیقی گہرائی کا قحط ہوتا جارہا ہے، ہماری علمی محفلیں اور علمی ودینی مراکز ایسی شخصیات سے خالی ہوتے جارہے ہیں جن کی اسلامی علوم پر وسیع فنی نظر تھی اور جن کی فنی بصیرت اور وسیع وعمیق نظر علمی گتھیوں کو سلجھاتی تھی، بہ ظاہر درس وتدریس کی گرم بازاری ہے، تصنیف وتالیف کی بہتات ہے، علمی رسائل وجرائد کی تعداد روز افزوں ہے، لیکن جو لوگ ”گننے“ سے زیادہ ”تولنے“ پر زور دیتے ہیں ”کم“ سے زیادہ ”کیف“ کو اہمیت دیتے ہیں انہیں نزدیک سے حالات کا جائزہ لے کر بڑی افسردگی ہوتی ہے۔

علم وتحقیق کا کارواں رواں دواں ہونا چاہئے، اس کارواں کا کسی منزل پر ٹھہراؤ نہیں، اور منزل قبول کرنا اس کارواں کی موت ہے، سلف کے علمی وتحقیقی کارنامے سر آنکھوں پر، انہیں کی روشن کی ہوئی قندیلوں کی روشنی میں ہمیں اپنا علمی سفر طے کرنا ہے لیکن یہ خیال بالکل نادرست ہے کہ سلف نے تمام موضوعات کو حرف آخر تک پہنچادیا اور خلف کے لیے اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، علمی موضوعات پر تحقیقی کام کرنے والے جانتے ہیں کہ ہر علم وفن میں بے شمار موضوعات تحقیق وجستجو کے محتاج ہیں اور علوم کے سمندر میں غواصی کرنے والوں کے منتظر ہیں، اس لیے ہر علم وفن میں تحقیق وجستجو کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے۔

برصغیر کے دینی مدارس کے حلقہ میں ایک نمایاں ترین شخصیت حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور انڈیا) کی ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسلامی علوم (خصوصاً علم حدیث) کے لیے وقف کردی، علمی انہماک اور فنائیت نے انہیں امام نووی اور حافظ ابن تیمیہ کی طرح ازدواجی زندگی گذارنے کی بھی اجازت نہیں دی، ان کے استاذ و شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے ان کے علمی و عملی کمالات کو دیکھ کر نوجوانی ہی میں انہیں اپنی جگہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا تھا، موصوف نے عمر عزیز کا تمام تر حصہ اسلامی علوم خصوصاً علم حدیث کی تدریس اور مطالعہ میں گذارا۔ انہوں نے تصنیف وتالیف کی طرف باقاعدہ توجہ نہیں فرمائی، لیکن اکابرین، معاصرین اور تلامذہ کی طلب اور درخواست پر احادیث وروایات اور مسائل کی تحقیق پر مشتمل مختصر اور بسیط تحریریں لکھیں، جن کا بڑا حصہ اہل علم کے نصیب سے محفوظ رہ گیا۔ حضرت شیخ کے یہ تحریری افادات کنز مخفی تھے جن سے ان کے کچھ شاگرد ہی واقف تھے، غایت تواضع کی بنا پر موصوف ان افادات کی اشاعت کے بھی روادار نہ تھے، لیکن بالآخر اہل تعلق اور شاگردوں کا اصرار غالب آیا اور شیخ نے ان تحریری افادات کو مرتب کرنے اور انہیں شائع کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت شیخ کے تحریری افادت کو مرتب اور شائع کرنے کی سعادت ان کے جن شاگردوں کے حصہ میں آئی ان میں مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) بھی ہیں۔ انھیں اپنے بزرگوں کے علمی افادات کو موضوعاتی اعتبار سے مرتب کرنے کا بڑا سلیقہ اور تجربہ ہے، اس نہج پر وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی افادات پر بڑا کام کر چکے ہیں۔

مولانا مفتی محمد زید صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم کے تحریری افادات میں سے فن حدیث سے متعلق افادات کو **نوادر الحدیث** کے نام سے ایک ضخیم جلد میں شائع کر چکے ہیں جسے اہل علم کے درمیان قبولیت حاصل ہوئی۔ زیر نظر مجموعہ انہوں نے **نوادر الفقہ** کے نام سے مرتب کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت شیخ کے فقہی افادات کو خاص طور سے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مجموعہ کے مطالعہ سے فقہ اسلامی خصوصاً فقہ حنفی کے وسیع وغائر مطالعہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہی مسائل میں حضرت شیخ کا ذوق ورجحان کیا ہے۔

نوادر الفقہ تمام اہل علم خصوصاً علماء کے لیے گراں قدر تحفہ ہے اس مجموعہ کی قدر و قیمت پورے طور پر وہی اہل علم جان سکتے ہیں جنہوں نے ایک ایک حدیث، روایت، مسئلہ کی تلاش وتحقیق میں سیکڑوں ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کی ہو۔ لیکن کتاب کے نام سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس میں نرے فقہی مسائل ہیں، حضرت شیخ کا

غالب ذوق چونکہ حدیث کا ہے اس لیے فقہی مباحث میں بھی محدثانہ رنگ غالب ہے۔ مختلف مسائل میں حنفیہ کے حدیثی دلائل کا ایسا احاطہ و استیعاب ہے جو کہیں اور مشکل سے ملے گا۔ حنفیہ کی تائید وتقویت میں انداز جارحانہ یا وکیلانہ نہیں بلکہ محققانہ اور منصفانہ ہے۔

اس مجموعہ کے اندر بھی بہت سی احادیث وروایات پر مفصل فنی تحقیق ہے، صوفیہ کے مختلف اعمال و معمولات پر بھی علمی اور تحقیقی گفتگو ہے، مختلف موضوعات پر مفصل تحریریں بھی اس مجموعہ کی زینت ہیں جنھیں مستقل رسائل کی حیثیت حاصل ہے۔

غرضیکہ یہ مجموعہ خوبصورت علمی گلستان ہے جس میں مختلف رنگوں کے پھول کھلے ہیں اور اہل علم کے مشام جاں کو معطر کئے ہوئے ہیں، میں اس مجموعہ کی ترتیب واشاعت پر جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کو اس ذخیرۂ علمی سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں اسی مجموعہ سے ایک فکر انگیز اقتباس ہدیہ ناظرین کر دیا جائے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے اکابر فروعی، اختلافی مسائل پر توازن واعتدال کے ساتھ بحث و تحقیق کے ساتھ امت کی اجتماعیت کے لیے اور افراد امت کو بنیادی مسائل اور اہم خطرات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کس قدر فکر مند رہے ہیں:

”افسوس یہ ہے کہ فی زمانہ جس چیز کی ضرورت ہے اس سے تغافل کر لیا گیا، اور ان فرعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، حالانکہ سلف صالحین میں یہ سب صورتیں تھیں کوئی کسی پر عمل کرتا تھا اور کوئی کسی اور پر پھر ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم ہوتی تھی......

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں ہر طرف سے انکار حدیث کا فتنہ ہو رہا ہے جو اصل دین اور سرمایہ ملت ہے جس کے بغیر قرآن کا سمجھنا اور دین پر باقی رہنا محال ہے، اس کی طرف توجہ نہیں حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت اس طرف توجہ کرنے کی ہے مگر نہ معلوم لوگ کیوں اس قسم کے فروعی اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں، جو اختلاف فی المباح سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے“۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

صدر معہد الشریعہ لکھنؤ یوپی

۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

عکس تحریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم

عکس تحریر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا للإسلام وأرسل الرسل والأنبياء لهداية الأنام وختمهم بمحمد صلى الله عليه وسلم فكان
مسك الختام صلى الله تعالى عليه وسلم ما تعاقبت الليالي والأيام وعلى آله وصحبه الغر الكرام الذين أحيوا
سنته واستهدوا بهديه في كل مقام من الأمصار والقرى والبوادي والخيام أما بعد فقد
سئل شيخنا لا زالت عتبته مشفوعة الطالبين ومستغدية الواردين ما حاصل الدليل على
عصمة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام عن المعاصي كما هو قول أهل الحق مع أنه ورد عند الترمذي مرفوعاً
كل ابن آدم خطاء وخير الخطائين التوابون وهل يصل ثواب القرآن للأموات أم لا فإن كان
يصل فما الدليل على ذلك فأمرني أن أكتب الجواب فبادرت امتثاله فكتبت الحمد لله وعليه
والصلوة والسلام على من أوتي فصل الخطاب وعلى جميع الآل والأصحاب أما بعد حديث كل
بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون أخرجه أحمد ص ۱۹۸ ج ۳ والدارمي ص ۳۰۶ ج ۲ والترمذي ص ۷۸ ج ۲
وابن ماجه ص ۳۲۳ والحاكم ص ۲۴۴ ج ۴ من طريق علي بن مسعدة الباهلي عن قتادة عن أنس به مرفوعاً
قال الترمذي هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث علي بن مسعدة عن قتادة وقال الحاكم هذا حديث
صحيح الإسناد وتعقبه الذهبي فقال علي لين وقال العراقي (في تخريج الإحياء) علي بن مسعدة ضعفه البخاري كذا قال البخاري
فيه نظر وقال أبو داود الطيالسي ثقة وقال ابن معين صالح وقال مرة ليس به بأس في البصريين وقال ابن عدي
لا بأس به وقال النسائي ليس بالقوي وقال ابن عدي أحاديثه غير محفوظة وقال ابن حبان لا يحتج به إلا يوافق الثقات
وذكره العقيلي في الضعفاء تبعاً للبخاري كما قاله الحافظ في التقريب صدوق له أوهام وقال صاحب الاتحاف ص ۵۹۶ ج ۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادگرامی[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم

"یہ چند علمی خطوط کے جوابات ہیں ان کے لکھنے میں نہ تحریر الفاظ پیش نظر ہے نہ خوشنمائی مقصود ہے نہ یہ خوشنمائی کا ذریعہ ہیں، اس لیے شائع کئے جارہے ہیں شاید طلبہ کو نفع ہو جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں ان کا کرم ہے، علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس کو دیکھیں اگر کسی مقام پر سقم معلوم ہو مجھے اطلاع کردیں تاکہ بعد وضوحِ حق اس کی اصلاح کی جاسکے"۔

---

[1] حضرت کے فرمان کے مطابق الحمدللہ جب اس کام کی ترتیب سے فراغت ہوئی اس وقت احقر نے حضرت والا سے مقدمہ کے طور پر کچھ لکھنے کی درخواست کی اس وقت حضرت نے یہ چند جملے ارشاد فرمائے اور فرمایا اسی کو نقل کردو، حضرت کو دوبارہ سنانے اور ترمیم کے بعد اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

(مرتب)

نوادر الفقہ

از

محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری، ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب

فرض عین وفرض کفایہ کی تعریف

سوال: مولانا ظہور الحق صاحبؒ فرض کفایہ کی جو تعریف کرتے تھے کہ ''جس امر کا مقصود مامور بہ کو پورا کرنا ہو تو وہ فرض کفایہ ہے اور جس امر سے مقصود مامور اور مامور بہ دونوں ہی ہوں وہ فرض عین ہے'' بعد میں یہ تعریف کسی شیعہ مسلک شخص کی کتاب میں دیکھی تھی اب یاد نہیں، اسی کتاب سے یا اور کسی کتاب سے یہ تعریف مع صفحہ وجلد تحریر فرما دیجئے؟

جواب: فرض کفایہ کی مذکورہ تعریف جو حضرت مولانا ظہور الحق صاحب قدس سرہ ذکر فرماتے تھے وہ سید عمید الدین ابن ابی عبداللہ عبدالمطلب بن الاعرج الحسینی الشیعی کی کتاب ''منية اللبيب'' میں مذکور ہے:

قال (ص:٦) ووجوبها على الكفاية بمعنى أنّ الشارع تعلق غرضه بحصولها لا من مباشر بعينه فإذا أتى بها بعض المكلفين سقط عن الباقين اھ۔

اور یہ تعریف تو ہمارے مشائخ وفقہاء نے بھی کی ہے **قال ابن عابدين (٢٩/١) قوله: فرض كفاية عرّفه في شرح التحرير بالمتحتم المقصود حصوله من غير نظر بالذات إلى فاعله قال: فيتناول ماهو ديني كصلوة الجنازة، ودنيوى كالصنائع المحتاج إليها وخرج المسنون لأنه غير متحتم وفرض العين لأنه منظور بالذات إلى فاعله اهـ ونحوه في موضع آخر. (٣٦١/١)**۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسجد میں برتن میں پیشاب کرنے کے جواز وعدم جواز کی تحقیق

جواب: بخدمت حضرت اقدس شیخی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ علی کل حال خیریت عالی مع جملہ رفقاء بدل نیک خواستگار ہوں تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا حضرت عالی کا پرچہ مسئلہ ''بول فی الإناء فی المسجد'' کی تحقیق کے سلسلے میں آیا تھا بہت تلاش کیا کہیں بھی مل جائے مگر یہ مسئلہ مفید جواز ملتا ہی نہیں ہے بلکہ صاحب بحر نے الاشباہ والنظائر میں حرمت ہی لکھی ہے۔ احکام المساجد میں لکھتے ہیں:

منها تحريم البول فيه ولو في إناء ص: ۵۵۷ ۔خود حضرت عالی نے لامع ص:۱۲۱، ج:۱ میں لکھا ہے: قال صاحب الدرالمختار ا/۶۱۴، لايجوز البول والفصد فيه ولو في إناء.

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی ۳/۱۵۲ میں لکھا ہے: إذا أراد أن يبول في المسجد في طست لم يبح ذلک لان المساجد لم تبن لهذا وهو مما يقبح ويفحش ويستخفى به فوجب صيانة المسجد عنه وهكذا فی الشرح الكبير.

امام نووی شرح مسلم میں حدیث: أنس إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول والمقذر إنما هى لذكر الله والصلوة وقراء ة القرآن کے ذیل میں لکھتے ہیں ص:۱۳۹: وإن بال في إناء في المسجد ففيه وجهان أصحها أنه حرام والثاني مكروه.

شرح مہذب ص:۹۲ ج:۲ میں لکھتے ہیں: ويحرم البول في المسجد في غير إناء وأما في الإناء ففيه احتمالان لابن الصباغ أحدهما الجواز، والثانية التحريم لان البول مستقبح فنزه المسجد منه، وهذا هو الذى اختاره الشاشي وغيره وهو الأصح المختار وجزم به صاحب التتمة ونقله العبدرى عن الأكثرين رہ گئی سلا جزو والی روایۃ تو یہ مشرکین کا فعل ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسجد میں اخراج ریح کا مسئلہ

مسجد میں اخراج ریح ہمارے یہاں مختلف فیہ ہے۔ صاحب بحر اشباہ میں لکھتے ہیں ص: ۵۶۰: وإخراج الريح فيه من الدبر قال الحموى أى يكره أقول: وفي شرح الجامع الصغير للتمرتاشي

اختلف السلف في الذى يفسو في المسجد فلم يربعضهم بأسا وبعضهم لايفسو بل يخرج إذا احتاج إليه وهوالأصح انتهى. والعلة ان الملائكة تتاذى مما تتأذى به بنو آدم كما ورد في الحديث و كذانقله الشامي عن الأشباه والحموي وكذا نقله في الهندية ص: ٢٥٥ عن التمرتاشي.

ونقله في الأوجز ۱۲۷/۲ عن البحر والشامي ويراجع البتہ امام نووی کے کلام سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ۱۷۸/۲، لايحرم للإنسان أن يخرج الريح في المسجد عن الدبر لكن الأولى اجتنابه لقوله صلى الله عليه وسلم فان الملئكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم وفي حاشية شرح المهذب عن الاذرعى "وينبغي أن يكره ذلک إذا تعاطاه لاسيما إذا كان عن غير حاجة بل ينبغى أن يحرم" والحديث نص في النهي وقال الحلبي في الكبير ٥٦٨/١، بعد نقل كلام النووي وقال السروجي: وهذا عندنا مكروه۔

یہ عبارت ساری کی ساری مفید ممانعت ہیں سوائے ایک وجہ کے جو عند الشافعیہ ہے۔ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب سے مراجعت کی انہوں نے فرمایا کہ گنجائش نظر نہیں آتی خود فقہاء نے صبیان کو مساجد میں خوف تلویث کی وجہ سے لے جانے کو منع کیا ہے اور یہاں بھی احتمال قائم ہے والسلام۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسح على الرأس ثلاثا کی روایت

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

از محمد شعیب اللہ غفرلہ مورخہ ۲۰ محرم ۱۴۰۴ھ

حضرت اقدس مولانا یونس صاحب دامت فیوضکم العالیہ السلام علیکم

حدیث کے سلسلہ میں چند باتیں دریافت کرنی ہیں اس لئے یہ عریضہ پیش خدمت کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جوابات عنایت فرما کر سرفراز فرمائیں گے۔

سوال- نصب الرایہ (۸/۱) میں بزار سے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ثم مسح على رأسه ثلاثا وظاهر أذنيه ثلثا وظاهر رقبته وباطن لحيته ثلثا" اور اسی طریق میں محمد بن حجر ہیں اور یہی روایت طبرانی کے اندر کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ بطریق سعید بن عبد الجبار مروی ہے قابل

طلب یہ امر ہے کہ اس وائل کی روایت کے اور بھی طرق ہیں؟ اگر ہیں تو براہ کرم نشاندہی فرمادیں صاحب اعلاء نے استدراک الحسن (۲۶/۱) پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے **فذکر مسح ظاهر الرقبة لا ینافي روایة الثقات الذین صرحوا بکون المسح مرة واحدة** الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے طرق بھی ہیں جن میں تثلیث مسح کا ذکر نہیں ہے بلکہ مرۃ واحدۃ کی تصریح ہے۔

جواب: عزیز گرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث اول نصب الرایہ (ص ۱۳ ج ۱) پر مذکور ہے اور حافظ نورالدین الہیثمی نے کشف الاستار (۱۴۰/۱) میں نقل کی ہے اور مجمع الزوائد میں (۲۴۲/۱) بزار کے ساتھ طبرانی کا بھی حوالہ ہے اور دونوں کا طریق محمد بن حجر عن سعید بن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ عن امہ عن وائل ہے مجھے اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا اور کوئی طریق معلوم نہیں ہے۔

اور صاحب اعلاء کے استدراک الحسن کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وائل کی روایت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک مسح ظاہر الرقبۃ دوسرے تثلیث مسح راس مضمون اول ثقات کی روایت کے خلاف نہیں ہے اس لئے مقبول ہے اور مضمون ثانی ثقات کی روایات کے خلاف ہے اس وجہ سے مقبول نہیں ہے اور یہاں روایات ثقات سے مراد خاص اس روایت کے رواۃ نہیں بلکہ دوسرے صحابہ کی وہ روایات ہیں جو ثقہ روایوں نے نقل کی ہیں اس لئے اس سے حدیث وائل کے تعدد طرق پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسح رقبہ حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں

سوال: مسح رقبہ کے سلسلہ میں جتنی روایات دیکھیں سب میں سر کے مسح کے ساتھ قفا اور عنق کا مسح ثابت ہوتا ہے اور اس میں کلام نہیں، کلام تو اس مسح رقبہ میں ہے جس کو سر کے مسح کے بعد ظہر کفین سے کیا جاتا ہے اور یہ صورت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ علامہ شوکانیؒ کی نیل میں اور احیاء السنن میں اور استدراک میں نیز امانی الاحبار واوجز میں سب جگہ صورت اول ہی ملتی ہے صورت ثانی نہیں ملی، تو کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب:- مسح رقبہ کے بارے میں سب روایات معلول ہیں مسح رقبہ مع العنق ابوداؤد وغیرہ کی

روایت سے جس میں مسح علی القذال کا ذکر ہے ثابت ہوتا ہے صورت ثانیہ کا مستدل مجھے معلوم نہیں!

بندہ محمد یونس عفی عنہ

وضو سے صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبائر

امام صاحب کے ایک واقعہ سے اشکال اوراس کا جواب

سوال: حضرت امام اعظم کی بابت آپ نے فضائل ذکر میں تحریر فرمایا ہے کہ بنظر کشف وضو کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جس کے وضو کے پانی سے زنا کیا ہوا گناہ دھل رہا تھا زنا گناہ کبیرہ ہے اور وضو میں صغائر معاف ہوتے ہیں۔

جواب: یہ بات ٹھیک ہے کہ وضو سے صغائر ہی معاف ہوتے ہیں مگر پھر بھی کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات گنہ گار آدمی وضو کرتا ہے اوراپنے دل میں اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے کہ میں روسیاہ بارگاہ خداوندی میں ملوث حاضر ہورہاہوں اور پشیماں ہوکر استغفار کرتا ہے اس وقت وضو کے پانی کے ساتھ گناہ دھل جاتا ہے، صغیرہ ہو یا کبیرہ اس لئے کہ توبہ محقق ہوگئی کیونکہ توبہ کی یہی حقیقت ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے عہد کرے کہ اب عود نہیں کرے گا تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام رحمہ اللہ نے ایسے شخص کے وضو کے پانی کو دیکھا ہو جس کو کیفیت مذکورہ پیش آئی ہو۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اثرِ شئی کے نکلنے سے لازم نہیں آتا کہ شئی بھی نکل جائے جیسے کسی کے کپڑے پر بہت سا پاخانہ لگ جائے اوراس پر قدرے پانی ڈال دیا جائے تو پاخانہ کے اثرات اس پانی میں آجائیں گے مگر یہ ضروری نہیں کہ سارا پاخانہ بھی زائل ہوجائے واللہ اعلم۔

بامر الاستاذ الامام محمد زکریا صاحب رحؒ شیخ الحدیث بمظاہر علوم سہارنپور

وسمع الشیخ ہذا الجواب

محمد یونس غفرلہ

مسائل منصوصہ وغیر منصوصہ کا فرق

بحالت صلوۃ بہنے والا خون ناقض وضو اور مفسد صلوۃ ہے یا نہیں

سوال: صاحب عون المعبود نے لکھا ہے: قلت: أورده العلامة العيني في شرح الهداية حدیث جابر جس میں ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ حالت نماز میں کسی نے تیر مارا مگر وہ نماز ہی پڑھتے رہے۔ هذا من رواية سنن أبي داؤد وصحيح ابن حبان (إلى أن قال) وزاد فيه فبلغ ذلک رسول الله ﷺ فدعا لهما قال العيني ولم يأمره بالوضوء ولا بإعادة الصلوة انتهى (۱/۷۸) کیا یہ زیادتی علامہ عینی نے ذکر کی ہے؟ اگر ہے تو پھر احناف کا حدیث جابر کا کیا جواب ہوگا؟

جواب: مسائل دو قسم کے ہیں منصوص وغیر منصوص قسم ثانی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ پر قیاس کر کے نکالے جاتے ہیں قسم اول دو نوع کے ہیں اول وہ جہاں یکطرفہ دلیل ہو دوسرے وہ جہاں دونوں طرف دلائل ہیں اول محتاج بحث نہیں ثانی میں علماء میں اختلاف ہوتا ہے ہر ایک نص کے ساتھ اپنے فکر ونظر علم واجتہاد کو استعمال کرتا ہے حضرت امام ابوحنیفہ وامام احمد خون کو ناقض مانتے ہیں اور امام مالک وامام شافعی ناقض نہیں مانتے حدیث جابر یا اس جیسی روایات کو پیش کرتے ہیں نقض کے قائلین نے حدیث استحاضۃ: فإنه دم عرق، فإذا أقبلت الحيضة فدعى الصلوة وإذا أدبرت فاغسلي عنک الدم وصلي وفي لفظ فاغتسلي وزاد في رواية فتوضئ سے استدلال کیا ہے وضو کے حکم کو دم عرق پر مرتب کرنا اس کی دلیل ہے کہ دم ناقض ہے۔

ان حضرات نے جابر کی روایت کے مختلف انداز میں جواب دیئے! کوئی کہتا ہے کہ ابن اسحٰق متکلم فیہ ہیں کوئی عقیل بن جابر پر کلام کرتا ہے کوئی کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو علم نہیں ہوسکا ہے کیونکہ کسی روایت میں ذکر نہیں کہ صحابہ نے ذکر کیا ہو لیکن یہ بعید ہے، ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو واقعہ کا علم ہوا ہوگا اور علامہ عینی نے تو ایسی روایت بھی نقل کردی جیسا کہ صاحب عون نقل کرتے ہیں اس وقت ہمارے پاس البنایہ نہیں ہے لیکن ہماری معلومات میں اس روایت کے طرق میں حضور اکرم ﷺ کو اطلاع نہ پانے کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ حدیث ابن اسحٰق نے سیرۃ میں اور مسند احمد (۳/۳۵۵) میں ابن المبارک نے الجہاد ۱۴۹ میں اور ابوداؤد نے سنن (۱/۱۲۱) میں ابن خزیمہ وابن حبان (۲/۳۰۲) وحاکم (۱/۱۵۶) دارقطنی (ص ۸۲) وبیہقی نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور کسی کی روایت میں مذکورہ زیادتی نہیں ہے یہ جوابات ایسے نہیں کہ ان کا جواب نہ ہو اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ یہ کہا جائے کہ استحاضۃ والی روایت اس سے اقوی ہے وہ ارجح ہوگی لیکن دوسرے حضرات اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ حدیث استحاضہ میں دخل ''خروج من احدی السبیلین'' کو ہے غرض یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں ظن غالب پر اعتماد کیا جاتا ہے جس مجتہد کو جس طرف کا رجحان معلوم ہوا اس کو اختیار کرلیا۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

خروج منی کے باوجود غسل واجب نہ ہونے کا فتویٰ

سوال: حیاۃ الصحابۃ (۳/۱۶۹، س۴) پر ایک روایت ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل کا فتویٰ دیا ہے بوجہ عدم شہوۃ وعدم فتور بعد الخروج کے۔

اس پوری صورت مسئولہ کے بارے میں براہ کرم ائمہ اربعہ کے مسالک تحریر فرمایئے حنفیہ کا مسلک جو منیہ وغیرہ کے حوالہ سے بہشتی زیور میں ہے وہ تو حضرت ابن عباس کی رائے کے مطابق ہی معلوم ہوتا ہے باقی شوافع ومالکیہ اور حنابلہ کا اور دریافت طلب ہے۔

اس روایت کو آخیر تک انما ھذا بردۃ یجزیک منہ الوضوء تک ملاحظہ فرمائیں۔

جواب: قال النووي في شرح مسلم (۱/۱۴۵) مذهبنا أنه يجب الغسل بخروج المنى سواء كان بشهوة ودفق أم بنظر أم في النوم أو في اليقظة وسواء أحس بخروجه أم لا وسواء خرج من العاقل أم من المجنون، وقال نحوه في شرح المهذب (۱/۱۳۹) وقال أبوحنيفة ومالك وأحمد لا يجب إلا إذا خرج بشهوة ودفق كما لايجب بالمذي لعدم الدفق. فقط

محمد یونس عفی عنہ ۵ر محرم ۱۴۰۶ھ

تحیۃ الوضو یا شکر الوضوء

سوال: تحیۃ الوضوء کے متعلق میں نے تمہید لابن عبدالبر یا شیخ عبدالحق دہلویؒ کی کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ یہ نام غلط ہے اب مجھے صحیح یاد نہیں کہاں دیکھا براہ کرم ان دونوں میں سے کسی سے یا اور کسی سے اگر اس کی تغلیط منقول ہو تو لکھئے؟

جواب: تحیۃ الوضوء کہنے کی کراہت مجھے سردست نہیں ملی ملاعلی قاری نے مرقاۃ میں (۲/۱۸۴) لکھا ہے وتسمیٰ شکر الوضوء وكذا سماه فى شرح اللباب كما حكاه ابن عابدين (۱/۴۵۹)

درمختار وشامی وغیرہ کسی نے بھی کراہت نہیں لکھی ہے اور فی الحال جو کتابیں میرے پاس ہیں ان میں مجھے نہیں ملی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اذان کے بعد کی دعاء میں ’’والدرجۃ الرفیعۃ‘‘ اور ’’وارزقنا شفاعتہ‘‘ حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

حضرت الشیخ مدظلہم کے یہاں تین سوالات آئے پہلے سوال کا حاصل یہ ہے کہ دعائے وسیلہ میں الدرجۃ الرفیعۃ اور وارزقنا شفاعتہ کی زیادتی ثابت ہے یا نہیں زیادتی اول کے بارے میں حافظ سخاوی نے المقاصد میں لم ارہ فی شئی من الروایات لکھا ہے اور سخاوی کے اس مقولہ کو ملا علی قاری مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہم نے بلا نکیر نقل فرمایا ہے لیکن کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السني میں باب کیف دعاء الوسیلۃ میں ہے حدثنا أبو عبد الرحمن أخبر نا عمر بن منصور حدثنا علی ابن عیاش حدثنا شعیب عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : ”من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد اِلوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محموداً اِلذی وعدتہ حلت لہ الشفاعۃ یوم القیمۃ“. اس روایت میں الدرجۃ الرفیعۃ موجود ہے اور روات سارے ثقات ہیں اور زیادتی ثقہ معتبر ہے رائے عالی سے مطلع کریں اور وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ میرے خیال میں ثابت نہیں ہے جناب کیا فرماتے ہیں۔

حضرت الشیخ رحمہم اللہ کے اشارے سے بندہ نے جواب لکھا۔ وھو ھذا.

الجواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ و کفی والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد.

حدیث جابر بن عبد اللہ إن رسول اللہ ﷺ قال: ”من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد االوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محموداِن الذي وعدتہ حلت لہ شفاعتي“ أخرجہ أحمد(۳۰۴/۳) والبخاري (ص۸٦)

وأبوداؤد (٣٠٢/١) والترمـذي والنسائي (ص:١١٠) وابـن ماجه (ص:٨٧) وابـن أبـي عاصم في السنة (٣٩٥/٢) والـطبـراني في الصغير ١ /٢٤٠ كـلهـم مـن روايـة عـلي بن عياش عن شعيب عن ابن الـمـنكـدر عن جابر وغيـرهـم، ورواه البيهـقي فـي سـنـنـه فزاد في آخره "إنک لا تخلف الـمـيـعـاد". اتنے الفاظ دعائے وسیلہ میں کتب حدیث میں ملتے ہیں ہمارے علاقوں میں دوزیادتیاں رائج ہیں اول "الدرجة الرفيعة" ثانی "وارزقـنـا شفاعته يوم القيامة" آیا یہ دونوں ثابت ہیں یانہیں زیادتی اول ابن السنی کی عمل الیوم واللیلۃ کے مطبوعہ نسخوں میں پائی جاتی ہے مگر بندہ کے خیال میں یہ زیادتی صحیح نہیں کسی کاتب وغیرہ نے حاشیہ وغیرہ پرلکھدیا ہوگا جو بعد میں متن کتاب میں آگیا اس کا قرینہ یہ ہے کہ حافظ ابن السنی نے یہ حدیث امام نسائی کی سند سے نقل کی ہے جوانہوں نے مجتبیٰ میں ذکر کی ہےاور سنن نسائی میں اس زیادتی کا کہیں وجودنہیں امام نسائی فرماتے ہیں:

أخبـرنـا عـمـرو بـن مـنـصـور حـدثنا علي بن عياش قال حدثنا شعيب عن محمد بن الـمنكدر عن جابر قال قال رسول الله ﷺ : من قال ...... الحديث ابن السنی فرماتے ہیں حدثنا أبـوعبد الرحمن قال أخبرنا عمرو بن منصور فذكر إسناد النسائی اب "الدرجة الرفيعة" کی زیادتی یا تو ابن السنی نے کی ہے یا کسی اور نے، ظاہر ہے کہ اگر ابن السنی یہ زیادتی کریں گےتو حافظ نسائی سے لیں گےاس لئے کہ یہ حدیث انہیں کی سند سے نقل کررہے ہیں لہٰذا یہ زیادتی امام نسائی کے پاس ہوگی حالانکہ اگر یہ زیادتی امام نسائی کے پاس اس سند صحیح کے ساتھ ہوتی تو وہ اپنی سنن میں ضرور ذکرفرماتے جیسا کہ وہ الفاظ زائدہ پرنوع آخروغیرہ کہہ کرتنبیہ فرماتے ہیں اس لئے بندہ کی رائے میں زیادتی کسی اور نے کی ہے۔

دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام نووی نے کتاب الاذکار میں اس زیادتی پرتنبیہ نہیں کی حالانکہ امام نووی کتاب ابن السنی سے وہ احادیث والفاظ لیتے ہیں جودوسری کتب حدیث میں نہ ہوں نیزشراح بخاری میں سے کسی نے بھی اس زیادتی پرتنبیہ نہیں کی حتی کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکرنہیں فرمایا حالانکہ حافظ ابن حجر کے سامنے کتاب ابن السنی ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے یہ زیادتی اپنی کتابوں میں نقل نہیں فرمائی، حافظ سیوطی نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام الـكلم الطيب والقول المختار في المأثور من الـدعـوات والأذكـار ہے، مضمون کتاب نام سے واضح ہےاس میں امام سیوطی نے ادعیہ کوبھی ذکرفرمایا ہے اور جوالفاظ زائدہ وارد ہوئے ہیں ان کوبھی ذکرفرمایا ہےمگر الـدرجة الـرفيـعـه کہیں بھی ذکرنہیں فرمایا حالانکہ کتاب ابن السنی وغیرہ ان کے سامنے ہے جیسا کہ مقدمہ میں ظاہر کیا ہے۔ لہٰذا یہ زیادتی میرے خیال میں کسی

کا تب کی غلطی سے متن کتاب میں آ گئی اس کا کتب حدیث میں کہیں وجو دنہیں ہے۔

حافظ شمس الدین السخاوی المقاصد میں لکھتے ہیں: **لم أره فی شئی من الروایات** اھ۔حافظ سخاوی کا یہ مقولہ علامہ قسطلانی نے مواہب میں، ملاعلی قاری نے شرح مشکوۃ میں، علامہ زبیدی نے اتحاف السادۃ میں، علامہ عبدالحی لکھنوی نے حاشیۃ الحصن میں اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں بلانکیر نقل فرمایا ہے بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے: **التلخیص الحبیر** (ص:۷۸) میں رقمطراز ہیں: **ولیس فی شیء من طرقه ذکر الدرجة الرفیعة، وكذا قال الشيخ ابن حجر المكي في تحفة المحتاج (١٢٨/١) وقد ذكرت هذه الزيادة في فتاوى ابن تيمية المطبوعة بالرياض (ص:١٩٢) معزيا إلى البخاري وكأنه خطأ من الكاتب.**

البتہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب (۳۵۲/۶) میں اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں: **لكن عند ابن أبي عاصم بسند فيه المسعودي وهو ثقة. "اللهم صَلِّ على محمد وأبلغه الدرجة والوسيلة في الجنة" قال الزرقاني فقد ورد بمعناها. والله اعلم۔**

اس سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ یہ زیادتی کتاب ابن السنی میں نہیں ہے ہمارے خیال میں حافظ ابن حجر وحافظ سخاوی وغیر ہما نے **الدرجة الرفيعة** مجموعہ کے ثبوت کا انکار کیا ہے اور یہ کسی روایت میں بھی ثابت نہیں۔

رہ گیا مطلقاً لفظ درجۃ بھی ثابت ہے یا نہیں بعض روایات میں وارد ہے مگر ان سب کے طرق میں کلام ہے۔

طریق اول ابن ابی عاصم نے ذکر کیا ہے اس میں مسعودی ہیں اور مسعودی مختلط ہیں۔

طریق ثانی طبرانی (**كما في المجمع**) نے کبیر میں بروایت ابن عباس نقل کیا ہے اس میں اسحاق بن عبداللہ بن کیسان ہیں: **ليّنه أبو أحمد، الحاكم وقال البخاري: منكر الحديث وقال ابن حبان فی الثقات: يتقی حديثه من رواية ابنه عنه،** طبرانی کے الفاظ "**بلغه درجة الوسيلة**" **بالاضافة** ہیں۔

طریق ثالث طبرانی نے کبیر میں اور طحاوی نے معانی الاثار میں (**كما في شرح الطحاوي للعيني وكذا في شرح البخاري له ٦٤٢/٢**) بروایۃ ابن مسعود بلفظ: **اللهم أعط محمدا الوسيلة واجعل في الاعلين درجته** نقل کیا ہے اس میں حفص قاری ہے **وهو مختلف فيه، وكذبه ابن خراش وقال ابن عدي أحاديثه غير محفوظة** لہٰذا کوئی طریق بھی علت سے خالی نہیں اس لئے لفظ درجۃ کے ثبوت میں بھی کلام ہے اور اگر برقاعدہ **الحديث إذا تعددت طرقه يتقوى** اس کو ثابت بھی مان لیں تو پھر بھی **الدرجة**

الرفیعة ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری زیادتی "وارزقنا شفاعته یوم القیامة". ہے یہ زیادتی بندہ کو باین الفاظ کہیں نہیں ملی ہاں اس کے ہم معنی الفاظ وارد ہیں طبرانی نے اوسط (کما فی المجمع) میں بروایۃ ابی الدرداءؓ نقل کیا ہے: قال: كان رسول الله ﷺ إذا سمع النداء قال: "اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة صل على عبدك ورسولك واجعلنا في شفاعته يوم القيامة". قال رسول الله ﷺ: "من قال هذا عند النداء جعله الله في شفاعتي يوم القيامة" وفيه صدقة بن عبد الله السمين ضعفه الأكثرون وقال أبو حاتم: صدوق وكذا قال دُحيم والله اعلم.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

آپریشن وغیرہ کے حال میں جبکہ کپڑے اور بدن پاک نہ رہ سکتے ہوں کس طرح نماز ادا کریں گے

آمده در مکتوب حضرت شیخؒ

سوال: ہسپتال میں جن مریضوں کا آپریشن وغیرہ ہوتا ہے اور کپڑے وغیرہ بھی پاک نہیں رہتے وہ مریض چاہے علماء وخواص ہی ہوں نماز کا اہتمام نہیں کر سکتے اس لئے نماز موقوف کر دیتے ہیں اور صحت کے بعد ادا کرتے ہیں یہ اپنی جگہ درست ہے لیکن مجھے یہ خیال آتا ہے کہ ایسی مدت میں وہ تشبہ بالمصلین کرتے رہیں تو بہتر ہے کیونکہ وہ فاقد الطہورین جیسے ہیں، اس لئے میں نے دو ایک حضرات کو ایسا کرنا بتلایا آنجناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ تو میرا اپنا رجحان ہے ممکن ہے درست نہ ہو۔

جواب: احقر کے خیال میں جو لوگ ہسپتال میں ہوتے ہیں اور آپریشن وغیرہ کی وجہ سے ان کے کپڑے اور بدن پاک نہیں ہوتے ہیں وہ فاقد الطہورین کے حکم میں نہیں ہیں کیونکہ فاقد الطہورین کی دو صورتیں ہیں ایک حقیقی یعنی حقیقتاً دونوں میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہو مثلاً کوئی ایسے مکان میں محبوس ہو جس کی دیوار اور زمین سب ناپاک ہوں اور پاک مٹی نکالنے کی کوئی چیز پاس موجود نہ ہو اور پانی بھی نہ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی مرض کی وجہ سے استعمال طہورین پر قدرت نہ رکھتا ہو اور جس کا آپریشن ہوتا ہے وہ اَحد الطہورین پر (یعنی تیمّم کرنے پر تو) عامۃً قادر ہوتا ہے لیکن بدن اور کپڑوں کے ناپاک ہونے کی وجہ سے اس

کے حق میں ان کا استعمال مفید نہیں ہوتا۔ بظاہر ایسا شخص صاحب عذر مسلسل کے حکم میں ہے۔ و العلم عند اللہ.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رکوع کی کیفیت میں ''حتی استقر کل عضو موضعه''

حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں

عزیزم مولوی یونس صاحب بعد سلام مسنون مجھے یوں یاد ہے کہ ابوحمید ساعدی کی کسی روایت میں رکوع کے بعد ''حتیٰ استقر کل عضو موضعه'' کا لفظ ہے جو اس وقت نہیں مل رہا ہے مجھے تو ابوداؤد کا یاد ہے اس میں تو یہ لفظ نہیں ملا اور طحاوی میں اور نسائی میں قومہ کے اندر اگر یہ لفظ ملے یا اس کے ہم معنیٰ تو ڈھونڈ کر لکھ دیں۔

حضرت شیخ بقلم سلمان

جواب: ابی حمید الساعدی کی حدیث طحاوی میں کئی جگہ ہے اول (ص ۱۱۶) ثانی (ص ۱۳۱) ثالث (ص ۱۴۵) رابع (ص ۱۵۲) (ص ۱۵۳) اس میں تو یہ لفظ ملا نہیں البتہ نسائی (ص ۱۱۸) میں حضرت عقبہ بن عمر کی روایت بایں لفظ ہے عن عقبة بن عمرو قال: ألا أصلي لكم كما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي، فقلنا بلى فقام فلما ركع وضع راحتيه على ركبتيه وجعل أصابعه من وراء ركبتيه وجافي إبطيه حتى استقر كل شيء منه ثم رفع رأسه فقام حتى استقر كل شيء منه ثم سجد فجافى إبطيه حتى استقر كل شيء منه ثم قعد حتى استوى كل شئ منه ثم سجد حتىٰ استقر كل شئ منه، ثم صنع كذلك أربع ركعات ثم قال هكذا رأيت رسول الله ﷺ يصلي وهكذا كان يصلي بنا۔

اس کے بعد ابن ماجہ (ص ۷۵) میں ابوحمید الساعدی ہی کی حدیث میں مل گیا: ولفظه ثم يقول سمع الله لمن حمده ويرفع يديه حتىٰ يحاذى بهما منكبيه حتىٰ يقر كل عظم إلى موضعه اور بخاری شریف میں وإذا ركع أمكن يديه من ركبته ثم هصر ظهره فاذا رفع رأسه استوىٰ حتىٰ يعود كل فقار مكانه وارد ہے۔

سوال کے وقت یہ کتابیں نہیں دیکھیں اس لئے کہ حضرت اقدس نے نسائی وطحاوی کا ذکر کیا تھا تو خیال یہ ہوا کہ حضرت نے بخاری شریف دیکھ لی ہوگی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مثلین کے مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع صاحبین کے مسلک کی طرف ثابت ہے یا نہیں

سوال: مولانا محمد یونس صاحب زاد کرمہ کی خدمت میں عرض ہے کہ عندالامام ظہر کو دو مثل تک پڑھنا چاہئے صاحبین کے نزدیک ایک مثل تک بعض روایتوں میں عندالموت امام صاحب کا تین مسئلوں سے رجوع کرنا ثابت ہے ان میں سے دو مثل سے ایک مثل تک رجوع کرنا ثابت ہے یہ روایت کس کتاب میں ہے اگر کوئی صاحبین کے قول پر ایک مثل کے بعد عصر پڑھ لے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب: امام صاحب نور اللہ مرقدہ سے بہت سے مسائل میں رجوع کرنا منقول ہے جو پچاس سے زائد ہیں مفتی مہدی حسن صاحب نے مستقل ایک رسالہ ''اللآلي المصنوعة فی الروایات المرجوعة'' کے نام سے لکھا ہے جن میں ان سب مسائل کو جمع فرمادیا ہے۔

امام صاحب سے لحوم الخیل کی تحریم سے اس کی حلت کی طرف رجوع وفات سے تین دن قبل درمختار میں بحوالہ فصول عمادیہ منقول ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے نذر مانی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو ایک سال کا روزہ رکھوں گا اور وہ کام کرلیا تو امام صاحب کا قول اول تو یہ کہ اس کو نذر پوری کرنی لازم ہے لیکن حسامی میں ہے **من نذر لصوم سنة ان فعل كذا ففعل وهو معسريخير بين صوم بثلاثة أيام وبين سنة فى قول محمد وهو رواية عن أبي حنيفة انه رجع إليه قبل موته بثلاثة أيام لأنهما مختلفان حكماً أحدهما قربة مقصودة والثانى كفارة** اھ اور فتح القدیر میں سات دن قبل رجوع منقول ہے۔

اور مسئلہ جوربین ثخینین میں صاحبین کے قول کی طرف امام صاحب سے مرض الوصال میں رجوع صاحب عنایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اور اس کے علاوہ مجھے کوئی ایسا مسئلہ اس وقت معلوم نہیں ہے جس میں بالتصریح امام صاحب سے ان کی وفات سے تین دن قبل رجوع کرنا منقول ہو اور دو مثل سے ایک مثل کی طرف حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے مجموعہ فتاویٰ میں متعدد کتابوں سے نقل کیا ہے **وفيه وذكره ايضا فى زيادات الهندواني على مستدرک الشيباني في باب مايحل أكله ومالا يحل قال وقد صح رجوع أبي حنيفة عن قوله لا يحل لحوم الخيل وممن نقل الرجوع أيضاً صاحب الصراط**

القویم اھ۔

مثل اور مثلین دونوں قول مفتیٰ بہ ہیں جبکہ درمختار اور شامی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مثل واحد کے بعد کوئی عصر کی نماز پڑھ لے تو صاحب درمختار وغیرہ کی رائے پر درست ہے اور بلاد شامیہ وغیرہ میں بہت سی جگہ احناف کا اسی پر عمل ہے اس لئے اگر کوئی ایسا کرے تو بندے کے نزدیک یہ خروج عن المذھب نہیں ہے واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

مسئلہ رفع یدین و فاتحہ خلف الامام

سوال: یہاں ایک معتدبہ حصہ اہل حدیث حضرات کا ہے خادم کے بعض رفیق درس اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا احادیث کی روشنی میں فقط اقوال ائمہ سے قطع نظر حضرت والا کی تحقیق مسئلہ رفع یدین اور قراءۃ الفاتحہ خلف الامام میں مطلوب ہے؟

جواب: احقر کوئی بڑا عالم نہیں ہے جو اپنی رائے پیش کرے، ان مسائل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، طرفین کی کتابیں موجود ہیں دیکھ کر فیصلہ کرلیا جائے۔ رفع و ترک رفع دونوں کی روایات ثابت ہیں وجوب فاتحہ خلف الامام کا امام شافعیؒ کے علاوہ (وہ بھی ایک قول میں) ائمہ اربعہ میں سے اور کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ امام محمدؒ سے سریہ میں قراءۃ کا حسن ہونا منقول ہے۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

نماز میں سورتوں کو کاٹ کاٹ کر درمیان سے پڑھنے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے یا نہیں

سوال: کیا ابوداؤد شریف کی کسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کو کاٹ کاٹ کر درمیان سے نہ پڑھنا چاہئے جیسا کہ عام طور سے دیہات کے حافظ و مولوی کرتے ہیں کہیں سے ایک رکوع پڑھا، اس میں دو رکعت کرلئے اگر کاٹ کر پڑھنا منع ہو تو یہاں ہم لوگ بھی عمل کی کوشش کریں اس لئے کہ اتباع سنت ہی میں کامیابی ہے، حضرت جواب مرحمت فرما کر دارین کی کامیابی حاصل کریں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مستمرہ عطا فرمائے۔ فقط والسلام

آپ کا احسان مند محمود خاں سلطان پور

جواب: مجھے ابوداؤد کی کوئی روایت معلوم نہیں ہے سورت اور بعض سورت دونوں جائز ہے، اور در مختار میں اس صورت میں بعض سورت کو پوری سورت پر ترجیح دی ہے جب کہ سورت کاملہ سے بعض السورۃ کی آیات زیادہ ہوں، شامی۔(۱/ ۳۶۷)

محمد یونس عفی عنہ

نماز میں تعدیل ارکان کے واجب ہونے کی تحقیق

سوال: -تعدیل ارکان کے نہ ہونے پر سجدہ سہو کے وجوب کا حکم اعلاء السنن میں ہے یہی حنفیہ کا مختار قول ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی بقول ہدایہ وجُرجانی سجدہ سہو نہ کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

مولوی بشیر اللہ صاحب دام مجدہم

درمکتوب حضرت شیخ از رنگون

جواب:

مخدوم مکرم زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تعدیل أرکان علی القول الراجح واجب ہے، صاحب کنز وصاحب الوقایہ وصاحب الملتقی وصاحب الدر المختار وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ شامی وصاحب بحر وغیرہ نے اسی کو مقتضی الادلۃ قرار دیا ہے بلکہ امام طحاوی نے تو ہمارے ائمہ ثلاث سے اس کی فرضیت نقل فرمائی ہے اور علامہ عینی وغیرہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے **للادلة المقتضية لذلک** اور جرجانی کے قول کو صاحب بحر جو محرر مذہب ہیں وہ ضعیف قرار دیتے ہیں اگر کسی نے تعدیل ارکان نہ کی تو سجدہ سہو واجب ہے **کما هو حکم ترک الواجب** اور اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور اگر اعادہ نہ کیا گنہگار ہوگا **کما صرح به في الدر المختار وغیره**، جو کچھ صاحب اعلاء السنن نے لکھا ہے یہی حنفیہ کا مختار قول ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

قراءۃ من المصحف فی الصلوٰۃ کا مسئلہ اور ائمہ کا اختلاف

جواب: عزیز گرامی قدر سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا جوابی کارڈ کافی روز سے رکھا ہوا ہے خطوط کے معاملہ میں اپنی سستی سخت ندامت کا سبب بن جاتی

ہے اور اس خط کے جواب کا موخر ہونا ظاہر ہے۔

قراءۃ من المصحف میں حنفیہ کے یہاں امام ابو حنیفہ ہی کے قول پر فتویٰ ہے صاحبین کراہیت کے قائل ہیں۔ امام شافعی مطلقا جواز کے قائل ہیں اور امام مالک فقط نوافل میں امام احمد کے دوقول ہیں مطلقاً جواز، بقید نفل۔

مجوزین حضرت عائشہ کے اثر سے اور مانعین حضرت ابن عباس کے اثر نهانا أمير المومنين عمر رضى الله عنه أن يؤم الناس في المصحف ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم.

رواہ ابوبکر بن ابی داؤد فی کتاب المصاحف ص ۲۱۷ سے استدلال کرتے ہیں اگر تم کو انشراح ہو تو جو قید تم نے لکھی ہے یعنی تنہائی میں پڑھ لوتا کہ انتشار نہ ہو اور تمہارا مقصد یعنی طول قیام بھی حاصل ہو جائے۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۵ر شعبان ۹۹ھ

رمضان شریف میں تہجد کی نماز جماعت سے ثابت ہے یا نہیں

محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان میں تہجد میں جماعت کی کوئی صریح روایت تو نہ یاد ہے اور نہ ہی تلاش کرنے کے بعد ملی، ہاں تہجد میں گاہے کسی کا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کھڑا ہونا وارد ہوا ہے۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: ''قال صليت مع النبی ﷺ ليلة، فلم يزل قائماً حتى هممت بأمر سوء قلنا: ما هممت قال: هممت أن اقعد وأَذَرَ النبي ﷺ '' رواه البخاري (١/١٥٣) ومسلم (١/٢٦٤).

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قال صليت مع النبي ﷺ ذات ليلة فافتتح البقرة فقلت يركع عند المائة، ثم مضى، فقلت: يصلي بها في ركعة، فمضى، فقلت: ''يركع بها ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها يقرأ مترسلاً إذا مر بآية فيها تسبيح سبح'' الحديث.

(رواه مسلم ص ٢٦٤).

ہاں بعض روایات کچھ اجمال کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جن کو محدثین قیام رمضان پر محمول کرتے ہیں اور بعض متاخرین علماء کا خیال ہے کہ وہ تہجد کی نماز ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلوته فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أكثر منهم فصلى فصلوا معه فأصبح الناس فتحدثوا فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة، فخرج رسول الله فصلى فصلوا بصلوته، فلما كانت الرابعة عجز المسجد عن أهله حتى خرج بصلوة الصبح

فلما قضى الفجر أقبل على الناس فتشهد ثم قال: ''أما بعد فإنه لم يخف عليّ مكانكم ولكني خشيت أن تفترض عليكم فتعجز واعنها'' فتوفي رسول الله ﷺ والأمر على ذلک. رواه البخاري(١/٢٦٩) ومسلم (ص ٢٥٩) وأبوداؤد (٢/٣٠٢).

وأخرج أحمد وابن أبي شيبة (ص ٣٩٤) وأبو داؤد (٢/٣٠٣) والترمذي والنسائي (١/١٢٣). ومحمد بن نصر عن أبي ذر قال صمنا مع رسول الله ﷺ رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقى سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يارسول الله ﷺ : لو نفلتنا قيام هذه الليلة، قال فقال: ''إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة'' قال فلما كانت الرابعة لم يقم فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساؤهٗ والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح، قال: قلت ما الفلاح؟ قال السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر. ان دونوں روایتوں کواہل فن محدثین نے قیام رمضان پرمحمول کیا ہے۔

ایک اورروایت ہے جس کوبعض لوگ نص فی الباب سمجھتے ہیں:عن قيس بن طلق قال زارنا طلق بن علي في يوم من رمضان وأمسى عندنا وأفطر ثم قام بنا تلک الليلة وأوتر بنا ثم انحدر إلى مسجده فصلى بأصحابه حتى إذا بقى الوتر قدم رجلا فقال أوتِر بأصحابک فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ''لا وتران في ليلة''. رواہ ابوداؤد(۲/۳۳۲)والنسائی (ص ۳۴۷)وابن خزیمہ۔

لیکن حضرت گنگوہی فتاوی رشیدیہ میں (ص ۳۱۱) حضرت طلق کی مسجد کی نماز کوصلوۃ تہجد پرمحمول فرماتے ہیں لیکن حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ نے بذل المجہود میں اس کوتراویح ہی پرمحمول فرمایا ہے آگے عبارت آرہی ہے صاحب المنہل کارجحان بھی یہی ہے وہ تکرار پرمحمول کرتے ہیں اورمسئلہ مذکورفی الحدیث کواقتداء المفترض بالمتنفل پرمحمول کرتے ہیں ان کااصل کلام المنہل (۸/۷۷) میں دیکھا جائے۔

ہمارے حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں (۲/۳۳۳) أما أداء طلق بن على صلوة التراويح مرتين فيمكن أن يوجه إنه صلى عند ابنهٖ قيس بن طلق بعضها مع الوتر ثم صلى ما بقي منها بأصحابه في مسجده انتہی لیکن کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ پیشگی وترپڑھنے کاکوئی سوال نہیں ہوتاطلق بن علی افطار کے وقت اپنے بیٹے قیس بن طلق کے یہاں موجود تھے توظاہر ہے کہ تراویح میں ابتدا ہی سے شامل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفااللہ ۲۷رشوال ۱۴۰۵ھ

عیدین کے خطبہ کو تکبیر سے شروع کرنا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں

ابن قیمؒ کی تحقیق کی تردید

بعض علماء (مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری) نے تحریر فرمایا کہ حافظ ابن القیم زاد المعاد ص:۱۲۶ میں لکھتے ہیں کہ: **وکان یفتتح خطبه کلها بالحمد لله ولم یحفظ عنه فی حدیث واحد انه کان یفتتح خطبتي العیدین بالتکبیر** لہٰذا اگر کسی حدیث میں وارد ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ تکبیر سے شروع فرمایا ہے۔تو تحریر فرمائیں ورنہ علماء کیوں ایسا کرتے ہیں؟ یہ سوال کا مفہوم ہے جو حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحب) مدظلہ کی خدمت میں آیا تھا بندہ کو جواب لکھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ محمد یونس عفی عنہ

الجواب: بسم الله الرحمن الرحیم

الحمدلله العلی الکبیر والصلوة والسلام علی الهادی البشیر و علی آله و صحبه أولی الجد والتشمیر أما بعد!

یہ ایک مسلمہ قاعدہ اصولیہ ہے کہ اگر رسول ﷺ سے کوئی چیز ثابت ہو تو اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہ ہوگی مطلب یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ کا فعل حجت ہوگا، اگر صحابہ سے بظاہر اس کے خلاف کچھ ثابت ہے تو اس میں موقع کے مناسب تاویل یا جمع کریں گے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس باب میں حضرات صحابہ سے بھی کچھ ثابت ہے یا نہیں، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ سے اس باب میں عملاً روایات منقول ہیں:

فقد أخرج البیهقي ۳/۲۹۹ عن مسروق قال کان عبد الله یکبر في العیدین تسعاً تسعا یفتتح بالتکبیر ویختم به وأخرج من طریق عبد الرحمن بن عبد القاري عن أبراهیم بن عبدالله عن عبید الله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أنه قال: من السنة تکبیر الإمام یوم الفطر ویوم الأضحی حتی یجلس علی المنبر، قبل الخطبة تسع تکبیرات وسبعاً حین یقوم ثم یدعو ویکبر بعد مابداله" قال البیهقي رواه غیره عن إبراهیم عن عبید الله "تسعا تتری إذا قام في الأولی، وسبعا تتری" إذا قام في الخطبة الثانیة ثم أخرج عن طریق الشافعي أنبأنا ابراهیم بن محمد عن عبد الرحمن بن محمد بن عبد عن ابراهیم بن عبد الله عن عبید الله بن عبد الله بن عتبة قال: السنة فی تکبیر یوم الأضحی والفطر علی المنبر قبل الخطبة أن یبتدئ الامام قبل الخطبة وهو قائم علی المنبر بتسع تکبیرات تتریٰ لایفصل بینها بکلام، ثم یخطب ثم یجلس جلسة ثم یقوم

في الخطبة الثانية فيفتتحها بسبع تكبيرات تترى لايفصل بينها بكلام ثم يخطب.

قلت: وإبراهيم بن محمد هو ابن أبي يحيىٰ الأسلمي وهو ضعيف، ثم أخرج البيهقي من طريق الشافعي أخبرني الثقة من أهل المدينة أنه أثبت له كتاب عن أبي هريرة فيه تكبير الإمام في الخطبة الأولى يوم الفطر والأضحى إحدى أو ثلث وخمسين تكبيرة في فصول الخطبة بين ظهر اني الكلام. (ص: ٣٠٠).

ان مختلف آثار میں خطبۂ عیدین کوتکبیرات سے شروع کرنا وارد ہے بالخصوص اثر اول میں تو حضرت ابن مسعودؓ کا فعل مروی ظاہر ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ جن کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت حذیفہؓ صاحب سرّ رسول اللہ ﷺ کا مقولہ إن أشبه الناس دلاً وسمتا وهديا برسول الله ﷺ لابن أم عبد من حين يخرج من بيته إلى أن يرجع اليه ،وارد ہے، وہ حضور اقدس ﷺ کے فعل کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں، لہٰذا ان کے پاس کوئی دلیل سنت مطہرہ سے ضرور موجود ہوگی جس کو انہوں نے اپنا اسوہ بنایا، اگر حضور اقدس ﷺ کا عمل راتب خطبۂ عیدین کو حمد سے شروع کرنے کا ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ جیسا شخص ہرگز اس کے خلاف نہ کرتا، علاوہ ازیں اس کے علاوہ دوسرے آثار میں جن کا اوپر ذکر گذر چکا ہے خطبۂ عیدین کو تکبیر سے شروع کرنے کو سنت قرار دیا ہے۔

اور سنت سے عندالاطلاق سنتِ رسول ﷺ مراد ہوتی ہے، علامہ زیلعیؒ نصب الرایۃ ۱/۳۱۴ میں لکھتے ہیں:

واعلم أن لفظ السنة يدخل في المرفوع عندهم قال ابن عبد البر في التقصى: واعلم أن الصحابي إذا أطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبي ﷺ وكذلك إذا أطلقها غيره مالم يضف إلى صاحبها كقولهم سنة العمرين، وما أشبه ذلك.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

فرائض کے بعد امام ومقتدی کے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی تحقیق

سوال: حضرت یہاں دعاء بعد الصلوة المفروضة کے متعلق حضرت والا کو تکلیف دیتا ہوں کہ ہیئت کذائیہ کے ساتھ یعنی امام ومقتدی مل کر ہاتھ اٹھا کر جب امام ہاتھ اٹھائے مقتدی بھی اٹھائے اور جب امام ہاتھ کو (چہرہ) مسح کرے مقتدی بھی کرے اس کو مستحب ومستحسن سمجھ کر کرے واجب وفرض کا اعتقاد نہ ہو بعینہ یہی صورت حضور ﷺ کے زمانے صحابہ وتابعین کے زمانے میں تھی یا نہیں اگر تھی تو کہاں کس طرح؟ اگر نہیں تو ہمارے اکابر مثلاً حضرت گنگوہی حضرت تھانوی حضرت سہارنپوری قدس اللہ اسرارھم کے عمل کیوں اس پر تھے۔

عبدالمجید ڈھاکوی، چاٹگام

جواب: نمازوں کے بعد دعا کرنا حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ کی کتابوں میں مستحب لکھا ہوا ہے:

قال النووی في شرح المهذب (٣/٤٨٤) يستحب أن يدعوا بعد السلام بالاتفاق وجاء ت في هذه المواضع أحاديث كثيرة.

وقال الموفق الحنبلي في المغني (ص٥٩٨) ويستحب ذكر الله والدعاء عقيب سلامه.

اسی طرح دیگر مذاہب یعنی حنفیہ ومالکیہ کی کتابوں میں بھی مذکور ہے **قال صاحب الهداية في أواخر الكسوف: السنة في الأدعية تأخيرها عن الصلوة، وتبعه على ذلك المحقق ابن الهمام (ص ٤٣٦) وصاحب البحر وابن عابدين وغيرهم** فروع مالکیہ میں سے اس وقت میرے پاس کوئی کتاب نہیں ہے اور امام بخاری نے کتاب الدعوات (ص۹۳۷) میں مستقل باب الدعاء بعد الصلوۃ کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔

رفع یدین عند الدعاء مستقل سنت ہے احادیث کثیرہ میں وارد ہے حضرت امام حافظ ذکی الدین المنذری نے انکو ایک مستقل رسالہ میں جمع فرمایا ہے اور ایک معتد بہ مقدار امام نووی نے بھی شرح مہذب میں جمع فرمائی۔

وقال ابن تيمية في فتاويه (٢٢/٥١٩) قد جاء فيه أحاديث كثيرة صحيحة اھ۔البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے دعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبات کا ہیئت کذائیہ کے ساتھ انکار فرمایا ہے۔

قال في فتاويه (٢٢/٥١٧): دعاء الإمام والمأمومين جميعا لاريب أن النبى لم يفعله في أعقاب المكتوبات إذ لو فعل ذلك لنقله عنه أصحابه ثم التابعون ثم العلماء كما نقلوا عنه ماهو دون ذلك. اھ.

وقال في موضع آخر (٢٢/٥١٩) أما دعاء الإمام والمأمومين جميعا عقيب الصلوٰة فهو بدعة، لم يكن فى عهد رسول الله ﷺ بل إنما كان دعاء ه في صلب الصلوة فإن المصلى يناجى ربه فإذا دعا حال مناجاته له كان مناسبا، أما الدعاء بعد انصرافه من مناجاته وخطابه فغير مناسب، إنما المسنون عقيب الصلوة هو الذكر المأثور عن النبي ﷺ من التهليل والتحميد والتكبير اھ۔

وقال الحافظ ابن القيم تلميذ ابن تيمية في الهدى (١/٦٧): أما الدعاء بعد السلام من الصلوة مستقبل القبلة أوالماموميں فلم يكن ذلك من هديه ﷺ أصلاً ولاروي عنه

بإسناد صحيح ولاحسن أماتخصيص ذلک بصلوتي الفجر والعصر فلم يفعل ذلک هو ولا أحد من خلفائه ولا أرشد إليه أمته وإنما هو استحسان راٰه من راٰه عوضا من السنة بعدهما" والله اعلم.

وعامة الأدعية المتعلقة بالصلوة إنما فعلهافيها وأمر بها فيها وهذا هواللائق بحال المصلى فإنه مقبل على ربه يناجيه مادام في الصلوة فإذا سلم منها انقطعت تلک المناجات وزال ذلک الموقف بين يديه والقرب منه فكيف يترک سواله في حال مناجاته والقرب منه والإقبال عليه ثم يسأل إذا انصرف عنه ولا ريب أن عكس هذا الحال هوالأولى بالمصلى اھ۔

لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تردید فرمائی ہے قال (۱۱/۱۱۳) وما ادعاه من النفي مطلقا مردود فقد ثبت عن معاذ بن جبلؓ أن النبي ﷺ قال له: "يا معاذ إني والله لأحبک فلا تدع دبر كل صلوة أن تقول اللّٰهم أعني على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک". أخرجه أبو داؤد والنسائی وصححه ابن حبان والحاكم وحديث أبى بكرة في قوله اللهم إني أعوذبک من الكفر والفقر وعذاب القبر كان النبی ﷺ يدعو بهن دبر كل صلوة أخرجه أحمد والترمذي والنسائي وصححه الحاكم وحديث زيد بن أرقم سمعت رسول الله ﷺ يدعو في دبر كل صلوة "اللهم ربنا ورب كل شئ" الحديث أخرجه أبوداؤد والنسائی وحديث صهيب رفعه كان يقول إذا انصرف من الصلوة "اللهم اصلح ديني" الحديث أخرجه النسائي وصححه ابن حبان وغيرذلک فان قيل المراد به دبر كل صلوة قرب آخرها وهو التشهد قلنا قد ورد الأمر بالذكر دبر كل صلوة والمراد به بعد السلام إجماعا فكذا هذا حتى يثبت ما يخالفه وقد أخرج الترمذي من حديث أبي أمامة قيل يارسول الله ﷺ أی الدعاء أسمع قال: "جوف الليل الأخير ودبرالصلوات المكتوبات" وقال حسن وأخرج الطبری من رواية محمد بن جعفر الصادق قال: "الدعاء بعد المكتوبة أفضل من الدعاء بعد النافلة كفضل المكتوبة على النافلة"اھ۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ صلوات مکتوبہ کے بعد دعاء کرنا روایت سے ثابت ہے اور دعاء کے اندر مسنون یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر کرے چنانچہ بہت سی روایات میں رفع یدین عندالدعاء وارد ہوا ہے اور بعض روایات میں ہے

مسح الوجہ بعد الدعاء بھی ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہے۔

ان تینوں کو ملانے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں اور منہ پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابن السنی کی ایک روایت میں تو رفع یدین بعد الصلوۃ صراحۃ وارد ہے و لفظہ عن أنس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: ”مامن عبدبسط كفيه فى دبر كل صلوة ثم يقول اللّٰهم إلهي و آله إبراهيم وإسحاق ويعقوب واله جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام أسألک أن تستجيب دعوتی فانی مضطر وتعصمني في ديني فإني مبتلي وتنالني برحمتک فإني مذنب، وتنفی عني الفقر فإني متمسكن إلا كان حقا على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين“ اھ۔ البتہ اتنی بات ضرور قابل لحاظ ہے کہ اس طرح صلوۃ خمسہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر مداومت کے ساتھ دعا کرنا کسی روایت میں ثابت نہیں ہے اگر کوئی مداومت کو بدعت کہے تو شاید غلط نہ ہوگا مگر یہ بدعت بھی اسی قبیل سے ہوگی جیسے کہ تراویح بالجماعت بامام واحد کے بارے میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا: **نعمت البدعة هذه** جو بخاری شریف میں مروی ہے ہاں اگر گاہے دعا کرنا کسی وقت اس طرح چھوڑ دیں تو قابل انکار و ملام نہیں ہے۔

فرق مسئلہ تراویح و مسئلہ دعا میں یہ ہے کہ تراویح اصلاً وحقیقتاً بھی نماز و جماعت دونوں کے اعتبار سے فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور دعاء بہیئت کذائیہ استدلالی حیثیت سے ثابت ہے واللہ اعلم اور ہمارے اسلاف قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ و حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ و فخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدس اللہ اسرارھم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناء علی التعامل ہے اور امت کا تعامل اسی پر ہے **ولا تجتمع أمتی على الضلالة** ارشاد نبوی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۲؍جمادی الاولی ۱۳۹۲ھ

کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ امام دعاء میں اپنے ساتھ مقتدیوں کو بھی شریک کرے

سوال: کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام دعا میں اپنے ساتھ مقتدیوں کو بھی شریک کرے یا یہ فقہاء کا قول ہے۔

خدا کرے آپ کی صحت اچھی ہو اور آپ حج کو تشریف لے آئیں۔

(مولانا) سعید احمد خانصاحب

مسجد النور باب العوالی المدینۃ المنورۃ ۸؍شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ

جواب: یہ حدیث امام ابوداؤد (ص ۵۸) نے حضرت ثوبان سے روایت فرمائی ہے قال قال

رسـول الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم: ”ثلث لا يحل لأحد أن يفعلهن لايؤم رجل قوماً فيخص نـفـسـه بـالـدعـاء دونهم، فان فعل فقد خانهم ولاينظر فى قعربيت قبل أن يستاذن، فان فعل فقد دخل و لا يصلى و هو حقن حتى يتخفف“.

لیکن اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد ادعیہ میں مفرد کا صیغہ وارد ہے جیسے اللهم باعد بيني و بين خطاياى اور أللهم اغفرلي وارحمنى واهدني اورحدیث اللّٰهم إني ظلمت نفسي ظلماً كثيراً نماز کی آخری دعا جو حضرت ابوبکر کو تعلیم فرمائی تھی اس لئے ابن خزیمہ نے تو اس ثوبان کی حدیث ہی کو موضوع کہہ دیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے ثوبان کی حدیث سے وہ دعا مراد ہے جس میں امام تو الفاظ دعا کہتا ہے اور مقتدی آمین کہتا ہے جیسے دعائے قنوت صرح بذلك شيخ الإسلام ابن تيميه و تبعه ابن القيم والله اعلم .

محمد یونس عفی عنہ

وتر کی تعریف اور تین رکعات وتر کا ثبوت

سوال: وتر کی تعریف کیا ہے اور اس کا ثبوت کہاں سے ہے اور تین رکعت کہاں سے ثابت ہے؟

جواب: وتر طاق کو کہتے اور نمازِ وتر کا ثبوت احادیث مشہورہ سے ہے امام مالک وشافعی واحمد فرماتے ہیں کہ وتر کی ایک رکعت ہے البتہ امام مالک اس سے قبل دو رکعت پڑھنا ضروری قرار دیتے ہیں، اور اگر کوئی ایک رکعت پر اکتفا کرے تو اس کو مکروہ کہتے ہیں، اور امام شافعی واحمد گیارہ تک جائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ تین رکعت بیک سلام دو تشہد سے پڑھی جائیں گی اور تین رکعت کی بہت سی دلیلیں ہیں۔

(۱) عـن أبـي سـلـمـة بـن عبـد الرحمن أنه سأل عائشة كيف كانت صلوٰة رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم في رمضان فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركـعـة يـصـلـى أربـعـاً فـلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم يصلى أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلثا الحديث أخرجه الشيخان.

وأخرج مسلم /١٦١، في حديث المبيت عن ابن عباس ثم أوتر (يعنى النبي صلى الله عـلـيـه وسـلـم) بثلث و عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلث لا يـقـعـد إلا فى آخرهن“ أخرجه الحاكم في المستدرک و عن عائشة قالت: كان رسول الله

صلى الله عليه وسلم لا يسلم في ركعتى الوتر" أخرجه محمد بن الحسن في الموطأ وابن أبي شيبة والنسائي ومحمد بن نصر والطبراني في الصغير والدارقطني وإسناده صحيح وأخرجه الحاكم بلفظ لا يسلم في الركعتين الأوليين من الوتر اور قراء ت في الوتر کی روایات تو سب تین ہی کی دلیل ہیں علامہ انور شاہ کا اس مسئلہ پر ایک رسالہ کشف الستر عن صلوة الوتر ہے اس میں تفصیل مل جائے گی۔

نقض وتر کے سلسلہ میں دو متضاد روایتیں اور ان کا حل

(یہ جواب مفتی یحییٰ صاحب کے ایک سوال پر لکھا گیا)

ان أبا هريرة قال لو جئت بثلاثة أبعرة فانختها ثم جئت ببعيرين فانختهما أليس كان يكون ذلک وترا قال وكان يضرب به مثلاً لنقض الوتر.

(طحاوی شریف ۱/۲۰۳،ص:۱۶۹ جدیدہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقض وتر میں دو متعارض روایتیں منقول ہیں ایک روایت نقض کی جو طحاوی نے اولاً نقل کی ہے اور دوسری عدم نقض کی جو سوال میں مذکور ہے اصل میں نقض وتر کے قائلین کا مسلک جیسا کہ طحاوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ اگر وتر کے بعد نوافل پڑھ لئے جائیں تو وتر ٹوٹ جائے گی اس لئے وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ایک رکعت وتر کو شفع کرنے کی نیت سے پڑھی جائے پھر نوافل پڑھ کر اخیر میں دوبارہ وتر پڑھی جائے حضرت ابو ہریرۃ اس کے متعلق نقد و تبصرہ کر رہے ہیں کہ بھلا اگر کسی نے تین رکعت پڑھ لی اور پھر دو رکعت اس کے بعد پڑھ لی تو اس سے وتر کیسے ٹوٹ جائے گی کیونکہ تین اور دو کا مجموعہ مل کر پانچ ہوگا جو وتر ہی ہے حضرت ابو ہریرۃ کے تلمیذ عمر بن الحکم فرماتے ہیں:وكان أبو هريرة يضرب به أى يذكره مثلاً لنقض الوتر أى معارضة لمسئلة نقض الوتر یعنی ابو ہریرہ نقض وتر کی تضعیف بیان کرنے کے لئے بطور مثال کے اونٹوں کے جمع کرنے کی صورت ذکر کرتے تھے اور معارضہ کرتے تھے کہ جیسے اونٹوں میں تین کے بعد دو کا اضافہ کرنے سے ان کے طاق و وتر ہونے پر اثر نہیں پڑتا اسی طرح وتر میں بھی تین کے بعد دو پڑھنے سے وتر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا یہ ایسے ہی ہے جیسے ابن ماجہ (ص ۳۸) میں ہے کہ جب ابو ہریرۃؓ نے فرمایا:ان النبى صلى الله عليه وسلم قال توضؤا مما غيرت النار تو حضرت ابن عباس نے فرمایا اتوضأ من الحميم حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا یا ابن أخي إذا سمعت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثاً فلا تضرب له الأمثال قال السندي (۱/۹۲) قوله أتوضأ من الحميم أى الماء الحار أى

ينبغي على مقتضى هذا الحديث إن الانسان إذا توضأبالماء الحار يتوضأثانيابالماء البارد فرد عليه أبو هريرة بأن الحديث لا يعارض بمثل هذه المعارضة المدفوعة بالنظر فيما أريد بالحديث فان المراد إن أكل ما غيرت النار يوجب الوضوء لا ممن مسته الأعضاء .انتهى(۱).

محمد یونس عفی عنہ

۵؍ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

نقض الوتر کا مسئلہ اور حدیث پاک کی تشریح

(مفتی یحییٰ صاحبؒ کے سوال پر یہ مضمون تحریر کیا گیا)

إن عثمان قال: إني اوتر اوّل الليل فإذا قمت من آخر الليل صليت ركعة فما شبهتها الا بقلوص أضمها الى الابل...... (طحاوی شریف)۔

اس اثر کا تعلق مسئلہ نقض الوتر سے ہے ابوبکر صدیق (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۵) طحاوی شریف (۱/ ۱۶۸) سعد ابن ابی وقاص (ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۴) عمار بن یاسر (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴، طحاوی ۱/ ۱۶۸) ابو ہریرہ (طحاوی ۱/ ۱۶۹ جدیدہ) ابن عباس (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۵) مصنف عبدالرزاق (۳/ ۳۰-۳۱ طحاوی ۱/ ۱۶۸) عائذ بن عمرو (بخاری ۳/ ۶۰۰)، ابن ابی شیبہ ۴/ ۲۸۴، طحاوی ۱/ ۱۶۸) رافع بن خدیج (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۵ طحاوی ۱/ ۱۶۸) عائشہ رضی اللہ عنہا (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۳۱، طحاوی ۱/ ۱۶۹) (۲)۔ علقمہ، طاؤس، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوحنیفہ، مالک، اوزاعی، شافعی، ابویوسف، محمد، ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اول شب میں وتر پڑھ لی اور پھر آخر شب میں بیدار ہو گیا اور تطوع ونوافل پڑھنا چاہتا ہے تو بلا کسی شرط وقید کے پڑھ سکتا ہے حضرات صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت عمر، علی (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۳۰، طحاوی ۱/ ۱۶۷) عثمان (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴ طحاوی ۱/ ۱۶۷) اسامہ (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴) ابن عمر (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴) (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۲۹) (طحاوی ۱/ ۱۶۷) ابن مسعود بلکہ سعد وابن عباس (ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۸۴) کا نام بھی لیا گیا ہے یہ کہتے ہیں کہ پہلے ایک رکعت نقض الوتر کی نیت کر کے پڑھے اور پھر نوافل پڑھے اور اخیر میں وتر پڑھے کیونکہ ابتداء شب کی وتر ایک رکعت نقض وتر کی نیت سے پڑھنے کی وجہ سے ختم ہو گئی اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک رکعت رات کے ابتداء میں پڑھی گئی ہے رات کے آخر میں دوسری رکعت اس کے ساتھ کیسے ملائی جا سکتی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ۱/ ۲۸۰، مطبوعۃ بیروت لبنان۔

(۲) دونوں مسلکوں کے قائلین کے آثار کا حوالہ دینا مقصود ہے۔

ہے حضرت عثمان اس کے متعلق ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس میں کیا اشکال ہے میں تو اول لیل میں وتر پڑھ لیتا ہوں اور پھر آخر لیل میں جب اٹھ جاتا ہوں تو ایک رکعت نقض وتر کی نیت سے پڑھ لیتا ہوں اور یہ ایک رکعت اس اونٹنی کے مثل ہے جو عام اونٹوں سے الگ ہو اور پھر اس کو لاکر اونٹوں میں ملا دیا جائے جیسے اونٹنی اونٹوں میں ملا دینے سے ان کے ساتھ شامل ہوگئی اسی طرح جب وتر کے ساتھ ملانے کی نیت سے دوسری رکعت بعد میں پڑھ لی گئی تو وہ اسکے ساتھ شامل ہوکر بجائے وتر کے ایک شفعہ ہوگیا واللہ اعلم۔

امام احمد نقض وتر کے قائل تو نہیں ہیں لیکن نقض کرنے والوں پر تنگی بھی نہیں کرتے ہیں قال الموفق (۱/ ۷۹۵)

قیل لأحمد: ولا ترى نقض الوتر فقال: لا ثم قال وإن ذهب إليه رجل فأرجو لأنه قد فعله جماعة اس کے بعد مذکورہ بالا صحابہ کے اسماء شریفہ ذکر فرمائے ہیں موفق فرماتے ہیں **ولعلهم ذهبوا إلى قول النبي ﷺ إجعلو آخر صلوتكم بالليل وتراً** اور پھر جمہور کی طرف سے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے **قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: "لا وتران في ليلة". رواه أبو داود والترمذي وقال حديث حسن.**

محمد یونس عفی عنہ

۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

وتر کے بعد دونفلوں کے بیٹھ کر پڑھنے کی تحقیق

وتر کے بعد دوسنتوں کے متعلق اہل فتوی کی رائے تو یہی ہے کہ ان میں قیام افضل ہے۔اور قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں: بعد وتر دو رکعت نشستن خواندن مستحب است اور یہی احقر کی رائے میں راجح ہے **لأنه هو الثابت عن صاحب الرسالة عليه من صلوات الله أكملها ومن تسليماته أزكاها وأشملها ودعوى الخصوصية في الجلوس في هذه المسئلة لم ينشرح لها صدري** واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۱۳ر شوال ۹۷ھ

جمعة في القرىٰ

سوال: گھر جانے کے بعد اکثر وبیشتر جمعہ کی نماز پڑھنے پڑھانے کی نوبت آتی ہے اور گاؤں بالکل چھوٹا ہے لیکن جمعہ کافی روز سے وہاں ہورہا ہے تو ایسی صورت میں احقر کیا تدبیر کرے آیا جمعہ کی نماز پڑھ لے یا نہیں؟

جواب: جمعہ فی القری میں حنفیہ متشدد ہیں: **لقول علي لا جمعة ولا تشريق الا في مصر**

جامع رواہ عبدالرزاق بسند صحیح دوسرے ائمہ کے یہاں اتنی تشدید نہیں ہے مخصوص شرائط اگر ہوں تو وہ لوگ جمعہ کو جائز کہتے ہیں جیسے استیطان اور چالیس کا عدد امام شافعی وامام احمد کے نزدیک، اور بارہ کا عدد امام مالک کے نزدیک چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اوران علاقوں میں عامۃً احناف رہتے ہیں اس لئے آپ انتشار کا سبب بننے سے بچیں ایسے وقت کہیں اور چلے جایا کریں۔ سنا ہے دیوبند والے کچھ نرمی کے قائل ہیں وہاں سے فتویٰ منگا کر عمل کیا جاسکتا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

عورت کے لیے نماز پڑھنے کی بہترین جگہ گھر کا اندرونی حصہ ہے

مخدع اور بیت کا فرق

سوال: مشکوۃ (ص ۹۶) عن ام سلمۃؓ اس روایت میں عورت کے نماز پڑھنے کی بہترین جگہ بتاتے ہوئے جو مخدع اور بیت کے الفاظ ہیں ان میں فرق کیا ہے دار تو پورا گھر مع صحن کے ہوتا ہے اور اندر کا مسقّف حصہ بیت کہلاتا ہے تو کیا اس سے بھی اندر کی کوٹھری مخدع ہے؟ محمد عبداللہ دہلوی

جواب: قال في المجتبی الدار اسم لما يشتمل على الصحن والبيوت والصفة والمطبخ والاصطبل، والمنزل مايشتمل على بيوت ومطبخ ومستراح دون الصحن، والبيت اسم لمسقف واحد له دهليز كذافی حاشية الهدايه لمولانا عبدالحی (۹/۳) وقال فی البذل (۱/۳۲۰) المخدع البيت الصغير الذی يكون داخل البيت الكبير تحفظ فيه الأمتعة النفيسة من الخدع وهو إخفاء الشئ بظاہر اس کا ترجمہ اور دوسری جگہ کے استعمال میں، اس کے مناسب کوئی اور لفظ ترجمہ ہوسکتا ہے۔ (سہارنپور کی اصطلاح میں) بخاری وغیرہ کا کیا جاسکتا ہے واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب ۲۹ ذی الحجۃ ۱۳۹۱ھ

عورتیں نماز میں مردوں کی طرح کیوں نہیں بیٹھتیں جب کہ بخاری کی حدیث ام الدرداء سے مردوں کی طرح بیٹھنا ثابت ہے

مسئلہ کی مکمل تحقیق دلائل کی روشنی میں

سوال: باب سنة الجلوس في التشهد وكانت أم الدرداء تجلس في صلاتها جلسة الرجل وكانت فقيهة. (۱/۱۱٤، بخاری شریف)

قال العيني فدل هذا أن المستحب للمرأة أن تجلس كما يجلس الرجل وهو أن تنصب اليمنى وتفترش اليسرى، وبه قال النخعي وأبو حنيفة ومالك انتهى. ولا يخفى أن هذا خلاف ما في كتب الحنفية المتداولة من أن المرأة تتورك لأنه أستر لها والله اعلم بالصواب.

(حاشية بخاری پ٤، ۱/۱۱٤)

مندرجہ بالا عبارت سے چند چیزیں آشکارہ ہوتی ہیں:

(۱) بخاری کی روایت سے نماز میں عورتوں کا بیٹھنا مردوں کی طرح ثابت ہوتا ہے اور صحیحین کی روایت پر غیر صحیحین کی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی جیسا کہ مشہور ومعروف ہے۔

(۲) حنفیہ نے عورتوں کے مسئلہ میں مثلاً استحاضہ وحیض وغیرہ کے مسائل میں أمهات المؤمنين ازواج مطهرات کی روایت کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ عورتوں کے مسائل ومعاملات سے عورت زیادہ واقف کار ہوسکتی ہے یہاں بھی عورتوں کا سوال ہے لہٰذا عورتوں کی روایت کو بالخصوص جب کہ فقیہہ ہوں تو ترجیح ہوگی، لہٰذا فقیہہ ام الدردا کے فعل کو ترجیح ہوگی اور عورتوں کو مثل مردوں کے بیٹھنا لازم ہوگا۔

(۳) بالخصوص جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے استاد امام نخعی اور امام دار الہجرۃ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے تو پھر انکار کی قطعاً گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اب اس کے بعد حنفیہ اپنی اپنی عورتوں کی نمازیں مثل مردوں کے نہیں پڑھاتے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو تقلید امام کے انکار کا اعلان کریں اور حنفیت سے دست بردار ہوجائیں یا صاف اعلان کریں کہ یہ مسئلہ حدیث پاک کے خلاف ہے۔

(۴) اگر اس کا یعنی حدیث پاک کا کوئی صحیح جواب ہوتا تو بخاری کے حاشیہ میں محدث سہارنپوری اسکا جواب دیتے لیکن محدث سہارنپوری کی خاموشی اس کی واضح دلیل ہے کہ حنفیہ کا یہ مسئلہ حدیث پاک کے خلاف ہے، مزید

برآں یہ کہ محدث سہارنپوری نے فقط خاموشی ہی اختیار کرنے پر بس نہیں کیا بلکہ اس بات کی صراحت کردی کہ حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں اس حدیث پاک کے خلاف ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے **ولا یخفی أن هذا خلاف ما في كتب الحنفية المتداولة. الخ حاشيه بخاري** ۸ ص:۱۱۴.

(۵) اگر حنفیہ انصاف کے ساتھ مطالعہ کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ حنفیہ پر علامہ عینی جیسے حنفی متبحر عالم اور حنفیت کے غایت درجہ حمایت کرنے والے جب انھوں نے اس حدیث کی شرح کی تو وہ بھی خاموشی سے گذر گئے تو اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس کوئی صریح مرفوع روایت نہیں ہے اگر ہوتی تو معرض استدلال میں ضرور پیش کرتے استدلال کے وقت دلیل پیش نہ کرنا دلیل نہ ہونیکی دلیل ہے۔

(**نوٹ**): یہ ایک مخالف کے دلائل ہیں آپ براہ کرم اس کے مدلل ومسکت جوابات بحوالہ کتب معتبرہ ونصوص صحیحہ مرفوعہ پیش فرمائیں آج کل ہمارے دیار میں منجملہ اور مختلف امور کے اس مسئلہ کا بھی کافی زور ہے۔

جواب: مخدومی ومکرمی زادت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ موجب سرفرازی ہوا اول اول میں سوچ میں پڑ گیا کہ کس کا خط ہے اس لیے کہ جناب کا نام ہی نہیں تھا لیکن جوابی لفافے سے معلوم ہوا کہ مولانا حسین احمد بنارسی کا ہے، محترم آپ نے مسئلہ اول میں زبانی گفتگو بھی کرلی تھی تاہم بندہ باوجود عدم حضور ذہن کے ماحضر پیش کرے گا خدا کرے تشفی بخش ثابت ہو۔

احادیث کے ضمن میں فروعی اختلافات کی حقیقت

اولاً یہ بات ذہن نشیں فرمالیں کہ نماز کی دو رکعت میں ائمہ اربعہ میں صدہا اختلافات ہیں اگر کوئی خلافیاتِ ائمہ پر نظر رکھتا ہو تو اسے کوئی استعجاب نہ ہوگا حضرت الشیخ مدظلہ العالی کا اس پر ایک قلمی رسالہ بھی ہے لیکن مکمل نہ ہوسکا اور یہ اختلافات صرف ذاتی آراء پر مبنی نہیں ہیں بلکہ احادیث وروایات کی روشنی میں یہ اختلافات رونما ہوئے ہیں اور احادیث کا اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ دو امرین متبائنین میں ہوا کرتا ہے بلکہ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ طبیب کے نسخہ میں اختلاف ہوتا ہے کہ مرض تو ایک ہے مگر معالجوں نے الگ الگ نسخے تجویز کردیئے ایک ایک دوا لکھتا ہے دوسرا اس کے بجائے دوسری دوا لکھتا ہے مگر کام دونوں ہی ایک کرتی ہیں مثلاً دق کے مریض کے لیے طب ڈاکٹری میں کبھی تو امسٹرین لکھتے ہیں اور کبھی اسٹپٹو مائسین اور کبھی کچھ اور حالانکہ دونوں ایک ہی غرض کے لیے ہیں لیکن یہ اختلاف صرف اولی واصلح کے اعتبار سے ہے ایک

ڈاکٹر ایک کو اصلح واولی قرار دیتا ہے اسے تجویز کرتا ہے دوسرا دوسرے کو بہتر واولی سمجھتا ہے وہ اسے لکھتا ہے تو گویا نفس احتمال کی تو دونوں ہی اجازت دیتے ہیں صرف ترجیح میں اختلاف ہے ایسا ہی عام طور پر احادیث کا اختلاف ہے جس کو اختلاف فی الامر المباح سے تعبیر کرتے ہیں جیسے اذان واقامت کے اختلاف کو امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ **ذهب أحمد وإسحاق وداؤد وابن جرير إلى أن ذلک من الاختلاف المباح** اسی طرح تشہد واعداد تکبیرات جنائز، وتکبیرات عیدین رفع یدین، عندالرکوع وغیرہ کو حافظ ابن عبدالبر اختلاف فی المباح فرماتے ہیں:

وأصل عبارته كما في نيل الفرقدين (ص:١٢٣).

الاختلاف في التشهد وفي الأذان وفي الإقامة وعدد التكبير على الجنائز وعدد التكبير في العيدين ورفع الأيدى عند الركوع والرفع في الصلوة ونحوذلک كله من الإختلاف في المباح اهـ.

قال في نيل الفرقدين ومثله في أحكام القرآن للجصاص منا والحافظ ابن تيمية فى فتاواه، ومنهاج السنة وابن القيم فى الهدى. اھ

اوراسی طرح طریق قعود فی الصلوۃ میں روایت میں اختلاف ہے کہ افتراش ہے **كما فى حديث عائشة عند مسلم وحديث وائل بن حجر عند سعيد بن منصور والتر مذي والطحاوي بإسناد صحيح وحديث ابن عمر عند النسائي بإسناد صحيح** یا تورک ہے **كما فى حديث أبي حميد الساعدي في البخاري** وغیرہ۔

پھراس میں اختلاف ہے کہ اولی افتراش ہے **كما قالت الحنفية** یا تورک **كما قالت المالكية** یا تورک **في القعدة الأخيرة كما تقول الشافعية** یا تورک **في القعدة الثانية من الرباعية والثلاثية** اور باقی میں افتراش **كما قاله أحمد** لیکن یہ سارا اختلاف اولی وارجح کا اختلاف ہے بعض نے ایک کو ترجیح دی اور دوسرے کو حالت عذر پر حمل کیا اور بعض نے دوسرے کو ترجیح دی اسہل ہونے کے سبب یا اور کسی وجہ سے، اور بعض نے دونوں پر عمل کرنے کی کوشش کی اور تورک کی مختلف صورتیں ہیں اوجز (ص ۲۵۸) وغیرہ کو ملاحظہ کریں۔

ائمہ اربعہ کے مسلک کی تفصیل اور تربع وتورک کی وضاحت

اب اس کے بعد علماء کا اختلاف ہے کہ آیا مرد وعورت کے جلوس میں فرق ہے یا دونوں کا طریقۂ جلوس ایک ہی ہوگا، امام مالک وشافعی کے یہاں علـى اختلاف الأقـوال عـنـدهـما في كيفية الجلوس، جلسة الـمـرأة كـجلسة الرجل فتتورک عند مالک، کالرجل کما صرح في المدونة، وتـفـتـرش فـي أولـى الـقـعـدتـين مـن الـرباعية والثلاثية وتتورک في البواقي عند الشافعي کـالرجل، قال النووي جلوس المرأة كـجلوس الرجل، وأما أبو حنيفة وأحمد وأصحابهما فـفـرقوا بين جلسة الرجل والمرأة فـأمـا أبـو حـنـيـفة وأصحابه فقالوا: "يفترش الرجل في الـجلسات كلها وتتورک المرأة فـي الـجـلسات كلها والإمام أحمد وأصحابه فمذهبه ما قـال الـخرقي في مختصره، وتجلس متربعة وتسدل رجليها فتجعلها فى جانب يمينها، قال الموفق (١/٦٠٤) قال أحمد، والسدل أعجب إلي" واختاره الخلال.

اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ امام احمد کے یہاں عورت کے بیٹھنے کی دوصورتیں ہیں اول تربع ثانی سدل جسکا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی سرین پر بیٹھے گی اور دونوں پیروں کو دائیں جانب نکال لے گی یہ بھی تورک کی ایک صورت ہے، اور تربع سے کیا مراد ہے ایک صورت چارزانوں بیٹھنے کی مشہور صورت ہے کہ آدمی دائیں پیر کو بائیں گھٹنے کے نیچے کرلے اور بائیں پیر کو دائیں پیر کے گھٹنے کے نیچے کرلے، دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں پیروں کو ایک طرف موڑلے اس طور پر کہ بایاں پیر دائیں پیر کی ران اور ساق کے نیچے آجائے اور دائیں پیر کو اس طرح موڑلے کہ وہ ورک یمنی کے پاس ہوجائے۔

قال الباجی (۱/۱۶۵):

التربع على ضربين:

إحـدهـمـا أن يـخـالف بيـن رجـلـيـه فيضع رجله اليمنى تحت ركبته اليسرى ورجله اليسرى تحت ركبته اليمنى.

والثـانـي أن يتـربـع ويثنى رجليه من جانب واحد فتكون رجله اليسرى تحت فخذه وساقه اليمني ويثني رجله اليمنى فتكون عند أليته اليمنى.

یہ دوسری شکل تقریباً عبداللہ بن الزبیر کی حدیث میں بھی مسلم شریف (۱/۲۱۶) میں وارد ہے: ولـفـظـه كان رسول الله ﷺ إذا قعد في الـصـلـوة جعل قدمه اليسرى بين فخذه وساقه وفرش قدمه

اليمني اورابوداودمیں تـحـت فخذه وساقه ہےیہی تفسیر تورک کی حنابلہ میں سے ابوالقاسم الخرقی اورقاضی ابویعلی نے کی ہے کمافی المغنی (۱/۵۷۷) لیکن ممکن ہے کہ تربع کی شکل اولی مراد ہو یا شکل ثانی جو حقیقةً تورک ہی کی ایک شکل ہے۔

اوردوسری شکل تورک کی یہ ہے ینصب اليمنى ويخرج رجله اليسرى من تحت ساقه الأيمن ويجلس على الورک كما هو المنقول عن مالک وهو المذكور في المدونة ورواه الأثرم عن أحمد كما في المغني (۱/۵۷۸) وهو ظاهر من حديث أبي حميد في البخاري (ص: ۱۱٤).

اورایک صورت تورک کی یہ بھی ہے کہ دونوں پیروں کو دائیں جانب سے نکال لے اور ورکین پر بیٹھے کماورد ذلک في حديث أبى حميد عند أبي داؤد، فإذا كان في الرابعة أفضى بوركه اليسرى إلٰى الأرض، وأخرج قدمه من ناحية واحدة وهذا هو المعمول به عند الحنفية للمرأة وذكره أبو عمر بن عبد البر عن الشافعى وهو الذي ذكره النووي في شرح المهذب (۳/٤٥۰).

خلاصہ مسالک

ان سب مقدمات کے بعد سمجھئے کہ عورت ومرد کے جلوس میں احناف اور حنابلہ فرق کرتے ہیں مالکیہ اور شافعیہ نہیں کرتے ہیں کما قدمنا لیکن مالکیہ کے یہاں تو صورت جلوس تورک ہی ہے اور شافعیہ کے یہاں اگرچہ افتراش بھی ہے مگر صرف رباعیہ اور ثلاثیہ کے قعدہ اولی میں اور باقی سب میں تورک ہے اور حنابلہ کا ارجح مذہب سدل ہے جو تورک کی وہی صورت ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ حنفیہ مالکیہ وحنابلہ سارے ہی عورت کے لیے تورک فی الجلوس اختیار فرماتے ہیں اور یہی شافعیہ بھی کہتے ہیں سوائے رباعیہ اور ثلاثیہ کے قعدہ اولی کے، تو بحیثیت نفس جلوس کے تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تورک عورت کے لیے اولی ہے إلا فی بعض الصور عند الشافعیہ۔

مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے میں فرق ہے یا نہیں

فن حدیث میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مرتبہ ومقام

اب صرف اختلاف یہ ہے کہ آیا جلوس الرجل والمرأۃ میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے سو حنفیہ ہی اس تفریق میں منفرد نہیں ہیں بلکہ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں جن کی حدیث دانی مسلمات میں سے ہے بلکہ امام شافعیؒ سے بھی ایک جماعت کی رائے میں امام احمد کا مرتبہ حدیث میں بڑھا ہوا ہے حضرت امام شافعی سے منقول ہے فرماتے ہیں:

"یـا أبـا عبـدالله يعني أحمد بن حنبل إذا صح عندكم الحديث فاعلمني به أذهب إليه حـجـاز يـاً كان أوشامياً أو عراقياً أو يمنياً" قال ابن كثير (١٠/٣٢٧) قـول الشافعي له هذه الـمـقـالة تـعـظيم لأحمد وإجلال له وأنه عنده بهذه المثابة إذا صح أوضعف يرجع إليه وقد كان الإمام أحمد بهذه المثابة عند الائمة والعلماء انتهى.

بلکہ مجھ کو تو یہاں تک یاد ہے کہ حضرت امام شافعی نے امام احمد سے ارشاد فرمایا:

أنتم أعلم بالحديث منافإذا صح الحديث عندكم الخ.

لیکن اتفاق سے تلاش کے بعد بھی نہ ملی پھر اسکے بعد فتاوی ابن تیمیہ (۲۰/۳۱۷) میں مل گئی **ولـفـظه قال لأحـمـد بـن حـنـبـل أنـتـم اعلم بالحديث منا فإذا صح الحديث فأخبرني به حتى أذهب إليه شامياً كان أو بصرياً أو كوفياً إنتهى.**

حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم مقدمہ جرح وتعدیل میں لکھتے ہیں (ص:۲۰۲): **سـمـعـت أبي يقول: كـان أحـمـد بن حنبل بارع الفهم لمعرفة الحديث بصحيحه وسقيمه وتعلم الشافعي أشياء من معرفة الحديث منه.**

وكـان الشـافـعي يـقـول لأحـمـد حديث كذا وكذا قوي الإسناد محفوظ؟ فإذا قال أحمد نعم جعله أصلاً وبنى عليه. انتهى.

نیز ہم یہ بتا چکے ہیں کہ امام مالک وغیرہ کے یہاں جلوس کی مسنون صورت مطلقاً تورک ہے تو بہت ممکن ہے کہ ام الدردا کا طریقہ جلوس علی وجہ التورک ہو اور اس صورت کو بھی جلسۃ الرجل کہنا مناسب ہے ممکن ہے کہ یہ کہہ کر تربع کی مشہور صورت کی نفی کرنی ہو اور ام الدردا، نیز مکحول تربع کے قائل نہ ہوں، گو اس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ صورت تربع منع یا مکروہ ہو اس لیے کہ صحابہ سے تربع کی صورت بھی منقول ہے موفق صاحب مغنی لکھتے ہیں عن ابن عمرؓ أنه كان يأمر النساء أن يتربعن في الصلوة.

وفي مصنف ابن أبي شيبة ١/٢٧٠ بإسناده عن نافع أن صفية كانت تصلى وهي متربعة انتهي. وصفية هي بنت أبي عبيد امرأة عبد الله بن عمرؓ.

احناف عورتوں ومردوں کے درمیان بیٹھنے میں تفریق کے کیوں قائل ہیں

رہ گیا یہ کہ عورت ومرد میں احناف تفریق کے کیوں قائل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت عورۃ ہے لہٰذا اس کے احوال میں ہر قسم کے تستر کا لحاظ رکھا جائے گا اور افتراش کے بہ نسبت تورک اقرب الی الستر ہے اور یہ قاعدہ کسی حنفی کا خانہ زاد نہیں ہے بلکہ ذات اقدس روحی فداہ ﷺ کے ارشادات وفرمودات سے مأخوذ ہے آخر کیا وجہ ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں: ’’المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان‘‘. رواه الترمذي.

یہ تو ایک عام قاعدہ معلوم ہوا خاص نماز کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: ’’صلوة المرأة في بيتها أفضل من صلوتها في حجرتها وصلوتها في مخدعها أفضل من صلوتها في بيتها‘‘ رواه أبوداؤد (١/٣٢٠ بذل) والحاكم في المستدرك ص ١/٢٠٩ من حديث ابن مسعود وصححه على شرط الشيخين وأقره الذهبي وفي الباب عن أم حميد رواه أحمد وابن عبدالبر في ترجمتها من الاستيعاب.

اب خاص طور سے نماز کے بارے میں اگر آپ حدیث مرفوع تلاش کریں گے تو جلوس المرأۃ کے باب میں کوئی روایت مرفوعاً قولی یا تقریری نہیں ملے گی زیادہ سے زیادہ اس میں صحابہ کا عمل مل سکتا ہے سوا گرام الدرداء سے جلوس کجلسة الرجل منقول ہے تو یہ کہاں لازم آتا ہے کہ سارے صحابہ کا عمل اسی کے موافق ہے۔

علامہ موفق صاحب المغنی جلوس مرأۃ سادلۃ کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ: قال علي كرم الله وجهه إذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها.

قلت: أخرجه ابن أبي شيبة ١/٢٧٠ عن الحارث عن علي قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفزو لتضم فخذيها. والحارث مكشوف الحال وأخرج ابن أبي شيبة ١/٢٧٠ قال حدثنا أبو عبد الرحمن المقرئ عن سعيد بن أيوب عن يزيد بن حبيب عن بكير بن عبد الله الأشج عن ابن عباس أنه سئل عن صلوة المرأة قال تجتمع وتحتفز.

پھر مسند امام ابی حنیفۃ بروایۃ الحصکفی میں ایک روایت ملی جو بظاہر مرفوع بلکہ مرفوع ہی ہے: **وهي ما رواه الإمام أبوحنيفة عن نافع عن ابن عمر أنه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله ﷺ قال كن يتربعن ثم أمرهن أن يحتفزن، قال القاري: أي تضممن من أعضائهن بأن يتوركن. (سعايه ٢/ ٢٣٥).**

یہ اجتماع اور فخذین کا ملانا تورک کی صورت میں زیادہ ہوگا بہ نسبت صورت افتراش کے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ تورک بھی جلوس الرجل ہی کی ایک صورت ہے اور ممکن ہے کہ یہی صورت ام الدردا کے جلوس کی ہو، اور پھر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک تورک کے علاوہ صورت ہے تو وہ کونسی صورت ہے اور کیا دلیل ہے اور آپ اگر افتراش کہتے ہیں تو پوچھنا یہ ہے کہ پھر مردوں کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کیا مرد افتراش کریں گے؟ کسی غیر مقلد سے پوچھئے اب تک تو ہماری گفتگو صرف اسی بناء پر تھی کہ یہ ام الدرداء کبریٰ ہے جن کا نام خیرہ ہے جو صحابیہ ہیں جیسا کی بعض شراح بخاری مثلاً مغلطای کی رائے ہے اور انھیں کا اتباع سراج الدین ابن الملقن نے کیا ہے عینی کا میلان بھی اسی طرف ہے (۳/ ۱۶۴)۔

ورنہ تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ ام الدرداء صغریٰ ہے جس کا نام ہجیمہ ہے اور جو تابعیہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت کو، ام الدرداء سے نقل کرنے والے مکحول ہیں اور مکحول نے صرف ام الدردا صغری کو پایا ہے نہ کہ ام الدردا کبری کو اس دلیل کی وجہ سے محقق ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ ہجیمہ صغری ہیں قسطلانی (ص۴۹۲) بھی اسی طرف مائل ہیں اور یہ بالاتفاق تابعیہ ہیں اور تابعیہ کا قول خصم کے نزدیک حجت نہیں ہے پھر استدلال میں کیا پیش کریں گے۔

امام ابوحنیفہؒ تابعی کے قول کے پابند نہیں

امام صاحب خود تحقیقی طور پر تابعی روایۃً ہیں کالاعمش، گو روایۃ نہ سہی اور تابعی کے اقوال کے امام صاحب بالکل پابند نہیں ہیں امام صاحب کا مشہور مقولہ ہے:

إذا جاء عن رسول الله ﷺ فعلى الرأس والعين، وإذا جاء عن الصحابة يختار، وإذا جاء عن التابعين فهم رجال ونحن رجال زاحمناهم.

یہ خیال صحیح نہیں کہ صحیحین کی روایتیں غیر صحیحین پر مقدم ہوں گی

اور باقی یہ گمان کہ صحیحین کی روایت غیر صحیحین پر مقدم ہوگی اول تو بعض محققین مثلاً ابن الہمام نے اسے تسلیم ہی نہیں کیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو یہ روایات مسندہ کے بارے میں ہے نہ کہ معلقات کے بارے میں ورنہ تو لازم آئے گا کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث بھی نقل فرمائی ہو وہ دوسری روایات پر راجح ہو تو پھر وہ روایات جو امام بخاری نے بصیغۂ قیل، یقال یعنی بصیغۂ مجہول ذکر کیا ہو یا یوں کہو کہ بصیغۂ تضعیف نقل کیا ہے اس کو دیگر روایات صحیحہ پر ترجیح دینا لازم آئے گا اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے اور جب تخصیص ہوگئی تو معلقات کا جو حکم ہے کہ وہ عند التحقيق إلى من يعلق عنه صحیح ہوتی ہیں تو زیادہ سے زیادہ صحیح ہوں گی اور آثار صحیحہ کا جو حکم ہے اس پر عمل کیا جائے گا اب دوسرے آثار جو متقاضی تستر ہیں وہ بظاہر اثر ام الدردا پر راجح ہونگے فإنہ أوفق بالقواعد۔

صحابی و تابعی کا قول حجت ہے یا نہیں

اور تابعی کا قول کسی کے یہاں بھی حجت نہیں اور جو بھی نقل کرتا ہے بطور تائید و استیناس نقل کرتا ہے اور امام بخاری نے بھی اسی مقصد سے نقل فرمایا ہے کما صرح بہ الحافظ ابن حجر (۲/۲۵۲) اور صحابہ کا قول آیا فی نفسہ حجت ہے یا نہیں خود اختلافی مسئلہ ہے:

فقال مالک: هو حجة، وهو قول جماعة من الحنفية كأبي بكر الرازي وأبي سعيد البردعي وفخر الاسلام البزدوى وشمس الائمة السرخسي، وهو قول الشافعي في القديم وهو رواية عن أحمد وقال الشافعي في الجديد الذى صححه أصحابه ليس بحجة، واختاره أبوالخطاب من الحنابلة قال ابن بدران (ص: ١٣٥): وعن أحمد مايدل عليه وهو قول أبي الحسن الكرخي من الحنفية في المدرک بالقياس بل قال ابن بدران: ”ولايخفى أن الكلام في قول الصحابي إذا كا ن ما قاله من مسائل الاجتهاد وأما إذا لم يكن منها ودل دليل علي التوقيف فليس ممانحن بصدده“ اھ۔

اور تحقیقی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ یہ ام الدردا ہجیمہ تابعیہ ہیں پھر اس کو دلیل بنا کر دوسروں پر اعتراض کرنا سراسر جہالت یا تجاہل ہے۔

فروعی مسائل میں الجھنا اور اختلاف کرنا قابل افسوس ہے

افسوس یہ ہے کہ فی زمانہ جس چیز کی ضرورت ہے اس سے تغافل کرلیا گیا اوران فرعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں حالانکہ سلف صالحین میں یہ سب صورتیں تھیں کوئی کسی پر عمل کرتا تھا اور کوئی کسی ارو پر، پھر ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم ہوتی تھی تحیی القطان ووکیع وتحیی ابن معین وغیرہ کے سلسلے میں مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف مائل ہیں: قال ابن تیمیة فی فتاویه (۴۰/۲۰) ومنهم من یمیل إلی مذهب العراقیین کأبی حنیفة والثوری ونحوهما کوکیع ویحیی بن سعیداھ۔

مائل ہی نہیں بلکہ ان کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

قال الذهبي في تذكرة الحفاظ في ترجمة وكيع (۲۸۲/۲) ناقلا عن ابن معين: وكان –يعني– وكيعاً يفتي بقول أبي حنيفة، قال: وكان يحيى القطان يفتي بقول أبي حنيفة، أيضاً وقال الذهبي في رسالته في الرواة المتكلم فيهم بما لايوجب ردهم (ص: ۷) طبع مصر ۱۳۲۴ھـ. إن ابن معين كان من الحنفية الغلاة في مذهبه وإن كان محدثا اھ. وفي ميزان الاعتدال في ترجمة حماد بن سلمة عن هدبة قال كان شعبة رأيه رأى الكوفيين اھ۔

عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ امام مالک کے مذہب کی طرف مائل ہی نہیں بلکہ اسکے قائل ہیں امام شافعی کے مسلک پر ترمذی ونسائی ومسلم وغیرہ کوذکرکرتے ہیں گواس میں تحقیقی طور پر نزاع ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤدونسائی کے بارے میں علامہ انورشاہ نے حافظ ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں حنبلی ہیں اوران حضرات نے ایک دوسرے کی تکریم میں کوئی کمی نہیں کی ہے جیسا کہ کتب تواریخ بھر پور ہیں اور کہیں کسی نے کسی پر کوئی کلام کردیا ہے تو وہ معاصرانہ چشمک یااور کسی امر پر محمول ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں ہرطرف سے انکارحدیث کا فتنہ ہورہا ہے جو اصل دین اور سرمایہ ملت ہے جس کے بغیر قرآن کا سمجھنا اور دین پر باقی رہنا محال ہے اس کی طرف توجہ نہیں حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت اس طرف توجہ کرنے کی ہے مگر نہ معلوم لوگ کیوں اس قسم کے فروعی اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں جو اختلاف فی المباح سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے ہیں اب ان سب امور کے بعد سوال کے نمبرات کے جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے لیکن بعض امور کے متعلق مختصراً عرض ہے۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ صحیحین کی روایتیں غیر صحیحین پر راجح ہوں گی

صحیح روایتیں بخاری و مسلم میں منحصر نہیں

(ا) اول کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت غیر صحیحین پر راجح ہوگی اول تو یہ دعویٰ خود قابل نظر ہے اور بعض محققین علماء نے اس کو تسلیم کرنے کے لیے پس و پیش کیا ہے مثلاً محقق ابن الہمام اس کو نہیں مانتے ہیں اس لیے کہ صحت کا مدار ثقہ رجال و اتصال سند پر ہے اور دونوں چیزیں صحیحین کے اندر محصور نہیں بلکہ خود امام بخاری فرماتے ہیں:

”ما أدخلت في كتابي الجامع الا ما صح وتركت من الصحاح لحال الطول“ كذا رواه الخطيب في تاريخه وروى الإسماعيلى عنه قال: ”لم أخرج في هذا الكتاب إلا صحيحا وما تركت من الصحيح أكثر“ قال الإسماعيلى لأنه لو أخرج كل صحيح عنده لجمع فى الباب الواحدحديث جماعة من الصحابة ولذكر طريق كل واحد منهم، إذا صحت فيصير كتابا كبيرا.

امام مسلم (ص:۱۷۴) فرماتے ہیں: وليس كل شئ عندي صحيح وضعته هٰهنا إنما وضعت هٰهنا ما أجمعوا عليه انتهى.

قال البلقينى قيل أراد مسلم إجماع أربعة أحمد بن حنبل ويحيى بن معين وعثمان ابن أبى شيبة وسعيد بن منصور الخراساني كذا في التدريب (ص: ٤٧) وهذا الإجماع جاء ذكره في مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي فروي بسنده إلى أحمد بن سلمة النيسابوري قال: سمعت إسحاق بن راهوية يقول: كنت أجالس بالعراق أحمد بن حنبل ويحيى بن معين وأصحابنا، فكنا نتذاكر الحديث من طريق وطريقين وثلاثة، فيقول يحيى بن معين من بينهم وطريق كذا فاقول: أليس هذا قد صح بإجماع منا، فيقولون: نعم، فاقول ما مراده ما تفسيره ما فقهه؟ فيبقون كلهم الا أحمد بن حنبل انتهى.

جب امام مسلم کی کتاب محمد بن مسلم بن وارہ اور ابوزرعہ رازی کے پاس پہنچی تو دونوں نے مسلم پر بعض رجال کی احادیث ذکر کرنے پر اعتراض کیا کہ ان کی روایت صحیح کیسے ہوسکتی ہے جیسے اسباط بن نصر قطن بن نسیر وغیرہ نیز یہ کہ اہل بدعت کو موقع ملے گا جو حدیث کتاب مسلم میں نہ ملے گی تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو کتاب صحیح میں

نہیں ہے امام مسلم نے تو اول کا جواب یہ دیا کہ علو سند کے لیے گا ہے بعض مجروح ومتکلم فیہ رواۃ کی حدیث لے لیتے ہیں اس لیے کہ اصل حدیث دوسرے ثقات اثبات کے طریق سے منقول ہوتی ہے اور مشہور دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ :

"إنـمـا أخـرجـت هذا من الحديث الصحيح ليكون مجموعا عندي، وعند من يكتبه عنى فلا يرتاب في صحتها، ولم أقل إنما سواه ضعيف أو نحو ذلک" أخرجه الخطيب في تاريخه في ترجمة أحمد بن عيسى بن حسان (٢٧٤/٤) مفصلا.

حضرات شیخین کی تصریح سے معلوم ہوگیا کہ انہوں نے جمیع صحاح کے روایت کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے، تو لامحالہ بہت سی وہ روایات باقی ہیں جو خود شیخین کے نزدیک صحیح ہیں اسی لیے علماء نے مستدرکات علی الصحیحین لکھیں تا کہ وہ روایات ذکر فرمائیں جو شرط شیخین پر ہیں اور پھر ان کو کسی وجہ سے ذکر نہیں کیا ہے اور چونکہ تصحیح وتضعیف کا مدار قواعد ظنیہ پر ہے، ایک محدث کے نزدیک ایک راوی قابل قبول ہے دوسرا کسی وجہ سے اس میں کلام کرتا ہے تو پھر خارج صحیح احادیث کی تصحیح کی جاسکتی ہے چنانچہ علماء نے ہمیشہ کی ہے شرح المہذب بلکہ جملہ تالیفات امام نووی وحافظ ابن حجر وغیرہ اس سے بھری پڑی ہیں۔

صحیحین کی روایتوں پر نقد

اور صحیحین کی بعض روایات پر علماء نے سلفاً وخلفاً کلام کیا ہے دار قطنی نے ایک مستقل کتاب الاستدراکات لکھی ہے جس میں صحیحین کی روایات پر نقد کیا ہے، شراح نے اکثر کا جواب دیا ہے لیکن بعض جگہ اعتراض عقیم الجواب ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں ص: ٨١/٢ قـديـمه وجديده ٣٤٦/٢، قال يعنى النووى فى مقدمة شرح البخارى.

فصل: قد استدرک الدار قطنى على البخارى ومسلم فطعن فى بعضها وذلک الطعن مبـنـى عـلـى قـواعـد لبـعـض الـمحدثين ضعيفة جدا مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم فلا يغتر بذلک انتهى.

وقـولـه فـي شـرح مسـلـم وقـد أجيب عـن ذلک أو أكثره هو الصواب فان منها. ما الـجـواب عـنـه غيـر مـنتهض كما سيأتى ولولم يكن في ذلک إلا الاحاديث المعلقة التى لم

تتـصـل في كتاب البخاري من وجه آخر ولا سيما إن كان في بعض الرجال الذين أبرزهم فيه مـن فيـه مـقال، فقد قال ابن الصلاح إن حديث بهز بن حكيم المذكور وأمثاله ليس من شرط البـخـاري قـطـعـاً وكـذا مـا فى مسلم من ذلک إلا أن الجواب مما يتعلق بالمعلق سهل، لأن مـوضوع الكتابين إنما هو المسندات، والمعلق ليس بمسند ولهذا لم يتعرض الدار قطني في مـا تتبعـه عـلـى الصحيحين إلى الأحاديث المعلقة التي لم توصل في موضع آخر لعلمه بأنها ليسـت مـن مـوضـوع الـكتـاب وإنـما ذكرت استيناسا واستشهاداً وإن يكون الكتاب جامعا لاكثـر الأحـاديـث التـي يـحتـج بهـا إلا أن منها: ما هو على شرطه فساقه سياق أصل الكتاب ومـنـهـا مـا هـو عـلـى غيـر شـرطه فغاير السياق في إيراده ليمتاز، فانتفى إيراد المعلقات وبقى الكلام فيما علل من الا حاديث المسندات انتهى.

حافظ کی اس عبارت سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ بعض روایات جس پر دار قطنی وغیرہ نے نقد کیا ہے عقیمۃ الجواب ہیں مثلاً منتقدات کی حدیث ۱۸ کے بارے میں حافظ فرماتے ہیں:

ولـم أره إلٰـى الآن مـن حديث عبد الله بن بريدة الا بالعنعنة فعلته باقية إلا أن يعتذر على البـخـاري عـن تخريجه بأن اعتماده في الباب إنما هو على حديث عبد العزيز بن صهيب عن أنس، وقد وافقه مسلم على تخريجه، وأخرج البخاري حديث أبي الأسود كالمتابعة لحديث عبدالعزيز فلم يستوف نفي العلة عنه كما يستو فيها فيمايخرجه على الأصول انتهى.

اسی طرح حدیث ۲۵ دیکھئے! اسی طرح حدیث ۷۵ و ۸۱ دیکھئے امام بخاری نے بـطـريـق ابـن جريج قال قال عطاء عن ابن عباس دو روایتیں نقل کی ہیں:

قـال أبومسعود الدمشقي في حديث ٨١، ثبـت هذا الحديث والذي قبله يعنى بهذا الإسـنـاد سوى الحديث المتقدم فى التفسير من تفسير ابن جريج عن عطاء الخراساني عن ابـن عبـاس، وابـن جريج لم يسمع التفسير من عطاء الخراساني وإنما أخذ الكتاب من ابنه عثمان ونظر فيه.

قـال عـلـي بـن الـمـديـنـي: وسـألـت يـحيى القطان عن حديث ابن جريج عن عطاء الـخـراسـانـي فـقال: ضعيف، فقلت: ليحيى: أنه يقول: أخبرنا قال لاشئ كله ضعيف، إنما هـو كـتـاب دفعه إليه، قال الحافظ في المقدمة ٢/١٠٥، فـفيه نوع اتصال ولذالک استجاز ابـن جريج أن يقول أخبرنا لكن البخاري ما أخرجه إلا على أنه من رواية عطاء بن أبي رباح

وأما الخراساني فليس من شرطه لأنه لم يسمع من ابن عباس، لكن لقائل أن يقول هذا ليس بقاطع في أن عطاء المذكور هو الخراساني فإن ثبوتهما في تفسيره لايمنع أن يكونا عند عطاء بن أبي رباح أيضاً فيحتمل أن يكون هذان الحديثان عن عطاء بن أبي رباح وعطاء الخراسانى جميعا والله اعلم.

فهذا جواب إقناعي وهذا عندي من المواضع العقيمة عن الجواب السديد ولا بد للجواد من كبوة. اھ۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں یہاں ان کا استقصا مقصود نہیں ہے لہٰذا یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کلیہ کہ صحیحین کی روایات غیر صحیحین پر مقدم ہیں یہ اکثری ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیر منتقد روایات کے حق میں ہیں۔

صحیحین کے مقابلہ میں دوسری روایتوں کو ترجیح دی جاسکتی ہے

نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ روایات صحیحین کو ترجیح حاصل ہو بلکہ بعض اوقات غیر صحیحین کی روایت بعض وجوہ کی بناء پر قابل ترجیح ہوگی مثلا بخاری شریف ص ۱۰۰۷ میں حضرت ماعز کے قصہ میں ہے:

"فقال ل: النبی ﷺ خیرا وصلی علیه" لیکن مسند احمد (۲/ ۳۲۳) وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہ میں "لم یصل علیه" ہے قال ابن عبدالهادی فی تنقیح التحقیق: "وقد قدم جماعة من الحذاق منهم البيهقى النفي على الإثبات في حديث ما عز وهو الصواب" كذا في تخريج الزيلعي (۱/ ۳۰۱۷) اگرچہ ایک جماعت نے بخاری کی روایت کی توجیہ کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ "صلی علیہ" سے مراد دعا لہ ہے یا یہ کہا جائے پہلے دن نہیں پڑھی دوسرے دن پڑھی۔

اس قاعدہ کی تشریح کہ

"مافی الصحیحین أولی مما فی غیره"

اب اس کے بعد سنئے کہ یہ جو ضابطہ مشہور فیما بین المحد ثین ہے کہ مافی الصحیحین أولی مما في غيره یہ ان روایات کے بارے میں ہے جس پر نقد نہ کیا گیا ہو، نیز اس قاعدہ سے وہ روایات مستثنی ہیں جو امام بخاری وغیرہ نے تعلیقاً ذکر فرمائی ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر کی تفصیلی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ موضوع

الکتابین احادیث مسندہ ہیں البتہ وہ تعلیقات جو بخاری شریف میں دوسری جگہ موصول ہوں ان کے متعلق یہ بحث نہیں ہے نیز تعلیقات مجزومہ اس راوی تک صحیح ہیں جس کو بخاری نے ذکر فرمایا ہے اب اس راوی کی اور اس کے بعد کے رواۃ کی تحقیق کی جائے گی بعض وقت تو بعض تعلیقات شرط بخاری کے مطابق ہوں گی اور بعض کا درجہ اس سے کم ہوگا جیسا کہ تفصیل سے سخاوی نے فتح المغیث ص ۲۰ میں اور سیوطی نے تدریب (ص ۶۰) اور ان سے پہلے حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (۱/۱۱) میں بیان فرمایا ہے بلکہ فتح الباری کے بعض مقامات میں بھی حافظ نے تعلیقات بخاری کے بارے میں کلام فرمایا ہے لیکن چونکہ ان سے یہاں تعرض مقصود نہیں ہے اس لئے صرف نظر کیا گیا البتہ اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ ام الدرداء کا یہ اثر ابن ابی شیبہ نے المصنف میں روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

حدثنا و کیع عن برد عن مکحول أن أم الدرداء کانت تجلس في الصلوة کجلسة الرجل۔

مکحول رواۃ بخاری میں سے نہیں

مکحول سے اگرچہ مسلم اور اصحاب السنن الاربعہ نے روایت کیا ہے لیکن یہ بخاری شریف کے رواۃ میں نہیں ہے نہ اصول میں اور نہ ہی شواہد ومتابعات وتعلیقات میں، بلکہ انکا نام میرے علم میں بخاری شریف میں نہیں ہے کہیں بھی رواۃ بخاری میں نہیں دیکھا البتہ امام بخاری خارج الصحیح ان سے روایت کرتے ہیں تو یہ راوی شرط بخاری کے مطابق نہیں ہیں نیز اِن ام الدرداء کہہ کر روایت کرتے ہیں۔

حدیث مؤنّن، معنعن کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں

اور حدیث مؤنّن میں اختلاف ہے کہ آیا منقطع ہے **کما یقول بذلک أحمد بن حنبل** یا معنعن کے حکم میں ہے **کما یقول بذلک الجمهور في ماحکاه ابن عبدالبر وغیره وهو الراجح عندهم** اگر اول ہے تو کوئی سوال نہیں ہے اور اگر مذہب ثانی لیا جائے اور یہی راجح ہے تو پھر یہ حدیث معنعن ہوئی اور مکحول مدلس ہیں کما صرح بہ الذہبی وایضا کثیر الارسال ہیں، **کما صرح به الحافظ ابن حجر في التقریب.**

مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں

اورعنعنۃ المدلس محدثین کے یہاں مقبول نہیں ہے لا عـنـد من يشترط المعاصرة ولا عند من يشتـرط الـلقي كالبخاري وشيخه علي بن المديني إلا أن يصرح الراوي من شيخه بسماعه لیکن یہ علت مدفوع ہے لـمـاوقع في بعض طرقه من تصريحه بروية أم الدرداء قال البخاري في تاريخه الصغير (ص ۹۵) حـدثـنا أبو نعيم قال حدثنا سفيان عن ثور عن مكحول ''كانت أم الـدرداء تـجـلـس فـي صـلـوتها جلسة الرجل وكانت فقيهة'' حدثنى أحمد بن عبد الله قال حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن مكحول قال رأيت أم الدرداء تجلس انتهى.

اسی طرح اس روایت کے راوی ثور بن زیاد الکلاعی الحمصی الشامی ہیں وهو من رواة الستة اتـفـقـوا عـلـى تثبتـه فـي الحديث مع قوله بالقدر وكان يرمي بالنصب أيضاً قال يحيى بن معين كان يـجـالـس قوماً ينالون من علي لكنه هو كان لايسب'' لہٰذا یہ اثر علی شرط مسلم ہے، البتہ بخاری کی شرط پر نہیں ہے۔ لیکن یہ ام الدرداء ام الدرداء الصغری ہجیمہ ہیں ويـقـال فى اسمها جُهيمة كما قال البخارى في الكنى المفردة. اور یہ تابعیہ ہیں۔

قال الحافظ بن حجر في فتح الباري ۲/۲۵۲ أنه يعني مكحولاً أدرك الصغرى ولم يدرك الكبرى انتهى.

تابعیہ کا قول ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہ رہا کیونکہ تابعی کا قول کسی کے یہاں بھی حجت نہیں ہے وقد قال الامام الاعظم هم رجال ونحن رجال كما تقدم.

(۲) اب یہ کہنا کہ حنفیہ حیض واستحاضہ میں عورتوں کی روایت پران کے اعرف بحال النساء ہونے کی وجہ سے اعتماد کرتے ہیں لہٰذا یہاں بھی ام الدرداء کے اثر پر اعتماد کرنا چاہئے یہ بے سود ہے اس لیے کہ تابعی کا قول حجت نہیں ہے بل ''قال الحافظ ابن حجر ۲/۲۵۲، لم يورد البخارى أثر أم الدرداء ليحتج به بل للتقوية'' اھ۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ جلسۃ الرجل سے کیا مراد ہے آیا افتراش یا تورک ظاہر ہے کہ قواعد شرعیہ کے مطابق تورک ہی ہے كما تـقـدم مـفـصـلا فأذن يكون هو المراد والتورك جلسة الرجل عند المالكية مـطـلقا، وعند الشافعية فى أكثر الأحوال وعند الحنابلة في بعض الأحوال وعندنا ايضاً لانه أحد

الأمور الجائزة الثابتة عن السيد المصطفى ﷺ بل قال: أصحابنا: أن التورک المروي في الأحاديث محمول على حال العذر فاذن يكون التورک سنة المعذور فهو عندنا ايضاً من جلسة الرجل وإن كان في حال العذر والله أعلم والظاهر عندي أن مكحولا إنما أراد به الردعلى من قال تجلس المرأة متربعة إذا كان المراد بالتربع هو المعني المعروف والله اعلم.

علامہ عینیؒ کا سہو

اب اس کے بعد یہ بھی سن لیجیے کہ امام ابوحنیفہ سے مذہب تو علامہ عینی نے وہی نقل کیا ہے جو سوال میں مذکور ہے لیکن مشہور من حیث المذہب وہی ہے جو حضرت اقدس مولانا احمد علی المحدث سہارنپوری نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے تورک مستحب ہے یہی قدوری کنز الدقائق وشروحہ والوقایۃ وشروحہا وہدایہ وشروحہا وردالمحتار وغیرہ میں مصرح ہے خود عینی نے بھی شرح ہدایہ میں امام ابوحنیفہ کا مذہب نخعی وغیرہ کے موافق نہیں لکھا ہے بلکہ ہدایہ کی پابندی کی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ عینی کو شرح بخاری میں سہو ہو گیا ہے یا ممکن ہے کہ کوئی روایت انھیں ملی ہو لیکن پہلے یہ تو ثابت ہو جائے کہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے بھی یا نہیں ممکن ہے کہ عینی کی مراد بھی یہی ہو کہ چونکہ تورک احد جلسات الرجل ہے کما قدمناہ تو اس لحاظ سے ابوحنیفہ کی طرف انتساب کی توجیہ ہو سکتی ہے ورنہ اصح بلکہ صحیح عندالحنفیہ یہی ہے کہ عورت کے لیے تورک مسنون ہے، اس کے بعد سعایہ مولانا عبدالحی دیکھا تو اس میں علامہ عینی پر نقد فرمایا ہے فرماتے ہیں ۲/۲۳۵، ولايخفى أن ما نسبه أى العيني إلى أبي حنيفة خلاف ما عليه أصحابنا.

(۳) اب اس کے بعد یہ کہنا کہ امام صاحب، نخعی، مالک سے ثبوت کے بعد گنجائش انکار نہیں رہتی ہے بے سود ہے اس لئے کہ امام صاحب سے ثابت نہیں اور امام مالک ونخعی کے احناف پابند نہیں ہیں اور اس پر یہ گھروندہ جو تعمیر کیا گیا تھا کہ احناف یا تو تقلید امام سے انکار کا اعلان کریں یا حدیث پاک کے خلاف ہونے کا اعلان کریں ٹوٹ گیا اسلئے کہ امام صاحب سے خلاف تورک ثابت نہیں ہے اور احناف بھی تورک کے قائل ہیں لہٰذا اعلان کی کوئی ضرورت نہیں اور خلاف حدیث ہونے کا قول ہوس اور وہم ہے، تابعیہ کی اگر ایک تابعی (امام صاحب) مخالفت کریں تو کوئی حرج نہیں ہے هم رجال ونحن رجال آخر حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی تورک کے قائل ہیں۔

کچھ مسئلوں میں امام صاحب کے مسلک پر عمل نہ کرنا تقلید کے منافی نہیں

ایقاظ: آپ کے اس کلام (سوال) میں ایک بات قابل تنبیہ تھی وہ یہ کہ اگر کوئی اس صورت جلوس کا قائل نہیں ہوتا ہے تو ترک تقلید کا اعلان کرے۔

محترم! یہ عجیب بات کہہ دی اگر کوئی اتفاق سے کسی کی ہر بات میں موافقت کرتا ہو اور اتفاق سے ایک یا دو باتوں میں جو اس کے نزدیک اولی وارجح ہیں اگر موافقت نہ کریں تو کیا ایسے شخص کو اس کا مخالف قرار دیں گے ہرگز نہیں اس قسم کا اختلاف تو باپ اور بیٹوں میں ہوا کرتا ہے استاد اور شاگرد میں ہوتا ہے مگر اس کو مخالفت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں اب اگر اتفاق سے اتباع امام نے اگر امام صاحب سے بعض مسائل میں دلائل کی وجہ سے مخالفت کی ہے تو یہ متابعت کے خلاف نہیں ہے آخر حضرات صاحبین نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتنے مسائل میں مخالفت کی ہے پھر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ امام صاحب کے خلاف ہیں؟ میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک دو بلکہ اس سے بھی زیادہ مسائل میں اگر کوئی مخالفت کرے اور دلیل کے تابع ہو کر تو یہ مخالفت امام نہیں ہے آخر سجدۂ شکر کے امام صاحب قائل نہیں ہیں لیکن صاحبین اس کے قائل ہیں کما فی شرح السیر الکبیر (۱/ ۱۴۸) **قال صاحب الدر المختار: سجدة الشكر مستحبة، به يفتى قال شيخ مشائخنا مولانا الكنكوهیؒ فی الكوكب (١/ ٤١٨) لم يقل بجوازها الإمام الهمام ولعله لم يجد الرواية، والمذهب جوازها وهو قول صاحبيه، قال فی شرح المنية والمعتمد أن الخلاف فی سنيتها لا فی الجواز، قال فی الحلية والأظهر أنها مستحبة كما نص عليه محمد لأنها قد جاء فيها غير ماحديث، وفعلها أبوبكر وعمر وعلي فلايصح الجواب عن فعله ﷺ بالنسخ اهـ. (شامی ۲/ ۱۹، طبع دار الفكر)**

اسی طرح امام صاحب سے ”اشعار“ کی کراہت منقول ہے لیکن صاحبین اسکے قائل ہیں اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ سمجھا ہے کہ بہت مبالغہ کرتے تھے حتی کہ سرایت زخم کا خطرہ ہوتا تھا کما قالہ الطحاوی والشیخ ابوالمنصور الماتریدی یہاں مقصد یہ ہے کہ بعض مسائل بظاہر امام صاحب سے منقول ہیں اور صاحبین اسکے خلاف کے قائل ہیں بلکہ بعض میں تو صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے اور (۱۷یا۲۰) مسائل تو ایسے ہیں کہ امام زفر کے قول پر فتوی دیا گیا ہے لیکن کوئی بھی اس سبب سے حنفیت سے خارج نہیں ہوا بلکہ بعض محققین کی تو یہ رائے ہے کہ اگر محقق کو کوئی بات دلائل کی روشنی میں احادیث کے مطابق معلوم ہو اور وہ امام صاحب کے قول کو چھوڑ دے تو یہ خلاف تقلید امام

نہیں ہے اس لئے کہ خود امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے: إذا صح الحديث فهو مذهبى قال ابن عابدين ١/٤٦، ناقلا عن العلامة البيري في أول شرحه على الإشباه عن شرح الهداية لابن الشحنة و نصه "إذا صح الحديث و كان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذلک مذهبه ولايخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عنه إنه قال إذا صح الحديث فهو مذهبي، وقد حكى ذلک ابن عبد البر عن أبي حنيفة وغيره من الائمة .اهـ. ونقله ايضاً الإمام الشعراني عن الائمة الأربعة ولا يخفى أن ذلک لمن كان أهلا للنظر في النصوص و معرفة محكمها من منسوخها فإذا نظر أهل المذهب في الدليل وعملوا به صح نسبتهٗ إلى المذهب لكونه صادرا بإذن صاحب المذهب إذ لاشک أنه لو علم ضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الأقوى. اھ۔

اب اس کے بعد اطالت کی ضرورت نہیں واللہ الموفق۔

(۴) محدث سہارنپوری کا سکوت اس لئے ہے کہ ام الدردا تابعیہ ہیں اور تابعیہ کا قول حجت نہیں ہے۔

(۵) علامہ عینیؒ کا سکوت عن الجواب اس لئے تھا کہ انکے نزدیک امام صاحب کا مذہب اثر مذکور کے موافق تھا گو اس میں کلام ہے اور مذہب وہی ہے جو محدث سہارنپوری نے نقل فرمایا ہے اور اس کا جواب ہو چکا حنفیہ کا استدلال بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

باب (۲)

زکوٰۃ، حج وقربانی

بقدر نصاب بکریاں حولان حول سے پہلے مرجائیں یا فروخت کردے تو کیا حکم ہے

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

سوال:- ایک شخص کے پاس نصاب کے بقدر بکریاں ہیں وہ حولان حول سے قبل مرگئیں یا اس نے خود بیچ دی یا اس کا کسی دوسرے مال سے تبادلہ کردیا اس میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب چاہئے۔

(از شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جواب: قال النووي في شرح المهذب ٤٦٧/٥، قال الشافعيؒ: والأصحاب إذا باع مال الزكوة قبل وقت وجوبها كالثمر قبل بدو صلاحه والحبّ قبل اشتداده والماشية والنقد وغيره قبل الحول أونوى بمال التجارة القنية أو اشترى به شيئا للقنية قبل الحول فإن كان ذلک لحاجة إلى ثمنه لم يكره بلا خلاف لأنه معذور لا ينسب إليه تقصير ولايوصف بفرار، وإن لم يكن به حاجة وإنما باعه لمجرد الفرار فالبيع صحيح بلا خلاف لما ذكره المصنف يعني صاحب المهذب وهو قوله: لأنه باع ولاحق لأحد فيه ولكنه مكروه كراهة تنزية هذا هو المنصوص وبه قطع الأصحاب وشذ الدارمي وصاحب الإبانة فقالا: هو حرام و تابعهما الغزالي في الوسيط وهذا غلط عند الأصحاب، وقد صرح القاضي أبوطيب في المجرد: والأصحاب بأنه لا إثم على البائع فرارا.

قال الشافعي: ”والأصحاب إذا باع فراراً قبل انقضاء الحول فلا زكوة عندنا“ وبه

قال أبو حنيفة وأصحابه و داؤد وغير هم و قال مالک وأحمد وإسحاق إذا تلف بعض النصاب قبل الحول أو باعه فراراً لزمه الزكوة، دليلنا أنه فات شرط وجوب الزكوة وهو الحول فلا فرق بين أن يكون على وجه يعذر فيه أولا يعذر انتهى.

وراجع الرافعي ٤٨٩/٥ والفتح ٢٩٤/١٢.　　　　محمد یونس غفرلہ

بھینس کی قربانی احادیث سے ثابت ہے یا نہیں

سوال: رسول اکرم ﷺ سے بھینس کی قربانی ثابت نہیں ہے لہٰذا بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے اگر ثابت ہو تو تحریر فرمائیں تاکہ ہم سب بھی اس پر عمل کریں ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہی عمل کرے جس کو فداه روحی وأبي وأمي ﷺ نے فرمایا ہو، یا خود کیا ہو یا کسی شخص کو کرتے دیکھا ہو، اور اس کو منع نہ کیا ہو، لہٰذا حنفیہ حضرات اس مسئلہ پر ما أنا عليه وأصحابي کے مطابق کوئی سنت رسول یا کم از کم سنت صحابہ ہو تو دکھلا دیں تو ہم لوگ تسلیم کرنے کو تیار ہیں ورنہ اسکا اقرار کریں کہ یہ یعنی بھینس کی قربانی کا مسئلہ حدیث پاک کے خلاف ہے اور حنفیہ اس مسئلہ میں یتیم فی الحدیث ہیں۔

جواب:- یہ صحیح ہے کہ سوائے ابل و بقر و غنم کے اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں ہے قال في الهداية: ”ولم ينقل عن النبی علیہ وسلم ولا الصحابة رض التضحية بغير الإبل والبقر والغنم“ انتهى، أما التضحية بالإبل ففي مسلم في حديث جابر الطويل، وأما البقر ففي حديث عائشة وجابر في الصحيحين وأما الغنم ففي حديث أنس في الصحيحين

لیکن جاموس بقر ہی کی ایک نوع ہے ہندی میں اسے بھینس کہتے ہیں اور فارسی میں گاومیش کہتے ہیں اور عربی میں جاموس قال صاحب القاموس الجاموس معرب گاومیش اس کا نام فارسی خود صراحت کے ساتھ اس پر دال ہے: وقد صرح بذلک الفقهاء وغيرهم، قال النووی في شرح المهذب (٣٩٣/٨) شرط المجزى في الأضحية أن يكون من الإنعام وهي الإبل والبقر والغنم وسواء في ذلک جميع أنواع الإبل من البخاتي والعراب وجميع أنواع البقر من الجواميس والعراب والدربانية وجميع انواع الغنم من الضأن والمعز وأنواعهما اهـ والله اعلم.

علامۃ ابو الولید بن رشد الحفید بداية المجتهد ٢٥٣/١ میں لکھتے ہیں: أجمع العلماء على جواز الضحايا من جميع بهيمة الأنعام اهـ اور بھینس کا بہائم انعام سے ہونا اظہر من الشمس ہے تو قربانی

گاومیش کے جواز کے قائل صرف حنفیہ ہی نہیں ہیں بلکہ حضرات شافعیہ بھی ہیں بلکہ جمیع امت کا یہی مذہب ہے کما علم ذلک من کلام ابن رشد وقاله ابن المنذر فیماحکاه صاحب المغنی (۵۹۴/۲) والجوامیس صنف من البقر بالإجماع، اھـ۔

اوراگرکوئی یہ کہے کہ امام نووی نے شرح مسلم میں (۱۵۵/۲) لکھا ہے: أجمع العلماء علی أنه لاتجزی التضحیة بغیر الإبل والبقر والغنم إلاماحکاه ابن المنذر عن الحسن بن صالح أنه قال یجوز التضحیة ببقر الوحشي عن سبعة وبالظبي عن واحد وبه قال داؤد في بقرة الوحشي انتهی.

تواس سے معلوم ہوا کہ صرف ابل وبقر وغنم ہی کی قربانی جائز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود سیاق کلام بتارہا ہے کہ حیوانات وحشیہ کی نفی مقصود ہے وقال النووي في شرح المهذب (۳۹٤/۸) نقل جماعة إجماع العلماء أن التضحیة لا تصح إلا بالابل والبقر والغنم، فلا یجزی شئ من الحیوان غیر ذالک وحکی ابن المنذر عن الحسن بن صالح أنه یجوز أن یضحی ببقر الوحشي عن سبعة وبالظبی عن واحد وبه قال داؤد فی بقرة الوحش انتهی اس عبارت کا بھی حاصل وہی ہے کہ حیوانات وحشیہ کی نفی کرنی مقصود ہے خود امام نووی تصریح فرماچکے ہیں کہ بقر میں جاموس بھی داخل ہے کما تقدم واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس غفرلہ

ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے یانہیں

مسئلہ کی تحقیق احادیث کی روشنی میں

سوال: عن جابر بن عبد الله قال ضحّی رسول الله ﷺ بکبشین في یوم العید فقال حین وجههما: إني وجهت وجهی للذي فطر السمٰوات والأرض حنیفاً وما أنا من المشرکین، إلی قوله أللّٰهم منک ولک عن محمد وأمته الخ. رواه الدارمي عن جابر بن عبد الله إلی قوله ألّٰلهم منک ولک عن محمد وأمته الخ. رواه أبو داؤد وابن ماجة أیضاً وحاکم في المستدرک أیضاً والترمذي أیضاً.

علامہ شمس الدین عظیم آبادی نے غنیۃ الالمعی کے اندر جو طبرانی کے ساتھ ملحق ہے اس میں متعدد طرق سے احادیث اس بارے میں نقل کی ہیں کہ ایک جانور سارے اہل بیت بلکہ جمیع امت کی طرف سے قربانی کے لیے کافی ووافی ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں جن میں سے پانچ کتابوں کے حوالہ سے بندہ نے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا ہے عظیم آبادی صاحب فرماتے ہیں حاصل الکلام:

إن حديث اضحية النبي ﷺ عن أمته روى من طرق متعددة وإسناد بعض طرقه صحيح جيد وبعض طرقه حسن قوي وبعض طرقه ضعيف لكن لايضر ضعف بعض الطرق فإن الطرق الضعيفة حينئذ بمنزلة الشواهد والمتابعات۔

کچھ دور چلنے کے بعد لکھتے ہیں: **قال النووي في شرح مسلم أى قوله هو مذهبنا ومذهب الجمهور، وكرهه الثوري وأبو حنيفة وأصحابه انتهى كلامه.**

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: **وقول من منعها ليس فيه حجة فلا يقبل كلامه الا بدليل أقوىٰ منه ولا دليل عليه،** ان عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ حنفیہ کے پاس منع کے لیے کوئی قوی دلیل اور نص صریح نہیں ہے نیز جمہور کے خلاف ہے اگر ہو تو جناب والا مفصل مدلل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں۔

جــواب:- اضحیہ کے حکم میں ائمہ مختلف ہیں بعض تو وجوب کے قائل ہیں جیسے امام صاحب اور امام مالک فی روایۃ ومحمد بن الحسن اور اکثر سنیت کے قائل ہیں کالشافعی واحمد ومالک فی روایۃ وابی یوسف وہو روایۃ عن محمد، پھر شاۃ (بکری) ایک کی طرف سے اور ابل وبقر وغیرہ جمہور کے نزدیک سات کی طرف سے اور بعض تابعین وائمہ مثلاً سعید بن المسیب واسحاق وغیرہ کے یہاں ابل ۱۰ کی طرف سے اور بقر سات کی طرف سے کافی ہے، امام مالک کے یہاں اشتراک فی الاضحیۃ جائز ہی نہیں ہے یعنی ثمن میں اشتراک ہو، جمہور کے یہاں اشتراک فی الثمن جائز ہے پھر امام مالک واحمد وغیرہ کے یہاں اگر کوئی ابل یا بقر یا غنم میں اپنے سارے گھر والوں کو شریک کرے تو جائز ہے یہی شافعیہ کا مسلک ہے ایک شاۃ اہل بیت کی طرف سے کافی ہے لیکن یہ تشریک فی الثواب ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی قربانی کرے اور اپنے اہل وعیال کو شریک کرے تو قربانی تو ایک ہی کی طرف سے ہوگی البتہ ثواب میں سارے شریک ہو جائیں گے اس صورت کا احناف بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔

وفي رد المحتار: قد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح اهـ.

قال في الفتاوى الإمدادية (۴۹۴/۳) قلت: قد دل الحديث على جواز التضحية عن

الحي تبرعاً وعلى جواز الواحدة عن الكثيرين اهـ.

قـلـت: والـحديث الذى ذكره في ردالمحتار أخرجه أحمد وابن ماجة والحاكم من طـريـق الثـوري عـن عبـد الله بـن محمد بن عقيل عن أبي سلمة عن عائشة وأبي هريرة ’’أن النبي ﷺ كان إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين فـذبـح إحـدهـمـا عن أمته ممن شهد له بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وآل محمد.

’’ورواه ابـن أبـي شيبة وإسـحـاق وأبو يعلى من حديث حماد بن سلمة عن ابن عقيل عـن عبـد الـرحـمـن بـن جـابـر عـن أبيـه جـابر بن عبدالله به مرفوعاً ورواه أحمد وإسحاق والـطبـرانـي مـن حديث شريک ورواه أحمد والبزار والحاكم من حديث زهيربن محمد كـلاهما عن ابن عقيل عن على بن حسين عن أبي رافع به كما ذكره ابن أبي حاتم في العلل قـال أبـوزرعة: ’’هـذا كـله من ابن عقيل فإنه لايضبط حديثه والذين رووا عنه هذا الحديث كلهم ثقات‘‘ وقال البخاري: لعله سمعه من هؤلاء‘‘ ملخصاً من تخريج الزيلعي ۳/۱۵۱.

وفـي البـاب عـن أبـي طلحة أخرجه ابن أبي شيبة وأبو يعلى والطبراني وأنس أخرجه ابـن أبـي شيبة والـدار قـطـنـي وحذيفة بن أسيد أخرجه الحاكم في المستدرک، ومحمل الـحـديـث هـو التشـريـک فـي الثـواب وهـكـذا هـومـحمل الحديث الذى أخرجه مسلم ۲/۱۵٦عن عائشة أن رسول اللّٰه ﷺ أمـر بكبش أقرن يطأ في سواد وينظر في سواد فأتى به لـيـضـحـي بـه قـال: ياعائشة! هلمى المدية ثم قال اشحذيها بحجر ففعلت ثم أخذها وأخذ الـكـبـش فـأضـجـعـه ثـم ذبحه ثم قال: بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة مـحـمـد ثم ضحى به‘‘ قال الطيبي: المراد المشاركة في الثواب مع الأمة لأن الغنم الواحد لايكفى عن اثنين فصاعدا‘‘ اھ۔

یہی چیز ہم حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کی کتاب امداد الفتاوی سے نقل کرآئے ہیں اس حدیث کو مشارکت فی الثواب پر شوافع میں سے صاحب العدہ اور شیخ ابراہیم المروزی نے بھی حمل کیا ہے نیز جمہور کے یہاں ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے بلکہ بندہ کے علم میں کسی کا اختلاف نہیں ہاں ابل وبقر میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

ایک خاص بات قابل توجہ یہ ہے کہ اگر ایک جانور مطلقا سارے اہل بیت کے لیے قربانی کی ادائیگی میں

کافی ہوتا تو فاشترکنا في البعير سبعة وغيره صحابہؓ کا فرمانا بظاہر بے سود ہے اس لیے کہ پھر تو کسی ایک خاص عدد کی قید بیکار ہے ہاں البتہ ایک بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ بعض اکابر کے یہاں اضحیت سنت علی الکفایہ ہے لہٰذا ایک قربانی سب کی طرف سے کافی ہوگی یہی نووی وغیرہ نے ترجیح دی ہے قال في شرح المهذب (۳۹۷/۸) تجزی الشاة عن واحد ولا تجزئ عن أكثر من واحد، لكن إذا ضحى بها واحد من أهل البيت تتادى الشعار في حق جميعهم وتكون التضحية في حقهم سنة كفاية.

وقال في موضع آخر (۳۸٤/۸) قال أصحابنا، التضحية سنة على الكفاية في حق أهل البيت الواحد، فإذا ضحى أحدهم حصل سنة التضحية في حقهم، قال الرافعي: الشاة الواحدة لأيضحى بها إلا عن واحد لكن إذا ضحى بها واحد من أهل البيت تأتى الشعار، والسنة لجميعهم قال: وعلى هذا حمل ماروى أن النبيﷺ ضحى بكبشين قال: ”اللهم تقبل من محمد ﷺ وآل محمد“ قال النووي: وقد حمل جماعة الحديث المذكور على الاشتراك فى الثواب. اھ۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ احادیث تشریک فی الثواب پر محمول ہیں اور اس حمل کے لیے کوئی دلیل صریح نافی موجود نہیں ہے: ”وأما قول النووي في شرح مسلم (۱۵٦/۲) تحت حديث عائشة الماضي واستدل بهذا من جوّز تضحية الرجل عنه وعن أهل بيته واشتراكهم في الثواب وهو مذهبنا ومذهب الجمهور وكرهه الثوري وأبوحنيفة وأصحابه وزعم الطحاوي أن هذا الحديث منسوخ أو مخصوص وغلطه العلماء في ذلک فإن النسخ والتخصيص لا يثبتان بمجرد الدعوى“ انتهى فكلام غير محرر.

فإن النووي قد صرح فی شرح المهذب: بأن الشاة الواحدة لا تجزئ إلا عن واحد وهذا هو الذي يقوله أصحابنا، وأما أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت فهذا يقوله النووي وغيره ممن قال: إن التضحية سنة على الكفاية وحمل الحديث على هذا.

وأما نحن فنحمل الحديث على التشريک في الثواب وقد حمله عليه جماعة من أصحاب الشافعي، كالشيخ إبراهيم المروزي وصاحب العدة والعلامة الطيبي وغيرهم ولا دافع لهذا المعني والله أعلم.

أما الذى أنكره أصحابنا فهو كفاية شاة واحدة عن أهل بيت في إقامة واجب

التضحية وهذا لم يأت به دليل وما قامت بذلک حجة لأنا قدمنا أن الحديث محتمل عن آخر وهو التشريک في الثواب وقضايا الأحوال إذا تطرق إليها الإحتمال سلبت الإستدلال لما يبقي فيها من الإجمال" والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

محمد یونس عفی عنہ

کیا امام طحاویؒ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں؟

"إن المعلومات يوم النحر وثلاثة أيام بعدهٗ" کی تحقیق

سوال: وقد روى ابن أبي شيبة من وجه آخر عن ابن عباس: "إن المعلومات يوم النحر وثلاثة أيام بعده" ورجح الطحاوي هذا لقوله تعالى "ويذكروا اسم الله في أيام معلومات على مارزقهم. (فتح الباری ۲/۲٦٦).

ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے پوری سند تحریر فرمادیں امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ملتا امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے بیان امام طحاوی کی کونسی کتاب میں ہے اس کتاب کا نام اور صفحہ تحریر فرمادیں۔

جواب: ابن ابی شیبہ کی سند باوجود تتبع بالغ کے نہیں مل سکی اس لئے کہ جس قدر مطبوعہ نسخہ ہے اس میں نہیں ہے اور جو نسخہ قلمیہ ہے اس میں بھی نہیں ملی لیکن ابن کثیر نے سورۃ الحج کی تفسیر (۲۱۷/۳) میں اس کی سند کا کچھ حصہ نقل کیا ہے: "قال الحكم عن مقسم عن ابن عباس: الأيام المعلومات يوم النحر وثلاثة أيام بعده" قال أبوبكر الرازي في أحكام القرآن: فقد روي ابن أبي ليلى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس: المعلومات يوم النحر وثلاثة أيام بعده، أيام التشريق. یہ مذہب ابن عباس سے متعدد علماء نے نقل کیا ہے کہ قربانی یوم النحر کے بعد تین دن تک ہے: فأخرج البيهقي ۲۹٦/۹ من طريق طلحة بن عمرو الحضرمي عن عطاء عن ابن عباس قال: الأضحى ثلاثة أيام بعديوم النحر، لكن طلحة الحضرمي ضعيف ضعفه ابن معين وأبو زرعة وغيرهما وقال أحمد والنسائي متروک". لیکن امام نووی نے شرح مہذب (۳۹/۸) میں یہ مذہب علی بن ابی طالب، جبیر بن مطعم اور ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے اس کے برخلاف ایک جماعت نے حضرت ابن عباس سے تین دن

نقل کیا ہے یوم النحر اور دو دن اس کے بعد قال ابن التركماني في الجوهر النقي (۹/۲۹٦) أخرج الطحاوي في أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس، قال: الأضحى يومان بعد يوم النحر. اهـ.

اسی طرح یہ مذہب ابن عباسؓ سے حافظ ابن عبد البر اور علامہ موفق صاحب المغنی (۱۱/ ۱۱٤) ابوالحسن کرخی صاحب ہدایہ (ص:٤٤٦) وغیرہ فقہاء رحمہم اللہ نے نقل فرمایا ہے: وهذا المذهب رواه مالك عن ابن عمر وعلي، ورواه البيهقي ۲۹۷/۹، عنهما وعن أنس وقال الطحاوي في أحكام القرآن لم يرو عن أحد من الصحابة خلافهم فتعين اتباعهم، إذ لايوجد ذلك إلا توقيفاً وقال ابن عبد البر في الإستذكار: روى ذلك عن علي، وابن عباس، وابن عمر ولم يختلف فيه عن أبي هريرة وأنس وهو الأصح عن ابن عمر، وهو مذهب أبي حنيفة والثوري، ومالك وفي نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم أجمع الفقهاء إن التضحية في اليوم الثالث عشر غير جائزة إلا الشافعي فانه أجاز فيه" كذا في الجوهر (۹/۲۹۷).

قلت: ومذهب أحمد كالجمهور كما في المغني، وقد ورد في حديث جبير بن مطعم عن النبي صلي الله عليه وسلم كل أيام التشريق ذبح، رواه أحمد وابن حبان والبزار من طريق عبد الرحمن بن أبي حسين عنه وأعلّه البزار بالانقطاع وأخرجه أحمد والبيهقي من طريق سليمان بن موسى عن جبير بن مطعم وأعله البيهقي بالانقطاع ولو ثبت هذا لكان القول به واجباً لكن قال النووي في شرح المهذب ۳۹۰/۸: الأصح أنه موقوف" والله اعلم.

ایام نحر یعنی قربانی تین دن ہیں یا چار دن

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا اختلاف

سوال : عینی جو شرح ہے بخاری شریف کی (۹۰/۱۰) پر ہے حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں امام طحاوی نے بسند جید فرمایا ہے اب یہ حضرت ابن عباس کا قول طحاوی میں نہیں ملتا یہ قول امام طحاوی کی کون سی کتاب میں ہے اس کتاب سے پوری سند تحریر فرمادیں یہ بڑا زبردست اشکال ہے فتح الباری طحاوی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی قربانی چار دن ثابت کرتے ہیں اور علامہ عینی حضرت ابن عباس کے

قول سے بحوالہ طحاوی تین دن کی قربانی ثابت کرتے ہیں اور کتاب طحاوی میں دونوں قول نہیں ملتے مہربانی فرما کر اپنا قیمتی وقت اس بات پر خرچ کریں اور معمہ کو حل فرمادیں فتح الباری کی بات صحیح ہے یا علامہ عینی کی؟ ابن عباس کے دونوں قول کی سند مطلوب ہے یہ تین سوال جناب کی خدمت عالیہ میں ارسال ہیں امید اللہ کی ذات سے کہ آپ ان تینوں سوالوں کا جواب مدلل عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

جواب: حافظ ابن حجر نے طحاوی کی کس کتاب سے نقل کیا ہے معلوم نہیں ہوسکا طحاوی کی کتاب معانی الآثار مشکل الآثار میں یہ مسئلہ سردست نہیں ملا علامہ عینی نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ تو احکام القرآن تصنیف امام طحاوی سے نقل کیا ہے جیسا کہ جواب نمبر دو سے معلوم ہوگیا ہوگا علامہ ابن الترکمانی نے جوہر نقی میں احکام القرآن ہی سے نقل کیا ہے اور بظاہر عینی کی شرح ہدایہ (۱۷۷/۴) کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن الترکمانی کا اقتداء کیا ہے اس کے بعد قابل تنبیہ امر یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے ایام معلومات کی شرح میں ابن عباس کا اثر مذکور فی السوال نقل فرمایا ہے اگرچہ فتح الباری کے سیاق (۳۸۱/۲) سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایام اضحیہ امام طحاوی نے بیان فرمائے ہیں۔

ایام معلومات وایام معدودات کا فرق

لیکن یہاں ایک اختلاف اور بھی ہے کہ ایام معلومات اور ایام معدودات کا کیا مصداق ہے بعض حضرات نے ایام معلومات کی تفسیر ایام عشر سے کی ہے کما رواہ عبد بن حمید اور بعض نے ایام معلومات کی تفسیر یوم نحر اور ثلثۃ ایام بعدہ سے کی ہے یعنی ایام التشریق، ممکن یہ ہے کہ طحاوی نے یہاں پر ایام معلومات کی تفسیر ثانی کو ترجیح دی ہو اس صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ماقبل میں خود طحاوی کا ایام النحر کا صرف تین دن اختیار کرنا منقول ہو چکا ہے نیز ابوبکر الرازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں: ذكر الطحاوي عن شيخه أحمد بن أبي عمران عن بشر بن الوليد، قال كتب أبو العباس الطوسي إلى أبي يوسف يسأله عن الأيام المعلومات فأملى عليه أبو يوسف جواب كتابه: اختلف أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فروي عن علي وابن عمر أنها أيام النحر، وإلى ذلك أذهب لإنه قال: على ما رزقهم من بهيمة الأنعام الخ .

وقال العيني (۳۷۹/۳): اختلف السلف في الأيام المعلومات والمعدودات فالمعلومات العشر والمعدودات أيام التشريق وهي ثلثة أيام بعد يوم النحر عند أبي حنيفة رواه عنه الكرخي وهو قول الحسن وقتادة وروى عن علي وابن عمر أن المعلومات هي

ثلثة أيام النحر والمعدودات أيام التشريق وهو قول أبي يوسف ومحمد، وقال الشافعي من الأيام المعلومات النحر وروى عن علي وعمر يوم النحر ويومان بعده وبه قال مالك وقال الطحاوي وإليه أذهب اھ۔

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود ایام معلومات کی تفسیر ذکر کرنی ہے نہ کہ ایام ذبح بیان کرنا ہے نیز اس تفصیلی عبارت سے معلوم بھی ہوگیا کہ طحاوی کے نزدیک ایام معلومات صرف تین دن ہیں ظن غالب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تسامح سے کام لیا ہے کوئی بھی تو طحاوی سے حافظ کے موافق نقل نہیں کرتا ہے اور احناف کا بیان اس باب میں زیادہ قابل اطمینان ہے ''**فان صاحب البیت أدری بما فیه**'' حافظ ابن حجر بسا اوقات دوسرے کے اتباع میں طحاوی سے کچھ نقل کرجاتے ہیں لیکن وہ خلاف تحقیق ہوتا ہے مثلاً حافظ ابن حجر نے وطی حائض میں طحاوی کا مذہب امام احمد کے موافق تبعاً للکرمانی لکھا ہے حالانکہ طحاوی کی ساری بحث پڑھنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ انہوں نے جمہور کا مذہب یعنی **ما فوق السرة وما تحت الركبة** سے جواز استمتاع اختیار کیا ہے۔

اسی طرح حافظ نے **نهى عن الشرب قائماً** کے ذیل میں لکھا ہے: ''**جنح الطحاوي إلى حمل النهي على من لم يسم عنه شربه**'' اور پھر اس پر اعتراض کیا ہے حالانکہ طحاوی نے نہ معانی الآثار میں لکھا ہے اور نہ ہی ''مشکل'' میں بلکہ دونوں جگہ نہی اشفاقی وارشادی قرار دیتے ہیں اور یہی عینی نے نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے فتح الباری تفسیر ابن کثیر اوجز المسالک جلد ثالث کا ملاحظہ فرمالیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۰؍ربیع الاول لیلۃ الجمعہ المبارکۃ ۱۳۹۰ھ

حجاج وغیر حجاج کے لئے عیدین اور ایام تشریق میں روزہ کی حرمت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مسالک کی تحقیق

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں:

(۱) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ عید الفطر وعید الاضحیٰ وایام تشریق ۹؍تا ۱۳؍ذی الحجہ ابتداء ایام تشریق کی حرمت روزہ غیر حاجیوں کے لئے ہے۔

(۲) شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ عیدالفطر وعیدالاضحیٰ اور عیدالاضحیٰ کے متصل بعد تین یوم تک روزہ حجاج کے لئے بھی حرام ہے غیر حاجیوں کی طرح۔

(۳) مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے بعد تین یوم کے بجائے دو یوم حرام ہیں انکی رائے ہے کہ متمتع وقارن کے لئے عیدالاضحیٰ کے اگلے دو یوم کا روزہ جائز ہے البتہ مفرد کے لئے جائز نہیں۔

(۴) حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ عیدالفطر وعیدالاضحیٰ اور عیدالاضحیٰ کے اگلے تین یوم کا روزہ غیر حاجیوں کے لئے حرام ہے اور مفرد کے لئے حرام ہے متمتع وقارن کے لئے جائز ہے سوالات کی غلطی کا ازالہ فرماتے ہوئے ائمہ اربع کے دلائل تحریر فرمائیں نیز حنفیہ کے مسلک کی ترجیح بھی ذکر کریں۔

طالب دعا محمد اختر اعظمی

جــــواب:- اپنے سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مسائل سن لیجئے اور ان سے اپنے سوالات کا جواب خود ہی حل کر لیجئے

(۱) عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کا روزہ بالاتفاق حرام ہے۔ **لايـجـوز بـحـال وقـد نـقـل الاتفاق على حـرمة الـصـيـام فيهـمـا الـبـغـوي فـي شـرح الـسـنـة والـموفق ابن قدامة في المغني (۹۷/۳) وأبـوالوليد بن رشد في البداية (۱۸۲/۱) والـقـاضي عياض في الإكمال والنووي في شرح مسلم (۳۶۰/۱) وشرح المهذب (۴۴۰/۶) والحافظ ابن حجر والعيني وغيرهم.**

والـدلـيـل عـلى ذلـك ماروى البخارى (ص: ۲۶۷) ومسلم (ص: ۳۶۰) والترمذي (ص:۹۶) وابن أبي شيبة (۱۰۴/۳) وأبوداؤد (۱۶۷/۳،س ۳) وغيـرهـم عن أبي عبيد مولىٰ ابـن ازهـر، قال: شهدت العيد مع عمربن الخطابؓ فقال: هذان يومان نهى رسول الله ﷺ عن صيامهما يوم فطركم من صيامكم واليوم الآخرتأكلون فيه من نسككم.

وأخـرجـوا أيـضـاً عن أبي سعيد الخدري قال: "نهى رسول الله ﷺ عن صوم يومين يـوم الـفـطـر ويـوم النحر" وفي لفظ لأحمد والبخاري لاصوم في يومين: الفطر والأضحى وفي لفظ المسلم لايصلح الصيام في يومين.

ونـقـل أبوالبركات ابن تيمية في المنتقى بلفظ "لا يصح الصيام في يومين" وعزاه لمسلم ولم ينبه عليه الشوكاني (۲۲۲/۴) فاللّٰه اعلم.

وأخـرج الشيـخـان عـن أبـي هريرة أن رسـول الله ﷺ نهـى عـن صيـام يومين يوم

الأضحى ويوم الفطر واللفظ لمسلم.

وأخرج مسلم وابن أبي شيبة (۱۰۴/۳) بنحوه عن عائشة.

قال القاري (۵۴۲/۲): "وفي الشرح السنة اتفق أهل العلم على أن صوم العيد لا يجوز".

وقال الحافظ (۲۰۸/۴): وفي الحديث أي حديث عمر المذكور أولا تحريم صوم يومي العيد سواء النذر والكفارة والتطوع والقضاء والتمتع وهو بالإجماع.

وقال النووي (ص: ۳۶۰) قد أجمع العلماء على تحريم صوم هذين اليومين بكل حال سواء صامهما عن نذر أو تطوع أو كفارة أو غير ذلك". اهـ. وقال القاضي عياض: وأجمعوا على حرمة صومهما بأي وجه كان الصوم نذراً أو تطوعاً أو دخولا في الصوم التتابع. اھ

(۲) اگرکوئی شخص عید کے دن روزہ رکھنے کی نذر مان لے تو اس میں اختلاف ہے کہ یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں قال مالک والشافعي في الجديد لا ينعقد نذره ولا يلزمه قضائه.

(نووی ۳۶۰/۱ الابی ۲۵۵/۳ اوجز ۵۲/۳ وغيرها).

وقال أحمد في رواية حنبل: هذا نذر معصية على نادره الكفارة لاغير، وفي رواية أخرى، أن عليه القضاء مع الكفارة، والأولیٰ هي الصحيحة، قاله القاضي لأن هذا نذر معصية فلم يوجب قضاء كسائر المعاصي قاله صاحب المغني (۳۶۱/۱۱) والشافي (۳۴۸/۱۱) وعن أبي حنيفة في ذلك ثلاث روايات، إحداها كمذهب مالک والشافعي، وهي رواية أبي يوسف وابن المبارک، والثانية يصح نذره ويقضي، ولو صامه صح وعصیٰ، والثالثة لا يصح نذر صوم يوم النحر بعينه وإن نذر صوم غد، وهو يوم النحر صح، والثانية وهي ظاهر الرواية عن الإمام كما في رد المحتار (۱۲۴/۲) وغير ذلک.

حنفیہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس میں جمع بین الادلۃ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وليوفوا نذورهم مطلقاً ایفاء نذر کو مقتضی ہے اور عیدین کے دن کے روزہ کی ممانعت چاہتی ہے کہ اس دن کی نذر بھی صحیح نہ ہو اس لئے کہ جب اس دن کا روزہ ہی جائز نہیں ہے تو نذر کیسے جائز ہوگی کیوں کہ نذر طاعت کی ہوتی ہے اور معصیت کی نذر نہیں ہوا کرتی ہے: لقول النبي ﷺ، "لانذر في معصية". رواه أبو داؤد والنسائي عن عائشة.

احناف کہتے ہیں نذر تو منعقد ہوجائے گی لاطلاق الآية اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہ ہوگا: لورود

النهي في الأحاديث بل يقضي يوماً آخر مكانه لئلا يلزم إبطال ما ألزمه نفسه.

(۳)صوم یوم عرفہ غیر حاجی کے لئے بالاتفاق مستحب ہے وقد ورد الترغيب فيه في مسلم وأنه يكفر السنتين السنة الماضية والسنة المستقبلة.

البتہ حاجی کے متعلق اختلاف ہے اس میں علماء کے پانچ قول ہیں:

اوّل: افطار افضل ہے اور صوم خلاف اولیٰ وهو قول الشافعية والحنابلة.

ثانی: صیام مکروہ ہے وهو قول المالكية وبعض الشافعية.

ثالث: اگر روزہ کی وجہ سے ضعف نہ پیدا ہو تو مستحب ہے ورنہ مکروہ ہے وهو قول الحنفية وبعض الشافعية.

رابع: حرام ہے قاله يحييٰ الانصاري.

خامس: بعض سلف مطلقا مستحب کہتے ہیں ومال إليه إسحاق بن راهويه ولا يخفى أن قول الحنفية في ذلك أعدل الأقوال فإنهم راعوا فضيلة هذا اليوم وكذا راعوا أعمال الحج فاستحبوه إذا لم يضعفه عن وظيفة الوقت وأما إذا شغله عن وظيفة الوقت هي أقدم والله أعلم.

ایام تشریق کی تعیین میں اختلاف

ایام تشریق کی تعیین میں اختلاف ہے کہ آیا یوم النحر کے بعد دو یوم ہیں یا تین یوم كما ذكره الحافظ ابن حجر (٤/ ٢١٠) لیکن ائمہ اربعہ کے متبعین نے بیک زبان یہی کہا ہے کہ ایام تشریق یوم النحر کے بعد تین ایام ہیں۔

قال النووي في شرح المهذب (٦/ ٢٤٢): "أيام التشريق هي الثلثة التي بعد النحر ويقال لها أيام منى لأن الحجاج يقيمون فيها بمنى وأيام التشريق هي الأيام المعدودات" اهـ.

وقال فی شرح مسلم (١/ ٣٦١) أيام التشريق ثلثةبعد يوم النحر وكذا قال القسطلاني وشارح المنهاج وغيرهم من الشافعية والقاضي أبو الوليد الباجي (٢/ ٥٩) و (٣/ ٨٣) وابن رشد (١/ ١٨٢) والزرقاني وغيرهم من المالكية، وعلي القاري (٢/ ٥٤٢) وابن عابدين (١/ ٥٦٢)وغيرهم من الحنفية وهو ظاهر الهداية (١٥٥) من فقه الحنفية

ومختصر الخرقي وشرحه المغني (١١٤/١١) من فقه الحنابلة.

وقال صاحب نيل المآرب: "أيام التشريق هي حادي عشر ذي الحجة وثاني عشروثالث عشر". اھ. وكذا صرح شيخ مشائخنا في البذل وقال القاضي أبو الوليد بن رشد (٢٥٨/١): لا خلاف بينهم أن الأيام المعدودات هي أيام التشريق وأنها ثلثة أيام بعد يوم النحر إلاما روى عن سعيد بن المسيب أنه قال: يوم النحر من أيام التشريق. اھ۔

ابن رشد کا یہ کلام تو بظاہراس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں اتفاق ہے کہ ایام تشریق تین دن بعد یوم النحر ہیں۔

ہاں ایک امر مختلف فیہ ہے اس کی طرف ابن رشد نے اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ یوم النحر بھی آیا، ایام التشریق میں داخل ہے یا نہیں سعید بن المسیب وغیرہ کی رائے ہے کہ داخل ہے:

قال القاضي عياض: أيام التشريق عند الأكثر الثلثة بعد يوم النحر وقيل هي أيام النحر كذا في اللأبّى (٢٥٦/٣).

وروى ذلک عن ابن عباس وعطاء وقال القسطلاني: "أيام التشريق هي ثلثة بعد يوم النحر" وهذا قول ابن عمر وأكثر العلماء وروى عن ابن عباس وعطاء أنها أربعة أيام يوم النحر وثلثة بعده، والأول أظهر فقد قال النبيﷺ: أيام منىٰ ثلثة". اھ. قال النووي في شرح المهذب (٤٤١/٦) وروى البيهقي بإسناد ضعيف عن أبي هريرة: أن النبيﷺ نهى عن صيام قبل رمضان بيوم والأضحى والفطر وأيام التشريق ثلثة بعد يوم النحر. اھ۔

ان ساری تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایام تشریق میں کسی کا اختلاف اس میں نہیں ہے کہ یوم النحر کے بعد تین یوم ہیں صرف اس میں اختلاف ہے کہ یوم النحر بھی ان میں داخل ہے یا نہیں لیکن حافظ ابن حجر کی جلالت شان کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ شاید ایک اور مسئلے کے اختلاف کی وجہ سے مسئلہ مبحوث عنہا میں اشتباہ ہو گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایام قربانی کتنے دن ہیں:

قال ابن رشد (٢٥٧) أما آخر زمان الذبح فإن مالكا قال آخره اليوم الثالث من أيام النحر، وذلک مغيب الشمس، فالذبح عنده هو في الأيام المعلومات يوم النحر ويومان بعده، وبه قال أبو حنيفة وأحمد وجماعة وقال الشافعي والأوزاعي: "الأضحى أربعة أيام

يـوم النحر وثلثة أيام بعده'' وروى عن جماعة أنهم قالوا الأضحى يوم واحد وهو يوم النحر خاصة وقد قيل: الذبح إلى آخر يوم من ذى الحجة وهو شاذ لا دليل عليه. اھ۔

تو بظاہر جمہور کے قولین اولین فی ایام الذبح سے اشتباہ ہوگیا لیکن یہ محقق ہے کہ ایام تشریق وایام ذبح میں تلازم نہیں ہے بلکہ جمہور کے مسلک پر یوم عاشر یوم النحر ہے مگر ایام تشریق میں نہیں ہے اور رابع عشر یوم النحر نہیں ہے اور حادی عشر وثانی عشر وثالث عشر ایام النحر اور ایام التشریق دونوں ہیں ہاں امام شافعی کے مسلک پر صرف دو صورتیں ہوں گی یعنی عاشر یوم النحر ہے یوم تشریق نہیں اور باقی تین دن دونوں ہیں یوم تشریق بھی اور یوم النحر بھی۔

ایام تشریق کے روزوں کا حکم

(۵) ایام تشریق کے روزہ کے بارے میں بڑی تفصیل کتب فقہ میں ہے جس کا ذکر کرنا یہاں موجب اطالت ہے علامہ عینی وغیرہ نے اس میں نو اقوال نقل کئے ہیں: والـمـخـتـصـر الـمفيد في هذا المقام ما ذكره الحافظ ابن حجر (٤/٢٤٢) قـال البخاري: باب صيام أيام التشريق قال الحافظ أى الأيـام التي بعد يوم النحر وهل تلتحق بيوم النحر في ترك الصيام كما تلتحق به في النحر وغيـره مـن أعمال الحج أو يجوز صيامها مطلقاً أو للمتمتع خاصة؟ أوله ولمن هو في معناه وفـي كـل ذلك اختـلاف لـلـعـلـماء والراجح عند البخاري جوازها للمتمتع فإنه ذكر في الباب حديثي عائشة وابن عمر في جواز ذلك ولم يورد غيره وقد روى ابن المنذر وغيره عـن الـزبـيـر بـن العوام وأبي طلحة من الصحابة الجواز مطلقا وعن علي وعبد الله بن عمرو بن العاص المنع مطلقا، وهو المشهور عن الشافعي وعن ابن عمر وعائشة وعبيد بن عمير فـي آخـريـن مـنـعه إلا للمتمتع الذى لا يجد الهدى، وهو قول مالك والشافعي في القديم وعـن الاوزاعـي وغـيـره يـصـومها أيضا المحصر والقارن .اهـ. وبالمنع مطلقا قال أبوحنيفة وعـن أحـمـد روايتـان وأصحهما المنع كما قال النووى في شرح المهذب (٦/٤٤٥) قال الزركشي الحنبلي: وإليه رجع أحمد. اهـ، وهو القول الجديد للشافعى والأصح عند أكثر أصـحـابـه، ونقل العينى عن المزني أنه حكى أن الشافعي رجع إليه بعد قول الجواز وهكذا حـكـى الـرجـوع الـحـافظ ابن حجر (٣/٣٤٦) ومـن أصـحـاب الشـافـعـي من اختار قول الـجـوازلـلـمـتـمـتـع، منهم النووى في شرح المهذب (٦/٤٤٥) قـال والأرجـح في الدليل

صحتها للمتمتع وجوازها له .اھ.

جولوگ مطلقاً اباحت کے قائل ہیں بظاہر انہوں نے برأت اصلیہ پر اعتماد کیا ہے اس لئے کہ اس باب میں کوئی ایسی روایت جو اباحت مطلقہ پر دلالت کرتی ہو موجود نہیں ہے بلکہ روایات کثیرہ میں مطلقا ممانعت وارد ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے علامہ موفق کی رائے ہے کہ ان حضرات کو منع کی روایت نہیں پہنچیں قــال (٩٧/٣) ”والـظـاهـر أن هـولاء لم يبلغهم نهي رسول الله ﷺ عـن صيـامها ولـو بلغهم لم يعدوه إلى غيره“.اھ.

اور جو حضرات متمتع کے لئے جائز کہتے ہیں ان کا مستدل بخاری وغیرہ کی بعض روایات ہیں فـقـد أخـرج عن عائشة وابن عمرؓ قالا لم يرخص في أيام التشريق أن يصمن الا لمن لم يجد الهدى.

اور جولوگ مطلقا منع کے قائل ہیں ان کا استدلال احادیث کثیرہ سے ہے جو بیس سے زائد ہیں بلکہ بعض اہل علم کا بیان تو یہ ہے کہ وہ تیس تک پہنچ جاتی ہیں جن میں ایام تشریق کے صیام کی مطلقا ممانعت وارد ہے:

فـقد أخرج مسلم (٣٦٠) عـن نبيشة قال قال رسول الله ﷺ: أيـام التشريق أيام أكل وشرب ”وزاد في طريق وذكرالله“.

وأخرجه أحمد (٧٥/٥) من طرق بهذه الزيادة ووهم صاحب المغني (٩٧/٣) فجعل هذا الحديث متفقاً عليه.

وأخـرجـه مسلم عن كعب بن مالک أن رسول الله ﷺ بـعثه وأوس بن الحدثان أيام التشريق فنادى: ”أنه لا يدخل الجنة إلا مؤمن وأيام منى أيام أكل وشرب“.

وأخـرج أبوداؤد (١٦٨/٣/٢) والتـرمذي (٩٦) والـطحاوي (٣٣٥/١) وابـن حبان والـحـاكم عن عقبة بن عامرقال قال رسول الله ﷺ: ”يـوم عـرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيـدنـا أهـل الإسـلام وهى أيام أكل وشرب“ قال الترمذي: حديث حسن صحيح وأخرج أبـوداود عن أبي مرة مـولـى أم هـانـيء أنـه دخـل مع عبد الله بن عمر وعلى أبيه عمرو بن الـعـاص فـقـرب إليهـما طعاما فقال: ”كل قال إني صائم فقال عمرو، كل! فهذه الأيام التي كان رسول الله ﷺ يـأمـرنـا بـإفـطـارهـا، ونهى عن صيامها قال مالک وهى أيام التشريق“ والـحـديـث أخـرجـه مـالـک في المؤطأ (٥٢٩/٣) والـطحاوي (٤٢٨/١) وابـن الـمنذر وصححه ابن خزيمة والحاكم كما ذكره الحافظ (٢١١/٤) وأخرج الطحاوي (٤٢٨) عن

عـلي بن أبي طالب قال: "خرج منادي رسول الله ﷺ فـي أيام التشريق فقال: إن هذه الأيام أيـام أكـل وشـرب" وأخـرج بـنحوه من حديث عبدالله بن حذافة وبشر بن سحيم الغفاري ومعمر بن عبد الله العدوي ورجل من أصحاب النبي ﷺ وأخرج عن أبي هريرة وأم الفضل وأم مسعود الزرقي بزيادة "وذكر الله".

وأخـرج عـن سـعـد بـن أبي وقاص وأم خلدة الأنصارية بزيادة: وبعال بدل وذكرالله وجـاء ذكر بعال في حديث ابن عباس عند الطبرانی وأبی هريرة عند الدارقطنی أيضاً وزيد بـن خـالـد الجهني عند أبي يعلى وبهذا يرد على المنذري في دعواه "أنها لفظة غريبة ليس فی شئ من الطرق".

وأخـرج أحـمـد عـن ابن عمر أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: "إنها أيام طعـم" وذكـر وإسناده حسن وأخرج البزاروعبد الله بن أحمد عن يونس بن شداد أن النبي ﷺ نهى عن صوم أيام التشريق".

قال البزار: لايعلم يونس أسند إلا هذا الحديث، وفيه سعيد بن بشير وهو ثقة، ولكنه اختلط كما في مجمع الزوائد (۲۰۳/۳).

وأخـرج الإمـام أحمد عن حبيبة بنت شريق أنها كانت مع أبيها فاذا بديل بن الورقاء عـلـى العضباء راحلة رسول الله ﷺ يـرحـلها فنادى أن رسول الله ﷺ قـال: مـن كان صائماً فليفطر، فإنها أيام أكل وشرب. وفي إسناده رجل لم يسم وأخرجه الطبراني في الأوسط الا أنه قال: إنها كانت مع أمها العجماء.

وأخـرج الـطبراني في الكبير عن أم الحارث بنت عياش قالت: رأيت بديل بن ورقاء عـلى جمل يتبع الناس فينادى أن رسول الله ﷺ يـأمركم إن لاتصوموا هذه الأيام فإنها أيام أكـل وشـرب" وفـي إسـنـاده ضـرارابن صرد وهو ضعيف وله طرق عند ابن أبي عاصم في الـوحدان وأبي نعيم وابن مندة يدور على ابن جريج عن محمد بن يحيىٰ بن حبان عنها كما في الإصابة.

روایات نہی کی یہ کثرت امام طحاوی وعلامہ ابن تیمیہ وعلامہ سیوطی کی عادت کے موافق اس کے متواتر ہونے کا فیصلہ کرتی ہے اس کے بعد دیکھا تو واقعی امام طحاوی نے اس کے تواتر کا حکم لگایا ہے اور یہ احادیث اپنے

اطلاق کی وجہ سے قارن و متمتع سبھی کو شامل ہیں:

قال الطحاوي (٤٢٩): فلما ثبت بهذه الآثار عن رسول الله ﷺ النهى عن صيام أيام التشـريق وكان نهيه عن ذلک بمنیٰ والحاج مقيمون بها وفيهم المتمتعون والقارنون ولم يستثن منهم متمتعاً ولا قارناً دخل المتمتعون والقارنون في ذلک النهى".اه.

اورحضرت عائشہ وابن عمر کے ارشاد: "**لم يرخص فى أيام التشريق أن يصمن إلا لمن لم يجد الهدى**" کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے ہے کوئی حدیث مرفوع نہیں لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ بعض طرق میں رفع کی تصریح وارد ہے: **فـقـد أخرج الطحاوي (١/ ٤٥٠) والـدارقـطني من طريق يـحيـى بـن سلام عن شعبة عن ابن أبي ليلى عن الزهري عن سالم عن أبيه أن رسول الله ﷺ قـال فـي الـمـتـمـتـع: "إذا لم يجد الهدي ولم يصم في العشر أنه يصوم أيام التشريق" ولفظ الدار قطني رخص رسول الله ﷺ للمتمتع إذا لم يجد الهدي أن يصوم أيام التشريق".**

لیکن یحییٰ بن سلام راوی ضعیف ہیں: **قـال الـدار قـطـنـي: "ليس بالقوي" وقال الطحاوى: "هـو حـديـث مـنكر لايثبته أهل العلم بالرواية بضعف يحیٰ بن سلام عندهم وابن أبي ليلى وفسـاد حفظهما**" اس لئے اب رفع صریح کا ثبوت تو دشوار ہے اورصرف ابن عمرو عائشہ کا اثر باقی رہ جاتا ہے امام طحاوی کا رجحان یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے یہ آیت کریمہ: "**فـمـن لـم يـجد فصيام ثلثة أيام في الحج**" کے عموم سے اخذ کیا ہے **ولفظه (٤٣٠) قولهما: يجوز أن يكونا عَنَيا بهذه الرخصة ماقال اللّٰـه عـزوجل في كتابه "فصيام ثلثة أيام في الحج" فعداها أيام التشريق من أيام الحج فقالا رخـص للحاج والمحصر فى صوم أيام التشريق لهذه الآية ولأن هذه الأيام عندهما من أيام الـحـج وخـفـي عليهما ماكان من توقيف رسول الله ﷺ الـنـاس مـن بعد على أن هذه الأيام ليست بداخلة في ما أباح اللّٰه عزوجل صومه من ذلک" انتهیٰ.**

ایام تشریق کے روزے

(٦) اوراگر کسی نے ایام تشریق کے روزوں کی نذر مان لی تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ نذر صحیح ہے مگر اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے **للنهى الوارد فى ذلک** بلکہ تین دن قضا کرے اور کفارہ دے **كما فى الدر المختار (٢/ ١٢٤ شـامـى) ونيل المآرب** (اوجز ٣/ ٥٢) اوراگر انھیں ایام منہیہ میں روزہ رکھ لیا تو حنفیہ

کے یہاں درست ہے مگر ارتکاب منھی عنہ کی وجہ سے گنہگار ہوگا: کما تقدم فی العید وهي رواية عن أحمد كما فى المغنى (۳۵۹/۱۱) وأما مذهب المالكية فهو ما ذكره الباجي (۳۰۷/۲) أما صيامها على وجه النذر فإنه لاخلاف في المذهب أنه لا يجوز صوم اليومين الأولين عن نذر معين ولا غير معين وأما اليوم الرابع فإنه يصوم عن نذره وذلک يقتضى تعيينه بالنذر.

وفي الأبي (۲۵۶/۳) وفي صوم أيام منىٰ لغير المتمتع ثالثها يصوم الآخر وفي إجزائها لكفارة اليمين بالله تعالىٰ ثالثها يصوم الآخر وفي المدونة لايقضى فيها رمضان ولا غيره ولا يبتدأ فيها صوم ظهار ولاقتل نفس وشبهه الا من ابتدأه قبلها فمرض فصح فيها فلا يصومها ويصوم الثالث ويصومه ناذره. اھ.

اورشافعیہ کے مذہب کی کوئی واضح تفصیل مہذب وشرحہ والوجیز وشرحہ میں نہیں ملی وقال في شرح المهذب (۴۴۳/۶) هل يجوز لغير المتمتع أن يصومها فيه وجهان مشهوران: أصحهما عند جميع الأصحاب لا يجوز وبه قطع المصنف وكثيرون أو الأكثرون لعموم الحديث فى منع صومها وإنما رخص للمتمتع، والثانى يجوز والقائل بالجواز أبو إسحاق المروزي قال أصحابنا الذين حكوا هذا الوجه: إنما يجوز في هذه الأيام صوم له سبب من قضاء أو نذر أو كفارة أو تطوع له سبب فأما تطوع لا سبب له فلا يجوز". انتہی۔

حاجی اگر متمتع یا قارن ہوتو اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

(۷) حاجی اگر متمتع یا قارن ہوتو اس پر دم واجب ہے بالاتفاق بین الائمۃ الاربعۃ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ دم شکر ہے جیسا کہ حنفیہ وحنابلہ کہتے ہیں یا دم جبران نقصان ہے جیسا کہ مالکیہ وشافعیہ کہتے ہیں لیکن اگر کوئی قارن یا متمتع دم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتو اس کے ذمہ دس روزہ بنص القرآن واجب ہیں قال تعالىٰ: "فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلک عشرة كاملة".

قال الموفق (۵۰۵/۳) لانعلم بين أهل العلم خلافا في ذلک اھ۔

پھر تین دن کے روزوں کا ایک وقت مستحب ہے اور ایک وقت جواز فأما الوقت المستحب فقال أحمد: الاختيار أن يصومها مابين إحرامه بالحج ويوم عرفة ويكون آخر الثلثة يوم عرفة (مغنى ۵۰۵/۳).

وقال أبو حنيفة: الأفضل أن يصوم السابع والثامن والتاسع.

وقال الشافعي وأصحابه: المستحب أن يفرغ منه قبل يوم عرفة فإنه يكره للحاج صوم يوم عرفة. كذا في المهذب.

وقال النووي في شرح المهذب (۱۸۷/۷): ويستحب صوم جميع الثلثة قبل يوم عرفة لأنه يستحب للحاج فطر يوم عرفة وأما قول المصنف يعنى أبا إسحاق الشيرازي صاحب المهذب فخلاف عبارة الجمهور. انتهى.

وأما مذهب المالكية فقال الدردير المالكی: ''أول وقته من حين إحرامه بالحج إلى يوم النحر وهو معنىٰ قوله تعالىٰ في الحج'' وقال الدسوقي: ''يندب فيها التتابع كما يندب في السبعة الآتية أيضاً''۔ اوروقت جواز کی ابتداء میں تین قول ہیں حنفیہ واحمد فرماتے ہیں کہ: احرام عمرہ باندھنے کے بعد جائز ہے اور امام احمد فی روایۃ فرماتے ہیں کہ جب عمرہ سے فارغ ہوجائے تب وقت جواز شروع ہوتا ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جب حج کا احرام باندھ لے اس وقت سے شروع ہوتا ہے اس لئے کہ صیام ہدی کا بدل ہے اور ہدی کا وجوب احرام حج سے پہلے نہیں ہوتا ہے اور حنابلہ وحنفیہ کہتے ہیں کہ احرام عمرہ تمتع کا احد الاحرامین ہے لہٰذا سبب کا وجود ہوگیا اور وجود سبب کے بعد اداء صیام میں کوئی اشکال نہیں ہے آخری وقت جواز کیا ہے اس میں بھی اختلاف ہے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ آخری وقت یوم عرفہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آخری وقت آخر ایام تشریق ہے قول اول حنفیہ کا مذہب ہے اور احد القولین فی مذہب الشافعیہ ہے بلکہ قاضی ابوالولید الباجی نے تو (۸۳/۳) مطلقاً اصحاب الشافعی سے یہ نقل کردیا ہے کہ صیام ایام منیٰ قضا ہے ولفظہ ''وقد قال أصحاب الشافعي أن صيام منىٰ إنما هو على وجه القضاء'' اھ۔

لیکن درست یہی ہے کہ شافعیہ کے اس مسئلے میں دو قول ہیں ایک قول تو وہی جو باجی نے نقل کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایام منیٰ ایام اداء ہیں اور اس کے بعد قضا ہوگی: قال النووي في شرح المهذب (۱۸٦/۷): ولا يجوز تأخير الثلثة ولا شيء منها عن يوم عرفة، نص عليه الشافعي في المختصر وتابعه عليه الأصحاب وإذا فات صوم الثلثة في الحج لزمه قضائها ولا دم عليه ويحصل فواتها بفوات يوم عرفة، إن قلنا لا يجوز صوم أيام التشريق وإن جوزناه حصل الفوات بخروج أيام التشريق ولا خلاف أنها تفوت بخروج أيام التشريق قال أصحابنا: إن قلنا أيام التشريق يجوز له صومها فصامها كان صومها أداء. انتہی۔

مالکیہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ صیام ایام تشریق اداء ہیں قــال الـقــاضــي البــاجــي (۸۳/۳): ''والأظهر من المذهب أنه على وجه الأداء وإن كان الصوم قبلها أفضل'' اھ۔

حنابلہ کے مسلک کی تفصیل بندہ کے پاس موجودہ کتب حنابلہ مغنی اوراس کے متن مختصر خرقی اورشافی اور اسکے متن مقنع میں نہیں ملی لیکن موفق صاحب المغنی (۵۰۷) اورشمس الدین ابن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی (۳۳۵/۳) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صیام ایام منیٰ اداء ہیں: قالا: أنه يصوم أيام منىٰ لأن الله تعالىٰ أمر بصيام الثلاثة في الحج ولم يبق من أيام الحج إلاهذه الأيام فتعين الصوم فيها، فإذا صام هذه الأيام فحكمه ماحكم من صام قبل يوم النحر. انتهى . اورقول ثانی أحد القولين في مذهب الشافعيه ہے: وهو مذهب مالک والحنابلة كما تقدم تقريره والله اعلم.

(۸) ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ تین دن کے روزے یوم النحر سے پہلے پہلے اداء کرنے چاہئے لیکن اگر کوئی شخص یوم النحر سے قبل نہیں رکھ سکا تو آیا ایام تشریق میں روزہ رکھے گا یا نہیں قولان للشافعي وروايتان عن أحمد واختلف أصحابهما في الترجيح فرجح جمهور الشافعيه عدم الجواز وهوالجديد عن الشافعي، ومال إليه بعض الحنابلة ورجح النووي الجواز وهو المرجح عندجمهور الحنابلة وهو مذهب مالک ثم قال أبوحنيفة: ''فات الصيام بفوات يوم عرفة وتقرر فى ذمته الهدي'' كما هو مصرح في كتب أصحابنا من الهداية وغيرها وصرح به القاضي الباجي من المالكية (۳۰۷/۲) فقال قال أبوحنيفة: إذا لم يصم الثلثة الأيام قبل يوم النحر فقد ترتب عليه الهدى ولا يجزئه الصوم وهو أحد قولي الشافعي. اھ.

قلت: ''فمانقله صاحب المغنى (۵۰۷/۳) وتبعه صاحب الشافى (۳۳۵/۳) عن أصحاب الرأى أنه يصومها بعد ذلک لا يصح'' وقال مالک: ''أنه يصوم بعد ذلک سواء مرت أيام التشريق أو لا'' وبه قال الشا فعي وأحمد على كلا القولين أى جواز الصوم في أيام التشريق وعدم الجوازفيها.

فائدہ: قارن متمتع کے حکم میں ہے كما صرح به الحنابلة كصاحب نيل المآرب والروض المربع (أوجز ۵۲۷/۳) والمالكية كما صرح به الدردير (أوجز ۵٤/۳) والشافعية كما ذكر في الأوجز (۵۲۷/۳) ان ساری تفصیلات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حنفیہ کے نزدیک عرفہ کا روزہ غیر حاج کے لئے مطلقاً مستحب ہے اوراس حاج کے لئے جو متمتع وقارن ہو اور غیر واجد الهدی ہو اور مفرد کے لئے اس وقت مستحب ہے جب

کہ ضعف کا باعث نہ ہو اور عیدین و ایام تشریق کا روزہ مطلقاً ناجائز ہے: الا لمن نذرها فيلزمه قضاء هذه الأيام والكفارة، ولو صامها صح وعصىٰ لارتكاب النهي.

اور شافعیہ کے نزدیک عرفہ کا روزہ غیر حاج کے لئے مستحب اور حاج کیلئے خلاف افضل ہے حتیٰ للمتمتع الذی لم يجد الهدي اور عیدین کا روزہ مطلقاً ناجائز ہے حتیٰ لمن نذره ولا ينعقد نذره اور ایام تشریق کا روزہ متمتع غیر واجد الهدي کے لئے جائز ہے علیٰ أحد القولين ولايجوز على القول الآخر وهو المشهور عندهم اور حنابلہ کے نزدیک عرفہ کا روزہ غیر حاج کے لئے مستحب اور حاج کے لئے غیر مستحب الا المتمتع والقارن الذين لم يجدا الهدي فيستحب لهما.

اور عیدین کا مطلقاً ناجائز ہے اور ایام تشریق کا روزہ ناجائز ہے الا لمن نذر صيام العيدين وأيام التشريق فيلزمه القضاء والكفارة اور ایام تشریق میں متمتع وقارن غیر واجد الہدی کے لئے روزہ رکھنے میں دو روایتیں ہیں والأرجح عندهم الجواز كماجزم به في الروض المربع ونيل المآرب.

اور مالکیہ کے نزدیک عرفہ کا روزہ غیر حاج کے لئے مستحب اور حاج کے لئے مکروہ ہے اور للمتمتع الذي لم يجد الهدي فيستحب له اور عیدین کا روزہ مطلقاً ناجائز ہے اور ایام تشریق کا روزہ متمتع غیر واجد الہدی کے لئے جائز ہے اور بقیہ کے لئے ناجائز اور اگر نذر کا روزہ ہو تو پہلے دو دن مطلقاً ناجائز ہے اور اخیر کے دن جائز ہے۔

تنعیم سے عمرہ کے بدعت ہونے کی تحقیق

غیر مقلدین کا اشکال اور اس کا جواب

مکتوب گرامی حضرت اقدس شیخ محمد زکریا صاحبؒ

عزیز گرامی قدر مولوی یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سلمہ،

بعد سلام مسنون

اس ناکارہ کے سفری حالات تو عزیزان طلحہ ونصیر سے وقتاً فوقتاً معلوم ہوتے ہی رہتے ہوں گے، اس ناکارہ نے ۱۵/ ذی الحجہ کی شام کو مکہ مکرمہ سے چل کر رات کو بدر میں ڈاکٹر اسماعیل کے یہاں قیام کیا کہ وہ وہاں ملازم ہیں اور پیر کی صبح کو مدینہ منورہ پہنچ گیا بدر میں قیام کی زیادہ مصلحت یہ بھی تھی کہ مدینہ منورہ صبح کو پہنچ جائیں گے اور ہجوم نہیں ملے گا مگر یہ غرض تو پوری نہ ہوئی، اس مرتبہ ہندوستان کے قیام میں طبیعت بہت ہی زیادہ خراب رہی، یہاں پہنچنے کے

بعد تو بحمد اللہ تعالیٰ جملہ امراض میں کمی ہے اور سکون کا تو پوچھنا ہی کیا۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

ہجوم کا حال تو مدینہ پاک میں بھی اب تک ایسا ہے کہ کوئی نماز مسجد کے اندر نہ ہوسکی بلکہ مدرسہ شرعیہ ہی میں پڑھ رہا ہوں کہ صفیں بہت آگے تک چلی جاتی ہیں روضہ اقدس پر بھی صرف ایک ہی مرتبہ حاضری ہوئی وہ بھی ایک ثلث رات کے قریب سپاہیوں کے پہرے میں کہ شیخ الاغوات اور شرطیوں کے افسر سے ایک صاحب نے کہہ دیا کہ وہ کئی دن سے آیا ہوا ہے مگر ہجوم کے وجہ سے نہیں آسکتا انہوں نے ایک تہائی رات تک تو پولیس کے ذریعہ سے حرم شریف کو خالی کر دیا کہ حج کے زمانہ میں ہجوم کا نکالنا بہت مشکل ہوجاتا ہے اور پھر میرے پاس بلانے کو آدمی بھیجا میں نے اس طرح جانے سے انکار کر دیا مگر ان لوگوں کی طرف سے بھی اصرار ہوا اور جو واسطہ تھے ان کی طرف سے بھی کہ مجھے شرمندگی ہوگی اس لئے گیا تو مگر شرمندگی ہوئی کہ یوں مشار بالبنان بن کر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا اس لیے جلد ہی آگیا، اس وقت میں اور صرف میرے رفقاء تھے اور کوئی نہیں تھا، لکھنا تو کیا تھا نہ معلوم کاہے میں لگ گیا، یہاں کے روحانی برکات کو تو اہل قلوب جانیں مگر اس ناپاک سگ دنیا کیلئے تو مادی فتوحات کا جوزور یہاں ہوتا ہے کہ مطہرہ (پاکستان)، افریقہ، لندنی احباب حج کے بعد عمروں کیلئے بھی کثرت سے آتے رہتے ہیں، اور مجھے اپنے متعلق استدراج کا بہت فکر رہتا ہے، اس کے علاوہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اگرچہ یہاں نہیں مگر کوئی علمی ترقی کرنا چاہے تو اس کا میدان ضرور ہے ہر جگہ سے علماء آتے رہتے ہیں اور مختلف اشکالات کرتے رہتے ہیں یہ ہر سال ہوتا ہے تم جیسے دوستوں کو دق بھی کرتا رہتا ہوں، آج کل مفتی اعظم پاکستان مفتی محمود صاحب آئے ہوئے ہیں ان کا اشکال یہ ہے کہ اہل حدیث تنعیم کے عمرے کو بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا عمرہ تو مجبوری کا تھا اور نہ کسی دوسرے سے مکہ سے تنعیم عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے جانا ثابت نہیں حتی کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ تو حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے احرام نہیں باندھا، یہاں نہ تو کتابیں ہیں اور نہ کوئی اس کے لئے فارغ؟ مدرسہ میں بھی آج کل تعطیل ہورہی ہے، طحاوی نے تو جہاں تک یاد ہے مستقل باب عمرۃ التنعیم باندھا ہے اس کو بھی دیکھیں اور بھی کسی جگہ آثار سے اور حدیث مشہور تقریری مل جائے تو کیا ہی پوچھنا، رات مولوی اظہار نے بتایا کہ میری حجۃ الوداع مطبوعہ بیروت کے (ص ۱۸۴) پر بخاری کے حوالہ سے یہ تو موجود ہے: ''قال النبي ﷺ أفرغتما؟ قالت نعم!'' میرے خیال میں تو تصریح ہے مگر مفتی محمود

صاحب نے اس کو تصریح نہ مانا، اس لئے کسی روایت میں تنعیم سے عمرہ لانے کی تصریح آثار صحابہ ہی سے چاہے ہو ضرور لکھ کر بھیج دیں، اپنی آنکھوں کی معذوری سے اور صحت کی معذوری سے بہت ہی قلق ہو رہا ہے کہ یہاں سارا دن کھانے پینے اور سونے میں گذر جاتا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مکی مدنی لوگ تو کم سوتے ہیں مگر یہ جو لوگ آفاقی حج وعمرہ کے لئے آویں ان کیلئے صبح کی نماز کے بعد دو تین گھنٹے سونا اور ایک دو گھنٹے ناشتہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے اتنے میں ظہر کا وقت ہو ہی جاتا ہے اور ظہر کے بعد قیلولہ کرنا تو ضرور ہے ہی حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں سلام کے بعد دعا کی درخواست بھی کر دینا اور یہ بھی کہہ دیں کہ ناکارہ آپ کی صحت وقوت کے لئے بہت اہتمام سے دعا کرتا رہتا ہے کہ مدرسہ کو آپ کے وجود کی بہت ضرورت ہے، یہ ناکارہ تم سب دوستوں کے لئے اور مدرسہ کے لئے بہت اہتمام سے دعائیں کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میرے حضرت کے اس باغ کو ہر نوع کے مکارہ سے محفوظ فرما کر ہر قسم کی ترقیات سے نوازے آج کل طبیعت کچھ بہت ہی گھبرا رہی ہے ؎

کس جگہ لیجائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم — باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل

ہندوستان کے تصور سے بھی جی گھبراتا ہے اس لئے کہ کوئی دینی یا علمی کام تو وہاں ہے نہیں جو میری دلبستگی کے سبب تھے، ڈاک کا انبار روز افزوں جو تضییع اوقات کا سبب ہے، مدینہ پاک میں جی تو بہت لگ رہا ہے اور ڈاک سے بھی فی الجملہ امن ہے اس لئے کہ یہاں خط لکھنے والوں کو ڈیڑھ دو روپئے خرچ کرنے پڑتے ہیں مگر کوئی علمی کام تو یہاں ہے نہیں اور اس کا اب قلق بھی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جتنا ہو گیا وہی مالک کا احسان ہے اور اس کے فضل سے کافی ہے، ضعف دماغ اور ضعف بدن اور اعذار کی وجہ سے عبادات تو ہوتی نہیں ورنہ اس کا میدان تو بڑا اچھا ہے، ضعف دماغ کیوجہ سے قرآن پاک نماز میں پڑھا نہیں جاتا، ضعف بدن کیوجہ سے بغیر سہارے بیٹھا نہیں جاتا اور ٹانگوں کیوجہ سے حرم نبوی تک جو میری دیوار ہی کے قریب ہے حاضری نہیں ہوتی، ہجوم خوب ہے اس لئے میرے جانے کیواسطے چار آدمیوں کی ضرورت ہے اسلئے پہنچنا مشکل ہے چلنے کے قابل ہوتا ایک آدمی کے سہارے جب چاہتا پہنچ جاتا مولانا عبدالحلیم صاحب دو ہفتے ہوئے مکہ سے آگئے ہیں قیام میرے قریب ہی ایک مبلغ کے مکان پر ہے جن کے ساتھ مکہ سے آئے تھے صبح کو ہندی دس بجے کے قریب میرے پاس تشریف لاتے ہیں ہندی ساڑھے گیارہ بجے میں بھی حرم کیلئے اٹھ جاتا ہوں اور وہ بھی تشریف لیجاتے ہیں عشاء کے بعد کا کھانا مستقل ہمارے ساتھ ہے اسلئے کہ دن میں تو ہمارے یہاں دسترخوان ہے نہیں میرے خصوصی احباب رات ہی کے دسترخوان پر مدعو ہوتے ہیں کوئی کبھی کبھی، کوئی مستقل، ہفتہ عشرہ میں واپسی کا

ارادہ کررہے ہیں کہ بمبئی کے بھائی عبدالکریم وغیرہ جو میرے ساتھ آئے تھے اور مولانا بھی اسی میں تھے وہ بھی ہفتہ عشرہ میں واپسی کا ارادہ کررہے ہیں معلوم نہیں عزیزم شاہد کی تقریر بخاری کا وقت تمہیں مل رہا ہے یا نہیں ان چیزوں کو تم مولوی عاقل، سلمان مل کر میری زندگی میں پوری کرادو تو اچھا ہے کہ طباعت کی آسانی ہے بعد میں دشوار ہے۔ فقط والسلام

شیخ الحدیث مدظلہ بقلم حبیب اللہ

جواب:- سیدی و مولائی مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کافی عرصہ ہوگیا کہ حضرت والا کا مفصل گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا تھا فوری جواب تو اسلئے نہیں لکھا کہ تلاش کرنا تھا اور تلاش کرنے پر جب کچھ نہ ملا تو روزانہ سوچتا کہ آج لکھوں کل لکھوں تا آنکہ بیحد تاخیر ہوگئی جس کی معافی کی درخواست ہے کافی جدوجہد کے بعد کوئی روایت نہیں ملی نہ تو تقریری اور نہ ہی کسی صحابی کا اثر اس زمانہ کے غیر مقلدین اصل میں ابن القیم کے مقلد ہیں انہوں نے زادالمعاد (۱/۱۷۸) میں لکھا ہے جس کو حافظ ابن حجر نے ملخص کر کے لکھا ہے کہ **لم ينقل أنه ﷺ اعتمر مدة إقامته بمكة قبل الهجرة ولا اعتمر بعد الهجرة إلا داخلا إلى مكة، ولم يعتمر قط خارجا من مكة إلى الحل ثم يدخل مكة لعمرة كما يفعل الناس اليوم ولا ثبت عن أحد من الصحابة أنه فعل في حياته إلا عائشة.**

لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (۴/۳۵۵) **وبعد أن فعلته عائشة بأمره دل على مشروعيته.**

حضرات محدثین امام بخاری وامام ترمذی وغیرہ نے مستقل عمرہ تنعیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور امام دارمی (۲۳۷) نے باب المیقات فی العمرۃ میں حضرت محرش کعبی کی روایۃ عمرہ جعرانہ والی اور حضرت عائشہ کی روایۃ عمرہ تنعیم والی ذکر فرمائی ہے یہ سب اس بات کی مؤید ہیں کہ عمرہ تنعیم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہ خیال کرنا کہ یہ باہر سے آنے والوں کیلئے میقات ہے بے دلیل ہے اس لئے کہ اگر جعرانہ والی روایۃ میں صورت واقعہ کو دیکھ کر یہ کہہ دیا جائے تو عمرہ تنعیم والی روایت دیکھ کر اس کا الٹا بھی کہا جاسکتا ہے اگر عمرہ تنعیم بدعت ہوتا تو ائمہ حدیث اس کا باب کیوں منعقد کرتے اور یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ نے عذر کی بنا پر کیا تھا صحیح ہے لیکن حضرت عائشہؓ تو بعد میں بھی جب حج کرتی تھیں تو حج کے بعد مکہ سے باہر جاتی تھیں اور احرام باندھ کر آکر عمرہ کرتی تھی چنانچہ مؤطا میں حضرت عائشہ کی باندی مرجانہ سے روایت ہے: **كانت عائشة تعتمر بعد الحج من مكة في ذى الحجة ثم تركت بعد ذلك فكانت تخرج قبل هلال المحرم حتى تأتي الجحفة فتقيم**

بهـا حتى ترى الهلال فإذا رأت الهلال أهلت بعمرة قال الشيخ في الأوجز (٣/٣٦٤) ولعل ذلک لتـحـصيل الفصل بين الحج والعمرة امتثالاً لأمر أمير المؤمنين كما سيأتى قريبا في بـاب العمرة: أفصلوا بين حجكم وعمرتكم فإن ذلک أتم لحج أحدكم ولعمرته أن يعتمر فى غير أشهر الحج'' اھ۔

حضرت عائشہ کو اگر عذر تھا تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جب حج کیا تھا اسوقت تھا ہمیشہ نہیں تھا بعد میں حضرت عائشہؓ کا مکہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آ کر عمرہ کرنا جواز کی دلیل ہے وکـفـى بهـا قدوة اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ بعد میں اس لئے عمرہ کرتی تھیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اسی طرح عمرہ کیا تھا اور ان حضرات صحابہ کا دستور یہ تھا کہ جس حال پر حضور اکرم ﷺ سے جدا ہوئے یہ چاہتے تھے کہ ساری زندگی اسی حال پر گزار دیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بات صحیح ہے مگر حضرت عائشہؓ نے آپ کے بقول تنعیم سے عمرہ عذر کے وجہ سے کیا تھا گویا بلا عذر جائز نہیں اس لئے کہ بدعت ہے تو اگر بدعت ہوتا تو حضرت عائشہؓ بعد میں بلا عذر عمرہ تنعیم کیوں کرتیں۔

اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے بھی پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن کہیں کوئی روایت یا اثر نہیں ملا۔

تقریر بخاری شریف کے جو اجزاء میرے پاس تھے میں نے سب دیکھ لئے ہیں اور بہت پہلے دیکھ کر رکھ دیئے تھے اور وہ مولوی شاہد سلمہٗ کے پاس پہنچ بھی گئے کوتاہیوں کی معافی کی درخواست ہے اور حضرت نالائقی کے بعد یہ خیال رہتا ہے کہ حضرت ہی ملجأ وماویٰ ہیں دعائے صلاح وفلاح دارین کی درخواست ہے روضۂ اطهر على ساكنها الف الف صلوة وتحية پر غلامانہ صلوۃ وسلام پیش فرمادیں۔

وصـلـوة الله أزكـاهـا شذى ثـم أنـمـاهـا نـمـاءً يتـصـل

تـنـزل دوماً على خير الورىٰ سيد الـكـل غيـاث المرتمل

اس حدیث کی تحقیق کہ ''جس پر قربانی واجب نہ ہو اس کا بال وناخن وغیرہ کاٹنا قربانی کا درجہ رکھتا ہے''

......تم نے جو حدیث احکام العیدین کے حوالہ سے لکھی ہے وہ ابوداؤد (٦٩/٤) ونسائی (٢٠٠/٢)

نسخہ دیگر (١٩٥/٢) کی ہے۔ أخـرجـاه مـن طـريـق سعيد بن أبي أيوب قال: حدثني عياش بن عبـاس الـقتبـاني عن عيسى بن هلالى الصدفي عن عبد الله بن عمروبن العاص أن النبي ﷺ قـال لـرجـل أمرت بيوم الأضحى عيداً جعله الله لهذه الأمة فقال الرجل: أرأيت إن لم أجد إلا مـنيـحة أنثي أفأضـحـي بهـا؟ قال: لا! ولكن تأخذ من شعرک وتقلم أظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذلک تمام أضحيتک عند الله عزو جل.

سـعيـد وعيـاش ثقتان وعيسى بن هلال صدوق فالإسناد حسن، قال السندي: قوله الا مـنيـحة أنثى، أصل المنيحة ما يعطيه الرجل غيره ليشرب لبنها ثم يردها عليه ثم يقع على كل الشاة، لأن مـن شأنها أن تمنح بها، وهو المراد ههنا، وإنمامنعه لأنه لم يكن عنده غيرها ينتفع بـه قـال: ”ويـحتمل أن المراد ههنا ما أعطاه غيره ليشرب اللبن ومنعه لأنه ملک الغير وقول الرجل لزعمه إن المنيحة لا ترد ولذلک قالﷺ: المنحة مردودة“ والله تعالىٰ أعلم انتهى.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

تـكـمـلـه

قوله ولكن تأخد من شعرک! الخ

أراد به يوم الأضحى وقوله ”فذلک تمام أضحييتک“ هذا اللفظ بظاهره يقتضى أن مـن لـم يقدر على الأضحية فيقوم له قلم الأظفار وأخذ الشعر مقام الأضحية قال السندي: أى هو مايتم به أضحيتک، بمعنى أنه يكتب لک به أضحية تامة لا بمعنى أن لک أضحية ناقصة إن لم تفعل ذلک وإن فعلته تصير تامة اهـ.

وقال القاري (٢٧١/٢): فـذلک أى مـا ذكر من الأفعال تمام أضحيتک عند اللّٰه أى أضحيتک تامة بنيتک الخالصة ولک بذلک مثل ثواب الأضحية اهـ.

ويـحتـمل أن يكون معناه أنک لما لم تقدر على الأضحية مع أنک أردت التضحية فيقوم إرادتک ونيتک مقام الأضحية وأخذ الشعر وقلم الأظفار متمم لها.

قـال ابن القيم في تهذيب السنن (٩٩/٤) فـي الـكلام على حديث أم سلمة قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ: مـن كان له ذبح يذبحه فإذا أهل هلال ذى الحجة فلا يأخذن من شعره ولا

مـن أظـفاره شيئاً حتى يضحي أخرجه مسلم، والأربعة أما تقليم الظفر وأخذ الشعر فإنه من تـمـام التـعيـد بـالأضـحية، وقـد تـقدم حديث عبد اللّٰه بن عمرو وقوله: تأخذ من شعرک وتـحلق عانتک فتلک تمام أضحيتک عند اللّٰه فأحب ا لنبيﷺ توفير الشعر والظفر في العشـر ليـأخـذه مع الأضحية فيكون ذلک من تمامها عند اللّٰه، وكلام ابن القيم هذا يؤيد الاحتمال الذي ذكرته، واللّٰه تعالىٰ أعلم.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

باب (۳)

حظر واباحت اور متفرق احکام

دستی گھڑی استعمال کرنے کا حکم

سوال:- ہاتھ گھڑی استعمال کرنے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب:- دستی گھڑی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خصوصاً جب کہ ضرورت کی وجہ سے ہو البتہ زینت کے قصد سے باندھنا مناسب نہیں ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے والی روایت

مکرمی مخلصی جناب مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد: دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی صحیح حدیث سے خادم کو مطلع فرمایئے گا اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا جوابی کارڈ ارسال ہے۔

خادم خان محمد

از بہادر گڈھ (میرٹھ) ۲۸، اپریل ۷۳ء

جواب:- مکرم ومحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مصافحہ ہاتھ سے ہاتھ ملانے کا نام ہے[1] یہ دونوں ہاتھ سے بھی ہوسکتا اور ایک ہاتھ سے بھی جو لوگ ایک

---

[1] قال الترمذي الحكيم في نوادر الأصول ص: ٢٤٥ أما المصافحة هو الأخذ باليد)

ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو سنت بتاتے ہیں وہی کوئی ایسی صحیح حدیث پیش کردیں جس میں ایک ہاتھ کا صراحۃً ذکر ہو اور اتنا بھی کافی نہیں بلکہ وہ یہ بھی ثابت کردیں کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کی ممانعت وارد ہوئی ہو بدون ان دونوں امر کے ان کا مدعا بھی ثابت نہیں ہوسکتا ہے اور اگر آپ کو دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے متعلق صحیح حدیث کی تلاش ہے تو لیجئے سنئے بخاری شریف (۹۲۶) پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں **علمنی النبی** ﷺ **وکفی بین کفیه التشهد کما یعلمنی السورة من القرآن** اس میں صاف طور سے یہ وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں ابن مسعودؓ کی ہتھیلی تھی اور یہ بہت ہی بعید ہے کہ حضور اکرم ﷺ تو دونوں ہاتھ سے مصافحہ کریں اور ابن مسعود کا ایک ہی ہاتھ ہو اس لئے ظاہر ہے کہ ابن مسعود کا بھی دونوں ہی ہاتھ لگا ہوگا، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ابن مسعود کا ایک ہی ہاتھ لگا تھا تو پھر ظاہر ہے کہ راجح وہی فعل ہوگا جو حضور اقدس ﷺ نے کیا ہو اور اگر راجح و مرجوح کا سوال نہ کریں تو پھر دونوں فعل کا جواز معلوم ہوتا ہے ایک کا حضور اقدس ﷺ کی حدیث فعلی سے اور دوسرے کا آپ کی حدیث تقریری سے لیکن ظاہر ہے کہ ہر دو فعل اگرچہ جائز ہیں پھر بھی وہ فعل جو نبی اکرم ﷺ نے خود کیا ہے اس کو زیادہ رجحان ہوگا (واللہ اعلم)۔

اور یہ گمان کرنا کہ یہ مصافحہ نہیں تھا سخت نادانی ہے امام بخاری نے اس حدیث سے مصافحہ ثابت کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے: **صافح حماد بن زید بن المبارک بکلتا یدیه** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کا طریق یہ بھی تھا۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۷؍ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ بروز جمعہ

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے

سوال:۔ ایک اہل حدیث ہے جس نے رات دن اپنا جال پھیلا رکھا ہے...... بحث کرتے ہوئے اس نے بتلایا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے اگر ہے تو بالکل صاف حدیث پیش کیجئے جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے خاص کر اس معترض کا خیال ہے کہ ترمذی شریف میں کوئی حدیث نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہو اگر ہے تو بتائیے۔

توحید عالم پورنوی بہاری ۱۰؍۴؍۹۹ھ

جواب :۔ عزیزم مکرم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا یہ خط پرانا ہے جس زمانہ کا خط ہے اس وقت غالبًا میں بہت بیمار تھا اور پھر مشغول ہوگیا خطوط میں اس خیال سے رکھ دیا کہ موقع ملنے پر جواب لکھوں گا پھر یاد نہ رہا اتفاق سے نظر پڑ گیا۔

اہل حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت نہیں ہے ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ غلط ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بخاری شریف (ص ۹۲۶) میں **علمني النبي صلى الله عليه وسلم و كفي بين كفيه التشهد** وارد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دونوں ہاتھ ہے تو ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے مگر اصلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو بتلانا ہے اس لئے **كفي بين كفيه** ذکر کیا اور اگر بالفرض مان لیں تو فعل نبوی حجۃ الیدین ہے اور فعل ابن مسعود حجۃ الید ہے اور جب فعل نبی اور فعل صحابی میں تعارض ہو تو فعل نبی مقدم ہوگا۔

اور اہل حدیث کی طرف سے اس حدیث کا یہ جواب کہ یہ حدیث **أخذ اليد على وجه التعليم** پر محمول ہے اگرچہ محتمل ہے مگر دوسرا احتمال بھی موجود ہے اس لئے اہل حدیث کی بات کوئی قطعی نہیں ہے حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو مصافحہ کے ذیل میں ذکر کیا: أولاً **باب المصافحة** منعقد فرما کر مصافحہ کو ثابت کیا ہے اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث بالا بھی دیگر احادیث کے ساتھ پیش فرمائی ہے اور پھر **باب الاخذ باليدين** کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے اور بعض شراح کا یہ کہنا کہ اس سے صرف اخذ بالید کو ذکر کرنا مقصود ہے: **كما يفهم مما ذكره الحافظ في الباب تحت حديث عبد الله بن هشام قال: "كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم وهو أخذ بيد عمر بن الخطاب" قال الحافظ: وجه إدخال هذا الحديث في باب المصافحة أن الأخذ بيد يستلزم التقاء صفحة اليد بصفحة اليد غالبا ومن ثم أفردها بترجمته تلي هذا (يعنى الترجمة الثانية) لجواز وقوع الأخذ باليد من غير حصول المصافحة انتهى.** تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے اخذ بالید فقط مراد نہیں لیا ہے اس لئے کہ بخاری نے ترجمہ ثانیہ باب الاخذ بالیدین لکھ کر آگے لکھا ہے **وصافح حماد بن زيد بن المبارك بيديه.** اور پھر عبداللہ بن مسعود کی حدیث بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے معلوم ہوا کہ امام بخاری مصافحہ کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں صرف اخذ بالید کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے اور اہل حدیث کا ایک ہاتھ کا دعوی بھی تو کسی حدیث صریح سے ثابت ہونے کی ضرورت ہے اولاً تو ان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ بید واحدۃ کی تصریح لائیں ثانیا یہ ثابت کریں کہ بیدین ممنوع ہے اور بغیر ان دونوں امروں کے ان کا یہ مدعا ثابت نہ ہوگا کیونکہ بحث یہ ہے کہ بید ہے یا بیدین، حنفیہ فرماتے ہیں کہ بیدین افضل ہے۔

اوراہل حدیث کا اصرار ہے کہ بید واحدۃ ہی ہے اور یہ دونوں امور بالا کے بغیر کیسے ثابت ہوگا ویسے نفس مصافحہ بید واحدۃ اور بیدین دونوں طرح مباح ہے لاطلاق الاحادیث۔ واللہ اعلم

محمد یونس عفی عنہ ۲۵؍شعبان ۱۴۱۰ھ

کافر ومبتدع اور فاسق سے سلام کرنے وجواب دینے کا حکم

سوال: جلالین میں ہے۔ وخصت السنة الكافر والمبتدع والفاسق إلى قوله لايجب الرد عليهم بل يكره (في تفسير وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا پ ۵ ع ۸، جلالین ۱/۸۳).

دریافت طلب بات یہ ہے کہ فاسق کا لفظ حدیث میں ہے یا علمائے کبار کا استنباط ہے جیسا کہ تقویۃ الایمان میں مولانا اسماعیل شہید رحمہ :۳۰۸ (مطبوعہ دہلی) پرتحریر فرماتے ہیں۔

جواب: خصت السنة الكافر والمبتدع والفاسق بایں الفاظ میرے علم میں کوئی حدیث نہیں آپ نے جو مطلب سمجھا ہے وہی مراد ہے کسی حدیث سے کافر اور کسی سے فساق ومبتدعین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

اور فتاویٰ رشیدیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہی حکم ہے۔ نصوص مطلقہ دوسرے نصوص سے مقید کی جائیں گی ہاں اگر مصلحت مثلاً دفعِ شر یا تالیفِ قلب ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ

۱۱/۳/۱۴۱۴ھ

مطلقہ مبتوتہ کے نفقہ کی بابت ہدایہ کی ایک حدیث کی تحقیق

سوال: صاحب ہدایہ نے باب النفقہ میں مطلقہ مبتوتہ کے نفقہ کی بابت احناف کے مسلک کے اثبات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نفقہ وسکنی کے ثبوت کا نقل کیا ہے اس میں مادامت فی العدة کی قید بھی مذکور ہے۔

یہ قید مسند ابن خسرو میں حسن بن زیاد کے واسطے سے امام صاحب سے بسند عن حماد عن إبراهيم عن علقمه مروی ہے مگر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے طور پر، فرمان نبوی کے طور پر نہیں۔

آنجناب کے علم میں اگر اس قید کے دوسرے مخارج وماخذ ہوں نیز یہ کہ فرمان نبوی کے طور پر کہاں ہے

اگر علم ہو تو تحریر کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

جواب:- مادامت فی العدة کی قید اس روایت میں میری معلومات میں نہیں ہے بجز اس روایت کے جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے خوارزمی نے جامع المسانید میں (۲/۱٦۲) بحوالہ مسند حسین بن احمد بن خسرو البلخی بروایۃ الحسن بن زیاد عن الامام ابی حنیفۃ بسندہ المذکور فی السوال نقل کیا ہے، تعجب علامہ زیلعی سے کہ صاحب ہدایہ کے ذکر کردہ لفظ کی تخریج ہی نہیں کی اور نہ ہی حافظ بن حجر نے، ایک اور روایت ہے جو پورے مدعا کے لئے تو مفید نہیں ہے لیکن جس موضوع کیلئے آپ کو ضرورت ہے اس میں کسی قدر مدد ضرور دے گی۔ امام نسائی نے (۲/۱۰۰) پر اپنی سند سے فاطمہ کا قصہ روایت کیا ہے اس میں یہ لفظ ہے فقال رسول اللہ ﷺ إنما النفقة والسكنى للمرأة إذا كان زوجها عليها الرجعة.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

دعوت ختان سے متعلق روایت

سوال: ایک دوسری چیز استفسار طلب یہ ہے کہ ختان کی دعوت کا علماء نے مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے ابن حجر وغیرہ نے تو تائید وتاکید کے ساتھ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کے اثر کی توجیہ بھی ذکر کی ہے آنجناب کی نظر میں ہوگی۔ تحقیق یہ کرنی ہے کہ علماء نے اس اہتمام کے ساتھ جو اس کو مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے تو کیا اس سلسلہ میں کوئی دوسری روایت بھی موجود ہے جس میں اس کا کسی انداز میں اثبات ہو۔

محمد عبید اللہ الاسعدی ہتھورا باندہ

جواب: دعوت ختان مشروع دعوتوں میں شمار ہوئی ہے اس کی ایک دلیل تو وہ عمومات ہیں جن میں اجابت دعوت کو کہا گیا ہے اور دوسری ایک اور دلیل ہے۔

عن أبي هريرهؓ قال: الوليمة حق وسنة فمن دُعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله، والخرس والأعذار والتوكير أنت فيه بالخيار قال: قلت إني والله لا أدري ما الخرس والأعذار، والتوكير قال: الخرس الولادة والاعذار الختان والتوكير الرجل يبنى الدار وينزل في القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاؤا جاؤا وإن شاؤا قعدوا.

رواه الطبراني في الأوسط وفيه يحيى بن عثمان التيمى وثقه أبو حاتم الرازي وابن

حبان وضعفه البخاري وغيره، وبقية رجاله رجال الصحيح كذا في مجمع الزوائد (٥٢/٤)، وعزاه الحافظ (٢٣٠/٩) لأبي الشيخ والطبراني من طريق مجاهد عن أبي هريرة رضي الله عنه وقال (٢٤٢/٩): "ظاهر سياقه الرفع ويحتمل الوقف". والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کرنے والی موضوع حدیث

سوال:۔ ابھی حال ہی میں ایک فتوی شائع ہوا ہے جس میں شادی کے موقع پر لڑکی والوں کو دعوت کرنا مسنون لکھا ہے اور مصنف عبد الرزاق (۵/ ۴۸۷) حدیث تزویج فاطمہ کا حوالہ دیا ہے اس کے بارے میں جناب والا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس حدیث میں کیا سقم ہے اور وہ قابل احتجاج ہے یا نہیں؟

محمد زید مدرسہ ہتورا باندہ

جواب:۔ بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا مسنون ہونا اگر چہ بعض اہل فتوی نے لکھ دیا ہے اور مصنف عبد الرزاق کی ایک روایت پر جس میں حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا مفصل تذکرہ ہے اعتماد کیا ہے جو امام عبد الرزاق نے (۵/ ۴۸۷) پر درج کی ہے لیکن اس کا راوی یحییٰ بن العلاء البجلی ہے: وهو متروك قاله الدارقطني وقال أحمد بن حنبل: كذاب يضع الحديث. نکاح فاطمہ کے سلسلہ میں اسی انداز کی ایک روایت ابن حبان (ص ۵۵۰) نے نقل کی ہے جس میں دعوت کا مضمون نہیں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۱۱/ ۳۴۰) میں اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے اور حاشیہ موارد الظمآن میں لکھا ہے: والحديث ظاهر عليه الإفتعال میرے خیال میں یہ حدیث بھی موضوع ہے متروک راوی کی روایت سے مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے جبکہ وہ متہم بھی ہو۔

اس کے بعد ایک روایت ملی جس سے فی الجملہ اس کی تائید ہوتی ہے: عن جابر بن عبدالله قال حضرنا عرس علي بن أبي طالب وفاطمة بنت رسول الله ﷺ فما رأينا عرساً كان أحسن منه حسناً هيأ رسول الله ﷺ زبيبا وتمراً فأكلنا وكان فراشها ليلة عرسها إهاب كبش.

رواه الطبراني في الأوسط وفيه مسلم بن خالد الزنجي وهو ضعيف وقد وثق كذا في مجمع الزوائد (٥٠/٤) لیکن سنیت کا اثبات مشکل ہے بظاہر یہ من باب ضيافة الأضياف الحاضرين ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

سورہ بقرۃ کے ختم پر خوشی میں حضرت عمرؓ کے دعوت کرنے کی تحقیق

سوال:- ایک ضروری امر یہ قابل دریافت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سورۃ بقرہ کے ختم پر خوشی میں شیرینی تقسیم فرمائی تھی اس کی اصل (حوالہ) نہیں مل رہی ہے، اگر حضرت کے ذہن میں ہو تو تحریر فرمادیں۔

محمد زید کانپوری مدرسہ ہتورا باندہ

جواب:- حضرت عمر کا سورۃ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا درمنثور میں ہے قال (۲۱/۱):

"أخرج الخطيب فی رواۃ مالک والبیهقی فی شعب الإیمان عن ابن عمر قال تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنة فلما ختمها نحر جزوراً"۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

صومِ عاشوراء، صوم رمضان سے قبل واجب تھا

عاشوراء میں توسیع علی العیال کا استحباب

(بجواب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ)

مخدومنا المحترم ذوالمجدوالکرم، السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته.

وحب فإن الحب داعية الحب
وکم من بعید الدار مستوجب القرب.

صوم یوم عاشوراء اول امر میں فرضیت رمضان کے قبل واجب تھا جیسا کہ امام صاحب کی رائے ہے اور یہی حضرت امام احمد اور حنابلہ کی ایک جماعت کی رائے ہے، قاضی ابوالولید الباجی المالکی کی بھی یہی رائے ہے اور شافعیہ کی ایک جماعت کا یہی رجحان ہے لیکن امام شافعی اور ایک جماعت حنابلہ کی اول امر ہی سے وجوب کے قائل نہیں ہیں فرضیت رمضان کے بعد صوم عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہوگئی یہ سب ہی ائمہ کے یہاں متفق علیہ ہے، ہاں بعض علماء سے قاضی عیاض نے وجوب نقل کیا ہے لیکن فرماتے ہیں: وانقرض القائلون بهذا وحصل الإجماع علی أنه لیس بفرض. انتهی، ابن عمر وغیرہ سے یکرہ قصدہ بالصوم منقول ہے ثم انقرض القول بذلک وحصل الإجماع علی أنه سنة حکی الإجماع علیه ابن عبد البر

والنووي والعيني وغيرهم كما بسط في الأوجز (۴۹/۳).

اورتوسیع علی العیال کا استحباب حنابلہ حنفیہ مالکیہ کی کتب سے اوجز ۴۸/۳ میں منقول ہے۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۰رمحرم ۱۳۹۲ھ

ڈاڑھی کے متعلق کالج کے لکچرر کے سوال کا جواب

ڈاڑھی رکھنے کی چند حکمتیں

سـوال:- یہاں کے انٹر کالج میں ایک لکچرر محمد حنیف نام کے ہیں انہوں نے سوال کیا کہ آپ لوگ ڈاڑھی کیوں رکھتے ہیں میں نے اولاً ان کو سنت مرسلین ہونے پر متوجہ کیا تو انہوں نے کہا یہ حکم اور یہ سنت سر آنکھوں پر، لیکن انہوں نے حکمت دریافت کی میں نے ان کو چہرہ کا حسن ہونے کی طرف موڑا تو اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے، انہوں نے کہا کہ شریعت کے تمام احکام میں کوئی خاص حکمت مضمر ہوتی ہے جو اس کے علاوہ ہے میری مراد وہی ہے کہ چہرہ چھوڑنے کا حکم ہوا سر کا کیوں نہیں ہوا یا دونوں کے چھوڑنے کا حکم کیوں نہ ہوا اس میں کوئی خاص حکمت غامضہ ہے، جس سے میں تو واقف ہی نہیں شاید آپ صرف حکم سمجھ کر رکھتے ہیں حکمت سے آپ بھی واقف نہیں، میں اس کو جاننا چاہتا ہوں دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ میں صاف گوئی سے کام لوں، میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا اس لئے ان صاحب سے بھی صاف کہہ دیا کہ اپنے اکابرین سے رجوع کرکے بتاؤں گا، آدمی بہت ذکی ہیں، امید ہے کہ اگر جواب سے مطمئن ہوگئے تو داڑھی رکھ لیں گے، اردو عربی سے ناواقف تھے ایک صاحب سے اردو اور قاعدہ شروع کیا ہے، پڑھ رہے ہیں باقی حالات الحمد للہ ٹھیک ہیں۔ فقط والسلام

طالب دعا سکندر مظاہری غفرلہ

خادم مدرسہ زینت العلوم گونڈہ ۱۳۹۸/۱۱/۶ھ

جــواب:- ڈاڑھی رکھنا سنت محمدیہ ہے اس کے بعد کسی حکمت کی ضرورت نہیں، یہ صحیح ہے کہ احکام میں عقلی حکمتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اصل چیز حکم شرعی ہے ورنہ اگر حکمت عقلی کی ہی بناء پر کوئی شرعی کام کیا جائے تو منشاء عمل وہ حکمت اور فائدہ ہوا، تعمیل ارشاد شریعت منشاء نہ ہوا حالانکہ بندہ کو تو اوامر ونواہی شرعیہ کا تابع ہونا

چاہئے، چاہے حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ڈاڑھی رکھنے کی ایک حکمت تو یہی ہے کہ یہ مرد وعورت میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ چہرہ اس سے حسین معلوم ہوتا ہے۔

اور تیسری حکمت یہ ہے کہ داڑھی رکھنے سے پائریا کے فاسد مواد بالوں کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں جیسا کہ بعض ڈاکٹروں سے سنا گیا ہے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ اس سے گلے اور گردن کی حفاظت ہوتی ہے، مزید تحقیق کے لئے حضرت مدنیؒ کا رسالہ ڈاڑھی کا فلسفہ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کا رسالہ ڈاڑھی کی قدر و قیمت اور حضرت اقدس حضرت شیخ مدظلہ کی کتاب ڈاڑھی کا وجوب دیکھ لیں۔

حکمت نمبر (۴) میری پڑھی ہوئی نہیں ہوئی ہے لیکن سنی ہوئی ہے اور سنا ہے کہ بعض لوگ اس لئے اطراف کے بال رکھتے ہیں صرف ٹھوڑی کے بال ترشواتے ہیں جس سے شکل بھی بری لگتی ہے مزید اور دیگر اکابر اہل علم سے تحقیق کرلو۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۳/ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ

ڈاڑھی کی شرعی مقدار

مقدار قبضہ سے زائد کاٹنے کا حکم حدیث کی روشنی میں

سوال: ایک کتابچہ ڈاڑھی کے سلسلہ میں لکھا ہے لیکن اس میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں۔

ہمارے اکابرین ڈاڑھی کی مقدار شرعی ایک مشت قرار دیتے ہیں، لیکن دلیل میں کوئی روایت قولی ایسی نہیں ہے جو مقدار قبضہ پر دلالت کرے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی (۱۰۰/۲): ''إن النبي ﷺ كان يأخذ من لحيتہ من عرضها وطولها'' اس میں اولاً قبضہ کی صراحت نہیں ہے ثانیاً یہ روایت غریب ہے اور بخاری شریف (۸۷۵/۲) پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر ہے، ایک روایت حضرت تھانوی قدس سرہ نے الطرائف والظرائف (ص ۱۰) پر لکھی ہے عن عمرو بن شعيب أنه ﷺ كان يأخذ من لحيته طولاً وعرضا، وصاحب مفاتیح وغرائب لفظ ''إذا زاد على القبضة'' نقل کردہ اند۔ اس میں بھی اولاً صاحب مفاتیح وغرائب کون ہیں؟ یعنی ان کے

مؤلف کون ہیں؟ اورانہوں نے حدیث کی کونسی کتاب سے نقل کیا ہے، نیز یہ بھی عمل رسول ہے قول رسول نہیں، اصل میں جماعت اسلامی سے برابراس سلسلے میں بات ہوتی ہے عمل صحابہ، فعل نبوی یا مطلق اعفاء لحیۃ تو عام کتب میں موجود ہے اور اس کو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن قول رسول، وأمر رسول الله علی قدر القبضه کے منکر ہیں، امید ہے کہ اس اشکال کو رفع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ فقط والسلام

دعا گو: محمد داؤد مظاہری امام مسجد محلّہ محمد گنج فیروز آباد آگرہ یوپی

جواب:- 　عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاڑھی کے متعلق اعفاء لحیۃ کی روایات مطلقہ کی بناء پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ ڈاڑھی سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہئے لیکن حضرات احناف نے مقدار قبضہ سے زائد کے اخذ کو جائز قرار دیا ہے اور ابن عمر کا فعل اس کی دلیل ہے اور حدیث موقوف کے حجت ہونے میں اختلاف ہے جو آپ پر مخفی نہیں ہے موقوف کے حجت مان لینے کے بعد مسئلہ آسان ہوجاتا ہے ہاں أخذ ما زاد علی القبضة کے بارے میں حدیث مرفوع فعلی منقول ہے مگر وہ قابل استدلال نہیں اور حدیث قولی منقول نہیں ہے لیکن ہر چیز کے اثبات کے لئے حدیث قولی ضروری نہیں ہے۔

۲۔ صاحب مفاتیح وغرائب کا حال سردست نہیں ملا۔ والسلام مع الاکرام

محمد یونس عفی عنہ

امور فطرت کی تشریح اور پوری ڈاڑھی رکھنے کا شرعی وجوب

ایک رسالہ پر مختصر تبصرہ وتنبیہات

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

وبعد:- إلى العزيز المكرم والمحب المعظم مولانا سعيد أحمد أبقى الله في رغد عيش وعلم متزايد.

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

آپ کا رسالہ امور فطرت کی تفصیل کے باب میں کئی دن ہوئے بعض احباب کی وساطت سے اس ناکارہ تک پہنچا تھا مگر اپنی کاہلی اور پھر مشغولی کی وجہ سے موقع نہ ہوا کہ اس کے مضامین سے استفادہ کرتا، آج

جمعہ کے دن جب کہ امتحان سے فراغت ہوگئی ہے کہیں کہیں سے پڑھا جی تو چاہتا تھا کہ سارا ہی پڑھ لوں مگر اپنی فطری کاہلی نے اجازت نہ دی، ماشاءاللہ آپ نے خوب ہی لکھا ہے خصوصاً عرف عادت کی آڑ لے کر مسئلہ لحیہ کے باب میں تہوین سے کام لینے والوں کا جو آپ نے جواب دیا ہے وہ تو بندہ کو نہایت ہی پسند ہے، بندہ بھی عام طور پر کم وبیش یہی جواب دیتا ہے، اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو مسئلہ لحیہ میں اس کو ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ ڈاڑھی کا رکھنا شعائر اسلام میں ہے، نبی کریم ﷺ نے عملی وقولی دونوں طرح سے اس کا اہتمام فرمایا ہمیشہ اس پر مداومت کی کبھی آپ ﷺ سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہے اور پھر قولی بیانات میں مختلف وجوہ سے اس مسئلہ کو مؤکد فرمایا کبھی تو اسے امور فطرت میں قرار دیتے ہیں اور **خمس من الفطرة** یا **عشر من الفطرة** کے ذیل میں بیان فرماتے ہیں، اور کبھی فرماتے ہیں: **اعفو اللحیٰ** اور گاہے **ارخوا اللحیٰ** ارشاد ہوتا ہے اور گاہے **أوفوا اللحیٰ** کے ساتھ فرمان ہوتا ہے اور کبھی **وفّروا اللحیٰ** فرماتے ہیں جس کا حاصل یہی ہے کہ ڈاڑھیوں سے تعارض نہ کیا جائے اور قطع، قص، حلق نہ کیا جائے اور اتنے ہی پر بس نہ کیا بلکہ دوسری جگہ **خالفوا المشركين** اور **خالفو المجوس** بھی ساتھ ساتھ فرما دیا کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ ڈاڑھی کا کاٹنا طرز مشرکین ومجوس سے ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا شعار مسلمین ہے اسی لئے اسے من الفطرة بھی فرمایا ہے کیوں کہ دین اسلام دین فطرت ہے لہٰذا اسکے اعمال واحکام بھی مطابق فطرت ہی ہوں گے ان سب امور کے بعد کس کو تردد ہوسکتا ہے: **قال أبو شامة قد حدثت قوم يحلقون لحاهم وهو أشد مما نقل عن المجوس أنهم كانوا يقصونها .اهـ. وقد أمر السيد المصطفى ﷺ بمخالفة المجوس والمشركين.**

وقد صرح أصحاب المذاهب الأربعة على تحريم الحلق قال ابن الهمام في فتح القدير: أما الأخذ منها وهي دون ذلك أى القدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. انتهى. وتبعه الزين ابن نُجيم صاحب البحر وصاحب الدر المختار وابن عابدين في ردالمحتار وقال في الدر المختار في الحظر والإباحة عن البزازية يحرم على الرجل قطع لحيته انتهى. وصرح ابن الهمام وغيره: إن حلق اللحية من فعل مجوس الأعاجم والهنود وبعض الافرنج، وهكذا صرح أصحاب المذاهب الثلاثة على التحريم وساق عباراتهم صاحب المنهل.

مختصر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی رکھی تراش و برید نہیں فرمایا اور یہ عادی طور پر نہیں تھا بلکہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا اس لیے کہ آپ نے امت کو اعفاء اللحیۃ کا امر فرمایا اور امر مقتضی وجوب ہے ''الا عند صارف ولا صارف'' نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مخالفت مشرکین کرو اور ان کی مخالفت واجب ہے کیوں کہ ان کی موافقت مخالفت مسلمین ہوگی **وهو لا يجوز** نیز یہ تشبہ بالکفار ہے **وقد قال سيد المصطفى** ﷺ **من تشبه بقوم فهو منهم، رواه أحمد وأبو داؤد.**

سلف کا عمل بھی اسی پر رہا ہے کسی سے بھی اس کے خلاف ثابت نہیں ہے نیز علماء مذاہب بھی اسی پر متفق ہیں بلکہ ابن الہمام کی عبارت ''**لم يبحه أحد**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے شیخ احمد نفراوی کی عبارت میں بھی یہی ہے فرماتے ہیں: ''**لا شک في حرمته عند جميع الأئمة لمخالفته لسنة المصطفى** ﷺ **ولموافقته لفعل الأعاجم والمجوس**'' اھ۔

اب اس کے بعد چند گزارشات ہیں:

(۱) فقہ شافعی کی تصریحات کے عنوان کے تحت یہ عبارت ''علامہ احمد بن قاسم عبادی شافعی ابو اسحاق شیرازی کی منہاج شرح تحفۃ المحتاج میں تحریر فرماتے ہیں انتھی'' مذکور ہے۔

اس عبارت میں چند امور قابل تنبیہ ہیں اول یہ کہ بندے کے علم میں منہاج شیخ ابو اسحاق شیرازی کی تالیف نہیں ہے بلکہ شیخ ابو زکریا نووی کی تصنیف ہے تاج الدین سبکی نے اپنے والد تقی الدین سبکی کے ترجمہ میں نووی کی تصنیف قرار دی ہے حافظ ابن کثیر (۲۷۸/۱۳) نے بھی تالیفات نووی میں اس کا تذکرہ کیا ہے ابو اسحاق شیرازی کی تالیفات میں نہ تو تاج الدین سبکی نے (۸۸/۳) لکھا ہے اور نہ ہی ابن کثیر نے (۱۲۴/۱۲)۔

ثانی تحفۃ المحتاج ابن حجر مکی کی تالیف ہے نہ کہ احمد بن قاسم عبادی کی جیسا کہ ظاہر عبارت مذکورہ سے اخذ ہوتا ہے۔

ثالث احمد بن قاسم عبادی نے حاشیہ تحفۃ المحتاج میں یہ عبارت لکھی ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔

(۲) احمد بن قاسم کی عبارت کا ترجمہ کیا گیا ہے اس میں یہ عبارت ہے ''رافعی اور نووی ڈاڑھی منڈانا مکروہ فرماتے ہیں جس پر ابن رافعہ نے کافیہ کی شرح میں اعتراض کیا ہے کہ خود امام شافعی نے صراحۃً فرمایا ہے'' انتھی۔

اصل عبارت یہ ہے **قال الشيخان يعنى الرافعي والنووي يكره حلق اللحية واعترضه ابن الرفعة في حاشية الكافية بأن الشافعي نص في الأم على التحريم .اھ.** معلوم ہوا کہ معترض ابن الرفعہ ہیں نہ ابن رافعہ نیز ترجمہ یوں ہونا چاہئے ''امام شافعی نے کتاب الام میں حرمت کی تصریح فرمائی ہے'' اس

کے بعد یہ بھی عرض ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابن الرفعہ علامہ تقی الدین سبکی کے استاذ احمد بن محمد بن علی المعروف بابن الرفعہ المتوفی ۷۱۰ھ ہیں اوران کی مشہور تالیف الکفایۃ فی شرح التنبیہ ہے فلیراجع المظان.

(۳) ص۲۶ پر شیخ احمد فارسی نے لکھا ہے:
صحیح فاسی بدون راء کما فی المنہل ۔

(۴) حدیث عائشہ عشر من الفطرۃ کی تخریج حاشیہ پر ہے مخرجین میں حاکم کا بھی نام ہے حاکم نے کہاں تخریج کی ہے میرے علم میں تو حدیث عائشہ ہذا کی تخریج احمد مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ ابن ابی شیبہ ابوعوانہ دارقطنی بیہقی نے کی ہے حاکم کا نام کہاں سے لکھا گیا اگر مستدرک میں ہو تو نشاندہی فرمادیں اور اگر کسی کتاب کی اتباع میں ایسا کیا گیا تو اسکا پتہ دیں میرے علم میں مشہور مخرجین حدیث نووی زیلعی حافظ ابن حجر صاحب مشکوۃ ابوالبرکات ابن تیمیہ صاحب المنتقی شوکانی صاحب نیل الاوطار وغیرہ نے حدیث عائشہ کے مخرجین میں حاکم کا نام نہیں لیا ہے۔

(۵) ص:۳۵ پر مذکور ہے مونچھ کے سلسلہ میں چار لفظ مروی ہیں الی قولہ حلق کا لفظ عربی لغت میں موجود تھا پھر بھی اس کو استعمال نہ کرنا اور اس کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کرنا اس کی غمازی کرتا ہے کہ حلق پسندیدہ نہیں ہے انتھی۔

حلق کا لفظ بعض روایات میں وارد ہے کما ذکرہ الحافظ ابن حجر وعلی القاري معزیا إلی النسائي.

قلت: إلا إنه اختلفت نسخ النسائي في ذكر هذا اللفظ ففي بعض النسخ لفظ الحلق كما ذكره الحافظ والقاري وغيرهما وفي أخرى لفظ أخذ الشارب وتواردت عليه النسخ الموجودة من سنن النسائي من الهندية والمصرية.

(٦)-(ص٣٦) ابن حجر عسقلاني نقل عنه في البذل (١/٣٣) قلت: لفظ البذل (ص٣٣) قال القاري قال ابن حجر فيسن احفائه الخ، والذي ظهر لي بالاستقراء أن علياً القاري حين يطلق ابن حجر يريد به أحمد بن حجر المكي الفقيه، وهو متأخر عن الشيخ الحافظ ابن حجر العسقلاني فإن ابن حجر المكي من تلامذة الشيخ زكريا وهو من تلامذة ابن حجر العسقلاني فالقول: "بأنه ابن حجر العسقلاني" محل تأمل بل لا يصح.

(٧)- (ص٣٧) قال الطحاوي رأيت المزي صاحب الشافعي يحفى الخ.

قـلـت: الـذي رآه الـطـحـاوي وهـو المزني وهو خال الطحاوي وأما المزي فهو الحافظ الـجـمـال يـوسف بـن الـزكي المزي نسبة إلى مزة بكسر الميم قرية من قرى دمشق متأخر عن الـمـزنـي جدا فإن المزني هو الإمام إسماعيل بن يحيى بن إسماعيل أبو إبراهيم المزني المولود ١٧٥هـ والمتوفى ٢٦٤هـ وهـو خال الطحاوي روي عنه في كتبه وأما المزي فهو الحافظ الكبير أبـو الـحـجاج يوسف بن الزكي عبد الرحمن بن يوسف المزي المولود في ليلة العاشر من شهر ربيع الآخـر سـنة أربـع وخـمسيـن وست مأة المتوفى في يوم السبت ثاني عشر صفر سنة اثنتين وأربعين وسبع مأة بدار الحديث الأشرفية رضى الله عنه وحشرنا في زمرته.

(۸) ص ٤٧ حـديث: ”وقت لنا رسول الله ﷺ فـي قص الشارب“ الحديث قال في الحاشية رواه أحمد والترمذي والنسائي وأبوداؤد.اهـ.

قلت: والحديث في مسلم بلفظ ”وُقِّت لنا“ على صيغة المجهول فكان الأولى العزو إليه مع التنبيه على اختلاف اللفظ كما فعله أبوالبركات ابن تيمية في المنتقى.

(۹) عزوروایات بعض جگہ حاشیہ پرکیا گیاہے،بہتر یہی ہے کہ نفس کتاب میں روایات مع حوالہ مذکورہوں۔

(۱۰) ابن دقیق العید کو مالکی یا حنبلی لکھا گیاہے میرے گمان میں مالکی یا شافعی صحیح ہے بلکہ ابن حجر مکی نے الفتاوی الکبری میں لکھاہے کان مالكيا ثم تحول شافعياً.

(۱۱) بعض روایات کتب غریب الحدیث مثلاً نہایۃ وغیرہ سے لکھی گئی ہیں انہیں انکے مخارج سے تلاش کر کے لکھا جائے۔

(۱۲) بعض الفاظ مثلاً اعـفـوا وغیرہ کا ترجمہ معاف کروو غیرہ سے کیا گیاہے بظاہر اس میں تساہل ہے قسطلانی لکھتے ہیں أصل الإعفاء الترک.

بندہ محمد یونس ٦رصفر المظفر ۱۳۹۱ھ

”إنهكوا الشوارب“ کا مفہوم

(۱۳)إنهكو ا الشوارب کا ترجمہ مونچھوں کی کمر توڑ دو سے کیا گیاہے یہ ترجمہ بظاہر نہ تو لغوی ہےاور نہ ہی مرادی لأن الـنهک هو المبالغة في الإزالة، وبه قوله ﷺ لـلخافضة ”إشمى ولا تنهكى“ أى لاتبـالـغـي في ختان المرأة كذا في الفتح (۱۰/ ۹۹۳) وهـذا الـمعنى هوالذي ذكره في

القاموس وقال في مجمع البحار قوله إنهكوا الشوارب أراد الإستيصال في قص الشارب ، اور مرادی اس لئے نہیں کہ مقصود مبالغہ کے ساتھ بالوں کا کاٹنا ہے اور کمر توڑ دینے سے یہ معنی حاصل نہیں ہوتے ہیں اگر چہ تاویل ہوسکتی ہے لیکن پھر بھی یہ ترجمہ صریح لغت کے خلاف ہونے کی وجہ سے منظور فیہ ہے۔

اتنی بات عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اعتراض مقصود نہیں ہے لیکن اپنے نزدیک جو چیزیں قابل نظر تھیں انہیں پیش کر دیا گیا اور سارا رسالہ دیکھنے کی نہ تو فرصت ہے نہ ہمت، کاہلی مانع ہے خوئے بدرا بہانہ بسیار اپنی رائے سے مطلع کریں۔ فقط والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

سر میں چھوٹے بڑے یا ہپی کٹ بال رکھانے کا شرعی حکم

سوال:۔ بال کیسے ہوں کیا کچھ چھوٹے بڑے بال رکھ سکتے ہیں یا نہیں یا پورے بال یکساں ہونا ضروری ہے، ہپی کٹ بال رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: -بال برابر رکھنا چاہئے سامنے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے کرانا انگریزوں کا طریقہ ہے، ہپی کٹ بال بھی آزاد طبع لوگوں کی ایجاد ہے مسلمانوں کو ان کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہئے احادیث میں تین طرح کے بال آئے ہیں۔ وفرہ، لمّہ، جمّہ۔

وَفرَہ :وہ بال کہلاتے ہیں جو کانوں کی لو تک ہوں اور **لَمہ** جو کانوں سے نیچے ہو جائے اور **جُمہ** جو مونڈھوں تک پہنچ جائے لیکن بال برابر ہوتے تھے آگے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔

محمد یونس عفی عنہ ۵؍شعبان ۱۳۹۸ھ

کالا جوتا پہننا مکروہ ہے اس کی تحقیق

سوال:- میں نے تم سے یہ سنا ہے کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے یہ کہاں ہے اور وجہ کیا ہے؟

(از عبدالرزاق کریم گنجی)

جواب:- مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ کبھی کہا ہو کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے البتہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ علامہ سخاویؒ نے بعض سے نقل کیا ہے کہ کالا جوتا مورث نسیان ہے علامہ مذکور اپنی کتاب المقاصد الحسنہ میں تحریر فرماتے ہیں (ص ۴۰۸) وتزعم العامة أن لبس النعال الأسود يورث النسيان اس بارے میں

کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے نہ علامہ مذکور نے تحریر فرمائی ہے یہ سب چیزیں تجرباتی ہیں اگر اس کے علاوہ کوئی تحقیق ہوتو تحریر فرمائیں ممنون ہوں گا۔ والسلام العبد محمد یونس عفی عنہ

ہدہد کی حلت وحرمت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف

سوال:- عزیزی مولوی محمد یونس سلمہ ہدہد کے بارے میں مغنی (ج ۱۱) میں اختلاف نقل کیا گیا ہے نیز حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم کیا ہے شامی اور مغنی کی میرے پاس جلدیں نہیں ہیں تکلیف فرما کر تحقیق فرمادیں اور اختلاف ائمہ لکھ دیجئے۔

حضرت شیخ بقلم سلمان

جواب:- مخدومنا المکرم زادت عنایتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

أخرج أبو داؤد (٣٣٨/٥) عن ابن عباس قال: إن النبي ﷺ نهى عن قتل أربع من الدواب: النملة والنحلة والهدهد والصرد.

قال في البذل تحت قوله: ”والهدهد والصرد لعدم إضرارهما وليس في قتلهما فائدة، أما إذا أخذ هما ليذبحهما للأكل فلا بأس انتهى. وقال ابن عابدين (١٩٤/٥) عن غرر الافكار يكره الصرد والهدهد.ا ھ. وقال القاري (٣٥١/٤) قال الخطابي أما النهي عن قتل الهدهد فلتحريم لحمها لأن الحيوان إذا نهى عن قتله ولم يكن ذاک لاحترام وضرر فيه كان لتحريم لحمه، ألا ترى أنه نهىٰ عن قتل الحيوان بغير مأكله، ويقال: إن الهدهد نتن الريح فصار في معنىٰ الجلالة، والصرد يتشاء م به العرب ويتطير بصوته وشخصه فنهىٰ عن قتله ليخلع عن قلوبهم ماثبت فيها من اعتقادهم الشؤم انتهى. وفي حيوة الحيوان: ”الأصح تحريم أكل الهدهد للنهي عن قتله لأنه نتن الريح ويقتات الدود“ وقيل: ”يحل أكله لأنه يحكىٰ عن الشافعي وجوب الفدية فيه، وعنده لايفتدى إلا المأكول)) انتهى، وفيه: ”الأصح تحريم أكل الصرد لهذا الحديث“ وقيل: ”أنه يؤكل“ لأن الشافعي أوجب فيه الجزاء على المحرم إذا قتله، وبه قال مالک انتهى. مختصراً من المرقاة وقال الموفق في المغني (٧١/١١) وابن أخيه في الشافي شرح المقنع (٨٧/١١) واختلف عن أحمد في الهدهد والصرد فعنه أنهما حلال لأنهما ليسا من ذوات المخلب ولا يستخبثان وعنه

تحريمهما لأن النبي ﷺ نهى عن قتل الهدهد والصرد والنملة والنحلة انتهى. امام مالک کا اختلاف ہدہد کے متعلق نہیں ملا اس لئے کہ بندہ کے پاس دسوقی وغیرہ نہیں ہے۔

قیام تعظیمی سے متعلق مختلف روایات، مسئلہ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله حمداً لانهاية له ولا أمد، والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد من الأزل إلى الأبد وعلى آله وصحبه أولي الرشد.

حضرات صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے فقد أخرج الإمام أحمد (۱۳٤/۳) والبخاري في الأدب المفرد (ص ۱۳٦) والترمذي (۱۰٥/۳) من طريق حماد بن سلمة عن حميد عن أنس قال: "ماكان شخص أحب إليهم رؤية من النبي صلى الله عليه وسلم وكانوا إذا رأوه لم يقوموا إليه لما يعلمون من كراهيته لذلک" قال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب".

رہی یہ بات کہ پھر طلبہ کو اساتذہ کو دیکھ کر کھڑا نہ ہونا چاہئے تو علماء نے قیام کی مختلف صورتیں لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی شخص بیٹھا رہے اور دوسرا اس کے سر کے پاس کھڑا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کو دیکھ کر کھڑے ہوں اور کھڑے ہونے والوں پر اظہار بڑائی کرتا ہو یہ دونوں صورتیں حرام ہیں کیونکہ یہ جبابرہ ومتکبرین کا فعل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو قیام کا خواہش مند نہ ہو مگر یہ ڈر ہو کہ کہیں اس کے اندر یہ رذیلہ نہ پیدا ہو جائے کہ وہ شخص قیام کو پسند کرنے لگے یا جبابرہ کے ساتھ تشبہ ہو یہ صورت مکروہ ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو نہ تو قیام کا خواہش مند ہو اور نہ ہی خوف استحباب قیام یا تشبہ بالجبابرۃ ہو یہ صورت جائز ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی سفر سے آرہا ہو اس کے استقبال میں کھڑا ہو۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت حاصل ہو اس کو کھڑے ہو کر مبارک باد دے ان دونوں صورتوں میں

قیام میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ابن الحاج المالکی نے ابوالولید بن رشد سے ان دونوں کا مندوب ہونا نقل کیا ہے۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ کوئی حاکم اپنے محل ولایت میں آئے اس کی تکریم کے لئے کھڑا ہو حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اختلف العلماء في جواز القيام للوارد إذا جاء على أقوال، فمنهم من رخص في ذلك محتجا بحديث "قوموا إلى سيدكم".

قلت: أخرجه الشيخان وغيرهما عن أبي سعيد ومنهم من منع من ذلك محتجًا بحديث "من أحب أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار".

قلت: أخرجه أحمد وأبوداؤد (٣٠٩/٥) والترمذي (١٠٥/٣) وحسنه والبخاري في الأدب المفرد (ص١٤٢) والدولابي في الكني (٩٥/١) من حديث معاوية رضى الله عنه ومنهم من فصل فقال: يجوز عند القدوم من سفر. وللحاكم في محل ولايته كما دل عليه قصة سعد بن معاذ، فإنه لما استقدمه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم حاكماً في بني قريظة فرآه مقبلاً قال للمسلمين: "قوموا إلى سيدكم" قلت: أخرجه الشيخان من حديث أبي سعيد وما ذاک إلا ليكون أنفذ لحكمه. والله أعلم.

فأما اتخاذه ديدنا فإنه من شعار العجم وقد جاء في السنن إنه لم يكن شيء أحب إليهم من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وكان إذا جاء لايقومون له لما يعلمون من كراهته لذلک انتهى.

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ اساتذہ کے لئے کھڑے ہوسکتے ہیں کیونکہ استاذ حاکم کی حیثیت رکھتا ہے نیز اس کا اکرام مطلوب ہے وقد قال الغزالي في الإحياء (١٨١/٣) والقيام مكروه على سبيل الإعظام لا على سبيل الإكرام، مگر اس کو ضروری نہ سمجھے جیسا کہ ابن کثیر نے فأما اتخاذه ديدنا سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے نیز بندہ کے نزدیک حدیث انسؓ ما كان لشخص أحب إليهم الخ کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کو کھڑے ہونے دیتے تو بہت ممکن تھا کہ (لوگ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (اس قیام کو) فرض یا واجب سمجھ لیتے۔ واللہ اعلم۔

حرره العبد محمد يونس غفرله بأمر الأستاد الإمام العلامة محمد زكريا مدظلهم شيخ الحديث بمظاهر علوم سهارنفور. ۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ

اس کے بعد امام غزالیؒ کی ایک عبارت نظر سے گذری اس کو درج کرنا مناسب معلوم ہوا امام ہمام احیاء العلوم (۳/ ۳۶۸) میں تحریر فرماتے ہیں: والقیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادۃ العرب بل کان الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم لایقومون لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في بعض الأحوال کما رواہ أنسؓ ولکن إذا لم یثبت فیہ نھي عام فلا نری بہ بأساً في البلاد التي جرت العادۃ فیھا بإکرام الداخل بالقیام فإن المقصود منہ الاحترام والإکرام وتطییب القلب بہ، وکذلک سائر أنواع المساعدات إذا قصد بھا تطییب القلب واصطلح علیھا جماعۃ فلابأس بمساعدتھم علیھا بل الأحسن المساعدۃ الا فیما ورد فیہ نھي لایقبل التاویل. انتھی. اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالی نے حدیث انس کو جس میں نفی قیام صحابہ کی گئی ہے بعض احوال پر حمل کیا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

کعبہ پر قیاس کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غائبانہ ہر جگہ قیام تعظیمی کرنا باطل اور غلط ہے

سوال:- ایک مبتدع واعظ نے اپنا دامن تزویر پھیلاتے ہوئے درمیان وعظ قیام مروجہ کے اثبات میں یوں کہا کہ کعبہ کے احترام سے سرکار مدینہ ﷺ کا احترام ہزار ہا درجہ بڑھا ہوا ہے اور کعبہ کا احترام جب اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ کعبہ سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی دو فٹ کی طویل وعریض کوٹھری میں بھی استقبال عند الحاجات کا خیال کیا جاتا ہے تو آپ کو اگر حاضر وناظر نہ مانا جائے تب بھی اس احترام کے تقاضے کے مطابق غائبانہ قیام تعظیمی کیا جا سکتا ہے اس کا جواب احقر کے ذہن میں آیا لیکن خود اس پر شرح صدر نہیں ہوتا ہے، حضور ہی کوئی ایسا جواب مرحمت فرمائیں جو حریف کو لامحالہ ماننا پڑے۔

جواب: اگر مقرر صاحب کی مراد ذکر مبارک کے وقت قیام ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صحیح نہیں، کعبہ کی تعظیم مامور اور استنجاء کے وقت استقبال واستدبار ممنوع ہے اور ذکر اسم مبارک کے وقت کہیں بھی قیام مطلوب نہیں ورنہ التحیات و درود شریف پڑھتے ہوئے نماز کی حالت میں قیام مندوب ہوتا اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں اور اگر نماز کی حالت کا استثناء کر لیا جائے اور کہا جائے کہ نماز کی حالت میں ایک مخصوص ہیئت مطلوب ہے اس لیے اس میں قیام نہیں کیا جاتا، تو خطبۂ جمعہ وغیرہ میں نام مبارک آنے پر قیام مندوب ہونا چاہئے اور یہاں قیام

سے کوئی مانع بھی نہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صورت مستثنیٰ ہے اس لیے خطبہ میں قیام ثابت نہیں، تو عام حالات میں بھی ذکر نبی کے وقت قیام ثابت نہیں، صحابہ آپ کا ذکر کرتے اور قیام نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر و عباس وغیرہ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گذرے اور وہ حضرات رو رہے تھے ان حضرات نے بکاء کا سبب پوچھا تو صحابہ نے بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آ رہی ہے، یہ کہیں بھی وارد نہیں کہ حضرات انصار کھڑے ہو کر رو رہے تھے۔　　(دیکھو صحیح بخاری ص ۵۳۶)

اور اگر تقریر مذکور کے در پردہ حاظر و ناظر کا دعویٰ ہی منظور ہو، تو یہی کہا جائے گا کہ دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کسی نے کہا تھا ''کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا''، کہاں تو دعوی ہے کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں اور کہاں دلیل کا رخ ہے ہم نے کب کعبہ کو حاضر و ناظر مانا ہے، ہم نے تو صرف آپ کے ارشاد: ''**إذا أتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها**'' کی بناء پر جہت کعبہ کی طرف استقبال واستدبار عند قضاء الحاجۃ سے منع کیا ہے اور پھر اگر یہی دلیل رہی تو ہر مومن کو حاضر و ناظر ماننا ہوگا ابن ماجہ شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں حضور ﷺ کا طواف کعبہ کرتے ہوئے یہ ارشاد منقول ہے: **ما أعظمک وأعظم حرمتک والذي نفس محمد ﷺ بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منک ماله ودمه وإن يظن به الا خيراً** . لیجئے اس حدیث میں مومن کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

تقبیل الید والرجل

ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا احادیث کی روشنی میں

سئلت عن الأحاديث التي ورد فيها تقبيل اليد و الرجل فأجبت أخرج أبو داود ۳۲۸/۵ فی السنن واللفظ له والبخاري في الأدب المفرد ص: ۱۴۴، عن زارع أی ابن عامر العبدي وكان فی وفد عبدالقيس قال: لما قد منا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله وبوّب عليه أبو داؤد باب قبلة الرجل، وبوّب البخارى باب تقبيل الرجل وأخرج الحافظ أبو بكر بن المقري من حديث مزيدة العصري مثله كما في الفتح ۴۸/۱۱، وأخرج الحاكم ۱۷۲/۴، والبزار وأبو بكر بن المقري من حديث بريدة في قصة الأعرابي

والشجرة فقال: يا رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: إيذن لي أن أقبل رأسک ورجليک، ثم أذن له فقبّل رأسه ورجليه ويديه. قال البزار: لايعلم في تقبيل الرأس غير هذا الحديث انتهى. هذا الحديث وإن صححه الحاكم ولكن ضعفه الذهبي لأن راويه صالح بن حبان متروک، وقد ورد في تقبيل الرأس حديث عائشة في قصة الإفک وفيه فقال أبو بكر لعائشة: قومى فقبلي رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم. أخرجه البخاري.

وأخرج الترمذي وأبوداؤد و النسائي من حديث صفوان بن عسال: "أن يهوديين أتيا النبي صلى الله عليه وسلم فسألاه عن تسع آيات" الحديث وفي آخره "فقبلا يده ورجليه" وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح وصححه الحاكم أيضاً واستدل به ابن بطال والنووي والحافظ ابن حجر وغيرهم على المسئلة.

وأخرج البخاري في الأدب المفرد ص: ١٤٣، عن صهيب قال: "رأيت علياً يقبل يد العباس ورجليه" وهكذا أخرجه ابن المقري كما في الفتح.

وأخرج الحاكم فى علوم الحديث ص: ١١٣، وأخرجه البيهقي في المدخل عن الحاكم كما في القسطلاني ص ١٣٥، قال حدثني أبو نصر أحمد بن محمد الوراق قال سمعت أبا حامد أحمد بن حمدون القصار يقول: "سمعت مسلم بن الحجاج، وجاء إلى محمد بن اسمعيل البخاري فقبّل بين عينيه، وقال: دعنى حتى أقبل رجليک يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدثين و طبيب الحديث في علله" وهذا الأخير ذكرته لبيان التعامل والله الموفق.

وقال إبراهيم بن الأشعث: "كان ابن عيينة قبل يد الفضيل بن عياض مرتين" كذا في تذكرة الحفاظ ١/٢٢٦، وفى الباب روايات ذكرها الهيثمي في المجمع ٨/٤٢، وقال المنذري في مختصره أى سنن أبي داؤد: "وقد صنف الحافظ أبو بكر الأصبهاني المعروف بابن المقري جزءاً في الرخصة في تقبيل اليد، ذكر فيه أحاديث وأثاراً عن الصحابة والتابعين" والله أعلم كذا في تخريج الزيلعي ٤/٢٥٩.

وأخرج الطبراني عن كعب بن مالک أنه لما نزل عذره أتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخذ بيده فقبلها، وفيه يحيى بن عبدالحميد الحماني وهو ضعيف وأخرج الطبرانى أيضا عن يحيى بن الحارث الزماري قال: لقيت واثلة بن الأسقع فقلت: بايعت بيدک هذه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: نعم! قلت: أعطنى يدک أقبلها، فأعطانيها فقبلتها، وفيه عبد الملک القاري قال الهيثمي: لم أعرفه وبقية رجاله ثقات.

وأخـرج الـطبـرانـي فـي الأوسـط من طريق عبد الرحمن بن رزين عن سلمة بن الأكوع قال: بايعت النبي صلى الله عليه وسلم بيدي هذه فقبلناها'' ورجاله ثقات.

بنده محمد يونس ۲/شوال ۱۳۸٦هـ

خط میں ''۷۸٦'' لکھنا

خط میں ۷۸٦ لکھنا بے اصل ہے ہمارے استاد و مربی حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم یہی فرماتے تھے اور خود براہ راست مجھ سے فرمایا تھا۔

محمد یونس

۱۴۱۵/۲/۱۷ھ

دار الاسلام سے دار الحرب بغرض تجارت جانے کا حکم

سئـلـت هـل يـجوز للذمي أن يخرج من دار الإسلام ويدخل في دار الحرب للتجارة وغيرها.

فـأجبت بأن الظاهر الجواز ثم رأيت المسئلة مذكورة في رد المحتار (٣٤٦/٣) عن شـرح السيـر الكبير ''أن الذمي لوأراد الدخول إليهم بأمان فإنه يمنع أن يدخل فرسا معه أو سـلاحـا لأن الـظـاهر من حاله أنه يبيعه منهم بخلاف المسلم إلا أن يكون معروفاً بعداوتهم ولايـمنع من الدخول بتجارة على البغال والحمير والسفن، لأنه للحمل لكن يستحلف أنه لم يرد بيع ذلک منهم''. انتهى.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

معنى الكفر لغة وشرعاً

کفر کی شرعی ولغوی تحقیق مع اقسام واحکام

أمـا في اللغة فقال ابن دريد (٧٨٧/٢) أصـل الكفر التغطية على الشيء والستر له وكذا قال ابن فارس (٢٥٠/٢) وآخرون قال الخليل (٣٥٧/٥) وكل شيء غطى شيئا فقد كفره قال

لبيد – فى ليلة كفر النجوم غمامها – ولذلك اطلق كافر على الزارع لانه يستر البذر فى الأرض والليل لانه يغطى كل شيء والبحر لانه يستر مافيه وكذلك يطلق على غير ذلك.

وأما فى الشرع فهو ضد الإيمان ونقيضه فى كل معنى لانه تغطية الحق قال ابن السكيت وسمى الكافر لانه يستر نعم الله سبحانه عليه يعني فلا ينسبها إلى خالقها كما تفعله الدهرية أو ينسها إلى غير خالقها كما قد يفعله المشركون قال ابن دريد (٧٨٦/٢) أحسب أن لفظه لفظ فاعل في معني مفعول وكان الكافر مغطى على قلبه.

قلت: فلا يتفكر فى المخلوقات ولا ينظر بنظر الإعتبار حتى يستدل بها على خالقها الواحد القهار ولانه محجوب عن النعم التى تحصل على الإيمان.

ثم الظاهر من كلام الخليل (٣٥٦/٥) وابن دريد (٧٨٦/٢) وابن فارس (٤٥٠/٢) أنه يستعمل فى المعنيين اللغوى والشرعى بضم الكاف، وفرق الجوهرى (٨٠٧/٢) فصرح بانه في معني التغطية بفتح الكاف وذكر ابن سيدة فى المحكم (٥/٧) أنه يستعمل فى المعنى الشرعى بالفتح أيضا ويطلق الكفر بالضم على جحود النعمة وسترها ويستعمل الكفر والكفر في الدين والنعمة ولكن قال الكرمانى (١٣٤/١) الكفر فى الدين والكفران في النعمة استعمالا وكانه لذلك اقتصر عليه ابن فارس في المقائيس (٤٥٠/٢).

أنواع الكفر الأصلي والفرعي

الكفر الأصلي والفرعي وأقسامهما: قال أحمد بن حنبل وأبو عبيد ص:٤٥ وغيرهما أن الكفر على صنفين وأشار إليها البخاري بهذه الترجمة وأوضحهما محمد بن نصر المروزى فقال فى كتاب الصلوة (٥١٧/٢، ٥٢٧) أن الكفر كفران كفر هو جحد بالله وبما قال فذلك ضد الإقرار بالله والتصديق به وبما قال وهو ينقل عن الملة.

وكفر هو عمل ضد الإيمان الذي هو عمل وهو لاينقل عن الملة وقال في موضع آخر (٥١٩/٢) للإيمان أصل وفرع وضد الإيمان الكفر فى كل معنى فأصل الإيمان الاقرار بالله والتصديق به وفرعه إكمال العمل بالقلب والبدن فضد الإقرار والتصديق الذى هو أصل الإيمان الكفر بالله وبما قال وترك التصديق به وله وضد الإيمان الذي هو عمل وليس هو إقرار ليس بكفر بالله ينقل عن الملة ولكن كفر تضييع العمل كما كان العمل إيمانا وليس هو

الإيمان الذي هو إقرار بالله اهـ.

وقــال ابن قتيبة ص ١٣٨ وأبـو عبيـد الهــروي فـي الغـربيين (١٦٤٣/٥) وابـن الأثير (١٨٦/٤) الـكـفـر صـنفان أحدهما الكفر بالاصل، كالكفر بالله أو بر سله أو ملائكته أو كتبه أوبـالبعث وهذا هو الأصل الذي من كفر بشيء منه، فقد خرج من جملة المسلمين، فان مات لم يرثه ذو قرابته المسلم، ولم يصل عليه.

والآخـر الـكـفـر بـفـرع مـن الفروع على تاويل كالكفر بالقدرو والإنكار للمسح على الـخـفيـن، وترك ايقاع الطلاق الثلث وأشباه هذا وهذا لا يخرج به عن الإسلام ولايقال لمن كفر بشي منه كافر. انتهى.

الكفر على أربعة أنحاء

وحكى الأزهري (١٠/) عـن مثمر عن بعض أهل العلم أنه قال الكفر على أربعة أنحاء

(١) كفر إنكار وهو أن يكفر بقلبه ولسانه كما هو حال عامة الكفار.

(٢) وكـفـر جـحـود وهو أن يعرف بقلبه ولا يقر بلسانه ككفر إبليس ومنه قوله سبحانه فَلَمَّا جَائَهُم مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِه.

(٣) وكفر نفاق وهو أن يقر بلسانه ويكفر بقلبه.

(٤) وكـفـر عنادٍ وهو أن يعرف بقلبه ويقر بلسانه ويأبي أن يقبل ككفر أبي طالب على ما ذكـره الأكثر وكـكفر أبي جهل على ما ذكره ابن الأثير، وذكر الزجاج (٣٢٢/٢) أن معصية إبـلـيـس مـعـصية مـعـانـدة وكفر ومن لقى ربه بشيء من ذلك لن يغفرله وهذه الصور ذكرها الخليل (٣٥٦/٥) ايضاً.

ومـن الكفر الأصلى أيضا عند الإمام أحمد ترك الصلوة على المشهور، والزكوة أيضاً فـي رواية ثانية وتركها إن قاتل الإمام في ثالثة وترك شيء من الأركان الأربعة في وراية رابعة وقالت الأئمة لايكفر بترك شيء منها وهي رواية خامسة عن أحمد.

أقسام الكفر الفرعي

والـكـفـر الـفـرعـي على قسمين الأول أن ينكر فرعا على تاويل كما تقدم عن ابن قتيبة وصـورتـه أن يجعل نصاعاما مخصوصاً بشيء أو بحال كما فعل جمهور القدرية، فقالوا بسبق

علـم الله سبحانه بالأشياء قبل خلقها وأنكروا عموم المشئية، والخلق وحملوا النصوص على الطاعات وقالوا المعاصي من العباد.

قال ابن تيمية ص: ٣٦٩ هـم مبتدعون ضالون ومن هذا النوع القول بخلق القرآن وقد اختلفوا في القائل به فروى أبو داود ص ٢٦٨ عن البويطي والبيهقي (١٠/١٠٧) عـن البويطى والمزني أنهما قالا من قال القرآن مخلوق فهو كافر قال البيهقى هذا مذهب ائمتنا فى هولاء المبتدعه.

قـلت: وهو مذهب الإمام أحمد كما نقله أبو داود ٣٦٢ وغيره وحكى البيهقي عن أبي الحسن الأشعرى أنه قال لا أكفر أحداً من أهل القبلة لأن الكل يشيرون إلى معبود واحد وإنما هـذا اختـلاف الـعبـارات، قـال البيهقي: فمن ذهب إلى هذا زعم أن هذا مذهب الشافعي قالوا والـذي رويـنـا عن الشافعى وغيره ممن يكفر هؤلاء المبتدعة فانما أراد وما به كفراً دون كفر وهو كما قال الله عزوجل وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ.

قـال ابـن عبـاس أنـه ليس بالكفر الذي يذهبون إليه أنه ليس بكفر ينقل عن الملة ولكن كـفـر دون كـفـر قـال البيهـقي فانهم أرادوا بتكفيرهم ما ذهبوا إليه من نفى هذه الصفات التي اثبتهـا الله تعالىٰ لنفسه وجحودهم لها بتاويل بعيد مع اعتقادهم اثبات ما اثبت الله تعالىٰ فعدلوا عن الظاهر بتاويل فلم يخرجوا به عن الملة وان كان التاويل خطأ. انتهى.

وقـال ابـو عبيـد الهروى فى الغريبين (٥/١٦٤٣) سـمـعـت الأزهرى سئل عمن يقول بـخلق القرآن نسميه كافرا فقال الذي يقوله كفر فاعيد عليه السوال ثلثا ويقول مثل ما قال ثم قال في الآخر قد يقول المسلم كفراً انتهى.

والـقـسـم الثـاني تـضييـع الـعمل كما سبق عن محمد بن نصر وتحته صنفان: أحدهما تـرك الـفرائض غير الأركان الأربعة وثانيهما المعاصي أما ترك غير الأركان فحكى محمد بن نصر (٢/٥٢٠) أنـه مـع تصديق أن الله أوجبها كفر ولكن ليس كفراً أصليا كفراً بالله بل هو كـفـر فـرعـي مـن جهة تـرك الـحق كما يقول القائل كفرت حقى ونعمتى يريد ضيّعت حقى وضيعت شكر نعمتى انتهى بالمعنى.

وأما المعاصي فارتكابها لا يوجب كفراً صرح بذلك البخاري في الباب الذي بعده وحكي ابن تيمية ص٢٨٧، اتفاق أهل السنة عليه.

”لانکفر أهل القبلة“ کی تشریح

اور ننانوے احتمالات کفر ہوتے ہوئے ایک وجہ اسلام کا اعتبار کئے جانے کا مطلب

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ

سوال: شامی میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ مسلمان یا کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے اگر چہ ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو۔

جواب: علامہ حصکفیؒ امامت کے بیان میں فرماتے ہیں: ”**و مبتدع أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ لا بمعاندة بل بنوع شبهة وكل من كان من أهل قبلتنا لا يكفر بها**“ اھ۔

یہ مسئلہ تکفیر اہل قبلہ کا ہے اس باب میں امام اعظم سے التقریر والتحبیر (۳/۳۱۸) میں فقہ اکبر کے حوالہ سے یہ عبارت منقول ہے: ”**ولا نكفر أحداً بذنب من الذنوب، وإن كان كبيرة إذا لم يستحلها**“ انتہی۔

اہل قبلہ سے کیا مراد ہے صاحب نبراس فرماتے ہیں: **أهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين أى الأمور التي علم ثبوتها في الشرع واشتهر فمن أنكر شيئا من الضروريات كحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلوة والصوم لم يكن من أهل القبلة ولو كان مجاهداً بالطاعات وكذلك من باشر شيئا من أمارات التكذيب كالسجود للصنم و الإهانة بأمر شرعي والإستهزاء فليس من أهل القبلة ومعنى عدم تكفير أهل القبلة أن لايكفر بارتكاب المعاصي ولا بإنكار الأمور الخفية غير المشهورة هذا ما حققه المحققون فاحفظه انتهى.**

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ عدم تکفیر اہل قبلہ کا یہ مطلب ہے کہ جو ضروریات دین کا مقر ہو، اور اس کے افعال وغیرہ سے اسلام کی اہانت لازم نہ آتی ہو، اور پھر کوئی معصیت ہو جائے تو محض گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی بظاہر امام صاحبؒ معتزلہ وخوارج پر رد فرما رہے ہیں جو عصاۃ کو ارتکاب معاصی کے سبب دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں چنانچہ علامہ شامی منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

وحرر العلامة نوح آفندي أن مراد الإمام بما نقل عنه ماذكره في الفقه الأكبر من

عدم التفكير بالذنب الذي هو مذهب أهل السنة والجماعة فتأمل. انتہی۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ونحن إذا قلنا أهل السنة متفقون على أنه لا يكفر بالذنب فإنما نريد به المعاصي كالزنا وشرب الخمر وقال الترمذي (۸۷/۲) هذا قول أهل العلم لانعلم أحداً كفر أحدا بالزنا والسرقة وشرب الخمر انتہی۔

امام صاحب نوراللہ مرقدہ تکفیر کے باب میں بہت محتاط ہیں اسی لیے علماء حنفیہ سے علی وجہ الشہرۃ منقول ہے کہ اگر کسی میں ۹۹ وجوہ موجب کفر ہوں اور ایک ایمان کی، تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی سردست یہ عبارت مجھے شامی میں نہیں ملی اس کے بعد نبراس کے حاشیہ پر یہ عبارت ملی:

قال علي القاري: "وقد ذكروا المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر واحتمال واحد في نفيه فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي لأن الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطإ في إفناء مسلم واحد" اھ۔ اگر توفیق ہوئی تو پھر کسی وقت نقل کر کے روانہ خدمت کروں گا والسلام۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

باب۴

تبلیغی جماعت اور دیگر
فضائل اعمال سے متعلق متفرق احادیث کی تحقیق

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ تبلیغی جماعت کے رہبر کو اللہ تعالیٰ جنت میں رہبر بنائیں گے جو لوگوں کو جنت میں لے جائے گا

سوال: بعض لوگ جماعت کی رہبری کی فضیلت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جماعت کا رہبر ہوگا قیامت کے دن اللہ میاں رہبر بنا کر جنت میں لے جائیں گے کیا یہ روایت ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حدیث بالفاظ مذکورہ فی السوال تو نہیں ملی لیکن بظاہر دو حدیثوں سے یہ مضمون ماخوذ ہے اول حدیث مسلم ”من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله“. ثانی حدیث مسلم أیضاً ”من سلک طریقاً یطلب فیه علما سلک الله به طریقا إلی الجنة“ اس سے یہ مضمون اس طور پر ماخوذ ہے کہ دال علی الخیر مثل فاعل خیر کے ہے اور یہ دلالت علم کا ایک طریق ہے جس کے بارے میں دوسری حدیث میں ضمانت لی گئی ہے کہ اللہ تعالی اس کو جنت کے راستہ پر چلائیں گے واللہ تعالی اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

قدرت کے باوجود معاصی کو دیکھ کر نہ روکنے والے قیامت میں اپنی قبروں سے بندر اور خنزیر کی شکل میں اٹھیں گے

سوال: ماہ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۸۲ء وصیۃ العرفان میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ

مرقدہ نے (بعنوان مداہنت کی سزا) فرمایا کہ روح المعانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خطیب بغدادیؒ حضرت ابوسلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ محمد ﷺ کی جان جس کے قبضہ میں ہے میری امت میں سے بروز قیامت اپنی اپنی قبروں میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جن کی صورتیں بندر اور سور کی سی ہوں گی (العیاذ باللہ) اور یہ اس لئے ہوگا کہ ان لوگوں نے اہل معصیت کو انکی معصیت سے روکنے میں مداہنت (سستی) کی ہوگی یعنی ان کو باجود قدرت کے اس سے روکا نہ ہوگا۔ محمد غفران کٹکی

جواب: یہ روایت علامہ سیوطی نے درمنثور (۳۰۲/۲) میں خطیب بغدادی کی کتاب رواۃ مالک کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ کتاب سامنے نہیں ہے اس لئے روایت کے متعلق اسنادی حیثیت سے کلام کرنا دشوار ہے روایت تو جیسی بھی ہو لیکن قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا بہت سخت ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض تم نے مشکوۃ شریف میں پڑھی ہیں اور بہت سی حافظ ابن کثیر نے (۸۳/۲) پر اور علامہ سیوطی نے (۳۰۱/۲-۳۰۲) پر درج کی ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جب امت امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دے گی برکات وحی سے محروم ہو جائے گی

برکات وحی کا مطلب

سوال:- عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا عظمت أمتي الدنيا نزعت منها هيبة الإسلام وإذا تركت الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر حرمت بركة الوحي وإذا تسابت أمتي سقطت من عين الله عزوجل".

رواه الترمذي الحكيم في نوادر الأصول قال الحافظ في تخريج الكشاف ص:٦٥ في إسناده البختري بن عبيد وهو ضعيف.اهـ. وقال العراقي في تخريج الإحياء١/٢٥٦ رواه ابن أبي الدنيا في كتاب الأمر بالمعروف من حديث الفضيل بن عياض قال ذكر عن نبي الله ﷺ.

بركة الوحي. سے کیا کیا مراد ہے مفصل تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ بسم الله الرحمن الرحيم

صلى الله على محمد وآله وصحبه أجمعين.

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ برکۃ الوحی کے مصادیق کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ جس کو شریعت کی زبان میں وحی کہا جاتا ہے اسی کی برکت مراد ہوگی اور وہ کیا ہے جس کو زبان شریعت میں وحی کہا جاتا ہے؟ قرآن کریم اور حدیث پاک ہے.

وفسره العزيزي في شرح الجامع الصغير ۲۳۹/۱ بالقرآن فقط وفي الإحياء ص:۲۵۶ قال الفضيل يعنى حرموا فهم القرآن اهـ.

حکیم ترمذی نوادر الاصول ص:۷ میں تحریر فرماتے ہیں: أما قوله إذا تركت الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر حرمت بركة الوحي فإن في تركهما خذلاناً للحق وجفوة للدين وفي خذ لان الحق ذهاب البصيرة وفي جفاء الدين فقد النور، فيصير القلب محجوباً عن فهم حقائق القرآن والحديث ولطائفه وغوامضه وإن كان القارى من أعلم الناس باللغة وأبصرهم بتفسيره لأن في خذلان الحق صار الصدر مظلماً والقلب محجوباً والذي أشرق صدره بالنور فعلى قلبه تنزل ينابيع الفهم، فيلتذ بلطائف الأوامر والنواهي، يفرح بالوعد ويتحذر بالوعيد انتهى.

كتبه العبد محمد يونس بأمر شيخنا الأستاذ المولى
محمد زكريا شيخ الحديث بمظاهر العلوم ۱۰/ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ ایمان پرانا ہوجاتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہوتا ہے

سوال:۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی تصنیف فضائل ذکر میں دو احادیث نبوی ﷺ کے تراجم درج فرمائے ہیں مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ان دونوں احادیث کے اصل الفاظ کی ضرورت ہے اگر آپ از راہ مہربانی ان احادیث کا اصل متن اور پورا حوالہ عنایت فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

پہلی حدیث کتاب مذکور کے (ص ۴۷) پر درج ہے کہ ایمان پرانا ہوجاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہوجاتا ہے اس لئے اللہ جل شانہ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔ والسلام احقر محمد عزیز حسن، چوکی حسن خان مراد آباد

جواب:۔ مکرم ومحترم السلام علیکم

ابھی آپ کا خط ملا حدیث پاک کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن عبد الله بن عمروبن العاص قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''إن الإيمان ليخلق في جوف أحدكم كما يخلق الثوب فاسئلوا الله أن يجدّد الإيمان في قلوبكم''.

رواه الطبراني في الكبير والحاكم في المستدرک ۴/۱ قال الحاكم: رواته مصريون ثقات وأقره الذهبي وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۵۲/۱: إسناده حسن.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ ''جو کسی ذمی (کافر) کا حق دبائے گا میں قیامت میں ذمی کی طرف سے وکیل ہوں گا''

سوال: حضرت شیخ کے شجرہ میں ذمی کے حق کے حقوق کی رعایت کے سلسلہ میں اردو میں حدیث کا مضمون درج ہے کہ قیامت میں اس ذمی کی طرف سے میں وکیل ہوں گا جو کسی ذمی کا حق مارے گا انتہی مختصراً اسکی اصل حدیث عربی عبارت بحوالہ ماخذ چاہیے امید ہے کہ تکلیف فرما کر عنایت فرمائیں گے

جواب: شجرہ میں ذمی کی رعایت والی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے اور ابوداؤد ہی کے حوالہ سے مشکوۃ (ص ۳۵۴) میں ہے ولفظه عن صفوان بن سليم عن عدة من أبناء أصحاب رسول الله ﷺ عن آبائهم عن رسول الله ﷺ قال: ''ألا من ظلم معاهداً أو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة''. رواه أبو داؤد (۱۵۹/۴).

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ مبلغین ومجاہدین جس راستے سے گذر جاتے ہیں وہ راستہ دوسرے راستوں پر فخر کرتا ہے

سوال: وہ لوگ فضائل گشت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس راستے سے مجاہدین ومبلغین اسلام گذرتے ہیں بزبان حال وہ راستے دوسرے راستے پر فخر کرتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: أخرج الطبراني في الأوسط من طريق صالح المرى عن جعفر بن زيد عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ ما من صباح ولارواح إلابقاع الأرض ينادى

بعضها بعضاً يا جارة! هل مربک عبد صالح صلى عليک، أو ذكر الله فان قالت: نعم رأت لها بذلک عليها فضلا.

قال الحافظ الهيثمى فى مجمع الزوائد (٦/٢): صالح المرى ضعيف.

قلت: هو صالح بن بشير المرى الزاهد المشهور معروف عند أهل الحديث، والرجال ترجم له فى الميزان، وضعّفه ابن معين والدار قطني وقال الفلاس والبخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروک وقد روى عباس عن يحيى ليس به بأس.

قلت: وأخرجه ابن المبارک في الزهد (ص: ١١٣) من هذا الوجه موقوفاً على أنس وأخرج قول ابن مسعود أن الجبل يقول للجبل يا فلان هل مر بک اليوم ذاكر الله تعالى فإن قال: نعم سرّ به.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں عموم

گشت کے بعد جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب سات لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے

سوال: تبلیغی جماعت والے حضرات گشت کی ترغیب دیتے وقت یہ فرماتے ہیں کہ گشت کر کے جو نماز پڑھی جاوے اس کا ثواب سات لاکھ درجہ ہے یعنی ۷ لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور اس اللہ کے راستہ میں نکلنے کا اجر بھی اسی طرح ہے کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپئے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اس کے بارے میں بھی حدیث یا قرآن کا ثبوت چاہئے تا کہ تسلی ہو، اگر کوئی ثبوت ہے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی اس تحریک سے پہلے امت مسلمہ اس ثواب عظیم سے محروم کیوں رہ گئی گشت وتبلیغ کا سلسلہ تو تقریباً پینسٹھ سال سے جاری ہوا ہے امید ہے کہ احادیث کے حوالہ سے آپ تشفی فرمائیں گے۔

جواب: اہل تبلیغ کے قول کی دلیل مشکوۃ شریف ص:۳۳۵ کی یہ روایت ہے: ’’من غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلک فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم‘‘. رواه ابن ماجه وفى سنده مقال.

سبیل اللہ عرف خاص میں جہاد پر بولا جاتا ہے، لیکن عرف عام میں ہر خیر کے راستے پر بولا جاتا ہے۔ انفاق کا مسئلہ نص روایت سے ماخوذ ہے اور باقی بظاہر استدلال کے طور پر اخذ کیا گیا ہے اور سبیل اللہ کا مفہوم عام مان لینے کی صورت میں طلب علم یا دین کے لیے کسی بھی غرض سے نکلنا بھی اس میں داخل ہو جائے گا اس لیے امت کی محرومی کا مسئلہ پیش نہیں آتا اور اہل تبلیغ اس وقت امت کی عمومی دین سے بے خبری کی بناء پر تبلیغ پر زور دیتے ہیں اس لیے کہ یہ امت کے تمام ہی لوگوں کے دین سے باخبر ہو جانے کا آسان راستہ ہے تجربہ اس کا شاہد ہے۔ فقط والسلام محمد یونس ۱۴۱۴/۳/۲۶ھ

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جو طالب علم یا جو جماعت جس قبرستان کے قریب سے گذر جاتی ہے چالیس روز تک اللہ تعالیٰ عذاب قبر معاف فرما دیتا ہے

سوال: بعض تبلیغی بھائیوں کی زبانی سنائی دیا ہے کہ تبلیغی گشت اور سفر یا فضائل علم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ جماعت یا طالب علم جن قبرستان کے قریب سے گذرتے ہیں اس قبرستان کے مردوں کی چالیس روز تک عذاب قبر معاف ہو جاتا ہے کیا یہ حدیث میں ثابت ہے؟ اگر ہے تو بحوالہ کتاب براہ کرم رقم فرما کر تشفی خاطر کریں۔

جواب: قال التفتازاني فی شرح العقائد ص ۱۲۳ قال علیه الصلاة والسلام إن العالم والمتعلم إذا مرّ علی قریة فإن الله تعالیٰ یرفع العذاب عن مقبرة تلك القریة أربعین یوماً انتهی قال علي القاري في الموضوعات الکبیر ص ۲۴ قال الحافظ جلال الدین السیوطي: "لا أصل له".

محمد یونس عفی عنہ

اللہ کے راستہ میں ایک ساعت حجر اسود کے سامنے ساری رات عبادت سے افضل ہے فی سبیل اللہ کی تشریح اور اس کا مصداق

سوال: ایک حدیث جو فضیلت جہاد حقیقی پر مشتمل ہے یعنی اللہ کے راستے میں ایک ساعت ٹھہرنا شب قدر میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے یہ حدیث ہمارے

موجودہ تبلیغی جماعت پر منطبق ہوگی یا نہیں براہ کرم اس اشکال کو مضبوط دلیل سے رفع فرمادیں؟

جواب: هذا الحديث أخرجه ابن حبان في صحيحه والبيهقي وغيرهما من طريق مجاهد عن أبي هريرةؓ أنه كان في الرباط ففزعوا إلى الساحل ثم قيل: لابأس، فانصرف الناس وأبو هريرة واقف، فمر به إنسان فقال: ما يوقفك يا أبا هريرة فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ”موقف ساعة في سبيل الله خير من قيام ليلة القدر عند الحجر الأسود“ وكذا في الترغيب (١/٢٢٦).

فی سبیل اللہ کے دو اطلاق ہیں ایک خاص یعنی جہاد اور یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں اس لیے کہ اہل عرف نے عام طور پر اسی میں استعمال کیا ہے۔

ثانی ہر وہ کام جو اللہ کے لیے ہو حضرت شیخ عبد الحق محدث دھلویؒ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

وفی سبیل الله كناية عن السعي إلى الجهاد، وهو المتعارف في الشرع وقد يراد به السعي إلى الحج والرزق الحلال، كذا في حاشية الترمذي (١/١٩٦) یہ دونوں استعمال حضرات محدثین کرام وفقہاء عظامؒ سبھی نے کیا ہے۔

امام بخاریؒ، بخاری شریف کتاب الجمعہ (۱۲۴) میں ترجمہ منعقد فرماتے ہیں باب المشی إلی الجمعة اور اس میں یہ حدیث ذکر فرماتے ہیں من اغبرت قد ماہ فی سبیل الله حرمه الله على النار.

بعض شراح نے اثبات ترجمہ میں دور دراز کی تاویلیں کی ہیں لیکن بندہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ بخاری نے فی سبیل اللہ ہی کے لفظ سے استدلال کیا ہے کما صرح بہ العینی وغیرہ اور اس سے زیادہ قوی یہ ہے کہ خود صحابی نے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جہاد سے اعم سمجھا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہے بخاری فرماتے ہیں:

حدثنا علي بن عبد الله حدثنا الوليد بن مسلم قال: حدثنا يزيد بن أبي مريم قال: حدثنا عباية بن رفاعة قال: أدركني أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة فقال: سمعت رسول الله ﷺ من اغبرّت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار.

حضرت ابو عبس عبد الرحمٰن بن جبر نے فی سبیل اللہ کو جہاد سے اعم مراد لیا ہے اسی لیے تو مشی فی سبیل اللہ کی فضیلت کے مقام میں اس حدیث سے استدلال فرمایا ترمذی شریف میں عبایۃ بن رفاعہ تابعی کا اس معنی اعم پر حمل کرنا مذکور ہے اور کوئی استبعاد نہیں کہ دونوں ہی نے اپنے اپنے وقت پر کیا ہو ابن بطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: والمراد من ”في سبيل الله“ جميع طاعاته۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (۲۳/۶) وھو کما قال، إلا أن المتبادر عند الاطلاق من لفظ ”في سبیل اللہ“ الجھاد وقد أوردہ المصنف یعني البخاري في فضل المشي إلی الجمعۃ استعمالا للفظ في عمومہ انتھی.

اسی طرح فقہاء مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں مختلف ہیں کہ آیا منقطع الحاج مراد ہیں کما ھو قول محمد أو منقطع الغزاۃ کما ھو قول أبي یوسف والمسئلۃ مذکورۃ في الھدایۃ والمبسوط وغیرھما من کتب المذاھب، وقال الحافظ: ”الأکثر علی أنہ یختص بالغازي“ وعن أحمد وإسحاق: ”الحج من سبیل اللہ“ جب فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد کے ماسوی پر ہوسکتا ہے تو پھر اس عموم میں تبلیغی اسفار کو داخل ماننے میں بظاہر کوئی استبعاد نہیں ہے جبکہ دونوں کی غرض اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہے یعنی جہاد بالسنان اور تبلیغی اسفار یعنی جہاد باللسان والبیان البتہ جو فضائل خاص طور سے جان فروشی اور سر کٹانے کے بارے میں وارد ہیں اس میں ان اسفار کو داخل ماننا اشکال سے خالی نہیں ہے واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

تعلیم وتبلیغ کا درجہ نفلی عبادت سے بڑھ کر ہے

یہ بالکل صحیح ہے کہ ایسی نفلی عبادت جس کا نفع صرف عابد کو پہنچے چاہے کتنی ہی بڑی ہو، تعلیم وتبلیغ کا درجہ اس سے بڑا ہے لیکن تبلیغ کو تعلیم پر ترجیح دینا یا اس کا عکس مناسب نہیں یہ غالی لوگوں کا کام ہے دونوں ضروری ہیں اور بعض مواقع میں بعض کو دوسرے پر عارضی تقدیم ہوسکتی ہے۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

یہ کہنا صحیح نہیں کہ تعلیم وتعلّم یعنی پڑھنا پڑھانا نمبر دو پر ہے اور تبلیغ نمبر ایک پر ہے تعلیم کے بغیر تبلیغ محال ہے صحابہ نے پہلے علم سیکھا پھر تبلیغ کی

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علم دین کا پڑھنا اور پڑھانا نمبر دو پر ہے اور تبلیغی جماعت میں کام کرنا نمبر ایک پر ہے؟

جواب: تعلیم وتبلیغ دونوں ضروری ہیں آپ مستقلاً تعلیمی کام کریں جب تعطیل کے ایام ہوں تو تبلیغ

کے لیے بھی سفر کرلیا کریں، اہل تبلیغ کا اصرار اور نمبر ایک ودو کہنا ان کی اپنی سمجھ کے اعتبار سے ہے، علم کے بغیر تبلیغ محال ہے۔ اور علم کے لیے تعلیم ضروری ہے، صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم بھی سیکھتے تھے اور تبلیغ بھی کرتے تھے مالک بن الحویرث کے ساتھی اور اسی طرح وفد عبدالقیس جب آئے تو پہلے علم سیکھا اس کے بعد واپسی پر ان کو تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن

سوال: أين قول الصحابة تعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن؟.

الجواب:- أخرجه ابن ماجة ص: ۷ من طريق حماد بن نجيح عن أبي عمران الجوني عن جندب بن عبد الله قال: كنا مع النبي ﷺ ونحن فتيان حزاورة فتعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددنا به إيماناً.

وإسناده صحيح كما قال العراقي وزاد الطبراني فيه: "وأنتم اليوم تعلمون القرآن قبل الإيمان" وهو صحيح أيضاً وله شاهد من حديث ابن عمر أخرجه الحاكم وصححه على شرط الشيخين والبيهقي: "لقد عشنا برهة من الدهر وإن أحدنا يؤتي الإيمان قبل القرآن" كذا في تخريج الإحياء ۱/۶۸ وراجع الإتحاف ص:۴۲۴۔ محمد یونس عفی عنہ

دین کے لیے تھوڑی دیر غور وفکر کرنا ساٹھ سال عبادت سے بہتر ہے

سوال: ایک حدیث جو لوگوں کے منہ سے سنائی دیتی ہے کہ تفكر ساعة خير من عبادة ستين سنة أو ثمانين سنة أو كما قال عليه السلام یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اگر ہے تو یہاں فکر سے کون سی فکر مراد ہے اور کس قسم کی فکر مطلوب ہے؟

جواب: حديث تفكر ساعة خير من عبادة ستين سنة.

هذا الحديث أخرجه أبو الشيخ في كتاب العظمة من طريق عثمان بن عبدالله القرشي عن إسحق بن نجيح الملطي عن عطاء الخراساني عن أبي هريرةؓ مرفوعاً: "فكرة ساعة خير من عبادة ستين سنة".

وأورده ابـن الـجـوزي فـي الموضوعات وتعقبه السيوطي في اللآلي ص: ٣٢٧ بـأن العراقي اقتصر في تخريج الإحياء على تضعيفه.

قـلـت: هـذا عـجـيب مـن السيـوطـي فإن العراقي لما ذكر قول الغزالي في الإحياء ٣٦١/٤ حـديـث: تـفـكـر سـاعة خير من عبادة سنة قال: أخرجه ابن حبان في كتاب العظمة من حديث أبي هريره رضـ بلفظ "ستين سنة" بإسناد ضعيف ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات ورواه أبومنصور الـديـلـمـي فـي مسـنـد الـفـردوس من حديث أنس رضـ بلفظ: ثمانين سنة، وإسناده ضعيف جداً ورواه أبوالشيخ من قول ابن عباس بلفظ "خير من قيام ليلة" انتهى.

فهـذا قـد عـقبـه الـعـراقي لكلام ابن الجوزي، والعراقي يتجنب الحكم بالوضع كما علمت بـإستقراء كلامه فلذا حكم بالضعف ثم عقبه بإيراد ابن الجوزی له في الموضوعات ولم يتعقبه بالرد و ذكـر السيـوطـي فـي الـلآلـي بـعض شواهده منها: ما أخرجه الديلمي من طريق سعيد بن ميسرة البكري البصري عن أنس قال: "تفكر ساعة في اختلاف الليل والنهار خير من عبادة ألف سنة".

قـلـت: وسعيد بن ميسرة قال البخاري: عنده مناكير، وقال أيضاً: منكر الحديث. وقال ابن حبان: يروى الموضوعات كذا ذكر الذهبی في الميزان. وأورد في ترجمته أحاديث وقال: روي له ابن عدي هذه الأحاديث وقال هو مظلم الأمر.

قـال الـحـافظ ابن حجر في اللسان: قال أبوحاتم : ليس يعجبني حديثه وهو منكر الحديث، ضـعـيـفـه، يـروي عن أنس المناكير. وقال أبو أحمد الحاكم : منكر الحديث، وذكره ابن الجارود والسـاجـي في الضعفاء وأخرج أبو الشيخ في العظمة من طريق عمر و بن قيس الملائی قال: بلغني "أن تفكر ساعة خير من عمل دهر من الدهر".

ان ساری عبارات سے حدیث کا مقام خود متعین ہوجاتا ہے بظاہر مرفوعاً ثابت ہونا مشکل ہے، اس لیے کہ کوئی طریق علت قادحہ سے خالی نہیں ہے، اور اگر ثابت ہوجائے تو پھر اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جس قدر تدبر و تفکر ہوگا اسی قدر اپنی ذلت اور بے مائیگی اور حق تعالی کی عظمت و کبریائی پیش نظر ہوگی جس کا ثمرہ خشیت باری تعالی مرتب ہوگا نیز تفکر اگر آلاء اللہ میں ہو تو شکر وشوق پیدا ہوگا اور پھر بڑھتے بڑھتے یہی راسخ ہوکر نسبت یادداشت بن جائے گا جو عین مقصود سالکین ہے بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ تو ثابت نہیں ہیں لیکن تقریر بالا کے پیش نظر معنیٰ ثابت ہیں اور اس کا شاہد آیت شریفہ:

''إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لآیَاتٍ لأُولِی الأَلْبَاب اورآیت:إِنَّ فِي ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لأُولِی الأَبْصَار وغیرہ ہیں۔

فکرونظر سے مراد وہی فکرونظر ہے جومعرفت حق کا سبب ہو ورنہ ایسا فکرونظر جوملحدوں کو ہوتا ہے تو عین بعد وسبب عذاب ہے۔

قال ابوعلی الروذباری:

التفکر علی أربعة أوجه: فکرة في آیات الله، و علامتها تولد المحبة، وفکرة في وعد الله بثوابه، وعلامتها تولد الرغبة، وفکرة في وعیده تعالیٰ، وعلامتها تولد الرهبة، وفکرة في جفاء النفس مع إحسان الله، وعلامتها تولد الحیاء من الله تعالیٰ۔

(طبقات شافعیہ ۲/۱۰۱) واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

جولوگوں کومشقت میں ڈالے اللہ اس کومشقت میں ڈالے گا

مخدومی حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی طرف سے ایک گرامی نامہ ملا تھا اس میں حضرت والا نے ایک ملفوظ تحریر فرمایا تھا جو مجھے بہت ہی پسند آیا اور دل میں یہ خیال ہوا کہ اسے عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے شائع کرادوں بندہ نے حضرت والا سے اجازت طلب کی حضرت والا نے اجازت مرحمت فرمادی لیکن ساتھ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ اس میں ایک حدیث پاک ہے اس لئے شائع کراتے وقت اس حدیث پاک کا حوالہ ضرور شائع کریں کہ بغیر حوالہ کے حدیث کا شائع کرنا مناسب نہیں ہے وہ ملفوظ اور حدیث یہ ہے۔

ملفوظ: دوستوں کوکس طرح یہ بات سمجھائی جائے کہ دوسروں کوتکلیف پہنچانے میں اس کوتو نقصان کم ہوتا ہے اپنے کو زیادہ، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کی نہ قدر ہے نہ معلومات۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے جو دوسرے کو مضرت پہنچائے اللہ تعالیٰ اس کو مضرت پہنچائے اور جو دوسرے کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈالے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ محتاج دعاء

بندہ محمد یعقوب غفرلہ

خادم حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ بمبئی

جواب : مکرم ومحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی آپ کا خط ملا خیر وعافیت معلوم ہوکر مسرت ہوئی یہاں بھی بحمد اللہ سب طرح عافیت ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی نے جو حدیث تحریر فرمائی ہے وہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے اس کے الفاظ صحابی کے نام کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

عن أبي صرمة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من ضارّ ضارّ الله به ومن شاقّ شاقّ الله عليه".

رواه أحمد ٣/٤٥٣ والترمذي ٢/١٦ وابن ماجة ١٧٠ وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب.

اور یہ حدیث مشکوۃ شریف ۴۲۸ پر بھی ہے۔ اس احقر ناکارہ کیلئے بھی دعائے فلاح دارین کرتے رہیں والسلام۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۱۷/شوال ۱۳۹۸ھ

اس حدیث کی تحقیق کہ جو مسلمانوں کا راستہ تنگ کرے اس کا جہاد مقبول نہیں

سوال: معارف القرآن جلد ۵ کے ص ۲۰ پر یہ حدیث درج ہے "جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے اس کا جہاد مقبول نہیں" مجھے اس کا حوالہ کتب حدیث سے مطلوب ہے؟

جواب: حدیث نمبر دو ابوداود کی ہے:

عن معاذ الجهني عن أبيه قال غزوة مع النبي صلى الله عليه وسلم غزوة كذا وكذا فضيق الناس المنازل وقطعوا الطريق فبعث نبي الله صلى الله عليه وسلم منادياً ينادي في الناس أن من ضيق منزلاً أو قطع طريقاً فلا جهاد له. رواه أبو داود ٣/٤٤٩ قوله قطعوا الطريق قال علي القاري في المرقاة ٤/٢١٩ أى بتضييقها على المارة. فقط.

جو مردہ سنت کو زندہ کرے سو شہیدوں کا ثواب پائے

سوال: **من أحيى سنتي بعد ما أميتت فله أجر مائة شهيد.**

(مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ)

جواب: حدیث: **"من أحيى سنتي بعد ما أميتت فله أجر مائة شهيد" لم أقف عليه باللفظ المذكور في السوال وذكره المنذري في الترغيب ١/٢٣ بلفظ قريب منه في الترغيب**

في اتباع الكتاب والسنة قال:

وعن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

”من تمسک بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد“.

رواه البيهقي من رواية الحسن بن قتيبة، ورواه الطبراني من حديث أبي هريرة بإسناد لابأس به إلا أنه قال : فله أجر شهيد.اهـ.

قلت: ”والحسن بن قتيبة ضعفه الأكثر وقال ابن عدي: أرجوا أنه لابأس به“ والله أعلم .

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۹؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

اللہ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے

سوال: گزارش یہ ہے کہ مربی سے سنا کہ اللہ کے راستہ میں نکل کر اپنے لئے ایک روپیہ خرچ کرنے سے سات لاکھ روپیہ کا ثواب اور ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے ایسا ایسا ثواب ملتا ہے اب اس کا باسند جواب تفصیلاً فرما کر تسلی فرمائیں۔

الجواب: ایک عمل پر راہ خدا میں سات لاکھ کا ثواب ابن ماجہ کی ایک روایت میں وارد ہے جو متعدد صحابہ سے مروی ہے۔(ابن ماجہ ص ۲۰۳)

قال حدثنا هارون بن عبدالله الحمالي ثنا ابن أبي فديک عن الخليل بن عبدالله عن الحسن عن علي بن أبي طالب وأبي الدرداء وأبي هريرة وأبي أمامة الباهلي وعبدالله بن عمرو عبدالله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن حصين كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: ”من أرسل نفقة في سبيل الله وأقام في بيته فله بكل درهم سبع مأة درهم، ومن غزىٰ بنفسه في سبيل الله وأنفق فی وجه ذلک فله بكل درهم سبع مأة ألف درهم“. ثم تلا هذه الآية: ”والله يضاعف لمن يشاء“.

وخليل بن عبدالله قال الذهبي في الميزان: روي عن الحسن لايعرف ماروي عنه سوي ابن أبي فديک. انتهى. وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: مجهول. قلت: وفي سماع الحسن عن علي اختلاف مشهور.

قال الذهبی في الميزان: خليل بن عبد الله لايعرف ماروي عنه سوى ابن أبي فديک وقال الحافظ ابن كثير ۱/۳۱۷ : هذا حديث غريب وعزاه لابن أبي حاتم من

حـديـث عمران بن حصين وإسناده إسناد ابن ماجة، وعزاه السيوطي في الدر المنثور لابن مـاجـه وابـن أبـي حـاتم كليهما من حديث جماعة الصحابة المذكورين وسكت عنه ونقل السندي ٢/ ٩٠ عن زوائد الحافظ البوصيري أنه قال: في إسناده خليل بن عبد الله.

قال الذهبي لايعرف وكذا قال ابن عبد الهادي.اهـ.

والتـضـعيف إلـى سبـع مـائة ثابت بالقرآن والأحاديث الكثيرة التي ذكرها ابن كثير ١/ ٣١٦ والسيوطي والشوكاني وغيرهم.

والـزيادة على السبعمائة يؤيده قوله تعالى: ”والله يضاعف لمن يشاء“. وقوله تعالىٰ: ”من ذا الذي يقرض الله قرضاً حسـناً فيضاعفه له أضعافاً كثيراً“ ولكن التحديد إلى السبع مائة ألف في صورة الخروج وإلى السبعمائة فقط في عدم الخروج لا أعلمه في غير هذا الحديث وهو مراد الحافظ ابن كثير بقوله: هذا حديث غريب. والله أعلم.

ومـن الأحـاديـث الدالة على الزيادة على سبعمائة ما أخرجه البخارى ومسلم ١ /٧٨ عن ابن عباس عـن رسـول الله صـلى الله عليه وسلم فيما يروي عن ربه عزوجل قال: إن الله كتب الـحسـنات والسيئات ثم بين ذلك فمن همّ بحسنة فلم يعملها كتب الله له حسنة كاملة، فإن هم بها فعملها كتبها الله عنه عشر حسنات إلى سبع مأة ضعف إلى أضعاف كثيرة.

قـال الـنـووي: فيـه تـصـريـح بالمذهب الصحيح المختار عند العلماء أن التضعيف لايـقـف عـلـى سبـع مـائة، وحكى أبوالحسن أقضى القضاة الماوردي عن بعض العلماء أن التضعيف لايتجاوز سبع مائة، وهو غلط لهذا الحديث. والله أعلم. انتهى.

بندہ محمد عفی عنہ

نماز اور دعاء کی برکت سے ازخود چکی چلنے والی روایت کی تحقیق

سوال: یہاں پر ایک حدیث چل رہی ہے مگر وہ ملتی نہیں ہے کہ ایک صحابی گھر سے تنگی کی وجہ سے نکل گئے اور کسی کی مزدوری نہیں کی مگر نماز پڑھتے رہے شام کو گھر آئے تو چکی گھوم رہی تھی گھر کے برتن بھر گئے پھر چکی اٹھا کر دیکھا کہ آٹا کہاں سے آتا ہے چکی چلنا بند ہوگئی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر چکی نہ اٹھاتے تو قیامت تک چلتی رہتی؟

جواب: أخرجه أحمد (٢/ ٥١٣) عـن أبـي هـريرةؓ قال: دخل رجل على أهله فلما

رأى مـابهـم مـن الـحاجة خرج إلى البرية فلما رأت امرأته قامت إلى الرحى فوضعتها وإلى التـنـور سـجـرتـه ثـم قـالت: اللهم ارزقنا، فنظرت فإذا الجفنة قد امتلأت قال وذهبت إلى التـنور فوجدته ممتلئا، قال فرجع الزوج وقال أصبتم بعدي شيئاً؟ قالت امرأته: نعم من ربنا وقـام إلـى الرحى فذكر ذلک للنبي ﷺ فـقـال: ”أمـا أنه لو لم يرفعها لم تزل تدور إلى يوم الـقيامة“ وكذا رواه البزار والطبراني في الأوسط ورجالهم رجال الصحيح غير شيخ البزار وشيخ الطبراني وهما ثقتان كذا قاله الهيثمی. (۲۵۷/۱۰). محمد یونس عفا اللہ عنہ

اس حدیث کی تحقیق کہ بعض آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتے ہیں اور ایک بھی مقبول نہیں ہوتی

سوال: فضائل نماز عکسی (ص۷۲) پر ایک حدیث منقول ہے اس کے متعلق تحقیق مطلوب ہے فضائل نماز کے الفاظ یہ ہیں:

”اور ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا سوال یہ ہے کہ صحاح ستہ میں سے کس کتاب میں یہ حدیث ہے حدیث کی کون سی قسم ہے اس کے رواۃ کون کون صحابی ہیں؟

جواب: حدیث مذکور ترغیب وترہیب تصنیف للامام المنذری (ص:۹۲) میں ہے ولـفـظه عن أبي هـريـرةؓ عـن الـنبـیﷺ قـال: ”إن الـرجـل لـيـصـلـی ستين سنة وما تقبل له صلوة لعله يتم الـركـوع ولا يتـم الـسـجـود، ويتـم الـسـجـود ولا يتم الركوع“. رواه أبو القاسم الأصبهاني وينظر سنده. انتهی (ترغیب مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ)۔

یہ حدیث صحاح ستہ اور مسانید مشہورہ میں نہیں ہے اور ساری احادیث کچھ صحاح ستہ میں منحصر نہیں ہیں نیز یہ حدیث فضائل کے متعلق ہے اور فضائل میں علماء حدیث احمد بن حنبل وغیرہ نے تساہل روا رکھا ہے امام منذری جو فن حدیث کے امام ہیں انھوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

بحکم حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ۱۳؍شعبان ۱۳۹۲ھ

اس مسئلہ کی تحقیق کہ ''دو پیسے کے عوض سات سو مقبول نمازیں قبول نہ ہونگی''

سوال: حضرت شیخ نے فرمایا کہ دو پیسے کے بدلے میں سات سو مقبول نمازیں قبول نہیں ہوتیں اس کا حوالہ لکھیں؟

جواب: قال صاحب الدرالمختار: ''الصلاة لإرضاء الخصوم لا تفيد، بل يصلى لله تعالى فإنّ لم يعف خصمه أخذ من حسناته، جاء أنه يوخذ بدانق ثواب سبع مأة صلاة بالجماعة'' اھ.

قال ابن عابدين ۱/۲۹۴ قوله: جاء أى في بعض الكتب اشباه عن البزازية ولعل المراد بها الكتب السماوية أو يكون ذٰلک حديثا نقله العلماء فى كتبهم، والدانق بفتح النون وكسرها سدس الدرهم، وقوله: ''ثواب سبع مأة صلوة بالجماعة'' أى من الفرائض لأن الجماعة فيها، والذي في المواهب عن القشيري ''سبع مأة صلوة مقبولة'' ولم يقيد بالجماعة قال شارح المواهب ماحاصله: ''هذا لاينافى أن الله تعالى يعفو عن الظالم ويدخله الجنة برحمته'' ملخصاً .

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسواک کے ستر فوائد سے متعلق

سوال: بغرض استفادہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق احادیث کا ثبوت مطلوب ہے؟

فضائل نماز میں فوائد مسواک کے ذیل میں لکھا ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے؟

بعد میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر مضرتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

جواب: مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر ضرر کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں!

بندہ محمد یونس عفی عنہ

کیا باسی روٹی کھانا سنت ہے؟

سئلت هل يسن أكل الخبز البائت الذى يقال له فى الهندية باسى؟ فأجبت.

أخرج الترمذي ٢/٦، من طريق أبي حمزة الثمالي عن الشعبي عن أم هاني بنت أبي طالب قالت دخل علي رسو ل الله صلى الله عليه وسلم فقال: هل عندكم شيء؟ فقلت: لا! إلا كسر يابس وخل، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: قربيه، فما أفقر بيت من آدم فيه خل وقال هذا حديث حسن غريب لا نعرفه من حديث أم هانى إلا من هذا الوجه.

قلت: ولفظ المشكوة ٢٦٦ برواية التر مذي إلا خبز يابس وهو لفظ الترمذي في شمائله ٩٧ ويستدل على المقصو د بما أخرجه مسلم عن أبي هريرة لما كان يوم غزوة تبوك أصاب الناس مجاعة، فقال عمر يا رسو ل الله! أدع بفضل أزوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة فقال: نعم! فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل أزوادهم فجعل الرجل يجيء بكف ذرة ويجييء الآخر بكف تمر ويجى الآخر بكسرة، حتى اجتمع على النطع شيء فدعا رسو ل الله صلى الله عليه وسلم بالبركة ثم قال: خذوا في أوعيتكم فأخذوا في أوعيتهم حتى ما تركوا في العسكر وعاء الا ملاء وه قال فأ كلوا حتى شعبوا وفضلت فضلة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله لا يلقى الله بهما عبد غير شاك فيحجب عن الجنة" كذا في المشكوة في باب المعجزات ص: ٥٣٨ والظاهر أن النبي صلى الله عليه وسلم أيضاً أكل ولايكون ما اجتمع طريا سيمافي غزوة تبوك. والله أعلم :.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

جمعہ کے دن اسّی مرتبہ درود شریف پڑھنے والی روایت کی تحقیق

سوال: اسی طرح جمعہ کے دن اسی ۸۰ مرتبہ پڑھنے والے درود شریف کے بارے میں اکثر اہل علم کو اس کی صحت کے اعتبار سے کلام ہے۔ میں نے حضرت اقدس کی طرف مراجعت کے لئے کہہ کر گلوخلاصی کی لیکن تشفی کی خاطر آپ کو تکلیف دی ہے۔ براہ کرم تینوں سوال کا جواب تحریر فرمادیں۔

مولوی حسین احمد

جـــواب: متعدد طرق سے مروی ہے مگر سب میں کلام ہے انس ابو ہریرہ کی روایتیں سخاوی نے القول البدیع میں نقل کی ہیں: أما حـديث أنس فأخرجه الخطيب ١٣/٤٨٩ من طريق وهب بن داؤد بـن سـليـمـان الضرير حدثنا إسمٰعيل بن إبراهيم حدثنا عبدالعزيز بن صهيب عن أنس عـن الـنبى صلى الله عليه وسلم قال: من صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاماً، فقيل له: كيف الصلوٰة عليك يا رسول الله! قال: تقول اللهم صَلِّ على محمد عبـدك و نبيك ورسولك النبي الأمي وتعقد واحداً، ذكره الخطيب في ترجمة الضرير هـذا، وقـال لـم يـكـن بثـقة، وأورده الـذهـبي فـي الـميزان وابن حجر في اللسان ناقلاً عن الخطيب، وأقره عليه قال السخاوي ص: ١٩٤ ذكره ابن الجوزي في الأحاديث الواهية.

وأمـا حديث أبي هرير ة فـذكـره السخاوي في القول البديع ص: ١٩٥ بـلفظ قال: قال رسـول الله صـلـى الله عليه وسلم الصلوٰة علي نور على الصراط، ومن صلى يوم الجمعة ثمانين مـرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً". أخرجه ابن شاهين في الافراد وغيرها وابن البشكوال من طـريـقـه وأبـو الشيـخ والـضيـاء مـن طـريـق الـدار قطني في الافراد ايضاً، والديلمي في مسند الـفـردوس وأبو نعيم وسنده ضعيف، وهو عند الأزدي في الضعفاء من حديث أبي هريرة أيضاً لـكـنه من وجه آخر ضعيف أيضاً، وأخرجه أبو سعيد في شرف المصطفىٰ من حديث أنس والله أعـلـم وفـي لـفظ عند ابن بشكوال من حديث أبي هريرة أيضاً: من صلى صلوة العصر من يوم الـجـمـعة، فـقـال: قبـل أن يقوم من مكانه، اللهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم تسـسـليـمـاً ثـمـانـيـن مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً وكتبت له عبادة ثمانين سنة ونحوه عن سهـل، كـما سيأتي وعن أبي هريرة رضى الله عنه عند الدار قطني مرفوعاً بلفظ "من صلى علي يـوم الـجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين سنة، قيل يا رسول الله! كيف الصلوٰة عليك، قـال تقول: اللهم صل على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمي وتعقد واحدة" قال السـخـاوي وحسـنهٗ العراقي، ومن قبله أبوعبدالله ابن النعمان و يحتاج إلى نظر، وعن سهل بن عبـدالله قـال: مـن قـال في يوم الجمعة بعد العصر اللّٰهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً". أخرجه ابن البشكوال انتهى، كلام السخاوي والـحـديـث الأول ذكـره السيـوطـي فـي الـجـامـع الصغير برواية الأزدي في كتاب الضعفاء والـدارقطني في الأفراد، وقال المناوي ٤/٢٤٩ قـال الـدار قطني: تفرد به حجاج بن سنان عن

علي بن زيد ولم يروه عن حجاج الا السكن بن أبي السكن، قال بن حجر في تخريج الأذكار والأربعة ضعفاء وأخرجه أبونعيم من وجه آخر ضعفه ابن حجر انتهى.

قلت: ذكره الذهبي في الميزان في ترجمة زكريا بن عبد الرحمن البرجمى، وقال لينه الأزدي وأشار بذكره في الميزان إلى نكارته، وصرح به ابن حجر في اللسان فذكر الحديث المذكور في ترجمة حجاج بن سنان، وقال: وجدت له حديثاً منكراً. أخرجه الدار قطني في الأفراد من رواية عون بن عمارة عن زكريا البرجمي عنه عن علي بن زيد عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رفعهُ فذكر الحديث المذكور.

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۲۰؍ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

"جزى الله عنّا محمداً صلى الله عليه وسلم" درود شریف کی تحقیق

سوال:- "جزى الله عنا محمداً صلى الله عليه وسلم بما هو أهله" کا جو ثواب حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے فضائل درود شریف میں درج فرمایا اس کے لحاظ سے بعض ثقہ اہل علم کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: أخرجه الطبراني في الكبير والأوسط وأبو نعيم في الحلية وابن شاهين في الترغيب له وأبو الشيخ والخطيب في تاريخه ۳۳۸/۸ والخلعي في فوائده وابن بشكوال والرشيد العطار من طريق هانئ بن المتوكل عن معاوية بن صالح عن جعفر بن محمد عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"من قال: جزى الله عنا محمداً صلى الله عليه وسلم ما هو أهله أتعب سبعين كاتباً ألف صباح".

هذالفظ الطبراني والخطيب ولفظ غيرهما: سبعين ملكاً.

قال الهيثمي ۱۶۳/۱۰: هانئ بن المتوكل ضعيف، وأشار المنذري في ترغيبه ۳۰۴/۱ - إلى أنه ضعيف فقال: روي عن ابن عباس، وهذا من عادته أنه يشير إلى ضعف الحديث بهذا اللفظ إذا كان في الإسناد راوٍ قيل فيه كذاب أو وضاع أو متهم أو مجمع على تركه أو ضعفه أو ذاهب الحديث أو هالک أوساقط أو ليس بشئ أوضعيف جداً أو ضعيف فقط ولم يجد فيه توثيقاً كما صرح به في أول ترغيبه.

وأشـار الـذهبـي إلى نكارته فأورده في الميزان في ترجمة هانئ المذكور و تبعهٔ ابن حجر في اللسان.

ولهـانـئ متابع أخرجه أبو القاسم التيمي في ترغيبه وعنه أبو القاسم بن عساكر و من طريقه أبو اليمن من طريق رشدين بن سعد عن معاوية بن صالح.

قـال السخاوي في القول البديع ص: ٤٣: وتـابـعـهـما أحمد بن حماد وغيرهم كلهم عن مـعـاوية بـن صالح والحديث مشهور به كما قال أبو اليمن قال: وكان على قضاء أندلس انتهى، قلت: وكلها ضعيفة.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

جمعہ کے دن سو بار درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سو ضرورتیں پوری کرے گا

حـديـث أنـس أخـرجـه البيهـقي في حياة الأنبياء بسند ضعيف وكذا ابن بشكوال وأبو اليـمن بن عساكر وهو عند التيمي في ترغيبهٖ، والديلمي في مسند الفردوس له وأبي عمرو بن مندة في الأول من فوائدهٖ بلفظ: ”من صلى عليّ يوم الجمعة وليلة الجمعة مأة من الصلوة قضىٰ الله لـه مـائة حـاجة سبعين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنيا، ووكل الله بذلك ملكاً يـدخـلـهٔ على قبري كما تدخل عليكم الهدايا، إن علمي بعد موتي كعلمي في الحياة“ كذا في القول البديع (ص١٥٦) في الباب الرابع.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث کی تحقیق کہ سونے سے قبل چار کام کر کے سویا کرو

ســـوال: آج کل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوتے وقت کی ایک ہدایت شائع کی جارہی ہے اور دن بدن اس کی اشاعت میں ترقی ہورہی ہے اور اچھے سے اچھے طرز پر شائع کیا جارہا ہے آیا آپ سے منقول ہے یا نہیں یا یہ روایت کس حد تک صحیح ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت (۱) چار ہزار صدقہ کر کے (۲) ایک قرآن پڑھ کے (۳) جنت کی قیمت ادا کر کے (۴) دولڑنے والوں میں صلح کرا کے (۵)

ایک حج کر کے، سویا کرو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہم میں یہ کام کون کرسکتا ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

(۱) چار مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھنا چار ہزار صدقہ کرنے کے برابر ثواب ہے۔

(۲) تین مرتبہ قل ہواللہ پڑھنا ایک قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ہے۔

(۳) تین مرتبہ درود شریف پڑھنا جنت کی قیمت ادا کرنے کے برابر ثواب ہے۔

(۴) دس مرتبہ استغفار پڑھنا دولڑنے والوں میں صلح کرنے کے برابر ثواب ہے۔

(۵) چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھنا ایک حج کرنے کے برابر ثواب ہے۔

جــــواب: مجھے معلوم نہیں یہاں بھی گذشتہ سال بہت اشاعت ہوئی مختصر طور پر تلاش بھی کی اور دوسرے ارباب علم سے استفسار بھی کیا لیکن کہیں پتہ نہ چلا اب اگر آپ تحقیق وجستجو فرما کر معلن کا پتہ لگالیں اور پھران سے تحقیق کرلیں تو ہمیں بھی فائدہ ہوجائے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ نصیحتیں کرنے والی موضوع روایت

ســوال: الہ آباد سے ایک ماہانہ رسالہ معرفت حق کے نام سے جاری ہے اس کا ایک پرانا شمارہ دسمبر ۶۹ء دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا اس میں لکھا ہے کہ کتاب سراج الہدایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء کا نکاح حضرت علی سے کیا اور ان کو حضرت علی کے گھر رخصت فرمانے لگے تو اس رات ان کو گیارہ نصیحتیں فرمائیں امت کے لئے ان میں بہترین سبق ہے فرمایا کہ بیٹی جب علی کے گھر میں داخل ہونا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا، دوسرے یہ کہ مکان کے صحن میں جا کر لکڑی پر بیٹھنا اور سر پر بھنے ہوئے دھان (یعنی دھان کا لاوا) بکھیر لینا، تیسرے یہ کہ علی سے کہنا کہ تمہارے دونوں پاؤں دھوکر اس کا غسالہ مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دیں، پانچویں یہ کہ ہمیشہ سرمہ لگایا کرنا، چھٹے یہ کہ بغیر تیل لگائے سر اور بدن نہ دھونا اگر چہ دن میں دوبار یا زائد بار غسل کرنا پڑے اور جب علی تمہاری جانب دیکھیں تو تم اپنی نگاہ نیچی رکھنا، ساتویں یہ کہ غلام زرخرید کی طرح (شوہر کی) تابعدار اور فرمانبردار ہوکر رہنا، آٹھویں یہ کہ اپنے لئے

خوشبواور عطر کا استعمال برابر رکھنا، نویں یہ کہ جب علی کے ساتھ گفتگو کی نوبت آئے تو مسکرادیا کرنا، دسویں یہ کہ ایک ہفتہ تک کوئی چیز سرکہ وترشی نہ کھانا، گیارہویں یہ کہ ایک ہی جگہ سات رات ودن نہ رہنا۔انتہی۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا مقام ہے نیز یہ کہ کتاب سراج الہدایہ کس درجہ کی ہے۔

شریف احمد بریلوی

ضیاء العلوم ملیان (سنڈیلہ) ضلع ہردوئی ۹۸/۴/۱۷

جواب: سراج الہدایہ کے متعلق تحقیق نہیں ہے اور یہ روایت بے اصل ہے اس کا کچھ مضمون ایک روایت میں وارد ہے مگر ابن حبان نے اسے بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شعبان ۹۸ھ

حضرت فاطمہ کے نکاح سے متعلق روایت کا حوالہ

تزویج فاطمہ کی روایت مصنف عبد الرزاق ۵/۴۸٦ اور انھیں کے طرق سے معجم طبرانی میں ۲۲/۴۱۰ اور طوالات للطبرانی ۲۴/۱۳۲ میں آئی ہے اس کی سند میں یحی بن العلاء ہے جو متروک ہے۔فقط

محمد یونس ۹/۲/۱۵ھ

اس حدیث کی تحقیق کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہوتی ہیں

سوال: فضائل نماز میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی چار رکعتوں کا ایک جگہ پھر یہ لکھا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔یہ چار رکعات کونسی ہیں چاشت کی یا ظہر کی چار سنن قبلیہ؟

غلام قادر حنفی لکھنؤ

جواب: ظہر سے پہلے جن چار رکعتوں کا ذکر ان دونوں حدیثوں میں وارد ہے، بظاہر ظہر کی سنن قبلیہ کی رکعات اربعہ ہیں حافظ منذری محدث (۱/۱۰۳) اور حافظ نور الدین الھیثمی محدث (۲/۲۲۱) وغیرہما

کی یہی رائے ہے: وھو رأی مجد الدین أبي البرکات ابن تیمیة. (نیل الأوطار ۳/۱٦) إذ ذکره کلهم فی بیان سنة الظهر. واللہ اعلم۔

فائدہ:۔حدیث اول سنن سعید بن منصور اور معجم طبرانی میں ہے اور حدیث ثانی ترمذی کتاب التفسیر میں ہے۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث کی تحقیق کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں فاقہ ان کی طرف تیزی سے آتا ہے

بخدمت شریف جناب حضرت استادنا صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ ایک حدیث کے بارے میں پوچھنا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اس کی طرف فاقہ (بھوک) زیادہ تیزی سے آتا ہے، أوکما قال صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم یہ حدیث ہے یا نہیں اگر ہے تو مشکوۃ میں کہاں ہے اور کون سی کتاب میں ہے۔

عزیزم سلمہ

حدیث مذکور مشکوۃ ص:۴۴۸ باب فضل الفقراء میں وارد ہے: عن عبد اللہ مغفل قال جاء رجل إلی النبي – صلی اللہ تعالی علیه وسلم – فقال: إني أحبک قال: أنظر ما تقول، فقال: واللہ إني لأحبک ثلث مرات، قال إن کنت صادقا فأعد للفقر تجفا فا، للفقر أسرع إلی من یحبني من السیل إلی منتهاه. رواه الترمذي وقال: هذا حدیث غریب انتهی. قلت ورواه أحمد والطبراني ۔والسلام بندہ محمد یونس عفی عنہ

مہاجرین کے تمام لوگوں سے چالیس یا ستر سال پہلے جنت میں جانے والی روایت

سوال: جمع الفوائد(۲/۲۳٦) میں ایک حدیث ہے:مسلمہ بن مخلد "سبق المهاجرون الناس بأربعین خریفا یتنعمون فیها، والناس محبوسون للحساب ثم تکون

الـمـأة الثانية مأة خريف للكبير‘‘ فيه عبد الرحمٰن بن مالک السبائي انتهى. ثم تكون المأة الثانية الخ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: بندہ کے خیال میں یہ لفظ محرف ہے جو دوسری کتب کی مراجعت سے معلوم ہوسکتا ہے چنانچہ اس کے بعد مجمع الزوائد للحافظ الہیثمی کی طرف مراجعت کی تو یہی ثابت ہوا ولفظه (١٠/١٥) عن مسلمة بـن مـخـلـد: أن رسول الله ﷺ قال: ’’سبق المهاجرون الناس بسبعين خريفا يتنعمون فيها والـنـاس مـحبـوسـون لـلحساب ثم تكون الزمرة الثانية مأة خـريف‘‘. رواه الـطبراني وفيه عبدالـرحـمٰـن بن مالک السبائي، ولم أعرفه هكذا وقع في مجمع الزوائد بسبعين خريفاً خـلاف مـا فـي جـمـع الفوائد بلفظ ’’بأربعين خريفا‘‘ وما في جمع الفوائد هو الصواب فقد وقع كذلک في الجامع الصغير للسيوطي، والظاهر أن ما في نسخ مجمع الزوائد من سهو الـكاتب، فإن جمع الفوائد مأخوذ من مجمع الزوائد وغيره من الصحاح الستة كما صرح بـه مـؤلفه، وكذا نقل المناوي في فيض القدير (٤/٩٣) كـلام الهيثمي في عبد الرحمٰن بن مـالک السبائي، ولم يذكر الاختلاف في لفظ الأربعين والسبعين، وكذا لم يذكر العزيزي في السراج المنير، وكذا في الجامع الصغير بلفظ ’’ثم تكون الزمرة الثانية مأة خريف‘‘ قال الـمـنـاوي في فيض القدير: الله أعلم بـمراد رسول الله ﷺ فـى ذلـک‘‘ انتهى. أي في معنىٰ تـلـک الجملة وقال الجفيني في حاشية السراج المنير (٢/٣١٠): ’’هذه الجملة لم يطلع المحدثون على معناها فالله أعلم بمراد رسوله بذلک‘‘اھـ۔

بندہ کے ناقص خیال میں حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ حضرات مہاجرین تو عام لوگوں سے چالیس سال قبل جنت میں فروکش ہوچکے ہوں گے اور لوگ حساب کتاب میں مشغول ہوں گے اب مہاجرین کے بعد دوسری جماعت کا حساب کتاب سو سال کی مدت میں پورا ہوگا والله أعلم بمراد حبيبه ﷺ.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۱ شوال ۱۳۹۲ھ

ایک دعاء کی تحقیق جس کے پڑھنے سے مرتے دم تک ثواب ملتا رہے گا

قبلہ الحاج مولانا محمد یونس صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ میں ماہ فروری میں ایک چلہ کے لئے جماعت میں گیا تھا میرا پورا وقت گجرات میں پالن پور کے پاس علاقوں میں لگا، پالن پور کے گودھرا کے اجتماع سے ایک ہفتہ پہلے ایک جوڑ تھا ایک جوڑ میں شرکت کے لئے عرب کی بھی جماعت آئی تھی جناب مولوی احمد لاڈ صاحب اس کے امیر تھے اس جماعت میں تیونس کے رہنے والے ایک شخص محمد یونس تھے جو کہ پیرس میں انجینئر ہیں انہوں نے اپنے بیان کے دوران ایک دعا بتلائی: ''یا ربي لک الحمد کما ینبغي لجلال وجھک ولعظیم سلطانک'' اس کی فضیلت انہوں نے اس طرح بیان کی کہ اس کو ایک بار پڑھنے کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ فرشتے اس کو لکھتے لکھتے تھک جاتے ہیں اور اللہ تعالی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم تو تھک گئے تو اللہ تعالیٰ ثواب لکھتے ہیں تو میں آپ سے اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث اسی طرح ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کی حدیث ہے میں نے دارالعلوم میرٹھ کے صدر مدرس سے اس بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے آپ کے لیے بتایا کہ تم اس کی تصدیق سہارنپور سے کرلو ہمارے سامنے تو یہ حدیث آئی نہیں اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس کے بارے میں لکھیں عین نوازش ہوگی۔

نعیم الدین امیر الدین

جنرل مرچنٹ دہلی بازار میرٹھ سٹی

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی آپ کا خط ملا پوری روایت کے الفاظ نقل کرتا ہوں آپ کسی عالم سے ترجمہ معلوم کرلیں۔ عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم أن عبداً من عباد اللہ، قال: یارب لک الحمد کما ینبغي لجلال وجھک، ولعظیم سلطانک فعضّلت بالملکین فلم یدریا کیف یکتبا! فصعدا إلی السماء، فقال: یا ربنا إن عبدک قد قال مقالةً لا ندري کیف نکتبھا، قال: اللہ وھو أعلم بما قال عبدہٗ ما ذا قال عبدي؟ قالا یا رب إنه قد قال یارب لک الحمد کما ینبغي لجلال وجھک وعظیم سلطانک، فقال اللہ لھما: أکتباھا کما قال عبدي حتی یلقاني فأجزیه بھا''. رواہ أحمد وابن ماجه واسنادہٗ متصل، ورواتهٗ ثقات إلا أنه لا یحضرني

الآن في صدقة بن بشير مولى العمريين جرح ولا عدالة. عضلت بالملكين بتشديد الضاد المعجمة أي اشتد عليهما وعظمت واستغلق عليهما معناها كذا في الترغيب (۲۸۵)۔

محمد یونس عفی عنہ

شام میں ابدال ہونے سے متعلق حدیث کی تحقیق

حضرت سیدی مصلحی ومرشدی شیخی المعظم صاحب لازالت عنایاتکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں اور حضرت والا کی خیریت وعافیت کا خواستگار ہوں دیگر امر اینکہ شریعت وطریقت نامی کتاب میں ابدال کے تعلق سے ایک حدیث نقل کی ہے ایک صاحب نے اس کو صوفیہ کی موضوعات میں سے کہا ہے تو کہاں تک حدیث ذیل صحیح ہے اگر حوالہ بھی ذکر فرمادیں تو نوازش ہوگی آخر دعا کی درخواست ہے فقط۔

حدیث یہ ہے: عن شريح بن عبيد قال: ذكر أهل الشام عند علي وقيل: العنهم يا أمير المؤمنين، قال: لا إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: الأبدال يكونون بالشام وهم أربعون رجلاً كلما مات رجل أبدل الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهما العذاب. رواه أحمد، شريعت و طريقت ص: ۳۳۸

جابر حسین

عزیز محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ روایت موضوع نہیں۔ قال السيوطي في الحاوي ص: ۲۴۲/۲ رجاله رجال الصحيح غير شريح بن عبيد وهو ثقة ولكن قال ابن عساكر: هذا منقطع بين شريح وعلي فإنه لم يلقه انتهى، وقال السخاوي في المقاصد الحسنة ص: ۹ رجاله من رواة الصحيح الا شريحا، وهو ثقة وقد سمع ممن هو أقدم من علي، ومع ذلک فقال الضياء المقدسی: إن رواية صفوان بن عبد الله عن علي رضى الله عنه من غير رفع لاتسبوا أهل الشام جما غفيرا، فإن فيها الأبدال قالها ثلثا أولى أخرجها عبد الرزاق ومن طريقه البيهقي في الدلائل، ورواه غير هما بل أخرجها الحاكم في مستدركه مما صححه من قول علي نحوه انتهى.

اس کے بعد حدیث کی قوت کا قرینہ پیش کیا ہے کہ امام شافعی امام بخاری اور بہت سے علماء نے بعض صلحا

کے بارے میں کہا ہے: **كنا نعده من الأبدال .**

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۵صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

چند غیر معروف احادیث کی تحقیق

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم کی خدمت میں ایک سوال آیا جس کا جواب لکھنے کو حضرت موصوف نے بندہ کو ارشاد فرمایا سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ محمد پتاہ تقریباً دوسو سال قبل لاہور سے آکر بسلسلہ تبلیغ کچھ میں مقیم ہوئے، نہایت باشرع تھے ان کے کتب خانہ کی باقی ماندہ کتابوں میں ایک کتاب میں تارک نماز اور شارب دخان کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو غیر معروف ہونے کے ساتھ مضمون کے اعتبار سے بھی غریب ہیں اگر یہ احادیث کتب حدیث میں آپ نے دیکھی ہوں تو تحریر فرمائیں وہ احادیث یہ ہیں۔

(۱) قال النبی صلی الله علیه وسلم: "من سمع الأذان والإقامة ولم يحضر الجماعة فكأنما زنی مع أمه ألف مرات".

(۲) قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أعان تارک الصلوة متعمدا بذرة فكأنما زنی مع أمه ألف مرات".

(۳) قال النبی صلی الله علیه وسلم: "سيأتي ز مان على أمتي يأ كل الدخان في فم، وليس من أمتي وليس شفاعة له يو م القيامة".

(٤) قال النبی صلی الله علیه وسلم: من أكل البنج مرة فكأنما زنی مع أمه سبعين مرة.

الجواب : یہ احادیث باوجود کثرت تتبع وتلاش کے کہیں نظر سے نہیں گزریں حتی کہ کتب موضوعہ للا حادیث الموضوعۃ میں بھی ان کا پتہ نہیں چلتا ہے واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد یونس

۸ ربیع الثانی ۸۴ھ

پھر بہت دنوں کے بعد مجموعہ فتاوی لمولانا عبدالحی دیکھنے کی نوبت آئی اس میں یہ عبارت ملی کل دخان حرام ومن أكل البنج لقمة فكأنما زنی بأمه حدیث است یانہ۔

جواب در کتب معتبرہ حدیث بنظر نرسیدہ وکسیکہ این را حدیث نوشتہ باشد مجرد نوشتن آں قابل اعتبار نیست اعتبار بر قول محدث معتبر ست کہ حدیث را با سند بیان نماید و بعض وعاظ احادیث غیر معتبرہ را برائے تخویف وترغیب ذکر می کنند واز حال آں احادیث مطلع نمی باشند انتہی ۲/۳۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

سر میں تیل لگانے سے قبل آنکھوں اور بھوؤں میں تیل لگانے والی حدیث

س: علامہ عزیزی نے مناوی کے حوالہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیل لگاتے تو پہلے دونوں آنکھوں پر لگاتے یہ روایت کہاں ہے؟ یعنی من اخرجہ؟

محمد عبداللہ دہلوی

جواب: أخرجه الشيرازي في الألقاب عن عائشة بإسناد ضعيف مرفوعاً "كان إذا ادهّن صبّ في راحته اليسرى فبدأ بحاجبيه ثم عينيه ثم رأسه" كذا في الجامع الصغير و منتخب كنز العمال ۷۸/۳. برهامش مسند أحمد.

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۲۴/ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

ڈاڑھی میں تیل لگانے کی روایت

سوال: معظم ومحترم جناب بھائی محمد یونس صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون گرامی نامہ ملا جوابات سے مستفید ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔ جزاک اللہ فی الدارین۔ البتہ تیسرے سوال کے متعلق عرض ہے کہ میں نے جس حدیث کے متعلق دریافت کیا تھا آپ نے اس کے قریب ایک دوسری کا ذکر فرما دیا میرا سوال ایک دوسری حدیث کے متعلق ہے السراج المنیر میں مناوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی میں تیل لگاتے تھے تو پہلے دونوں آنکھوں پر لگاتے تھے پھر ڈاڑھی پر لگاتے تھے۔ یہ روایت کہاں ہے؟

جواب: مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث إذا ادهن آپ نے خود سوال میں ناقص نقل کی تھی جیسا کہ آپ کے سوال سابق کے الفاظ سے ظاہر ہے، اب اس وقت جو روایت آپ نے دریافت فرمائی ہے سر دست وہ مجھے نہیں ملی، ہاں ایک روایت

ڈاڑھی میں تیل لگانے کی اورواردہے۔

فأخرج الطبراني في الأوسط عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم كان اذا ادهن لحيته بدأ بالعنفقة، وفيه الحكم بن عبدالله بن سعيد الأيلي ضعيف جداً قال أحمد: "أحاديثه كلها موضوعة" كذا ذكره الهيثمي ١٧٠/٥.   بندہ محمد یونس عفی عنہ

جمعہ کے دن سرمہ لگانا حدیث پاک سے ثابت ہے یا نہیں

میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے لیکن تلاش کی ضرورت ہے مجھے فرصت نہیں ہے۔   محمد یونس غفرلہ

ناخن کاٹنے کی کوئی ترتیب حدیث سے ثابت ہے یا نہیں

ناخن کاٹنے میں کوئی ترتیب حدیث میں نہیں آئی ہے امام نووی کی رائے ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور ترتیب وار چھوٹی تک کاٹتا جائے پھر انگوٹھے کا ناخن کاٹے اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے۔   محمد یونس عفی عنہ

"کنگھا کھڑے ہوکر کرنے سے مفلسی آتی ہے" اس کی تحقیق

سوال: کنگھا کھڑے ہوکر کرنا چاہئے یا بیٹھ کر ایک امیر جماعت نے بتایا کہ کھڑے ہوکر کنگھا کرنے سے مفلسی آتی ہے ایک صاحب کہتے ہیں کھڑے ہوکر بیٹھ کر دونوں طرح کر سکتے ہیں۔   اشتیاق احمد

جواب:- کنگھا کرنا ہر طرح جائز ہے چاہے کھڑے ہوکر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر کسی معتبر روایت میں کوئی صورت ہمارے علم میں منقول نہیں ہے صرف ایک غیر معتبر روایت میں یہ آیا ہے کہ "من امتشط قائما ركبه الدين". رواه ابن عدي في الكامل عن عائشه مرفوعاً. یعنی اگر کوئی کھڑے ہوکر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لد جاتا ہے لیکن یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے اس کی سند میں احمد بن عبداللہ الہروی الجویباری اور وہب بن وہب ابوالبختری ہیں اور دونوں کذاب دروغ گو ہیں اور موضوع (جعلی) روایتیں بنانے والے ہیں اسی لئے حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوعات ۵۴/۳ میں داخل کیا ہے علامہ سیوطی نے اللآلي المصنوعة ۲۶۸/۱ اور اپنی دیگر تالیفات میں اور علامہ ابن عراقی نے تنزیہ الشریعہ ۲۶۹/۲ میں ان کی موافقت کی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ   ۵/شعبان ۱۳۹۸ھ

حضرت اسماء کے دردسر کے وقت ہاتھ سر پر رکھنے اور ایک کلمہ کہنے والی روایت

سوال: ایک حدیث میں یہ ہے کہ حضرت اسماء کے سر میں اگر درد ہوتا تو سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتی تھیں کہ یا اللہ مجھ سے کیا گناہ ہوا یہ میرے کسی رسالہ میں ہے مگر اس وقت مل نہیں رہا ہے اس کا حوالہ لکھیں؟

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

جواب: مخدومنا المحترم دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہ حدیث درمنثور میں علامہ سیوطی نے لکھی ہے فرماتے ہیں (۱۰/۶) وأخرج ابن سعد عن ابن أبي مليكه أن أسماء بنت أبي بكر الصديقؓ رضي الله عنهما كانت تصدع فتضع يدها على رأسها، وتقول بذنبي ومايغفره الله أكثر.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۷/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

اس حدیث کی تحقیق کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگی تو توبہ قبول ہوگئی

ایک مسئلہ دریافت ہے کہ میں نے ایک جید عالم سے سنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ دعا کی کہ اے اللہ تو میری خطا کو اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے بخش دے دعا قبول ہوگئی اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ تم ان کا نام کیسے جانتے ہو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب میرے اندر روح پھونکی گئی تو لوح محفوظ میں لا إلــه إلا الله محمد رسول الله لکھا ہوا دیکھا میں نے تقریر میں اسے بیان کیا تو ایک اہل حدیث نے انکار کیا کہ یہ حدیث نہیں ہے اس کا حوالہ کہاں ہے؟

احقر محمد عبدالقیوم مظاہری کٹک

آمدہ خط حضرت شیخ مدظلہ

جواب: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

بندہ تو مراجعت کتب سے معذور ہے آپ کا خط اپنے مدرسہ کے موجودہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں بھیج رہا ہوں وہ جواب لکھ کر روانہ کرینگے۔

محمد زکریا

جواب حدیث مذکور علامہ سیوطی نے کفایۃ اللبیب (۶/۱) میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

أخرج الحاكم (۶۱۵/۲) والبيهقي والطبراني في الصغير (۸۳/۲) وأبو نعيم وابن عساكر عن عمر بن الخطاب رضی قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب بحق محمد! لما غفرت لي قال: وكيف عرفت محمدا؟ قال: لأنک لما خلقتني بيدک ونفخت في من روحک رفعت رأسي، فرأيت على قوائم العرش مكتوبا: "لا إله إلا الله محمد رسول الله" فعلمت أنک لم تضف إلى اسمک إلا أحب الخلق إليک، قال "صدقت يا آدم لولا محمد ما خلقتک" انتهى۔

اس کے بعد یہ حدیث معجم صغیر للطبرانی میں مع السند والمتن ملی: ولفظه (ص: ۲۰۶) (۸۲/۲) حدثنا محمد بن داود بن أسلم الصدفي المصري ثنا أحمد بن سعيد المدني الفهري ثنا عبد الله بن إسماعيل المدني عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن جده عن عمر بن الخطاب رضی قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لما أذنب آدم الذنب الذي أذنبه رفع رأسه إلى العرش، فقال: أسئلک بحق محمد إلا غفرت لي، فأوحى الله إليه، وما محمد ومن محمد؟ فقال: تبارک اسمک لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشک، فإذا فيه مكتوب لاإله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندک قدرا ممن جعلت اسمه مع اسمک فأوحى الله عز وجل إليه يا آدم إنه آخر النبيين من ذريتک، وإن أمته آخر الأمم من ذريتک، ولولاه يا آدم ما خلقتک" قال الطبراني لايروى الا بهذا الاسناد وتفرد به أحمد بن سعيد انتهى. وقال القسطلاني في المواهب (۶۲/۱ شرح) رواه البيهقي في دلائله من حديث عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، وقال تفرد به عبد الرحمن ورواه الحاكم وصححه انتهى.

قلت: عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف.

وقال الذهبي: إنه موضوع وعبد الرحمان بن زيد بن أسلم واه، وعبد الله بن مسلم

لأدری من ذا، وأخرجه الحاكم في المستدرک (۲/ ۱۱۵) من طريق محمد بن إسحاق بن راهويه، قال ثنا أبو الحارث عبد الله بن مسلم الفهري ثنا إسماعيل بن مسلمة أنبأنا عبد الرحمن بن زيد إلى آخره وعلم بذاک إنه وقع في إسناد الطبراني سقط وهو من الكاتب.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

ماثوردعاءمیں ''وبالأسماء الثمانية'' سے کون سے اسماء مراد ہیں

مرشدی ومولائی حضرت المحترم دامت برکاتہم ومدفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی نے مناجات مقبول میں دعاؤں کے سلسلے میں ایک دعاء ''وبالأسماء الثمانية المكتوبة على قرن الشمس'' شامل کی ہے مگر ان آٹھ ناموں کا کہیں ذکر نہیں فرمایا کہ یہ کون کون نام ہیں بظاہر جو اللہ تعالیٰ کے ۹۹ اسماء حسنیٰ ہیں ان ہی میں سے یہ نام ہوں گے اگر جناب والا کو اس بارے میں تحقیق ہو تو مطلع فرمائیں کہ یہ آٹھ نام کون کون سے ہیں یا ان مقطعات میں سے ہیں جن کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے اور سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

خادم حسام الدین غفرلہ دہلی

درخط حضرت شیخ مدظلہ

جواب: المخدوم المکرّم زادت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جملہ مذکورہ اسی طرح ملا علی قاری نے الحزب الاعظم حزب سادس کے اوائل میں بھی ذکر فرمایا مگر کسی مترجم وغیرہ نے بندہ کے علم میں اس کی نشاندہی نہیں کی ہے البتہ مناجات مقبول مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد (ص۷۲) کے حاشیہ پر مولانا سراج الحق مچھلی شہری ثم الہ آبادی نے لکھا ہے ''وهي - كما أظن - المتكلم الحي، العليم، القدير، المريد، الخالق، السميع، البصير'' والله أعلم اهـ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۵ شوال ۱۳۹۲ھ

فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد اور اس کا جواب

حدیث ضعیف وموضوع کے متعلق ایک اہم ضابطہ

باسمہ سبحانہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے فضائل ذکر کی ایک حدیث پر کچھ نقد سا کیا اس سلسلے میں لکھا گیا۔

حدیث: عبد اللہ بن أبي أوفٰی قال قال رسول اللہ ﷺ: "من قال لا إلٰه إلا اللہ وحده لاشريک له أحداً صمداً لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد، كتب اللہ له ألفي ألف حسنة".

رواه الطبراني وفيه قائد أبوالورقاء وهو متروک كذا في مجمع الزوائد (۱۰/ ۸۵) وقال المنذري في الترغيب (۱/ ۲۷۸) رُوی عن عبد اللہ بن أبي أوفى، فذكر الحديث وقال: رواه الطبراني.

حافظ منذری نے اس حدیث کو عام احادیث کے خلاف رُوی سے شروع فرمایا اور اس کے بعد اس کی سند پر کوئی حکم نہیں لگایا اس طریق کار کے لیے امام منذری نے مقدمہ ترغیب وترہیب میں ایک ضابطہ لکھا ہے فرماتے ہیں (ص ۳):

"وإذا كان في الإسناد من قيل فيه كذاب أو وضاع أو متهم أو مجمع على تركه أو ضعفه أو ذاهب الحديث أوهالک أوساقط أو ليس بشيء أو ضعيف جدا أو ضعيف فقط أو لم أرفيه توثيقاً بحيث يتطرق إليه احتمال التحسين صدرته بلفظة رُوِی ولا أذكر ذلک الراوي ولا ماقيل فيه ألبتة فيكون للإسناد الضعيف دلالتان تصديره برُوِیَ وإهمال الكلام عليه في آخره". انتهى.

ان کے اس ضابطہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث بھی ایسی ہے جو اس ضابطہ میں داخل ہے اس حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے اس لئے کہ قائد بن ابی عبد الرحمٰن الکوفی ابوالورقاء کا ضعف کلمۂ اجماع ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث قائد حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتا ہے حضرت حافظ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم اپنے والد حافظ ابوحاتم سے نقل فرماتے ہیں:

"وأحاديثه عن ابن أبي أوفى بواطيل لاتكاد ترى لها أصلاً كأنه لا يشبه حديث ابن أبي أوفى ولو أن رجلا حلف أن عامة حديثه كذب لم يحنث". انتهى.

حافظ ابوحاتم کا یہ مقولہ حافظ جمال الدین المزی نے تهـذيـب الـكـمال میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تهـذيـب التهذيب میں نقل فرمایا ہے لیکن حافظ شمس الدین الذہبی نے ميـزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تهـذيـب التهـذيـب میں حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''ومع ضعفه يكتب حديثه'' اس عبارت سے کچھ معاملہ اہون ہو جاتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ حافظ زکی الدین منذری کا مرتبہ نقد فی الحدیث معلوم ہے اور انہوں نے اس حدیث کو کتاب الترغیب میں ذکر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ قابل عمل ہے حافظ منذری مقدمہ ترغیب وترہیب میں رقمطراز ہیں:

''وأضربت عن ذكر ماقيل فيه من الأحاديث المتحققة الوضع''.

اس سے پہلے لکھتے ہیں:

'' من تقدم من العلماء أساغوا العمل في أنواع من الترغيب والترهيب''.

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام منذری کے نزدیک مقطوع الوضع نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے اور جب ضعیف ہی ٹھہری تو عمل میں تو گنجائش ہے ہی۔

فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کی گنجائش اتفاقی مسئلہ ہے

امام نووی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن (ص:۸) میں فرماتے ہیں:

إعـلـم أن الـعـلـمـاء مـن أهـل الـحديث وغيرهم جوزوا العمل بالضعيف في فضائل الأعمال اهـ.

اور شرح مہذب (۱۲۲/۳) میں لکھتے ہیں: **لـكـن الـضـعيف يعمل فی فضائل الأعمال باتفاق العلماء اهـ.**

وحكى السخاوي في شرح الألفية ص: ۱۲۰، نحو ذلك عن عبد الرحمن بن مهدى، وأحمد بن حنبل وابن معين، وابن المبارك، ومنع ابن العربي العمل بالضعيف مطلقاً.

عمل قلیل پر ثواب کثیر کا وعدہ علامات وضع میں سے ہے یا نہیں

ممکن ہے کہ معترض کو یہ شبہ ہو کہ عمل قلیل پر ثواب کثیر کا وعدہ علامات وضع میں سے ہے حافظ سخاوی فتح

المغیث میں لکھتے ہیں (ص:١١٤) :

قال ابن الجوزي: وكل حديث رأيته يخالف العقول أويناقض الأصول فاعلم أنه موضوع فلا يتكلف اعتباره أى لا تعتبر رواته ولا تنظر فى جرحهم أو يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة أو مباينًا لنص الكتاب أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعي حيث لا يقبل شيء من ذلك التأويل أو يتضمن الإفراط بالوعيد الشديد على الأمر اليسير أو بالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود في حديث القصاص والطرقية انتهى.

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں پر ہے جہاں اس کے شواہد موجود نہ ہوں۔ نیز یہاں حدیث متفق علیہ :

"كلمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان حبيبتان إلى الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم".

حدیث بالا کے لئے شاہد عظیم ہے کیونکہ اس حدیث میں صرف سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم. کو ثقل فی المیز ان کا سبب قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ثقل فی المیز ان حسنات کثیرہ کو مقتضی ہے۔

نیز حسنات میں بھی تو فرق ہوسکتا ہے ممکن ہے کہ اعداد زیادہ ہوں، قیمت کم ہو، جیسے کسی کے پاس دس لاکھ کی ایک بلڈنگ ہو اور دوسرے کے پاس ایک لاکھ کے دس مکانات ہوں تو اول قیمتاً زائد عدداً کم اور ثانی اس کا عکس ہے مقصود حدیث پاک میں ترغیب دینا ہے باقی یہ شبہ کہ یہ تو ہم ہر جگہ کہہ سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مؤید اور شاہد کے بغیر یہ دعوی بلا دلیل اور نا قابل اعتبار ہوگا۔

ومن شواهده حديث تميم الداري عن رسول الله ﷺ أنه قال: "من قال لا إله إلا الله وحده لا شريك له إلٰها واحدا أحداً صمداً لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يكن له كفوا أحد، عشر مرات كتب الله له أربعين ألف ألف حسنة".

رواه الترمذى (٢/١٩٠) من طريق الخليل بن مرة عن أزهر بن عبد الله عن تميم وقال: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه، والخليل بن مرة ليس بالقوي عند أصحاب الحديث، وقال محمد بن إسماعيل: هو منكر الحديث. انتهى.

حدیث مطروح کی حقیقت اور اس کا حکم

تنبیہ: بندہ کے نزدیک یہ حدیث از قبیل حدیث مطروح معلوم ہوتی ہے حدیث مطروح ضعیف سے کم درجہ اور موضوع سے اعلی ہوتی ہے حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں (ص:١١٥):

تتمة: يقع في كلامهم المطروح. وهو غير الموضوع جزماً وقد أثبته الذهبي نوعا مستقلاً، وعرفه بأنه ما نزل عن الضعيف وارتفع عن الحديث الموضوع ومثل له لحديث عمرو بن شمر عن جابر الجعفي عن الحسن عن علي وبجويبر عن الضحاک عن ابن عباس، قال شيخنا: ''وهو المتروک في التحقيق يعنى الذي زاده في نخبته وتوضيحها وعرفه بالمتهم راويه بالكذب''. انتهى.

تعریف مذکور بعینہ اس حدیث پر صادق آتی ہے اس لئے کہ قائد اور جو یبر اور عمرو بن شمر سب متروکین میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد یونس عفی عنہ

اس کے بعد حضرت شیخ مدظلہ نے خود جواب لکھوایا جو بعینہ درج ذیل ہے۔

جواب: از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون

اسی وقت گرامی نامہ پہنچا اس ناکارہ کو ماہ مبارک میں ڈاک کا وقت نہیں ملتا اور اس وقت اعتکاف کی حالت میں کتابوں کی مراجعت بھی مشکل ہے جناب نے بہت اچھا کیا کہ تنبیہ فرمادی کہ علامہ ابن جوزی کے مسلک کے حضرات کی بھی ضرورت ہے تاکہ اعتدال قائم رہے۔

لیکن اس پر تعجب ہوا کہ اس واعظ کو تو آپ نے اتنی بات پر معاف فرمادیا کہ اس نے اس ناکارہ کی کتاب کا حوالہ آپ کو دکھلا دیا لیکن اس ناکارہ کو آپ نے اس پر معاف نہ فرمایا کہ میں نے تو بہت اونچے شخص کا حوالہ ترغیب کا لکھ دیا تھا ترغیب معتمد کتابوں میں ہے فضائل میں اکابر کے یہاں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اسلاف سے فضائل کے بارے میں ضعیف روایتوں پر عمل متعارف ہے نیز قائد کے متعلق باوجود اس کے متروک ہونے کے ابن عدی کی رائے یہ ہے کہ **ومع ضعفه يكتب حديثه** ابن عدی خود بھی متشددین میں سے ہیں۔

اس کے علاوہ خود اس روایت کے شواہد متعدد اس جگہ پر موجود ہیں اور جو ثواب اس حدیث میں لکھا ہے وہ بھی کچھ اتنا نہیں جبکہ ''سبحان الله والحمد لله تملآن ما بين السمآء والأرض'' وارد ہے تو یہ مقدار تو اس سے بہت درجہ کم ہے اگر غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے مگر اب تک ذہن میں یہ ہے کہ ان الفاظ کے فضائل اس کثرت سے ہیں کہ شواہد سے تائید بہت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ فقط والسلام

۲۱ ر رمضان ۱۳۸۴ھ

اس روایت کی تحقیق کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے عمامہ سے متعلق چند روایتوں اور احکام کی تحقیق

سوال: ایک ضروی امر دریافت طلب ہے یہاں ایک صاحب جو ہمارے مدرسہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں امام صاحب کو بلا عمامہ نماز پڑھاتے دیکھ کر خفا ہوگئے اور فرمایا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اس نماز جمعہ کا ثواب ستر گنا زیادہ ملتا ہے جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے بغیر عمامہ والی نماز جمعہ کے اعتبار سے، جامع مسجد کے امام صاحب مفتی ہیں دارالعلوم سے فراغت کے بعد فتوی کا نصاب بھی پورا کر چکے ہیں ان کا خیال ہے کہ ستر گنا ثواب والی حدیث بے اصل ہے ایک دوسرے عالم جو بڑی صلاحیت والے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے دوستوں میں ہیں ان کی رائے ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ جلد ثانی مطبوعہ پاکستان/ ۲۵۰ میں ان روایات کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

وروي الديلمي والقضاعي في مسند الفردوس عن علي كرم الله وجهه مرفوعاً "العمائم تيجان العرب والاحتباء حيطانها وجلوس المؤمن في المسجد رباط" وروي الديلمي عن ابن عباس بلفظ "العمائم تيجان العرب فإذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم". وروى الباوردي عن ركانة بلفظ "العمامة على القلنسوة فصل مابيننا و بين المشركين يعطى يوم القيامة بكل كوز ة يدورها على رأسه نوراً" وروى ابن عساكر عن ابن عمر مرفوعاً صلوة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلوٰة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة.

اسی طرح مرقاۃ جلد ثانی/ ۲۳۹ میں ہے: وروى أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: صلوة بعمامة أفضل من سبعين صلوة بغيرعمامة. كذا نقله ابن حجرعن ابن الرفعة قال ابن الديبع "صلوة بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم" موضوع كما قال شيخنا عن شيخه وكذا ما أورده الديلمي من حديث ابن عمر مرفوعاً "صلوة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة" ومن حديث أنس مرفوعاً "الصلوة في العمامة بعشرة آلاف حسنة" قال المنوفي: فذلک كله باطل نقله الخطابي. والله أعلم بالصواب. انتهى بلفظه

وفي أصل الخطابي عن المنوفي تردد فان المنوفي متأخر.

امدادالفتاوی مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند میں/ ۳۹۱ سے ۳۹۴ تک عمامہ کی بحث ہے امداد کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا علی قاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہیں ان سے ستر گنا ثواب ثابت ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے اور ان ہی بہت سے اکابر علماء کو جو عمل بالسنۃ کے شائق ہیں بغیر عمامہ کے جمعہ اور دیگر نمازیں پڑھتے دیکھا ہے۔ آپ کے نزدیک فریقین میں سے کس کی بات راجح ہے از روئے جرح احادیث مذکورہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے مسند الفردوس محققین محدثین کے کس درجہ کی کتاب ہے علامہ عینی حافظ ابن حجر، قسطلانی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے کلام میں عمامہ کی بحث ہو تو نشاندہی فرمائیں میرے پاس درمختار شامی زیلعی علی الکنز، طحطاوی علی الدر میں عمامہ کا مستحبات صلوٰۃ میں ہونا نہیں ملا۔

(مولوی) ابوالبرکات (صاحب)

مدرس جامع العلوم کانپور

جـــــواب: تمہارے سوالات تجزیہ کے بعد چار امور پر مشتمل ہیں (۱) احادیث عمامہ کی تحقیق (۲) فریقین کی رائے میں موازنہ (۳) مسند الفردوس کا مقام (۴) بحث عمامہ کہاں ملے گی ان میں سے جن امور کا احقر کو علم ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

(١) حديث علي "العمائم تيجان العرب والاحتباء حيطانها وجلوس المؤمن في المسجد رباط" ذكره السيوطي في الجامع الصغير و عزاه للقضاعي في مسند الشهاب والديلمي في مسند الفردوس قال المناوى في فيض القدير، قال السخاوي: سنده ضعيف أي وذلک لأن فيه حنظلة السدوسي، قال الذهبي تركه القطان وضعفه النسائي، ورواه أيضاً أبونعيم وعنه تلقاه الديلمي، فلوعزا المصنف للأصل لكان أولى انتهى.

قلت: قال السخاوي في المقاصد ٢٩١، أخرجه الديلمي من جهة أبي نعيم ثم من جهة ابن عباس به مرفوعاً، وهو كذلک عند القضاعي من حديث علي مرفوعاً أيضاً لكن أخرجه البهيقي عن الزهري من قوله ولفظه "العمائم تيجان العرب والحبوة حيطان العرب والاضطجاع في المساجد رباط المؤمنين" وذكر أحاديث ستأتي، قلت:

ويمكن أن يكون الحديث قول علي رفعه بعض الرواة وهماً قال ابن هشام في السيرة ٢٦٥: حدثني بعض أهل العلم أن علي بن أبي طالب قال: العمائم تيجان العرب وكانت سيماء

الملئكة عمائم بيضا قد أرخوها على ظهورهم إلا جبريل فإنه كانت عليه عمامة صفراء.

(٢) حديث ابن عباس "العمائم تيجان العرب فإذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم" عزاه السخاوي فى المقاصد ٢٩١ والسيوطي في الجامع الصغير للديلمي ورمز له السيوطي بالضعف، وأ شار السخاوي إلى وهائه، وقال المناوى في فيض القدير ٣٩٢/٤: لفظ رواية الديلمي فيما وقفت عليه من نسخ قديمة مصححة بخط ابن حجر وغيره فاذا وضعوا العمائم وضع الله عزهم" وفيه عتاب بن حرب قال الذهبي قال الفلاس: "ضعيف جداً و من ثم جزم السخاوى بضعف سنده" ورواه عنه أيضاً ابن السني قال الزين العراقى: فيه عبيد الله بن حميد ضعيف. انتهى. وهو أبوالخطاب قال البخاري: منكر الحديث ونقل ابن القطان الفاسي عن البخاري قال: من قلت فيه منكر الحديث لا تحل الرواية عنه.

(**تنبيه**) وقع في فيض القدير عبدالله بن حميد وهو من سهو الناسخ أو الطابع والصواب ماقدمته ...... قال السخاوي وفي لفظ "عنده" أي الديلمى "العمائم وقار المومن وعز العرب فاذا وضعت العرب عمائمها فقد خلعت عزها" وقال المناوي فى الفيض في شرح حديث ابن عباس ثم خرج أي الديلمى من طريق آخر "العمائم وقار للمؤمنين وعز للعرب فإذا وضعت العرب عمائمها فقد خلعت عزتها". انتهى.

ولم أقف على سنده ولكن أشار السخاوي إلى وهائه.

(٣) حديث ركانة مرفوعاً "العمامة على القلنسوة فصل مابيننا و بين المشركين يعطي يوم القيمة بكل كورة يدورها على رأسه نوراً" عزاه السيوطي للباوردي ورمز بضعفه ولم أقف على سنده وظني أن الحديث غير ثابت.

(٤) حديث ابن عمر مرفوعاً "صلوة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمساً وعشرين درجة بلا عمامة وجمعه بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة" ذكره السيوطي في الجامع الصغير وعزاه لابن عساكر وأخرجه ابن النجار من طريق محمد بن مهدي المروزي أنبأنا أبوبشر بن سيار الرقي حدثنا العباس بن كثير الرقي عن يزيد بن أبي حبيب قال: قال لي مهدي بن ميمون دخلت على سالم بن عبدالله بن عمر وهو يعتم فقال يا أبا أيوب ألا أحدثك بحديث؟ قلت: بلى قال: دخلت على عبد الله بن عمرؓ وهو يعتم فقال لي: يا أحب العمامة بني أعتم تبجل وتكرم وتوقر ولا يراك الشيطان إلا ولىّ هارباً، إني سمعت رسول الله صلى الله

عليه وسلم يقول "صلوٰة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوة بغير عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بغير عمامة إن الملئكة يشهدون الجمعة معتمين ولا يزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى تغرب الشمس" قال الحافظ ابن حجر في لسان الميزان ٣/٢٤٤: هذا حديث موضوع ولم أر للعباس بن كثير فى الغرباء لابن يونس ولا في ذيله لابن الطحان ذكراً، وأما أبوبشر بن سيار فلم يذكره أبوأحمد الحاكم في الكنى، وما عرفت محمد بن مهدي المروزي ولا مهدي بن ميمون الراوي عن سالم، وليس هوالبصري المخرج له في الصحيحين وذاک يكنى أبا يحيى ولا أدرى ممن الآفة ونقله السيوطي في ذيل اللآلى (ص ١١٠) وأقره وتبعه ابن عراق في تنزيه الشريعة (١٢٤/٢) ثم ذكر السيوطي أنه أخرجه ابن عساكر في تاريخه من طريق عيسى بن يونس والديلمي من طريق سفيان ابن زياد المخرمي كلاهما عن العباس بن كثير به ثم ذهل السيوطي فأورده في الجامع الصغير من رواية ابن عساكر عن ابن عمر وتعقبه المناوي في شرحه ٢٢٥/٤ بأن ابن حجر قال: إنه موضوع ونقله عنه السخاوي فى المقاصد ٢٦٣ وارتضاه، وقال السخاوي في موضع آخر ٢٩١ لا يثبت ونقل الملا علي القاري في موضوعاته الكبرى ٤٥ عن العلامة علي بن محمد المالكي المنوفي المصري أنه قال: "هذا حديث باطل" وتعقبه القاري بأن السيوطي أورده في الجامع الصغيرمع التزامه بأنه لا يذكر فيه الموضوع.

قلت: هذا تعقب بارد فكم للسيوطي من هذه المناقضات والأوهام!! والله الموفق.

(۵) پر جو کچھ تم نے مرقاۃ سے نقل کیا ہے وہ ساری تفصیل ابن الدیبع نے تمییز الطیب میں ذکر فرمائی اور اس کے متعلق کسی بات کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں خود ملا علی قاری نے اخیر میں علامہ منوفی سے سب کا باطل ہونا نقل کیا ہے اسی طرح علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں/۲۶۳ سب کوموضوع کہا ہے اور ابن الدیبع کی کتاب تمییز الطیب المقاصد ہی کا مختصر ہے تو یہ سارے ائمہ سخاوی، ابن الدیبع، منوفی ان روایتوں کو باطل کہتے ہیں۔ تجزیہ کے بعد یہ کلام جو تم نے نقل کیا ہے چار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ "أوّل صلوة بعمامة أفضل عن سبعين صلوة بغير عمامة". یہ حدیث بایں الفاظ میرے علم میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی سخاوی نے مقاصد میں اسے ذکر فرمایا ہے۔ اور دوسری حدیث "صلوة بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم" قال الحافظ ابن حجر: "موضوع" ونقله السخاوي ٢٦٣ وارتضاه وتبعهما المنوفي وعلى

القـاري في موضوعاته ٤٥، ابن عمر کی تیسری حدیث جو نمبر چار پر ابھی گذری ہے اور چوتھی حضرت انس کی حدیث ہے ”الـصـلـوة في العمامة تعدل عشرة آلاف حسنة“ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ موضوع اور علامہ منوفی کہتے ہیں کہ باطل ہے: وتبعهما علي القاري في موضوعاته.

(٦) حـديـث جـابـر: ”ركـعتان بعمامة أفضل من سبعين بغيرها“ عزاه السخاوي في المقاصد ٢٩١ والسيـوطـي في الجامع الصغير إلى الديلمي في مسند الفردوس، قال المناوي في فيض القدير ٣٧/٤، ورواه عـنـه أي عن جابر أيضاً أبونعيم وعنه تلقاه الديلمي فلو عزاه إلى الأصـل لـكـان أولـى ثـم إن فيـه طـارق بـن عبدالرحمن أورده الذهبي فى الضعفاء، وقال: قال الـنسـائـي لـيـس بـقـوي عـن محمد بن عجلان ذكره البخارى فى الضعفاء وقال الحاكم سيء الـحـفـظ: ومـن ثم قال السخاوي: ”هذا الحديث“ لا يثبت انتهى. وأشار السخاوي إلى وهائه ونـقل بعض المحققين وهو العلامه ناصرالدين الألبانى عن الحافظ ابن رجب أنه نقل في شرح التـرمـذي سـئـل أبوعبدالله يعنى الإمام أحمد بن حنبل عن شيخ نصيبى يقال له محمد بن نعيم قيـل لـه: روي شيـئـاً عـن سهيـل عـن أبيه عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ”صلوة بعمامة أفضل من سبعين صلوة بغير عمامة“ فقال: هذا كذاب، هذا باطل. انتهى.

علامہ سخاوی نے مذکورہ بالا طرق اور اس کے علاوہ مزید ذکر فرمانے کے بعد لکھا ہے وبـعـضـه أوهى من بـعـض اھ احقر کا خیال بھی یہی ہے اگر صلوۃ بالعمامۃ کی اتنی فضیلت واہمیت تھی تو جس طرح صلوۃ جماعت صف اول وغیرہ دیگر امور کے فضائل صحابہ سے اسانید صحیحہ سے نقل کئے گئے ہیں یہ امور بھی اسی طرح نقل ہوتے ایک اور روایت اس مسئلے میں نقل کی جاتی ہے اس کو نقل کرکے اس کی حقیقت بتادینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

أخـرج الـطـبـرانـي عـن أبـى الدرداء قال: ”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله و مـلائـكـتـه يـصـلـون عـلـى أصحاب العمائم يوم الجمعة“ قال الهيثمي ١٧٦/١: فيـه أيوب بن مدرک قال ابن معين، إنه كذاب اهـ.

ویسے بعض روایات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز عمامہ پہن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے:

فأخرج مسلم ٤٤٠/١ عـن عمرو بن حريث قال: ”كأني أنـظر إلى رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم سـوداء قـد أرخـى طـرفيها بين كتفيه“ وأخرجه أبوداؤد ٥١/٥ والـنسـائي ٢٩٩

والترمذي في شمائل وابن ماجة ۲۰۸، ۲۶۴، ۷۹ وترجم عليه ابن ماجة ۷۹ "باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة" اور جب خطبہ عمامہ سوداء کے ساتھ دیا گیا تو ظاہر ہے کہ نماز بھی اسی طرح پڑھی گئی۔

(۲) دوسری بات تم نے جو پوچھی ہے اگر اس سے مراد فضیلت عمامہ کی روایات میں جو آپ کے یہاں اختلاف ہوا ہے اس میں سے ایک کی رائے کی ترجیح مقصود ہے تو یہ بات تو ماقبل کی تفصیلات سے معلوم ہوگئی احقر کی رائے میں یہ سب روایات ضعیف بلکہ واہی ہیں۔ حدیث (۴) و(۶) کو تو ائمہ فن نے باطل قرار دیا ہے اور باقی روایت اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان کے مل جانے سے قوت پیدا ہو جائے اور اگر تمہاری مراد اپنی اکابر کے عمل میں محاکمہ ہے تو عزیز من یہ میرا کام نہیں ہے احقر تو ان حضرات کا خوشہ چین ہے ہاں میں اپنے ذوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ صلوۃ فی عمامہ کی فضیلت کی روایات واہی ہیں اس لئے اس کو کوئی فضیلت کا کام سمجھ کر کرنا تو بہت مشکل ہے اور اگر اس نیت سے عمامہ باندھا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مواقع پر عمامہ کا باندھنا ثابت ہے اور آپ نے عمامہ پہن کر خطبہ دیا ہے اور یہ آپ کا لباس ہے تو یہ ایک امر مستحسن ہوگا اور قرب کا سبب بنے گا۔

مسند الفردوس کا محدثین کے نزدیک کیا مقام ہے

(۳) تیسری بات تم نے یہ پوچھی ہے کہ مسند الفردوس کا محدثین کے یہاں کیا مقام ہے اس کا جو مقام احقر کے خیال میں ہے وہ یہ ہے کہ اس کی سب روایتوں کو باطل وموضوع نہیں کہہ سکتے ہیں ہمارے حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے رسالہ **فيما يجب حفظه للناظر** میں **طبقة رابعة** میں شمار فرمایا ہے جس کی تمام روایات پر ضعف کا حکم لگایا جائے گا اور حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں بھی طبقہ رابعہ میں لیا ہے اور فرماتے ہیں کہ **أصلح هذه الطبقة ما كان ضعيفاً محتملا وأسواها ما كان موضوعا مقلوبا شديد النكارة وهذه الطبقة مادة كتاب الموضوعات لابن الجوزي.**

(۵) اس کے متعلق نہ تو پہلے سے اہتمام کیا اور نہ اس وقت کوئی خاص مقام مستحضر ہے شمائل ترمذی کی شرح جمع الوسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کے تذکرہ میں کچھ مل جائے گا اسی طرح فتح الباری عمدۃ القاری/۲۳۲ قسطلانی/۲۶۸ **كتاب اللباس** میں **باب العمائم** کے ذیل میں دیکھ لو ان کتابوں میں نفس عمامہ سے متعلق روایات ہیں عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کی کوئی روایت نہیں ہے اسی طرح قسطلانی کی **المواهب اللدنيه** میں صرف ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے **كما تقدم** اور زرقانی نے اس

کی شرح میں ۵/۴ تا ۱۲/۱۲ متعدد روایات ذکر فرمائی ہیں۔ حضرت شیخؒ کی تالیفات میں خصائل نبوی میں مختصر کلام عمامہ کے متعلق ہے اوراوجزالمسالک میں یہ بحث کہیں نہیں دیکھی۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۶/ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ

کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا لے کر آگے آگے چلتے تھے

کسی روایت میں یہ نہیں ملا کہ حضرت بلال عصا لے کر عید کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے تھے ہاں نیزہ کا تذکرہ ضرور وارد ہے، اتنا تو صحیحین میں ابن عمر کی روایت میں ہے کہ عید میں آپ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا ولفظہ ''إن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خرج يوم العيد، أمر بالحربة فتوضع بين يديه فيصلي إليها، والناس وراءه، وكان يفعل ذلك في السفر، فمن ثم اتخذها الأمراء، قال الحافظ: وقد روي عمر بن شبة في أخبار المدينة من حديث سعد القرظ أن النجاشي أهدى إلى النبي صلى الله حربة فأمسكها لنفسه، فهي التي يمشي بها مع الإمام يوم العيد. انتهى.

وأخرج الطبراني فى الكبير من حديث سعد القرظ أن النجاشي بعث إلى النبي صلى الله عليه وسلم بثلث عنزات فأمسكها النبي صلى الله عليه وسلم واحدة لنفسه وأعطى علياً واحدة وعمر واحدة، وكان بلال يمشي بها بين يديه في العيدين فيصلي إليها، قال الهيثمي: ۵۸/۲ في إسناده من لم يسم۔ کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس پر کوئی جھنڈا لگا ہوا تھا بظاہر جھنڈا وغیرہ کچھ نہیں تھا اور نہ ہی اس پر کچھ لکھا ہوا تھا والعلم عند الله سبحانه وتعالى۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

جمعہ کے دن خطبہ سے قبل منبر پر بیٹھ کر وعظ کہنے والی روایت

مندرجہ ذیل روایت صحیح ہے یا غلط روایت مستدرک حاکم کی ہے جو میرے پاس نہیں ہے اس میں اور دیگر کتب حدیث میں غور فرما کر مع صفحہ وجلد تحریر فرمائیں۔

روایت یہ ہے:

أخبرنا سلمان الفقيه ثنا إسماعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبوهريرة يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول قال أبو القاسم ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ، ثم يقول في بعض ذلك: "ويل للعرب من شر قد اقترب فاذاسمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس". هذا حديث صحيح ولم يخرجاه قال الحاكم: إنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث عند المنبر قبل خروج الإمام.

یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ ابو ہریرہ کس خلیفہ کے زمانے میں منبر کے پاس روایت فرماتے تھے شاید حضرت عثمان کا زمانہ ہو۔ مولانا ذاکر حسن بنگلور

جواب: یہ روایت مستدرک حاکم کی ہے اس کے الفاظ مع الاسناد والمتن حسب ذیل ہیں۔

أخبرنا أحمد بن سلمان الفقيه ثنا إسمعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبو هرير ة يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح أعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ، ثم يقول في بعض ذلك "ويل للعرب من شر قد اقترب فاذاسمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس".

هذاحديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه هكذا، وليس الغرض فى تصحيح حديث "ويل للعرب من شرقد اقترب، فقد أخرجاه وإنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث على المنبر قبل خروج الإمام. انتهىٰ.

قال الذهبي فيه انقطاع قوله: "على المنبر" كذا في نسخة المستدرك المطبوعة والظاهر عند المنبر كما في السوال وإن ثبتت كلمة، "على" فيوجه بأنه إذا جاز بيان الحديث عند المنبر جاز على المنبر أيضا إذلا مانع منه .

یہ تحقیق نہیں کہ کس خلیفہ کے زمانے کا واقعہ ہے بظاہر حضرت عثمان کے زمانے کی بات ہوگی جیسا کہ آپ نے خود ہی احتمالا لکھا ہے۔

محمد یونس غفرلہ

۱۱/ ذالحجہ ۱۴۰۱ھ

مسجد میں پنکھا جھلنے والی روایت

سوال: حضرت مخدوم ومطاع السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے حضرت والا کی آپ بیتی کے حصہ چہارم میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں یہ پڑھا کہ حضرت بلال نے جماعت کو پنکھا جھلا اور پیر دابنے کے سلسلہ میں بھی ایک کا آپ ذکر فرمارہے ہیں ان کے حوالوں کی ضرورت ہے۔

جواب: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا صبح کی نماز میں صحابہ کو پنکھا کرنا تو بندہ کو نہیں ملا البتہ صحابہ کا مسجد میں خود پنکھا کرنا ایک روایت میں منقول ہے اور چونکہ حضرات صحابہ میں غایت درجہ ایثار تھا اس لیے اگر خود کرتے ہوں گے تو اپنے دوسرے ساتھیوں کو تو ضرور کرتے ہوں گے:

قال ابن عدي في الكامل (۲/٤): حدثنا علي بن محمد بن سليمان الحلبي ثنا محمد بن يزيد المستملي ثنا شبابة عن أيوب بن سيار عن ابن المنكدر عن جابر عن أبي بكر عن بلال رضي الله عنهم قال: أذنت في غداة باردة فخرج النبي ﷺ فلم ير أحدا في المسجد فقال: أين الناس، قلت: منعهم البرد، قال: "اللهم أذهب عنهم البرد فرأيتهم يتروحون" وأخرجه الطبراني من طريق أيوب بن سيار، قال الهيثمي (۲/٤۱): "أيوب متروك".

وأخرجه البيهقي في الدلائل ٦/۲۲٤ عن أبي سعد الماليني عن ابن عدي.

قلت: أيوب بن سيار ضعيف واه. قال ابن معين: ليس بشيء، وسئل عنه ابن المديني فقال: ذاک عندنا غير ثقة لا يكتب حديثه، وقال السعدي، غير ثقة، وقال النسائي: متروک وقال عمرو بن علي أحاديثه منكرة منكر الحديث جدا، وقال النسائي: ليس بثقة ولا يكتب حديثه، وکا ن من الكذابين وقال ابن عدي: ليست أحاديثه: بالمنكرة جدا إلا أن الضعف بين على رواياته، وقال أبو حاتم ضعيف الحديث وقال ابن حبان كان يقلب الأسانيد ويرفع المراسيل، وقال الذهبي في الميزان (۱/۳٤): فيه المستملي وليس بثقة اهـ.

قلت: لم ينفرد به المستملى فقد تابعه عبد الله بن محمدبن زكريا عن سعيد بن يحيى عن أيوب بن سيار عند أبي نعيم في دلائل النبوة (ص۱٦٦ جديدة ٤٦٤) قال: حدثنا عبد الله بن محمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن محمد بن زكريا قال: ثنا سعيد بن يحيى قال: ثنا أيوب

بـن سيـار عن محمد بن المنكدر عن جابر عن بلال قال: أذنت الصبح في ليلة باردة فلم يأت أحـد ثـم أذنـت فـلـم يأت أحد، فقال النبي ﷺ: ما شأنهم يا بلال! قال: قلت كبدهم البرد – بـأبـي أنـت وأمـي – فـقال: "اللهم اكسر عنهم ا لبرد" قال بلال: "فلقد رأيتهم يتروحون في السبحة أو الصبح" يعني بالسبحة صلوة الضحى.

وهكذا في النسخة المطبوعة من الدلائل ليس فيه ذكر أبي بكر بين جابر، وبلال لكن نقله السيوطي في الخصائص الكبرى(۲/ ۷۳) بذكر أبي بكر، وعزاه إلى ابن عدي وأبي نعيم والبيهـقـي، وقال الحافظ في اللسان بعد نقل قول الذهبي المتقدم: "ولم ينفرد به المستملي فـقـد تابعه داود بن مهران عن أيوب وعنه العقيلي إلا أنه لم يذكر أبا بكر في الإسناد" كذا في نسـخة ثـم رأيتـه فى نسخة معتمدة مذكور فيه، ثم قال العقيلي: ليس لهذا الحديث أصل ولا يتابع عليه وليس بمحفوظ لا سنده ولا متنه انتهى".

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضرت ابوطلحہ کا مہمانوں کو کھانا کھلانے اور بیوی بچوں کو بھوکا سلانے والی روایت

سوال: محترم المقام مولانا بھائی محمد یونس صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو، مجھے مشکوۃ المصابیح میں ایک روایت کی تلاش ہے بہشتی زیور میں ایک جگہ ایک حدیث کی تشریح میں لمعات کا حوالہ ہے اس سے امید ہے کہ وہ حدیث مشکوۃ میں ضرور ہے مگر ملی نہیں، اس لیے براہ کرم اس کی نشاندہی فرمایئے حدیث ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مہمانوں کا واقعہ جس میں یہ ہے کہ ان کی بیوی نے بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا، اور مہمانوں کو کھانا کھلایا۔

جواب: باسمہ سبحانہ

مکرمی زادت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل آپ کا کارڈ ملا تھا۔ اس وقت تو روایت ذہن میں نہ آئی، مولوی راشد سلمہ سے کہلوا دیا تھا کہ روایت

نہیں ملی، آج پھر اٹھایا تو بفضل اللہ مل گئی، حضرت ابوطلحہؓ کا قصہ مشکوۃ شریف جامع المناقب کی فصل ثالث میں ہے ص: ۵۸۰، صاحب مشکوۃ نے بحوالۂ بخاری ومسلم نقل فرمایا ہے لیکن الفاظ مسلم کے نقل فرمائے ہیں۔ ابوطلحہؓ کے نام کی تخصیص مسلم شریف ہی میں ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

عذاب والی اجڑی ہوئی بستی سے گذرتے ہوئے آپ کا فرمانا ''یہاں سے فوراً چلو'' حدیث کی تحقیق

سوال: امم ماضیہ معذبہ میں سے کسی امت کی اجڑی ہوئی بستی کی طرف رسول اکرم ﷺ کا گذر ہوا تو وہاں شاید سخت ہوا یا کوئی اور سخت اثرِ عذاب پایا گیا اس پر آپ نے فرمایا کہ یہاں سے فوراً چلو حوالہ سے مطلع فرمائیں؟

جواب: امم ماضیۃ کا قصہ بخاری شریف (ص: ۴۷۹) میں ہے مگر اس کے الفاظ آپ کے نقل کردہ الفاظ سے کچھ الگ سے ہیں لیکن ظن غالب یہ ہے کہ یہی روایت آپ کی مقصود ہے: وهي هذه: عن ابن عمر أن النبي ﷺ لما مر بالحجر قال: لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باكين أن يصيبكم مثل ما أصابهم: ثم تقنع بردائه، وهو على الرحل.

وأخرج بزار من طريق عبد الله بن قدامة بن صخر عن أبي ذر أنهم كانوا مع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك فأتوا على وادٍ فقال لهم النبي ﷺ: "إنكم بواد ملعون فاسرعوا" فركب فرسه، فدفع ودفع الناس ثم قال: "من اعتجن عجينه، أو من كان طبخ قدرا فليكبها" ثم سرنا ثم قال: يا أيها الناس إنه ليس اليوم نفس منفوسة يأتي عليها مأة سنة فيعبأ الله بها. قال البزار: "لا أعلمه إلا بهذا الإسناد" وقال الهيثمي (۱۹۴/۶): "عبدالله بن قدامة بن صخر لم أعرفه وبقية رجاله وثقوا".

بندہ محمد یونس عفی عنہ

بنی اسرائیل کی ایک عورت کے بلی باندھنے الخ والی روایت کی تحقیق

سوال: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک قصہ مذکور ہے کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ رکھی تھی اور اس کو کچھ کھانے پینے کو نہ دیتی تھی بلی اسی حالت میں بھوک سے مرگئی اور اس عورت کو اس پر عذاب ہوا، حضرت ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے انہوں نے کہا تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے میں ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو؟ ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سنا ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا کی نظر میں ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لیے اس پر عذاب کرے وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی اے ابو ہریرہؓ جب آنحضرت سے کوئی روایت کرو تو دیکھ لو کہ کیا کہتے ہو؟ (ابوداؤد طیالسی، مسند عائشہ)۔

روایت مذکورہ کا کیا درجہ ہے حوالہ صحیح ہے یا نہیں اس بارے میں تحقیقی امر سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔

مفتی محمود رنگون

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم زید شرفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحیح البخاری (ص: ۴۶۷) ومسلم (ص: ۲۳۶) میں حضرت ابن عمر سے یہ روایت مروی ہے ولفظہ

عن ابن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: "دخلت امرأة النار في هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من خشائش الأرض".

اسی طرح یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے مسلم (۲/۲۳۶-۳۲۹) اور صحیح بخاری (ص: ۳۱۸) میں حضرت اسماءؓ سے اور حضرت جابر سے صحیح مسلم (ص: ۲۹۷) میں مذکور ہے اور اس میں تصریح ہے **"عرضت على النار فرأيت فيها امرأة من بني إسرائيل تعذب في هرة".**

وفي المسند لأحمد (۳/۳۷٤) من حديث جابر "فرأيت فيها امرأة حميرية سوداء طويلة تعذب فى هرة لها ربطتها" وكذا فى حديث عبدالله بن عمرو بن العاص عند أحمد (۲/۱۸۸) في المسند أيضاً. ان طرق سے اس عورت کا بنی اسرائیل سے ہونا صاف معلوم ہوگیا اور امام بخاری کی وسعت نظر کا بھی اس سے اندازہ ہوگیا کہ اس حدیث کو بروایۃ ابن عمر باب ذکر بنی اسرئیل میں ذکر فرمایا، نیز مسند احمد کی روایت سے اس عورت کا حمیریہ ہونا بھی متعین ہوگیا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

في هذا الحديث المؤاخذة بالصغائر، قال: وليس فيه "إنها عذبت عليها بالنار" قال: ويحتمل لأنها كانت كافرة فزيد في عذابها، بذلك، قال النووي (١/٢٩٧): هذا كلامه أي القاضي عياض وليس بصواب بل الصواب المصرح به في الحديث إنها عذبت بسبب الهرة وهو كبيرة لأنها ربطتها، وأصرت على ذلك حتىٰ ماتت، والإصرار على الصغيرة يجعلها كبيرة كما هو مقرر وليس في الحديث ما يقتضى كفر المرأة. انتهى.

ایک دوسری جگہ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

قوله: "عذبت امرأة في هرة" أى بسبب الهرة وهذا التعذيب يحتمل أن يكون بالنار ويحتمل أن يكون بالحساب على ذلك وقد جاء في حديث العصفور. أنه يحاج قاتله عند الله تعالىٰ يقول: يا رب لم قتلني؟ لا هو ذبحنى فأكلني ولا هو تركني أعيش، أو تكون هذه المرأة كافرة فعذبت بكفرها وزيد عليها العذاب بسوء فعلها، إذلو كانت مسلمة كفرت صغائرها باجتناب الكبائر، كذا نقله الأبي (٦/٥٦) وتعقبه النووي وقال الصواب أنها كانت مسلمة وأنها دخلت النار بسببها كما هو ظاهر الحديث وهذه المعصية ليست صغيرة بل صارت بإصرارها كبيرة وليس في الحديث أنها تخلد في النار. انتہی۔

نیز قاضی عیاض کا یہ فرمانا کہ عذاب سے مراد حساب ہوسکتا ہے بعید ہے اس لئے کہ خود حدیث میں "عذبت في النار" اور "رأيت في النار" وغیرہ کی تصریح موجود ہے لیکن قاضی عیاض نے جو یہ احتمال پیدا فرمایا کہ شاید وہ عورت کافرہ ہو ابوداؤد طیالسی والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے اور طیالسی کی پوری حدیث مع السند یہ ہے قال الطيالسي (ص: ١٩٩):

حدثنا صالح بن رستم أبو عامر الخراز، قال حدثنا سيار أبو الحكم عن الشعبي عن علقمة، قال: كنا عند عائشة فدخل عليها أبو هريرة، فقالت: يا أبا هريرة أنت الذي تحدث أن المرأة عذبت في هرة ربطتها فلم تطعمها، ولم تسقها، فقال أبو هريرة سمعته منه يعني النبي ﷺ فقالت: تدري ما كانت المرأة؟ قال: لا، قالت: إن المرأة مع ما فعلت كانت كافرة، إن المؤمن أكرم على الله من أن يعذبه في هرة، فإذا حدثت عن رسول الله ﷺ فانظر كيف تحدث" وأخرجه أحمد في مسنده (٢/٥١٩) عن الطيالسي ورجاله ثقات إلا شيخ أبي داؤد الطيالسي أبو عامر الخراز صالح ابن رستم فوثقه أبو داؤد وغيره، وضعفه ابن معين وابن

الـمـديـنـي، وأبو حاتم، لكن قال ابن عدي: لم أرله حديثاً منكراً، قال الذهبي في الميزان حديثه لعـلـه يبـلـغ خـمسين حديثاً، وهو كما قال أحمد بن حنبل: صالح الحديث. انتهى. (ص: ۳۵۸ جديدة)

وقـال الـحافظ في التقريب: صدوق كثير الخطأ، وذكر الحافظ ابن حجر في فتح الباري (۲۵۵/٦): أن هذا الحديث أخرجه البيهقي في البعث والنشور وأبو نعيم في تاريخ أصبهان.

حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کی بنا پر اس عورت کے کافر ہونے کی تقویت فرمائی ہے واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

بندہ جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل ہوگا یا اللہ کے فضل سے

سئلت: هل يدخل العبد المسلم الجنة بأعماله أم بفضل الله سبحانه؟ فأجبت أن العبد يـدخـل الجنة بفضل الله سبحانه و تعالیٰ، فعاد قائلاً فما معنى النصوص التي نيط فيها دخول الـجـنـة بـالأعـمـال؟ فـأجبت بأن تعلق الأعمال بالجنة كالأسباب بالمسببات، ولا يجب من تـحـقـق الأسبـاب تـحـقق المسببات من دون إرادة الله وفضله كالدواء سبب للشفاء ولكن لايـلـزم مـن استعمال الدواء حصول الشفاء، ثم رأيت بعد شهر الحافظ ابن القيم في حادي الأرواح ۱٤۱/۱، قـال: وههـنـا أمـر يـجـب التنبيه عليه وهو أن الجنة إنما تدخل برحمة الله تـعـالیٰ و ليس عمل العبد مستقلاً بدخولها وإن كان سبباً ولهذا أثبت الله دخولها بالأعمال فـي قوله: ''بما كنتم تعملون'' ونفي رسول الله ﷺ دخـولها بالأعمال بقوله: ''لن يدخل أحد منكم الجنة بعمله'' ولا تنافي بين الأمرين لوجهين.

أحـدهـما ما ذكره سفيان وغيره، قال: كانوا يقولون: النجاة من النار بعفو الله ودخول الـجـنـة بـرحـمتـه واقتسام المنازل والدرجات بالأعمال، ويدل على هذا حديث أبي هريره الـذي سيـأتـى إن شاء الله تعالیٰ ''أن أهل الجنة إذا دخلوها نزلوا فيها بفضل أعمالهم''. رواه الترمذي.

والثاني أن البـاء التـي نـفـت الـدخول هي باء المعاوضة التي يكون فيها أحـد العوضين مقابلاً للآخر والباء التي أثبتت الدخول هي باء السببية التي تقتضى سببية ما دخلت عليه لغيره وإن لـم يكن مستقلاً بحصوله وقد جمع النبي صلى الله عليه وسلم بين الأمرين بقوله ''سددوا

وقاربوا و أبشروا واعلموا أن أحداً منكم لن ينجو بعمله" قالوا: ولا أنت يا رسول الله قال: ولا أنا الا أن يتغمدني الله برحمته ومن عرف الله تعالىٰ وشهد مشهد حقه عليه ومشهد تقصيره وذنوبه وأبصر هذين المشهدين بقلبه عرف ذلک و جزم به، والله سبحانه و تعالىٰ المستعان. انتهى. وراجع شرح المواهب ٨/٤٠٥ وشرح المواقف.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اضافہ

محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات یاب ہونا یہ ایک مصرح حقیقت ہے انبیاء اور غیر انبیاء سب برابر ہیں۔

(١) عن عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم قال سدّدوا وقاربوا وابشروا فإنه لا يدخل أحدا الجنة عمله قالوا ولا أنت يا رسول الله قال ولا أنا الا أن يتغمدني الله بمغفرة ورحمة رواه البخاري (ص.٩٥٧ومسلم ٣٧٧/٢) وهذا لفظ البخاري.

(٢) عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن ينجى أحدا منكم عمله قالوا ولا أنت يا رسول الله قال ولا أنا إلا أن يتغمدني الله برحمة سدّدوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشيء من الدلجة والقصد القصد تبلغوا رواه البخاري ورواه مسلم (ص:٣٧٦-٣٧٧) بطرق بالفاظ متقاربة .

(٣) عن جابر قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول لا يدخل أحداً منكم عمله الجنة ولايجره من النار ولا أنا إلا برحمة الله، قال الكرمانى إذا كان كل الناس لا يدخلون الجنة إلا برحمة الله فوجه تخصيص رسول الله صلى الله عليه وسلم بالذكر أنه إذا كان مقطوعاً له بان يد خل الجنة ثم لا يدخلها إلا برحمة الله فغيره يكون ذلک بطريق الاولىٰ قال الحافظ (٧٦/١٤) وسبق إلى تقرير هذا المعنى الرافعي في أماليه فقال لماكان أجر النبي صلى الله عليه وسلم في الطاعة أعظم وعمله في العبادة أقوم قيل له ولاانت أي لا ينجيک عملک مع عظم قدره فقال لا إلا برحمة الله انتهى. قال النووي (٣٧٦/٢) مذهب أهل السنة إن الله لا يجب عليه شيء تعالىٰ الله بل العالم ملكه والدنيا والآخرة في سلطانه يفعل ما يشاء فلو عذب المطيعين والصالحين أجمعين وأدخلهم النار كان عد لا منه وإذا أكرمهم ونعمهم وأدخلهم الجنة فهو فضل منه ولو نعم الكافرين وأدخلهم الجنة

كان له ذلک ولكنه أخبر وخبره صدق أنه لا يفعل هذا بل يغفر للمومنين ويدخلهم الجنة برحمته ويعذب الكافرين ويخلدهم النار عدلاً منه وفي ظاهر هذه الأحاديث دلالة لأهل الحق أنه لا يستحق أحد الثواب والجنة بطاعته وأما قوله تعالىٰ أُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. وَتِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، ونحوهما من الآيات الدالة على أن الأعمال يدخل بها الجنة .فلا يعارض هذه الأحاديث بل معنى الآيات أن دخول الجنة بسبب الأعمال ثم التوفيق للأعمال والهداية للاخلاص فيها وقبولهما برحمة الله تعالىٰ وفضله فيصح أنه لم يدخل بمجرد العمل وهو مراد الأحاديث ويصح أنه دخل بالأعمال أي بسببها وهي من الرحمة انتهى.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

لیلۃ القدر کی تعیین کا اٹھالیا جانا باعث برکت ہوا یا باعث حرمان

سوال: بخاری جلد اول ص:۲۷۱، باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحي الناس اور مسلم ۱/۳۷۰ میں ابوسعید خدریؓ کی روایت میں علامہ نووی نے رجلان یحتقان: کے ذیل میں لکھا ہے ''ان المخاصمة والمنازعة مذمومة وإنها سبب للعقوبة المعنوية'' حالانکہ عقلا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر اس جگہ رفع تعیین لیل تو خیر وبرکت کا باعث ہوا نہ کہ حرمان کا اس لئے کہ ابتغاء لیل کی وجہ سے پورے عشرہ کا اہتمام ہوگا بلکہ ہوتا ہے تو پورے عشرہ میں عبادت کا موقعہ ملا اور تعیین کی صورت میں اتکال کا خطرہ تھا جیسا کہ امور شرعیۃ کی بجا آوری میں کوتاہی پائی جاتی ہے اگرچہ دوسرے مقام پر منازعت حرمان کا باعث ہے تو یہ رفع تعیین عقوبۃ معنویۃ کیسے ہے نیز ایک واعظ صاحب نے بھی اس رفع کو حرمان وقبیح کہا تھا اسی وقت یہ سوال ذہن میں آیا امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔

جواب: خصومت کا موجب نقصان ہونا ایک کھلی ہوئی چیز ہے: قال تعالیٰ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ لیلۃ القدر کی تعیین کا خیر ہونا تو ارادہ نبوی سے ظاہر ہے اگر اس کی تعیین خیر اور پسندیدہ نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بیان کے لئے باہر کیوں تشریف لاتے اور بہت سے کمزور کم ہمت لوگ اگر تعیین باقی رہتی تو نفع اندوز ہوتے لیکن منازعت اس خیر خاص سے محرومی کا سبب ہوگئی اگر معلوم ہوتی تو ہر شخص اس کی برکات حاصل کرسکتا تھا اب ہر شخص تو کیا بہت سے لوگ حاصل نہیں کر سکتے ہیں ایک رات کی بیداری آسان ہے پورے عشرہ یا پورے ماہ کی بیداری تو بہت ہی مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ وفعل

الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ یہ بھلا دینا بھی خیر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فعسی أن یکون خیرا لکم اور اس میں خیریت یہ ہے کہ اس رات کے تلاش کرنے میں بہت سی راتوں کے قیام کا موقع مل جائے گا بہر حال اخبار واطلاع بھی خیر تھی اور اخفاء وعدم اظہار بھی اور دونوں کی جہت مختلف ہے اطلاع کی خیریت تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کو یہ شرف حاصل کرنا آسان ہے اور منازعت کی وجہ سے اس نفع عام سے محرومی ہوگئی اور اخفاء کی خیریت اس وجہ سے ہے کہ صرف ایک رات کے قیام پر اتکال واعتماد نہ ہوگا بلکہ لیلۃ القدر کے حاصل کرنے کے لئے پورے ماہ یا کم از کم اس کے اخیر عشرے اور یا اس سے بھی اقل درجہ میں کئی رات کے قیام کا شرف حاصل ہوگا۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس حدیث کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے ظہر تک اور نماز ظہر سے عصر تک خطبہ دیا

سوال :- میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد خطبہ دینا شروع فرمایا تو ظہر کا وقت آگیا ظہر کے بعد سلسلہ پھر جاری رہا تو عصر ومغرب تک چلتا رہا تو میں عجیب وغریب وطویل خطبہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ دعا گو ودعا جو

سید انور ابن غوری بھونگیر اے پی

جواب : حدیث (مذکور) امام مسلم نے ذکر کی ہے لیکن اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے بہت مختصر ہے الفاظ حسب ذیل ہیں: **أبو زید قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر، ثم نزل فصلی، ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فأخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا أحفظنا انتھی۔**

حضرت ابو سعید خدری سے ایک مفصل حدیث ترمذی وغیرہ میں منقول ہے اس میں صرف عصر کے بعد کے خطبہ کا ذکر ہے اگر دونوں صحابیوں کی روایت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہے تو ما بعد العصر کے خطبہ کی کچھ تفصیل مل جاتی ہے وہ حدیث مشکوۃ شریف (ص:۴۳۷) پر باب الامر بالمعروف کی فصل ثانی میں مندرج ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

باب(۵)

اختلافات وبدعات

حضرات صوفیاء کے تجویز کردہ اذکار واشغال کے بدعت ہونے کا شبہ اوراس کا جواب[1]

حضرات صوفیہ نے ذکر کی جوصورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں یہ امراضِ قلب کے ازالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجربات ہیں اگر کسی کو اس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہوجاوے تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اصل تو اعمال مسنونہ ہیں جیسے مریض جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مضرات سے بچایا جاتا ہے لیکن اصل چیز جن سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقویات اور اغذیہ ہیں اور حضرات صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں وہ صرف اللہ تعالی کا دل میں دھیان جمانے کے لئے ہیں پہلے لا الہ الا اللہ اور پھر الا اللہ اور پھر اللہ اللہ کا ذکر کراتے ہیں اول تو مصرح ہے أفضل الذکر لاالہ إلا اللہ اور ثالث بحذف حرف النداء یا بحذف المبتدا ہے، اور ثانی صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھاتے ہیں تو پہلے بے، س زیر بِس میم، لام زیر لِل لام الف زبر لَا، ہ زیر ہِ رٹاتے ہیں پھر بسم اللہ کہلواتے ہیں اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ کم پڑتا ہے اس لئے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں پہلے نفی اثبات کراتے ہیں تاکہ توحید کا مفہوم دل میں اترے پھر ہلکا کر کے صرف اثبات کو رکھتے ہیں اور صرف اللہ اللہ کا ذکر بسیط کراتے ہیں کہ ذات حق بسیط ہے تو مفہوم توحید کے استحضار کے ساتھ جس کی طرف پورے کلمے سے دل کو متوجہ کیا گیا تھا ذات بسیط کے دھیان کو اسم بسیط سے دل میں جماتے ہیں خدا کرے یہ تمہارے لئے باعث سکون ثابت ہو اس وقت ذہن حاضر نہیں ہے کیف ما اتفق جو آ گیا لکھ دیا۔

---

[1] پورا خط احقر راقم الحروف مرتب کتاب کے سوال کے جواب میں حضرت اقدس شیخ مدظلہ نے تحریر فرمایا۔

یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں رسول اکرم ﷺ محبوب ہیں آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے اور ادائے محبوب، محبوب ہوتی ہے لیکن اس ادا کو پوری طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ بغیر تزکیۂ قلب کے ناممکن ہے اس لئے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا اصل تو اعمال مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی اور انہیں ہی کرنا ہے لیکن تھوڑی دیر کیلئے بطور علاج کے حضرات صوفیہ کا مجربہ نسخہ بھی استعمال کرو تا کہ پوری طاقت کے ساتھ اعمال مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورت اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے بلکہ اجتماع کے وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلبِ مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تا کہ طبیعت لگ جاوے اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے جیسے مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں اسی لئے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجه (ص: ۲۱) عن عبد الله بن عمرو: خرج رسول الله ﷺ ذات يوم من بعض حجره، فدخل المسجد فاذا هو بحلقتين: إحداهما يقرؤن القرآن ويدعون، والأخرى يتعلمون، ويعلمون فقال النبى ﷺ: كل على خير، وفي إسناده الإفريقي وهو ضعيف، و أخرج مسلم وغيره عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ما اجتمع قوم فى بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسوانه بينهم إلانزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكه وذكرهم فيمن عنده.

یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں حضرت ابن مسعودؓ کی نکیر ممکن ہے کسی خاص امر کی بناء پر ہو مثلاً وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہوں واللہ اعلم۔

حدیث کی کتاب کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک ہے۔ اللهم آتنا منه حظا وافرا ونصيبا تاماً.

تمہارے خواب مبارک ہیں پانی میں تیرنا اور پار ہو جانا طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے اوپر اڑنا بھی عروج وترقی ہے عصا سنت ہے خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے، میکائیل علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی الرزق کی طرف اشارہ ہے چھوٹے بچے کا خواب میں ''إنی عبداللہ'' کہنا بھی اچھا ہے میرا گمان ہے کہ وہ تمہارا نفس ہے مبارک ہو اس کا شیخ کی گود میں کھیلنا یہ شیخ کی نگرانی وتربیت ہے مراد تمہارے شیخ ہیں حضور اکرم ﷺ کا کسی کو بوسہ لینا آپ کے رضا ومحبت کی علامت ہے مبارک ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ سے ملاقات واستفادہ اوران کی خدمت میں حاضری کی خبر سے بیحد خوشی ہوئی۔

میں اپنی تقریر کے بارے میں کیا کروں اور کیا کہوں جو اللہ مقدر کرے گا میسر ہوگا، تمہارے صلاح وفلاح کی دعا کرتا ہوں میرے لیے تم بھی دعا کرتے رہو ظاہری و باطنی امراض سے شفاء اور فلاح دارین کے لیے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے بشرط سہولت سلام مسنون و درخواست دعاء۔

محمد یونس عفی عنہ

شب جمعہ ۳۰/صفر ۱۴۰۳ھ

قرآن پاک سے فال نکالنے کی تحقیق

أخذ الفال بالمصحف:

قال القاري في شرح النخبة ص: ۹۷ والفال بالمصحف ما صدر عن السلف، واختلف فيه المتاخرون ولاشک أن التشاؤم بما فيه مكروه سواء بالحروف أو بالمعنى وأما التفاؤل بالمعنىٰ أو بظهور بسملة ونحوها فلابأس به، وأما الحروف فلادلالة لها على القبح والحسن أبدا'' انتهى. و قد ذكر الشيخ ابن حجر المكي كما في المرقاة ص:۳، تحت حديث عبيدة المليكي يا أهل القرآن لا تتوسد، والقرآة كراهة أخذ الفال من القرآن ونقل تحريمه من بعض المالكية، وراجع مجموعة الفتاوىٰ لعبد الحي ۸۳/۲، وقال ابن تيمية في فتاويه ۶۶/۲۳، وأما استفتاح الفال في المصحف فلم ينقل عن السلف فيه شئ وقد تنازع فيه المتأخرون، وذكر القاضي أبو يعلى نزاعاً ذكر عن ابن بطة أنه فعله وذكر عن غيره أنه كرهه فإن هذا ليس الفال الذي يحبه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فإنه كان يحب ألفال ويكره الطيرة والفال الذي قال الذي يحبه هو أن يفعل أمرا، أو يعزم عليه متوكلاً على الله فيسمع الكلمة الحسنة التي تسره مثل أن يسمع يا نجيح يا أفلح يا سعيد يا منصور ونحو ذلک كما لقي في سفر الهجرة رجلاً، قال ما اسمک؟ قال: يزيد: قال يا أبا بكر يزيد أمرنا الخ، وذكر أحمد بن أحمد التنبكتي في التطوير قولين: الكراهة، والإباحة، وراجعه ونقل عن الطوشي أن أخذ الفال من المصحف من الاستسقام بالأزلام.

بنده محمد يونس عفى عنه

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں

انبیاء واولیاء ایک وقت میں مختلف مقامات میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟

......تم نے یہ لکھا کہ حضرات اولیاء اللہ مختلف مقامات میں بیک وقت بسا اوقات نظر آتے ہیں پھر اگر حضور ﷺ بھی مختلف مجالس میں تشریف لائیں تو کیا استبعاد ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر کے اندر زندہ اور باحیات ہیں۔

عزیز من! مسئلہ حیات انبیاء خود ایک معرکتہ الآراء مسئلہ ہے کہ آیا حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں باحیات ہیں یا نہیں اگرچہ راجح یہی ہے کہ اپنی قبور مطہرہ میں زندہ ہیں اور احادیث میں وہی وارد ہوا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ: ''إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء'' أخرجه أحمد وأبوداود والنسائي وابن ماجة وابن أبي شيبة والبيهقي، وصححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم والدارقطني والنووي، وحسنه عبد الغني وقال الحافظ أبو الخطاب ابن دحية: إنه صحيح بنقل العدل عن العدل.

ابن ماجہ کی بعض روایات میں ''فنبي الله حي يرزق'' بھی وارد ہے۔

ایک حدیث میں ہے: ''الأنبياء أحياء في قبورهم''. رواه أبو يعلى والبيهقي وصححه.

اب حیات تسلیم کر لینے کے بعد یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ حضرات دنیا میں سفر کرتے پھرتے ہوں جیسے سلاطین اپنے محلوں اور حرم سراؤں میں ہوا کرتے ہیں ایسے ہی اپنے اپنے مقامات مقدسہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں اور رونق افروز ہیں اور اگر ہر میلا دخواں یہ خیال کرے کہ حضور تشریف لاتے ہیں تو اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ مختلف اوقات میں کبار اولیاء اللہ ابدان مثالیہ کے ساتھ حاضر ہو سکتے ہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے بعض رسائل میں اس کو ثابت فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء اس قدرت کے حاصل ہونے پر ہر جگہ حاضر ہوں، کتنی بڑی گستاخی ہے ایک شیخ و مرشد تو ہر جگہ جاتا ہی نہیں جہاں جہاں اس کا ذکر ہے، پھر ایک نبی بلکہ سید الانبیاء ﷺ کے بارے میں یہ خیال کیسے صحیح ہوگا یہ تو بذات خود تعظیم کے خلاف ہے اس لئے کہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی ذکر رسول اللہ ﷺ کرنے والا نہ ہو تو پھر یہ لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ ہمہ وقت ادھر ادھر اپنے ابدان مثالیہ کے ساتھ پھرتے رہتے ہیں کیسی گستاخی ہے۔

مجالس میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

نیز مجالس میلاد میں حاضری مروج طریقہ سے نہ تو قرن صحابہ میں ثابت ہے اور نہ ان کے بعد کے قرون مشہود لھا بالخیر میں، نیز یہ بھی بتلانا ہوگا کہ کس آیت یا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ﷺ اپنے ذکر کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں محض یہ احتمال عقلی کہ تشریف لاتے ہی ہوں گے کافی نہیں اور اگر یہی کہا جائے کہ کشوف اولیاء اللہ سے تشریف آوری ثابت ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ کشف حجت شرعیہ نہیں ہے جس سے استدلال کیا جاسکے دوسری بات یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کسی ولی کو کشف ہوگیا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ وہ کشف مطابق واقعہ اور صحیح بھی ہو، غلط بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ خود صوفیہ کے کلام میں مصرح ہے کہ کشف میں بھی غلطی ہوتی ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس لئے کہ جیسے اور ذرائع علم ہیں، کشف بھی ایک ذریعہ ہے اور پھر وہ بھی ظنی ہے تو جس طرح اور ذرائع علم کے حاصل شدہ علوم غلط ہوتے ہیں یہاں بھی ہوجائے تو کیا عجب ہے مثلا مدرکات بصر میں بعض وقت خطا ہوجاتی ہے نظر آتا ہے حیوان اور ہوتا ہے تودۂ ریگ، نظر آتا ہے انسان اور ہوتی ہے بکری، مسموعات میں بھی قوت سمع کو غلطی ہوجاتی ہے ذہن مدرکات عقلیہ میں غلطی کرجاتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کشف خلاف واقعہ ہو اور اگر اتفاق سے کہیں تشریف آوری ہو بھی گئی اور کسی عارف کو کشف ہوگیا اور وہ اتفاق سے مطابق واقعہ ہو تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ہر جگہ تشریف ہی لاتے ہوں گے کیا حضرت اقدس ﷺ اپنی حیات دنیویہ میں ہر اسی مجلس خیر میں جس میں آپ کا ذکر شریف ہو ہمیشہ تشریف لے جاتے تھے کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟ بلکہ بعض سے تو اس کے خلاف ہی ثابت ہوگا بلکہ اکثر حالات ایسے ہی ہیں، اس لئے کہ حضرات صحابہ حضور اکرم ﷺ کے جان نثار آپ کا ذکر شریف اپنی مجالس میں کرتے ہی تھے اور وہ اپنے اپنے اوطان اور اماکن بعیدہ میں ہوتے تھے اور حضرت کہیں بھی تشریف نہیں لے جاتے تھے تو پھر اس دار دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد کیا ضروری ہے کہ ہر مجلس میں تشریف لے جائیں۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

انبیاء واولیاء سے وفات کے بعد دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے یانہیں

استمداد از اہل القبور کی مختلف صورتیں اوران کاحکم

سوال: انبیاء واولیاء سے وفات کے بعد دعاؤں کے ذریعے مدد طلب کی جاسکتی ہے یانہیں؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى!

جواب:- یہ مسئلہ استمداد من اہل القبور سے متعلق ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ فلاں کے طفیل میں میرا یہ کام کردے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود مردے سے اپنی مراد مانگے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اہل قبر سے دعا کرنے کی درخواست کرے۔

اول صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے: لما أخرجت الطبراني في المعجم الصغير (ص ۱۰۳): عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف أن رجلاً كان يختلف إلى عثمان بن عفان في حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولاينظر في حاجته فلقي عثمان بن حنيف: فشكى ذلک إليه، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين، ثم قل: اللّٰهم إني أسئلک وأتوجه إليک بنبينا محمد ﷺ نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بک إلى ربک جل وعز فيقضى لي حاجتي وتذكر حاجتک ورح إليّ، حتى أروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال له عثمان ثم أتى باب عثمان فجاء البواب، حتى أخذ بيده فأدخله على عثمان بن عفان فأجلسه معه على الطنفسة وقال: حاجتک، فذكر حاجته فقضاها ثم قال له، ماذكرت حاجتک حتى كانت هذه الساعة وقال: ماكانت لک من حاجة فأتنا، ثم إن الرجل خرج من عنده فلقى عثمان بن حنيف فقال له: جزاک الله خيراً ماكان ينظر في حاجتي ولا يلتفت إلي حتى كلمته، فقال عثمان بن حنيف: والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله ﷺ وأتاه ضرير فشكا عليه ذهاب بصره فقال له النبي ﷺ: إيت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات

قال عثمان بن حنيف: فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط. قال الطبراني: والحديث صحيح.

قلت: وأصله في الترمذي وابن ماجه.

اس حدیث میں حضرت عثمان بن حنیفؓ نے حاجتمند کو حضور اکرم ﷺ کے توسل سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔

اور دوسری صورت یعنی صاحب قبر سے اپنی حاجت روائی چاہنا قطعا حرام وشرک ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''إياك نعبد وإياك نستعين'' حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا: ''إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله'' رواه أحمد والترمذي وابن أبي الدنيا وفي الترمذي عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: الدعاء مخ العبادة. یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے اور عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اس لئے غیر اللہ سے مراد مانگنا بھی شرک ہے۔

تیسری صورت یعنی صاحب قبر سے یہ درخواست کرے کہ وہ دعا کردے تا کہ حاجت مند کی حاجت برآری ہوجائے یہ موقوف ہے اس بات پر کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں اور یہ دلائل کے پیش نظر مختلف فیہ ہے اگر سنتے ہیں تو جائز ہے اور اگر نہیں تو یہ ایک فعل لغو ہوگا مگر حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حیات وسماع احادیث میں مصرح ہے۔

ففي المشكوة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أبلغته. رواه البيهقي في شعب الإيمان.

یعنی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے تو میرے پاس اس کو پہونچایا جاتا ہے یہ حدیث گو مختلف فیہ ہے مگر اس کے شواہد ومؤیدات ہیں اور جب سماع انبیاء ثابت ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے تو پھر یوں کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمائیں خود صحابہ کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری (۴/۴۱۴) میں لکھتے ہیں:

روى ابن أبي شيبه بإسناد صحيح من رواية أبي صالح السمان عن مالك الدار وكان خازن عمر، قال: أصاب الناس قحط في زمن عمر، فجاء رجل (الرجل هو بلال بن حارث المزني الصحابي كما عند سيف في كتاب الفتوح كذا في شرح المواهب ٦٨/٨، للزرقاني

ووفاء الوفاء ۲/۴۲۱ للسمهودي وفتح الباري) إلى قبر النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ﷺ استسق لأمتک، فإنهم قد هلكوا فأتى الرجل في المنام فقيل له ائت عمر. الحديث.

وأخرجه ابن أبي خيثمة من هذا الوجه كما في الإصابة من ترجمة مالک الدار قال أصاب الناس قحط في زمن عمر فجاء رجل إلى قبر النبي ﷺ فقال يارسول الله ﷺ:استسق الله لأمتک، فأتاه النبي ﷺ في المنام، فقال له ائت عمر فقل له: "إنكم مستسقون فعليک الكفين كذا في أصل الإصابة ولعله الكيس، ثم رأيت أخرجه في منتخب الكنز ۳/۳۲۳، برواية البيهقي في الدلائل بلفظ، فعليک الكيس الكيس". فالحمد لله.

وفي الوفاء ص:۴۴۱ روى ابن أبي شيبة بسند صحيح عن مالک الدار قال: أصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فجاء رجل إلى قبر النبي ﷺ فقال يارسول الله ﷺ!: استسق الله لأمتک فإنهم قد هلكوا، فأتاه رسول الله ﷺ في المنام فقال: ائت عمر فاقرء ه السلام وأخبره أنهم يسقون، وقل له: عليک الكيس الكيس فأتى الرجل عمر رضي الله تعالىٰ فأخبره، فبكى عمر رضي الله تعالىٰ عنه ثم قال يا رب! ما آلو إلا ما عجزت عنه" وهكذا رواه ابن عبد البر في الإستيعاب ۲/۴۲۹، كما في قرة العينين وفي تفضيل الشيخين للشاه ولي الله ص:۱۹.

یہ وہی قصہ ہے جس کو حضرت شیخ مدظلہ نے فضائل حج میں نقل فرمایا ہے اس کو حافظ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے اگر یہ صورت مستنکر ہوتی تو حضرت عمر اس آدمی کو ہرگز نہ بخشتے، جب کہ حضرت عثمان جیسے کو ترک غسل پر مجمع میں ٹوک دیا تو دوسرے بیچارے کو پر مارنے کی کیا گنجائش ہے۔ واللہ اعلم اس کے بعد شرح مواہب ۸/ ۶۸ میں دیکھا اس میں لکھا ہے:

والرجل هو بلال بن الحارث المزني الصحابي كما عند سيف في كتاب الفتوح

اب تو بات اور قوی ہوگئی کہ خود صحابی نے ایسا کیا اور حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ان کو عمر کے پاس جانے کو کہا جیسا کہ بروایۃ عن ابن ابی خیثمہ اوپر گذرا۔

حررہ بندہ محمد یونس عفی عنہ

بامر الاستاذ المولی محمد زکریا شیخ الحدیث بمظاہر علوم وقد سمعہ الشیخ مدظلہ

۲۷/ شعبان ۱۳۸۴ھ

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہفتہ میں امت کے دو مرتبہ اعمال پیش ہونا حدیث سے ثابت ہے؟

سئلت هل ورد عرض الأعمال على النبى ﷺ في اليوم مرتين؟

فأجبت بأنّه ورد ذلک في أثر منقطع ففي المدخل (١/١٢٦) لابن الحاج قال الإمام أبوعبدالله القرطبي في تذكرته ماهذا لفظه ابن المبارک أخبرنا رجل من الأنصار عن المنهال بن عمرو أنه سمع سعيد بن المسيب يقول: ليس من يوم الا وتعرض على النبي ﷺ أعمال أمته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم، فلذلک يشهد عليهم قال اللّٰه تعالىٰ: فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بک على هولاء شهيداً.

قلت: هذا الأثر أخرجه ابن المبارک في الزهد (ص: ٤٢ زوائد).

قال القرطبي: وقد تقدم أن الأعمال تعرض على اللّٰه تبارک وتعالىٰ يوم الخميس ويوم الإثنين وعلى الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة، ولاتعارض، فإنه يحتمل أن يختص نبينا عليه الصلوة والسلام بالعرض كل يوم ويوم الجمعة مع الأنبياء اهـ.

ثم رأيت الحافظ ابن كثير (١/٤٩٩) ذكره في تفسير هذه الآية عن أبي عبداللّٰه القرطبي وقال: إنه أثر فيه انقطاع فإن فيه رجلاً مبهماً لم يسم، وهو من كلام سعيد بن المسيب لم يرفعه، وقد قبله القرطبي فقال بعد إيراده وقد تقدم، فذكر كلام القرطبي المذكور.

فائده: . وقد ورد عرض أعمال الأحياء على الأموات راجع الاتحاف ١٠/٣٨٥ وفى شرح الصدور ص: ١١٠.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اضافہ

وفي الإحياء قال النعمان بن بشير سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ألا إنه، لم يبق من الدنيا إلا مثل الذباب يمور في جسوها فالله الله في إخوانكم من أهل القبور فإن أعمالكم تعرض عليهم، وفي الاتحاف قلت: ورواه ابن أبي الدنيا في كتاب المقامات،

وكـذا الـحـكيم في النوادر والبيهقي في الشعب كلّهم عن النعمان سمعت رسول الله صلى الله عـليـه وسـلـم يـقـول: الله الله فـي إخـوانكم من أهل القبور فإن أعمالكم تعرض عليهم" ورواه بـكـمـالـه أيضاً الحكيم وابن لال، ووقع في نسخة الكمال الدميري إلا مثل الذباب يمر في قِي وعلى الهامش القى الأرض الفقر الخالية. (اتحاف السادة ۱۰/۳۸۵)

بنده محمد يونس عفى عنه

دوشنبہ و پنجشنبہ میں اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آباء کے سامنے اعمال پیش ہونے کی تحقیق

صراحۃً تو یہ کسی روایت میں نہیں ملا کہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں ہاں بعض روایات میں اعمال کی پیشی کا ذکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے ملتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یوم الاثنین ویوم الخمیس میں اعمال کی پیشی کا ذکر ترمذی شریف (ص۹۳) میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں وارد ہے اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص۱۱۰) میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں انبیاء کے سامنے اعمال کی پیشی کا ذکر ہے:

قـال السيـوطـي: أخـرج الـحـكـيـم الـتـرمـذي فـي نـوادره من حديث عبدالغفور بن عـبـدالـعـزيـز عـن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ تـعـرض الأعـمـال يوم الاثنين ويوم الـخميس على الله تعالىٰ وتعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزدادوجوههم بياضا وإشراقاً، فاتقوا الله ولا تؤذوا موتاكم اھ۔

اور ابن المبارک نے کتاب الزہد میں ایک مرسل روایت نقل کی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے اعمال کی پیشی صبح وشام مذکور ہے:

قال (ص۴۲): أخبـرنـا رجـل مـن الأنـصـار عن المنهال بن عمرو أنه سمع سعيد بن الـمسيـب يـقـول: لـيـس من يوم إلا يعرض فيه على النبى ﷺ أمتـه غـدوة وعشية فيعرفهم بسيـمـاهـم وأعمالهم، فلذٰلک يشهد عليهم، يقول الله تبارک وتعالىٰ: فكيف إذاجئنا من كل أمة بشهيد وجئنابک على هؤلاء شهيدا.

ابن المبارک نے اس حدیث پر "باب فی عرض عمل الأحياء على الأموات "کا ترجمہ قائم کیا

ہے یہ حدیث ابن الحاج نے کتاب المدخل میں اور قرطبی نے تذکرہ میں نقل کی ہے لیکن یہ ایک ضعیف السند اثر ہے اس لئے کہ ابن المبارک کے استاذ مبہم ہیں اور نیز یہ سعید بن المسیب کا اثر ہے مرفوع نہیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے جمعہ کے دن بھی پیشی ہوتی ہو جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے سامنے پیشی ہوتی ہے اور مزید برآں یہ ہے کہ خاص طور سے آپ کے سامنے روزانہ صبح وشام بھی پیشی ہوتی ہوگی ابن المسیب کا اثر اور قرطبی کا کلام حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے دیکھیں ابن کثیر (۱/ ۴۹۹) اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہ مل سکا۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

والدین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کس دن اعمال کی پیشی ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کے یہاں پیر وجمعرات کو اعمال کی پیشی تو سنن کی روایت میں ہے عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ”تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم“. رواه الترمذي (۱/ ۹۳) مشكوة (ص ۱۸).

عن أسامة رأيت رسول الله ﷺ يصوم يوم الاثنين والخميس، فسألته فقال: إن الأعمال تعرض يوم الإثنين والخميس فأحب أن يرفع عملى وأنا صائم. أخرجه النسائي وأبو داود وصححه ابن خزيمه. (فتح البارى ٤/ ٢٣٦).

حضور ﷺ کے یہاں اعمال کی پیشی بعض روایات میں تو آتی ہے لیکن صرف جمعہ کو أخرج الحكيم الترمذي في نوادر الأصول من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله تعالىٰ وتعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعه فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضا وإشراقاً. فاتقوا الله! عباد الله ولاتؤذوا أمواتكم.

(التذكره ص ٥٥ وشرح الصدور ص: ١١٥) ولكن ضعف عبد الغفور. فقط.

بندہ محمد یونس عفی

رمضان المبارک میں موت ہو جانے کی فضیلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال:- رمضان المبارک میں موت واقع ہونا اس میں کیا فضیلت ہے کیا رمضان کے بعد سوال ہوگا یا نہیں؟

جواب:- تمہارے والد صاحب کا انتقال رمضان شریف میں ہوا جو رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے خاص رمضان میں وفات کی فضیلت کی کوئی حدیث اس وقت یاد نہیں۔ علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۱۳۶) میں بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جس سے رمضان کے اخیر میں یا روزہ کی حالت میں موت کی فضیلت مذکور ہے ایک حدیث بروایت ابی نعیم نقل کی ہے "من وافق موته عند انقضاء رمضان دخل الجنة".

اسی طرح ایک حدیث بروایت دیلمی نقل کی ہے:

"من مات صائماً أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة" اور لکھا ہے: "أخرج أبو نعيم عن خيثمه قال كان يعجبهم أن يموت الرجل عند خير يعمله إما حج وإما عمرة وإما غزوة وإما صيام رمضان".

مسئلہ زیارۃ القبور وشد رحال الی القبور

سوال: بزرگوں کے مزارات پر محض زیارت کی وجہ سے جانا کیسا ہے اگر جانے میں کوئی قباحت ہو تو بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ مستقل مزارات پر مثلاً سرہند شریف وغیرہ سفر کرتے ہیں اس کی کیا شکل ہے۔

جواب: زیارۃ القبور اعمال مسنونہ میں سے ہے احادیث میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کو مذکر آخرت بتایا گیا ہے اگر بزرگوں کے مزارات کی زیارت ہو تو اور بھی قابل اعتناء ہے لیکن بالقصد شد رحال الی القبور کی مجھے کوئی اصل خاص معلوم نہیں ہے ہاں زوروا القبور وغیرہ کے عموم سے استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن اس حدیث سے شد الرحال کے ثبوت میں تأمل ہے لیکن کوئی صریح ممانعت بھی ثابت نہیں ہے اس لئے کہ "شد الرحال إلى ما سوى المساجد الثلثة" سے ممانعت کی حدیث مختلف المحامل ہے لہٰذا یہ سفر بظاہر مباح ہے مگر اس طرح اسفار کی عادت بنانا اور میلہ کی شکل دینا مفاسد محتملہ کی وجہ سے بظاہر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے ہاں اگر کوئی صاحب حال ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے، ارباب فتاویٰ سے استفسار کرو۔

(شد رحال لزیارۃ القبور کا مسئلہ مختلف فیہ ہے ابومحمد الجوینی، قاضی عیاض، ابن بطہ، ابن عقیل، حنبلی، شاہ ولی اللہ منع کرتے ہیں قاضی حسین بغوی کے استاذ نے اسی طرف کچھ اشارہ کیا ہے، لیکن امام الحرمین، امام غزالی، ابوالحسن بن عبدوس الحرانی، علامہ موفق الدین بن قدامۃ الحنبلی (١٠٣/٢) شمس الدین ابن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی (٩٣/٢) جواز کے قائل ہیں امام نووی فرماتے ہیں (٤٣٣): وهو الصحيح عند أصحابنا يعني الشافعية واختاره المحققون .اهـ ومال ابن تيمية في الاقتضاء ٣٢٨ إلى المنع).

محمد یونس عفی عنہ ١٥ر محرم ١٣٩٩ھ

مردوں کو زیارت کرنے والے کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال:- اپنے قبرستان میں جاتے ہیں تو دوتین کے بعد ان کو پتہ چلتا ہے کہ میرا فلاں رشتہ دار آیا اور اس نے مجھ پر یہ پڑھا۔ (کیا یہ صحیح ہے؟)

جواب: -تمہاری خاص مسئول حدیث تو نہیں ملی علامہ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں متعدد حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جس میں قدر مشترک یہ مضمون ہے کہ مردوں کو زیارت کرنے والے کا علم ہوتا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

ایصال ثواب کی بابت محققین کا مسلک

سوال:- بہترین ذکر کون سا ہے جو زیادہ مفید ہو (میت) کے واسطے۔

جواب:- مردوں کے لئے دعاء واستغفار اور صدقہ کرنا باتفاق اہلِ حق مفید ہے، عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے حنفیہ وحنابلہ وصول کے قائل ہیں یہی مالکیہ کا ایک قول ہے، اور متاخرین شافعیہ میں سے بعض جواز کے قائل ہیں علامہ ابن القیمؒ نے الروح میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور مثبتین کے قول کو ثابت و محقق قرار دیا ہے بہرحال متفق علیہ مختلف فیہ سے افضل ہے لیکن ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ میت کے لئے بے حد مفید ہے اور مجرب بھی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

ایصال ثواب کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے یا صرف نیت کافی ہے

ثم ههنا مسئلة أخرى ينبغي الاشارة إليها وهي هل يشترط في وصول الثواب أن

يهديه بلفظ أم يكفي في حصوله مجرد نية العامل أن يهديها إلى الغير.

قال ابن القيم في كتاب الروح (٢٤٦) قيل: السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة ولم يقل لفاعل ذلک قل: اللّٰهم هذا عن فلان بن فلان، واللّٰه سبحانه يعلم نية العبد وقصده بعمله فإن ذكره جاز، وإن ترک ذكره واكتفى بالنية والقصد وصل إليه.

(راجع الاتحاف ١٠/٣٧٣)

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کا حکم

وههنا مسئلة أخرى وهي الإهداء إلى رسول الله ﷺ؟

فيها اختلاف، فمن المتأخرين من استحب، كالسبكي والحافظ ابن حجر وابن حجر المكي، وإليه يشير كلام الحليمي والبيهقي والنووي وابن الهمام وغيرهم، ومنهم من أنكره كشيخ الإسلام ابن تيمية وشيخ الإسلام السراج البلقيني وولده شيخ الإسلام علم الدين والشيخ الإمام ابن القيم وغيرهم.

راجع كتاب الروح (٢٢٩) والفتاوىٰ الحديثيه (ص: ٨تا١٤).

بندہ محمد یونس عفی عنہ

قرأت قرآن کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کی تحقیق دلائل کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قراءت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ وامام شافعیؒ انکار فرماتے ہیں، حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ قراءت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور یہی حضرت امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے اور یہی متاخرین مالکیہ ومتأخرین شافعیہ کے نزدیک مختار، بلکہ علامہ ابن القیم اور علامہ سیوطی نے جمہور سلف سے یہی نقل فرمایا ہے کہ قراءت کا ثواب پہنچتا ہے۔ جو حضرات عدم وصول ثواب کے قائل ہیں،

وہ آیۃ کریمہ ﴿وَأنْ لَيْـسَ لِـلإنْسَـانِ إلا مَا سَعٰى﴾ سے استدلال کرتے ہیں کہ نص قرآنی ہے کہ انسان کو صرف اسکی سعی وعمل کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح حدیث أبي هريره قال: قال رسول الله ﷺ ’’إذا مـات الإنسـان انـقـطـع عـمله إلا من ثلثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يـدعـو لــه ‘‘(رواه مسـلـم وأبـوداؤد والتـرمـذي والـنسـائـی والبخاري في الأدب المفرد والدارمي وابن الجارود والبيهقي) سے استدلال کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

’’هذه الثلثة في الحقيقة هي من سعيه وكده وعمله كما جاء في الحديث :’’إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإن ولده من كسبه ‘‘.

قـلـت: أخـرجـه أبو داؤد والدارمي والبخاري في التاريخ والإمام أحمد وغيرهم من حـديـث عـائشة ’’والـصـدقة الـجـارية كـالوقف ونحوه هي من آثار عمله ووقفه‘‘ وقد قال تـعـالـى: ﴿إنَّا نَحْنُ نُحْيِي المَوتٰى وَنَكتُب مَا قَدمُوا وآثارهُم﴾الآية. والعلم الذي نشره في الـناس فاقتدى به الناس بعده هو أيضًا من سعيه وعمله ، وثبت في الصحيح :’’من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه من غير أن ينقص من أجو رهم شيئا ‘‘.

قلت : رواه مسلم ، وغيره كما في الترغيب (١/ ٣٦) من حديث أبي هريرة .

تـرجـمـه: یہ تینوں (صدقۂ جاریہ، علم نافع، ولد صالح) فی الحقیقت اس کی کوشش، اس کی مشقت اور اس کے عمل کا نتیجہ ہیں) جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: ’’سب سے پاک چیز جس کو آدمی کھائے وہ اس کی کمائی ہے اور اس کی اولاد اس کی کمائی میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ابوداؤد اور دارمی اور بخاری نے تاریخ میں اور امام احمد وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے اور صدقہ جاریہ جیسے وقف اور اس کے مثل، یہ بھی اس کے عمل ووقف کے آثار ہیں حق تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ’’یقیناً ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے ہیں ان کے اگلے اعمال اور ان کے آثار (پچھلے اعمال کو‘‘ ۔الآیۃ ۔) اور وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر واشاعت کی ہے پھر لوگوں نے اس کے بعد اس کی اقتداء کی وہ اس کی سعی وعمل میں سے ہے، صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ جس نے ہدایت کی باتوں کی طرف دعوت دی اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب دیا جائے گا جس نے اسکا اتباع کیا اور ان کے اجور میں سے کچھ کم بھی نہ کریں گے۔ میں کہتا ہوں: یہ حدیث روایت کی امام مسلمؒ وغیرہ نے جیسا کہ ترغیب میں ہے‘‘۔

مانعین کے مستدلات کے جوابات

حافظ ابن کثیرؒ شافعی ہیں انھوں نے اپنے مذہب کے موافق یہ ثابت فرمایا ہے کہ آیۂ کریمہ ﴿ وَأنْ لَيْسَ لِلإنْسَانِ إلَّا مَا سَعٰى ﴾ اپنے عموم پر ہے اور حدیث، آیت کے عموم کے منافی نہیں ہے، بلکہ تینوں امور مذکورہ فی الحدیث سعی انسان میں داخل ہیں۔ جمہور نے آیۂ کریمہ کے محامل کثیرہ بیان فرمائے ہیں اور متعدد جوابات دئے ہیں جیسا کہ شراح حدیث وفقہاء رحمہم اللہ نے بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔

پہلا جواب: منجملہ انھیں جوابات کے ایک جواب یہ بھی ہے کہ آیۂ کریمہ میں سعی کا لفظ وارد ہے اور یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے سعی بلاواسطہ اور سعی بالواسطہ دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا جس طرح سعی بلاواسطہ اس کو نافع ہوگی، اسی طرح سعی بالواسطہ بھی اسکو نافع ہوگی۔ سعی بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص خود اعمال خیر کرے، اور سعی بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ خود تو براہ راست نہیں کیا مگر وہ شخص ان اعمال صالحہ کے وجود کا سبب بن گیا، جیسے: لڑکے کے اعمال صالحہ لڑکے سے صادر ہوتے ہیں اور لڑکا باپ کی وجہ سے وجود میں آیا۔ اسی طرح کوئی شخص اسکے لئے قرآن پڑھتا ہے، یا دعا کرتا ہے اسوجہ سے کہ دونوں میں دوستی تھی، تو یہ دعا وغیرہ دوستی کے سبب سے ہوئی، اور دوستی اس شخص کا فعل ہے جس کے لئے قراءت ودعا کی جاتی ہے اسی طرح کوئی شخص جملہ مومنین کے لئے دعا کرتا ہے یا ان کے لے ایصال ثوابِ قرآن کرتا ہے اس لئے کہ وہ مومن ہیں تو یہاں یہ قراءت ودعا اسکی سعی بالواسطہ میں داخل ہوگئیں کیونکہ یہ دعا وقراءت اسکے ایمان کی وجہ سے وجود میں آئیں اور ایمان اس مومن کا عمل ہے لہٰذا جتنے اعمال بھی اس کے لئے کئے جائیں وہ ساری اسکی سعی سے سمجھے جائیں گے، کیونکہ وہ شخص ان اعمال کا سبب بنا لہٰذا کوئی قراءت ودعا بھی آیت کریمہ کے عموم سے خارج نہ ہوگی، اور آیت کریمہ عین موافق مذہب ہوگی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ قرآن کریم نے انتفاع کی نفی نہیں فرمائی ہے کہ کوئی شخص کسی کے عمل سے نفع حاصل نہیں کرسکتا ہے، بلکہ ملکیت کی نفی فرمائی ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کا مملوک نہیں ہوسکتا ہے اور دونوں میں بون بعید ہے، یہ ممکن ہے کہ ایک شے مملوک کسی اور کی ہو اور اس سے دوسرا شخص نفع حاصل کرتا ہو جیسا کہ کوئی شخص کسی کو عاریۃً دیدے تو اصل مالک عاریت دینے والا ہوگا اور نفع حاصل کرنے والا وہ ہوگا جس نے عاریت لی ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رحمہ اللہ اسی جواب کو پسند

فرماتے تھےاور ترجیح دیتے تھے۔

تیسراجواب : یہ ہے کہ یہ: آیۂ کریمہ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِیَّتُهُمْ بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ﴾ سے منسوخ ہے۔ حضرت گنگوہیؒ لطائف رشیدیہ ص ۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

''آیت﴿ وَأَنْ لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰی ﴾الآیة. مطلقاً نفع غیر کی نفی کے لیے ہے، خواہ نیابۃً یا ہبۃً خواہ تسبباً اور دیگر آیات قطعیہ سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، مثلاً: ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ﴾الآیة. سورۂ طور کی آیت کہ آباء کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ترقیٔ درجات اولاد کی منصوص ہے اور وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ سے بسبب استغفار کسی کے رفع سیئات اور رفع درجات منصوص ہے پس قطعی کو قطعی سے یہاں مقید کرنا ہے اور وصول ثواب عبادت مالیہ تمام امت مقبولہ کا مجمع علیہ فیصلہ ہے۔ اور اسکے اثبات میں احادیث کثیرہ کہ حد تواتر معنوی کو پہونچ گئی ہیں موجود ہیں اور وصول ثواب بدنیہ میں بھی روایات کثیرہ ہیں کہ جمع کی جاویں تو تواتر کو پہنچ جاویں سوایسے موقع پر قطعی کو قطعی سے تخصیص یا نسخ کیا گیا ہے۔ آیت ہو، یا حدیثِ متواتر و مشہور مع ہذا آیت ﴿وَأَنْ لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰی ﴾کا ایسا ترجمہ ہوسکتا ہے کہ حاجت تقیید کی نہ ہو کہ ''مــا ســعــی'' مطلق ہے اس سے کہ خود سعی ہو یا باعث نفع عمل غیر کا ہو یعنی اسلام وایمان کہ اگر سعی ایمانی اسلامی ہو تو دوسرے کے عمل سے نفع ہوگا۔ ورنہ حالت کفر میں نفع نہ ہوگا چنانچہ یہ ترجمہ بعض مفسرین نے لکھا ہے اور آیت﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴾سے یہ واضح ہوتا ہے، پس جب معنی اس آیت کے یہ ہوئے تو اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہوگا، اور ماسبق میں کافر کو خطاب بھی ہے۔ انتہیٰ۔

اس کے علاوہ آیت کے دسیوں جوابات دیئے گئے ہیں اور حدیث''إذا مــات الإنســان انـقـطـع عـمـلــه ''الحدیث، کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انقطاع کیساتھ متصف عمل انسان ہے۔ نہ کہ انتفاع کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے انقطع انتفاعه نہیں فرمایا، بلکہ اسکے انقطاع عمل کی خبر دی اور دوسرے کا عمل اس عامل کا ہوگا۔ اگر وہ عامل اپنے عمل کا ثواب اس میت کو ہبہ کردے تو اسکو عمل عامل کا ثواب ہو۔ نہ کہ اس مرنے والے کا ثواب تو منقطع کوئی شے ہے اور واصل کوئی اور شئی ہے حافظ ابن قیم نے یہی جواب دیا ہے۔

مثبتین کے دلائل

اس کے بعد جو حضرات وصولِ ثواب قراءت کے قائل ہیں وہ احادیث وآ ثار و قیاس واعتبار سے استدلال کرتے ہیں اس باب میں جو احادیث ہم کو معلوم ہوئی ہیں ہم انکو درج کرتے ہیں۔

الحديث الأول:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: "من مر بين المقابر فقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات".

أخرجه أبو بكر النجار في كتاب السنن كما في العيني شرح البخارى والدار قطني كما في البناية شرح الهداية للعيني أيضاً، وشرح النقاية للقاري وأبو محمد السمر قندي في فضائل ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَد﴾ كما في شرح الصدور وفي الإتحاف رواه النسائي والرافعي في تاريخه وأبو محمد السمرقندي في فضائل سورة الإخلاص.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں گزرے پھر گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللهُ أحد پڑھے پھر اسکا ثواب مردوں کو بخشدے تو اسکو مردوں کی تعداد کے موافق ثواب دیا جائے گا۔

الحديث الثاني :

عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس خفف الله عنهم، وكان له بعدد من فيها حسنات "أخرجه عبد العزيز صاحب الخلال كما في شرح الصدور والمظهري وأبوبكر النجار كما في عمد ة القاري.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ یٰس پڑھے اللہ تعالی مردوں سے تخفیف فرماتے ہیں اور اسکے لئے قبرستان کے مردوں کے عدد کے برابر نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔

الحديث الثالث :

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من دخل المقابر ثم قرأ "فاتحة

الـكتـاب" و" قـل هو الله أحد " و " ألهٰكم التكاثر" ثم قال أللهم إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامک لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالى ".

أخـرجـه أبـو الـقـاسـم سـعـد بـن عـلـي الـزنجاني في فوائده كما في شرح الصدور والمظهري .

تـرجـمـه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ فاتحہ اور "قل هو الله أحد" اور "إلهٰكم التكاثر" پڑھے پھر کہے یا اللہ میں نے جو کچھ کہ تیرا کلام پڑھا اسکا ثواب قبرستان والوں کیلئے جو مومن مرد، عورت ہیں بخشد یا تو وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اسکی سفارش کرنے والے ہونگے۔

الحديث الرابع :

عـن أبـي بـكـر الـصـديق رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ: "مـن زار قبـر والديه أوأحد هما فقرأ عندهما أوعنده يٓس غُفِرَ لهٗ ".

رواه أبـوبـكـر النجار في السنن كما في العيني شرح البخاري وابن عدي في الكامل كـمـا فـي الـجـامـع الصغير ورقم له السيوطي بالضعف، قال المناوي في التيسير في شرح الـجامع الصغير: فيه أن الميت تنفع القراء ة عـنـده وكذا الدعاء والصدقة ولاينافيه ﴿وأن ليـس لـلإنسـان إلا مـا سعى﴾ لأن المعنى لاأجرللإنسان إلا أجر عمله، كما لاوزر عليه إلا وزر عـمـلـه، وما يصل الإنسان ليس من قبيل الأجر على العمل فلا يرد نقضا . انتهى . هذا الحديث غير ثابت.

تـرجـمـه: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے پھر دونوں کے پاس سورۂ یٓس پڑھے، اسکی مغفرت کردی جائے گی۔

عـن الشـعـبـي قـال: كـانـت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرأون له القرآن.

أخرجه الخلال كما في كتاب الروح لابن القيم وشرح الصدور للسيوطي .

تـرجـمـه: شعبی سے منقول ہے کہ حضرات انصار کا جب کوئی قریبی مرجاتا تو اس کی قبر پر آتے جاتے

اس کے لئے قرآن پڑھتے تھے۔روایت کیا ہے اس کو خلال نے جیسا کہ ابن قیم کی کتاب الروح اور سیوطی کی شرح الصدور میں ہے۔

فائدہ : اس اثر سے انصار کا یہ عام عمل معلوم ہوتا ہے۔

عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة فوضعت رأسي على قبر، فنمت فرأيت أهل المقابر حلقة حلقة فقلت: قامت القيا مة قالوا: لا ولكن رجل من إخواننا قرأ "قل هو الله أحد" وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة.

أخرجه القاضي أبو بكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته كما في شرح الصدور وغيره.

ترجمہ: سلمہ بن عبید سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ حماد مکی نے کہا کہ میں ایک رات مقابر مکہ کی طرف گیا پھر اپنا سر ایک قبر پر رکھ کر سو گیا پھر میں نے دیکھا کہ قبرستان کے مردے حلقہ حلقہ بنائے ہوئے ہیں، میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ کہنے لگے نہیں، لیکن ایک آدمی نے ہمارے بھائیوں میں سے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد﴾ پڑھا ہے، اور اسکا ثواب ہمیں بخش دیا ہے ہم اس کو ایک سال سے تقسیم کر رہے ہیں نقل کیا ہے اس کو قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری نے اپنے مشیخہ میں جیسا کہ شرح الصدور میں ہے۔

علامہ کبیر حافظ جلال الدین سیوطی ان احادیث و آثار کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهي وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدل على أن لذلك أصلا. انتهى.

یہ روایات اگر چہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اس کی کوئی اصل ہے، اور اس کے علاوہ بھی احادیث اس باب میں وارد ہیں۔

عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج ، عن أبيه قال قال لي أبي اللجلاج أبو خالد: يا بني! إذا أنا مت فالحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: "بسم الله وعلى ملة رسول الله" ثم شنّ علي التراب شَنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك.

أخرجه الطبراني في الكبير كما في نصب الراية (ص: ۳۰۲) ومجمع الزوائد وابن رسلان والتلخيص الحبير، قال الهيثمي: رجاله موثقون . وقال النيموي إسناده صحيح .

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج سے منقول ہے کہ وہ اپنے باپ علاء سے نقل کرتے ہیں کہ کہا علاء نے کہ کہا مجھے میرے باپ ابوخالد لجلاج نے: اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میرے لئے لحد کھود پھر جب تو مجھ کو میری لحد میں رکھنے لگے، تو کہہ ''**بسم اللہ وعلیٰ مِلَّةِ رسول اللہ**'' پھر میرے اوپر خوب مٹی ڈال دے پھر میرے سر کے پاس سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا یہ فرمارہے تھے۔

روایت کیا طبرانی نے معجم کبیر سے جیسا کہ نصب الرایہ مجمع الزوائد اور ابن رسلان اور تلخیص حبیر میں ہے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند کی رواۃ کی توثیق کی گئی ہے اور علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

وأخرج البيهقي في السنن الكبرى ٥٦/٤ عن عبدالرحمن ابن العلاء بن اللجاج عن أبيه أنه قال لبنيه: إذا أدخلتمونى في قبري فضعونى فى اللحد وقولوا: بسم الله وعلى ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنوا على التراب سنا واقرأوا عند راسى أول البقرة وخاتمتها فإني رأيت ابن عمر يستحب ذلك.

وهكذا أخرجه الخلال في الجامع كما فى كتاب الروح لابن القيم و الطبراني كما فى شرح الصدور ص:٤٣.

ترجمہ: اور بیہقی نے سنن کبری میں عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج سے روایت کیا ہے انھوں نے اپنے باپ علاء سے نقل کیا کہ علاء نے اپنے بیٹوں سے کہا جب تم مجھ کو میری قبر میں داخل کرو تو مجھ کو لحد میں رکھو اور کہو **بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ**۔ اور مجھ پر خوب مٹی ڈالدو۔ اور میرے سر کے پاس سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھو، کیوں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا وہ اس کو مستحب سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح روایت کیا اس کو خلال نے جامع میں جیسا کہ ابن القیم کی کتاب الروح میں ہے۔ اور طبرانی نے جیسا کہ شرح الصدور میں ہے۔

وعن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة سورة البقرة. رواه البيهقي في شعب الإيمان، وقال: والصحيح أنه موقوف عليه. كذا في المشكوة (ص:١٤٩).

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے تو اس کو روکو مت۔ اور اس کو جلدی اسکی قبر کی طرف لے جاؤ (یعنی جلدی سے دفن

کرو) اور اسکے سر کے پاس سورۂ بقرہ کا شروع اور اس کے پیروں کی جانب سورۂ بقرہ کا آخر پڑھا جائے۔

روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر پر موقوف ہے، یعنی ان کا قول ہے۔اسی طرح مشکوۃ میں ہے۔

اگر چہ یہ حدیث بیہقی کی رائے کے موافق ابن عمر کا قول ہے، مگر غیر مدرک بالرائے ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

اگر ان روایات و آثار کو بغور دیکھا جائے تو صاف طور سے واضح ہوجاتا ہے کہ قراءت قرآن للمیت حضور اقدس ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے منقول ہے لہٰذا اس کا انکار مکابرہ ہوگا۔

علامہ ابن القیم کتاب الروح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

قال الخلال: أخبرني الحسن بن أحمد الوراق ثني علي بن موسى الحداد – وكان صدوقا – قال: كنت مع أحمد بن حنبل ومحمد بن قدامة الجوهري في جنازة فلما دفن الميت جلس رجل ضرير يقرأ عند القبر فقال له أحمد يا هٰذا ! إن القراء ة عند القبر بدعة . فلما خرجنا من المقابر قال محمد بن قدامه لأحمد بن حنبل: يا أبا عبد الله ما تقول فيمبشر الحلبي ؟ قال: ثقة .قال : كتبت عنه شيئا؟ قال: نعم . قال فأخبر ني مبشر عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه "أنه أوصى إذا دفن أن يقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وخاتمتها، وقال : سمعت ابن عمر يوصي بذلک، فقال له أحمد. فارجع وقل للرجل يقرأ".

ترجمہ: کہا خلال نے خبر دی مجھکو حسن بن احمد وراق نے کہ بیان کیا مجھ سے علی بن موسی حداد نے اور وہ سچے آدمی ہیں کہا علی بن موسی نے کہ میں احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھا، پس جب میت دفن کر دی گئی ایک اندھا قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے لگا تو اس سے احمد بن حنبل نے کہا کہ اے آدمی! قبر کے پاس قراءت بدعت ہے، پس جب ہم قبرستان سے نکلے، تو محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ (یہ امام احمد کی کنیت ہے) آپ مبشر حلبی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: ثقہ ہیں۔محمد بن قدامہ نے کہا: تم نے اس سے کچھ لکھا (بھی ہے) فرمایا ہاں محمد بن قدامہ نے کہا کہ خبر دی مجھ کو مبشر نے عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج سے ان کے والد علاء سے کہ علاء نے وصیت کی کہ جب دفن کئے جائیں تو ان کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر کو سنا اس کی وصیت

فرمارہے تھے۔ پس ان سے احمد بن حنبل نے کہا تو لوٹ جاؤ اور اس مرد سے کہو کہ پڑھے۔

البتہ بندے کا خیال یہ ہے کہ قران شریف پڑھ کر زبان سے یہ کہد یا جائے کہ اللہ اسکا ثواب فلاں کو پہونچادیجئے، کیونکہ بعض علماء یہی فرماتے ہیں اور یہ عقلی بات بھی ہے کہ قرآن کا ثواب حاصل ہونا چاہئے، کیونکہ جیسے اور عبادات کا ثواب پہنچتا ہے ویسے قراءت کا بھی ایک عبادت ہونے کی حیثیت سے پہنچنا چاہئے، باقی آئیۂ کریمہ کا جواب لکھا جاچکا، وہ ایصال ثواب قرآن کے مخالف نہیں ہے، بلکہ جمہور سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسئلہ ایصال ثواب للأموات کی تحقیق

في وصول ثواب القراء ة إلى الميت اختلاف بين العلماء فمذهبنا و مذهب الإمام أحمد جوازه، وعزاه ابن القيم في كتاب الروح ص: ۱۸۹ لجمهور السلف، وبه قال بعض أصحاب الشافعي كما قال النووي ۱۳/۱، والمشهور من مذهب الشافعي و مالك أن ذلك لايصل كما قال ابن القيم، وقال السيوطي في شرح الصدور ص: ۴۰۹: "جمهور السلف والائمة الثلثة على الوصول، وخالف في ذلك الشافعي اهـ وفي العرف الشذي ص: ۴۹۶ في "باب ما جاء في المتصدق يرث صدقته" ثم أفتى الشافعية بجواز إهداء ثواب التلاوة". اهـ.

واستدل المانعون بقوله تعالىٰ "لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إلَّا مَا سَعٰى" وبقوله صلى الله عليه وسلم: إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلامن ثلث صدقة جارية أو علم ينتفع به أوولد صالح يدعوله.

رواه مسلم وغيره

وأجاب المثبتون عن الآية بأجوبة بسطها العيني ۸۷۶/۱ وابن القيم وغيرهما كالسيوطي في شرح الصدور ص: ۲۰۹، والزبيدي في الاتحاف ۳۷۲/۱۰ منها: أنه ليس له إلاسعيه غير أن الاسباب مختلفة فتارة يكون سعيه في تحصيل الشي بنفسه وتارة يكون سعيه في تحصيل سببه مثل سعيه في تحصيل قراء ة ولده يترحم عليه وصديق يستغفرله وتارة يسعى في خدمة الدين والعبادة فيكتسب محبة أهل الدين فيكون ذلك سبباً حصل بسعيه.

حكاه أبوالفرج عن شيخه ابن الزاغونى ذكره العينى.

قال ابن القيم ص: ۲۰۵، قال أبوالوفاء بن عقيل: الجواب الجيد عندي أن يقال:

الإنسـان بسـعيـه و حسـن عشـرته اكتسب الاصدقاء و أولـد الأولاد ونكح الأوزاج و أسدي الخير وتودد إلى الناس فترحموا عليه و أهدوا له العبادات و كان ذلک أثر سعيه كما قال ﷺ: إن أطيب ما أكل الرجل من كسبهوإن ولده من كسبه.

قـلت: أخرجه أحمد ٣١/٦ والبخاري في التاريخ ٤٠٧/١ وأبو داود والدارمي وحمزة بـن يـوسف فـي تاريخ جرجان وغيرهم يدل عليه قوله ﷺ فـي الـحديث الآخر: إذا مات العبد انـقطع عمله إلا من ثلث: علم ينتفع به من بعده وصدقة جارية عليه أوولد صالح يدعوله" ومن هنا قال الشافعي إذا بذل له ولده طاقة الحج كان ذلک سبباً لوجوب الحج عليه حتى كأنه في ماله زاد وراحلة بخلاف بذل الأجنبى.

قـال ابـن الـقيـم: وهـذا جـواب متـوسـط يحتاج إلى تـمام، فإن العبد بإيمانه و طاعته لله ورسـولـه قد سعي في انتفاعه بعمل إخوانه المومنين مع عملهٖ كما ينتفع بعملهم في الحيوة مع عـمـلـه، فـإن المؤمنين ينتفع بعضهم بعمل بعض في الأعمال التي يشتركون فيها كالصلوة في جـمـاعة، فـإن كل واحد منهم تضاعف صلوته إلى سبعة و عشرين ضعفا لمشاركة غيره له في الـصـلـوة، فعمل غيره كان سبباً لزيادة أجره كما أن عمله سبب لزيادة أجر الآخر، بل قد قيل: إن الصلو ة يـضـاعـف ثـوابهـا بـعـدد المصلين وكذلک اشتراكهم فى الجهاد والحج والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والتعاون على البر والتقوى، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم "الـمـومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضاً وشبک بين أصابعه" ومعلوم أن هذا بأمور الدين أولى منه بأمور الدنيا، فدخول المسلم مع جملة المسلمين في عقد الإسلام من أعظم الأسباب فـي وصـول نفع كل من المسلمين إلى صاحبه في حيوته وبعد مماته، ودعوة المسلمين تحيط مـن ورائهـم، وقـد أخبـر الله سبـحـانـه عـن حملة العرش ومن حوله أنهم يستغفرون للمؤمنين ويـدعـون لهـم، وأخبـر عـن دعـاء رسـله واستغفار هم للمؤمنين كنوح وإبراهيم ومحمد ﷺ، فـالـعبـد بـإيـمـانه قد تسبب إلى وصول هذا الدعاء إليه فكأنه إن الله سبحانه جعل الإعادة سببا لانتـفـا ع صاحبه بدعاء إخوانه من المؤمنين وسعيهم، فإذا أتى به فقد سعى به في السبب الذي يـوصل إليه ذلک وقد دل على ذلک، قول النبى ﷺ لـعمر وبن العاص: إن أباک لو كان أقر بـالتـوحيـد نـفعه ذلک يعني العتق الذي فعل عنه بعد موته، فلو أتى بالسبب لكان قد سعي في عمل يوصل إليه ثواب العتق.

قال: وهذه طريقة لطيفة حسنة جدا.

ومنها: إن القرآن لم ينف انتفاع الرجل يسعى له غيره و إنـما نفي ملكه لغير سعيه وبين الأمرين مالايخفى، فأخبر تعالىٰ أنـه لايملک الا سعيه وأما سعي غيره فهو ملک لساعيه، فان شاء أن يبذله لغيره، و إن شاء أن يبقيه لنفسه وهو سبحانه لم يقل: لاينتفع الا بما سعى قال ابن القيم : وكان شيخنا يعنى شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله تعالىٰ يختار هذه الطريقة ويرجحها.

قلت: حكى لي بعضهم عن بعض المشائخ وهو العارف الكبير والمحدث الشهير رشيد أحمد الجنجوهي – رحمه الله تعالىٰ –: إن المراد بالسعي في الآية الإيمان وللآية أجوبه، كثيرة مبسوطة في المطولات، وفي هذا القدر كفاية إن شاء الله العزيز للطالب اللبيب.

وأما الجواب عما استدلوابه من قوله صلى الله عليه وسلم: إذا مات ابن آدم انقطع عمله الحديث.

فإن المتصف بالانقطاع العمل لا الانتفاع، فإنه ﷺ لم يقل: انقطع انتفاعه وإنما أخبر عن انقطاع عمله وأما عمل غيره فهو عامله، فان وهبه له فقد وصل إليه ثواب عمل العامل لاثواب عمله هو، فالمنقطع شيء والواصل إليه شيء آخر، قاله ابن القيم، وأجاب ابن القيم عن كل دليلٍ دليلٍ للمانعين.

وأما المثبتون من أصحاب أبي حنيفة وأحمد فاستدلوا بالمنقول والمعقول، أما المنقول فقال العيني في شرح البخاري ١/٨٧٥ روى أبو بكر النجار في كتاب السنن قلت: حديث علي هذا أخرجه أبو محمد السمرقندي في فضائل "قل هو الله أحد" كما فى شرح الصدور والرافعي كما في كنز العمال ومنتخبه وفي الاتحاف ١٠/٣٧١، رواه النسائي و الرافعي في تاريخه وأبو محمد السمرقندي في فضائل سورة الإخلاص عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبى ﷺ قال من مربين المقابر فقرأ "قل هوالله أحد" إحدى عشرة مرة ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات و في سننه أيضاً عن أنس يرفعه: "من دخل المقابر فقرأ. سورة يٰس، خفف الله عنهم يومئذ".

وعن أبي بكر الصديق رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من زار قبر والديه أو أحدهما فقرأ عندهما أو عنده "يٰس" غفرله.

وأما المعقول فلأن ثواب الصلوة والصوم والحج والصدقة يصل إلى الميت فأي شيء يمنع عن وصول ثواب القراءة إليه فكما أن الصوم والصلوة وغيرهما من أعمال البر يصل ثوابه فكذلك يصل ثواب القراءة أيضاً فإنها أيضاً أحد أعمال البر.

قال ابن القيم في كتاب الروح ص: ٢٢٩ وسر المسئلة أن الثواب ملك للعامل فإذا تبرع به وأهداه إلى أخيه المسلم أوصله الله إليه، فما الذي خص من هذا ثواب قراءة القرآن وحجر على العبد أن يوصله إلى أخيه. اهـ. والله اعلم.

محمد یونس عفی عنہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

ثم وقفت على حديث آخر فى الباب قال البيهقى فى سننه الكبير ٥٦/٤، أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا العباس بن محمد قال: سألت يحيى بن معين عن القراءة عند القبر فقال: حدثنا مبشر بن اسمٰعيل الحلبي.

أخرجه الخلال في الجامع كما في كتاب الروح ص: ١٣، عن العباس بن محمد الدوري عن يحيى بن معين به.

عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه أنه قال: قال لي أبي اللجلاج أبو خالد يا بني! إذا أنا مت فالحد ني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله ثم، شن علي التراب شَنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول.

”كذا في نصب الراية ص: ٣٠٢ قال الهيثمي في المجمع: رجاله موثقون .وقال النيموي في آثارالسنن ج ٢ص ١٢٥ إسناده صحيح“ .

قلت: و له شاهد أخرجه الطبراني والبيهقي في الشعب عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب، ولفظ البيهقى: فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة سورة البقرة فى قبره قال النيموي ص: ١٢٥ : قال البيهقى: والصحيح أنه موقوف عليه، وكذا قال قبله صاحب المشكوة ص ١٤٩، قلت: وفى الباب أحاديث أخر.

بندہ محمد یونس عفی عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

باب (٦)

کتاب الانبیاء

انبیاء علیہم السلام اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات

حضرات انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی صغائر وکبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں

عصمت انبیاء کی سات دلیلیں

ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

حضرات انبیاء کی عصمت کے سلسلے میں ہم پہلے جواب میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضرات محققین کی رائے یہ ہیکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ بالکلیہ معصوم ہیں اور ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی کیا تحریر فرماتے ہیں، حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر (تحت قوله تعالیٰ فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه) سورۃ البقرۃ ص ۱/۴۰۸، میں اور كتاب الأربعين في أصول الدين ص ۳۳۰، اور اپنی دیگر تالیفات میں۔ اسی طرح قاضی بیضاوی نے اور قاضی عضد الدین نے مواقف میں اور سید شریف وغیرہ نے شرح مواقف (ص ۳۶۳ ج ۸) اور حافظ ابن حزم الظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۲/۴، میں اور دوسرے علماء نے اس مسئلے پر مفصل کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ ذکر فرمائے ہیں اور مخالفین کے جوابات تحریر کئے ہیں ان میں سے ہم صرف سات دلیلیں تحریر کرتے ہیں، واللہ الموفق الهادي إلى السبيل القويم.

الدليل الأول:

لو صدر الذنب عنهم لكانوا أقل درجة من عصاة الأمة، وذٰلک غير جائز.

بيـان الـمـلازمة أن درجة الأنبيـاء كـانـت فـي غاية الجلال والشرف، وكل من كان كـذلک كـان صـدور الـذنب عنه أفحش، ألا ترى إلى قوله تعالىٰ: " يا نساء النبي من يأت مـنـكـن بـفـاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين" والمحصن يرجم، وغيره يحدُّ، وحد العبد نصف حد الحر، وأما أنه لايجوز أن يكون النبي أقل حالا من الأمة فذاک بالإجماع.

ترجمہ دلیل اوّل:

اگر حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے گناہ صادر ہوتو امت کے گنہگاروں سے (بھی) درجہ میں کم ہوں گے اور یہ جائز نہیں اس لزوم کی تقریر یہ ہے کہ حضرات انبیاء کا درجہ انتہائی جلیل القدر اور ذی شرف ہے اور جو بھی ایسا ہوگا اس سے گناہ کا صادر ہونا نہایت فحش ہوگا کیا تم اللہ تعالی کا ارشاد عالی نہیں دیکھتے (فرماتے ہیں) اے نبی (ﷺ) کی بیویاں جو کوئی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی اس کو دوہری سزادی جائے گی اور محصن کو رجم کیا جاتا ہے اور غیر محصن پر حد لگائی جاتی ہے اور غلام کی حد حر کی حد کا نصف ہے بہرحال نبی امت سے کم مرتبہ میں نہیں ہوسکتا ہے تو یہ بات باتفاق ثابت ہے۔

الدليل الثاني:

قـولـه تـعـالـى ﴿وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الأَخْيَارِ﴾ وهذا يتناول جميع الأفعال والتـروک بـدليـل جواز الا ستثناء، فيقال: فلان من المصطفين الأخيارإلا في الفعلة الفلانية، والاستثنـاء يـخـرج مـن الـكـلام مالولاه لَدَخلَ تحته، فثبت أنهم كانوا أخياراً في كل الأمور وذلک ينافي صدور الذنب عنهم، وقال تعالىٰ ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلائِكَةِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ﴾ ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوْحاً وَآلَ إِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ وقال في إبراهيم ﴿لَقَدِ اصْـطَـفَيْـنَـاهُ فِيْ الدُّنْيَا﴾ وقال في موسى ﴿إِنِّي اصْطَفَيْتُکَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالاتِيْ وَبِكَلامِيْ﴾ وقـال ﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ أولِيْ الأَيْدِيْ وَالاَبْصَارِ، إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ، وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الأَخْيَارِ﴾ فكل هذه الآيات دالة على كونهم موصوفين بالإصطفاء والخيرية وذلک ينافي صدور الذنب عنهم.

ترجمہ دلیل ثانی:

اللہ تعالی کا ارشاد عالی "وإنهم عندنا لِمَن المصطَفيْن الأخيَار" ہے اور یہ ارشاد سارے کرنے نہ کرنے کی باتوں کو شامل ہے بدلیل جواز استثناء کے سو کہا جاتا ہے فلاں شخص اچھے منتخب لوگوں میں سے ہے مگر فلاں فعل میں (یعنی اس میں نہیں ہے) اور استثناء کلام سے نکالتا ہے اس امر کو کہ اگر استثناء نہ ہوتا تو وہ امر کلام میں داخل ہو جاتا پس ثابت ہو گیا کہ انبیاء سارے امور میں پسندیدہ تھے اور یہ ان سے گناہ کے صادر ہونے کے منافی ہے اور اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ منتخب فرماتا ہے رسولوں کو فرشتوں اور انسانوں میں سے، (فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا آدم اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو دنیا والوں پر اور حضرت ابراہیم کے بارے میں فرماتے ہیں بیشک ہم نے ابراہیم کو منتخب کر لیا دنیا میں اور حضرت موسیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں بیشک ہم نے تم کو منتخب کر لیا لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعہ، اور فرماتے ہیں ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو کہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ آخرت کی یاد ہے اور وہ ہمارے یہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں پس یہ ساری آیات ان کی برگزیدگی اور خیریت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ان سے صدور معصیت کے منافی ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ اصطفاء گناہ کرنے کے منافی نہیں ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں "ثم اورثنا الكتاب الَّذِيْن اصطفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُم ظَالِمٌ لِنَفْسِه وَمِنْهُمْ مُقتَصِدٌ وَمِنْهُم سَابِقٌ بِالخَيْرَاتِ" الآیہ (سورۂ فاطر) پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے منتخب کیا پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو نیکیوں میں ترقی کرنے والے ہیں، تو دیکھئے اللہ تعالی نے مصطفین کو تین حصوں میں منقسم فرما دیا ظالم، مقتصد، سابق بالخیرات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ فمنهم کی ضمیر من عبادنا کی طرف راجع ہے اصطفینا کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ جب ضمیر کے دو مرجع ہوں تو جو اقرب المذکورین ہوگا اس کی طرف عود ضمیر واجب ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ آیت کریمۃ "وَاِنَّهُم عندنَا لَمِن المصطفين الأخيَار" صرف حضرت ابراہیم واسحاق

ویعقوب (علیہم السلام) کے بارے میں ہے لہٰذا اس سے سارے انبیاء کی عصمت کس طرح ثابت ہوئی جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ "اللہ یُصطَفی مِنَ المَلٰئِکَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ" سارے رسولوں کے بارے میں ہے اسی طرح دوسری آیت "إنَّ اللهَ اصْـطَـفٰـى آدَمُ وَنُـوحاً وآل إبْرَاهِيْم وَآل عِمْرَان عَلَى العَالَمِيْن" میں آل ابراہیم اور آل عمران کی برگزیدگی کی خبر دی ہے لہٰذا جو بھی آل ابراہیم میں داخل ہوں گے وہ سارے اس حکم میں داخل ہوں گے اور اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ توصیف بوجہ نبوت کے ہے اور نبوت میں سارے شریک ہیں لہٰذا اس حکم میں داخل ہونگے۔

الدليل الثالث:

قـولـه تـعـالى ﴿إنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِيْ الخَيْرَاتِ﴾ ولفظ الخيرات للعموم فيتناول الـكـل، ويـدخـل فيه فعل ماينبغي وترک مالا ينبغي، فثبت أن الأنبياء كانوا فاعلين لكل ما ينبغي فعله وتاركين كل ما ينبغي تركه، وذلک ينافي صدور الذنب عنهم.

ترجمہ دلیل ثالث:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی بیشک حضرات انبیاء نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور خیرات کا لفظ عموم کے لئے ہے، لہٰذا سب کو شامل ہوگا اور اس میں ہر مناسب امر کا کرنا اور نا مناسب کا ترک داخل ہو جائیگا پس ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہر وہ امر کو جس کا کرنا مناسب ہو کرنے والے تھے اور ہر وہ امر جس کا ترک کرنا مناسب ہو ترک کرنے والے تھے۔ اور یہ وصف ان سے صدور ذنب کے منافی ہے۔

الدليل الرابع:

إن الله تـعـالـى حكى عن إبليس قوله ﴿فَبِعِزَّتِکَ لأُغْوِيَنَّهُمْ أجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْـمُـخْـلَـصِيْـنَ﴾ فاستثنٰى من جملة من يغويهم المخلصين وهم الأنبياء عليهم السلام، قال تـعـالى في صفة إبراهيم وإسحٰق ويعقوب ﴿ إنَّا أخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ وقال في يـوسف ﴿إنَّـهُ مِـنْ عِبَـادِنَـا الْـمُـخْـلَـصِيْنَ﴾ وإذا ثبت وجوب العصمة في حق البعض يثبت وجوبها في حق الكل.

ترجمہ: دلیل رابع:

اللہ تعالیٰ ابلیس سے اس کا قول نقل فرماتے ہیں فَبِعِزَّتِکَ لأغْوِیَنَّهُمْ أجْمَعِیْنَ پس بیشک تیری عزت کی قسم میں بالضرور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے منتخب کئے گئے ہیں پس ان میں سے جن کو وہ گمراہ کرے گا ان میں سے مخلصین کو مستثنیٰ کر دیا اور وہ مخلصین حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں اللہ تعالیٰ حضرات ابراہیمؑ واسحٰق و یعقوب (علیہم السلام) کی صفت میں ارشاد فرماتے ہیں إنا أخلصنا هم الآیة ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ برگزیدہ کیا تھا وہ آخرت کی یاد ہے۔

اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے اور جب بعض کے حق میں عصمت کا واجب ہونا ثابت ہو گیا تو سب کے حق میں اس کا وجوب ثابت ہو گیا۔

الدليل الخامس:

قوله تعالى ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوْهُ إلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤمِنِيْنَ﴾ فأولئک الذين اتبعوه وجب أن يقال ماصدر الذنب عنهم وإلا فقد كانوا متبعين له، وإذا ثبت في ذلك الفريق أنهم ما أذنبوا فذلک الفريق إما الأنبياء أو غيرهم، فان كانوا هم الأنبياء فقد ثبت فی النبي أنه لا يذنب وإن كانوا غير الأنبياء فلو ثبت فی الأنبياء أنهم أذنبوا لكانوا أقل درجة عند الله من ذلک الفريق، فيكون غير النبي أفضل من النبي، وذلک باطل بالاتفاق فثبت أن الذنب ماصدر عنهم.

ترجمہ: دلیل خامس:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهُ الآية ہے یعنی ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا پس انہوں نے اس کی اتباع کی بجز مؤمنین کے ایک گروہ کے، پس یہ لوگ جنہوں نے اس کی اتباع نہیں کی واجب ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان سے گناہ صادر نہیں ہوا، ورنہ تو وہ لوگ ابلیس کی اتباع کرنے والے ہوئے اور جب اس فریق کے بارے میں ثابت ہو گیا کہ انہوں نے گناہ نہیں کیا پس یہ فریق یا تو انبیاء ہیں یا ان کے غیر پس اگر وہ انبیاء ہیں تو نبی کے بارے میں ثابت ہو گیا کہ وہ گناہ نہیں کرتا ہے اور اگر غیر انبیاء ہیں پس اگر انبیاء کے

بارے میں ثابت ہوجائے کہ انہوں نے گناہ کیا تو اللہ کے نزدیک یہ انبیاء اس فریق سے کم مرتبہ کے ہوں گے لہٰذا غیر نبی نبی سے افضل ہوگا اور یہ بالاتفاق باطل ہے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے گناہ صادر نہیں ہوا۔

الدليل السادس:

قال تعالىٰ في حق إبراهيم عليه السلام ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ والإمام من يؤتم به، فأوجب على كل الناس أن يأتموا به، فلو صدر الذنب عنه وجب عليهم أن يأتموا به في ذلك الذنب، وذلك يفضى إلى التناقض.

ترجمہ: دلیل سادس:

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں اور پیشوا وہ ہوتا ہے جس کی اتباع کی جائے لہٰذا سارے لوگوں پر واجب فرمادیا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اتباع کریں تو اگر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے گناہ صادر ہو تو لوگوں پر واجب ہوگا کہ ان کی اس گناہ میں بھی اتباع کریں حالانکہ یہ تناقض کا سبب ہے۔

فائدہ: یہاں بھی وہی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو نبوت کی وجہ سے پیشوا بنایا گیا تھا لہٰذا سارے انبیاء کے بارے میں یہی دلیل جاری ہوگی۔

الدليل السابع:

أن محمداً ﷺ لو أتى بالمعصية لوجب الاقتداء به فيها لقوله تعالى: "فاتبعوني" فيفضى إلى الجمع بين الحرمة والوجوب، وهو محال، وإذا ثبت في حق محمد صلى الله عليه وسلم ثبت أيضا في سائر الأنبياء ضرورة إذ لا قائل بالفرق.

ترجمہ دلیل سابع:

محمد ﷺ اگر گناہ کرتے تو ہم پر ان کی اقتداء اس معصیت میں واجب ہوتی اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاتَّبِعُوْنِی (یعنی میری اتباع کرو) کے سبب سے، پس یہ حرمت و وجوب کے جمع کرنے کی طرف مفضی ہوگا اور یہ محال ہے اور جب محمد ﷺ کے حق میں یہ بات ثابت ہوگئی تو سارے انبیاء کے حق میں ثابت ہوگئی کیونکہ کوئی

بھی تفریق کا قائل نہیں ہے علماء نے بالخصوص امام رازیؒ نے اس کے علاوہ بھی دلائل تحریر فرمائے ہیں جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ آئے ہیں۔

لہٰذا بسط کیلئے ان کتابوں کی مراجعت کی جائے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو استدلال فرمایا تھا اس کو ہم سابقا تحریر کر چکے ہیں مگر پھر بھی اتماما للفائدہ اسے یہاں لکھتے ہیں قاضی صاحب کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد استدل بعض الائمة على عصمتهم من الصغائر بالمصير إلى امتثال أفعالهم واتباع آثارهم وسيرتهم مطلقاً، وجمهور الفقهاء على ذلك من أصحاب مالك والشافعي و أبي حنيفة، وإن اختلفوا في حكم ذلك قال: فلو جوزنا عليهم الصغائر لم يكن الإقتداء بهم في أفعالهم، إذ ليس كل فعل من أفعاله يتميز مقصده من القربة أو الإباحة أوالحظر أوالمعصية، ولا يصح أن يؤمر المرء بامتثال أمر لعله معصية. انتهى.

ترجمه: اور بعض ائمہ نے حضرات انبیاء کے صغائر سے معصوم ہونے پر ان کے افعال کے امتثال اور ان کے آثار وسیرت کی مطلقاً اتباع کی طرف رجوع فرما کر استدلال کیا ہے اور جمہور فقہاء مالک وشافعی وابوحنیفہ کے اصحاب میں سے اسی پر ہیں، اگرچہ اس کے حکم میں مختلف ہیں کہا کہ پس اگر ہم حضرات انبیاء پر صغائر کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء ان کے افعال میں ناممکن ہوگی کیونکہ ہر فعل (ان کے افعال میں) سے اس کا مقصد واضح نہ ہوگا کہ عبادت ہے یا مباح ہے، ممنوع ہے یا گناہ ہے اور یہ صحیح نہیں کہ آدمی کو کسی ایسے کام کرنے کا حکم دیا جائے کہ جس میں احتمال معصیت ہو۔انتہی

قاضی عیاض نے جو دلیل ذکر فرمائی ہے ان کے بعد والوں نے عام طور سے اسی کو ذکر فرمایا ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے اور ان سے قبل امام نووی ۱/ ۱۰۸، وحافظ ابن حجر عسقلانی ۱۱/۳۸۳ وغیرہ نے اسی دلیل کو قاضی عیاض سے نقل فرمایا ہے اور امام کبیر حافظ ابن حزم ظاہری کتاب الفصل میں تحریر فرماتے ہیں۔ص ۲۸۔

وأيضاً فإننا مندوبون إلى الاقتداء بالأنبياء عليهم السلام وإلى الإتساء بهم في أفعالهم حكماً، قال الله تعالىٰ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ﴾ وقال تعالى ﴿اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ فصح يقيناً أنه لو جاز أن يقع من أحد من الأنبياء عليهم السلام ذنب تعمد صغيراً أو كبيراً، كان الله عز وجل قد حضّنا على المعاصي، وندبنا إلى الذنوب وهذا كفر مجرد، ممن أجازه فقد صح

يقيناً أن جميع أفعال الأنبياء التي يقصدونها خير وحق.

تــرجــمــه: اور نیز ہم انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اقتداء کی طرف بلائے گئے ہیں اور ان کی پیروی کی طرف ان کے سارے افعال میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کے اندر عمدہ نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، پس ان کی ہدایت کی اقتداء کیجئے پس بالیقیں ثابت ہوگیا ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ کسی نبی سے کوئی گناہ واقع ہو عمداً صغیرہ یا کبیرہ تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو معاصی پر برانگیختہ کیا اور گناہوں کی طرف بلایا، اور یہ کفر محض ہے اس شخص سے جو اس کو جائز قرار دے۔ پس یقیناً ثابت ہوگیا کہ سارے انبیاء کے افعال جس کو وہ بالارادہ کرتے ہیں خیر وحق ہیں۔

ایک دوسری جگہ حافظ مذکور کتاب مذکور ص:۲۹، میں تحریر فرماتے ہیں:

ولـو جـاز مـن الأنبيـاء عـليهـم السلام شـيء مـن الـمعاصي وقد ندبنا إلى الإتساء بهم وبأفعالهم لكنا قد أبيحت لنا المعاصي وكنا لاندري، لعل جميع ديننا ضلال وكفر ولعل كل ما عـمـلـه عليه السلام، معاصي، ولقد قلت يوما لبعضهم ممن كان يجيز عليهم الصغائر بالعمد: أليس من الصغائر تقبيل المراة الأجنبية وقر صها، فقال: نعم! قلت: تجوز أنه يظن بالنبي صلى الله عليه وسلم أنه يقبل امرأة غيره متعمداً، فقال: معاذ الله! من هذا ورجع إلى الحق من حينه، والحمد لله رب العلمين.

تــرجــمــه: اور اگر حضرات انبیاء علیہم السلام سے کوئی معصیت بھی جائز ہو اور حال یہ ہے کہ ہم کو ان کی اور ان کے افعال کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو ہمارے لئے معاصی حلال ہوگئیں اور ہم نہیں جان سکتے کہ شاید ہمارا سارا دین گمراہی اور کفر ہو اور شاید جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا معاصی ہوں فرماتے ہیں اور میں نے ایک دن بعض سے کہا جو انبیاء پر صغائر عمداً جائز قرار دیتے ہیں کیا اجنبیہ عورت کو بوسہ دینا اور اس کو چونٹی بھرنا صغائر میں سے نہیں ہے؟ کہا کہ ہاں! میں نے کہا تو کیا تم جائز قرار دیتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گمان کیا جائے کہ وہ غیر کی بیوی کو عمداً بوسہ دے سکتے ہیں تو اس نے کہا معاذ اللہ من ہذا (اللہ کی پناہ ایسی بات سے) اور حق کی طرف فوراً رجوع کرلیا اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو رب العلمین ہیں۔

کلام میں کافی طول ہوگیا اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

زَلّات انبیاء کی حقیقت اور انبیاء کے صغائر سے معصوم ہونے کی تحقیق

حدیث ’’کل ابن آدم خطاء‘‘ کی تشریح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذي هدانا للإسلام وأرسل الرسل والأنبياء لهداية الأنام وختمهم بمحمد – صلى الله عليه وسلم – فكان مسك الختام ﷺ ما تعاقبت الليالى والأيام، وعلى آله وصحبه الغر الكرام الذين أحيوا سننه واستهدوا بهديه في كل مقام من الأمصار والقرى والبوادي والخيام أما بعد!

فقد سئل شيخنا لازالت عتبته مشفوهة الطالبين ومستعذبة الواردين ما حاصله:

ما الدليل على عصمة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام عن الصغائر كما هو قول أهل الحق مع أنه ورد عند الترمذي مرفوعاً ’’كل ابن آدم خطاء‘‘ وخير الخطّائين التوابون؟ وهل يصل ثواب القرآن للأموات أم لا؟ فإن كان يصل فما الدليل على ذلک فأمرني أن أكتب الجواب فبادرت إلى امتثاله فكتبت.

الحمد لله ملهم الصواب، والصلو ة والسلام على من أوتي فصل الخطاب وعلى جميع الآل والأصحاب.

أما بعد! حديث ’’كل بني آدم خطاء وخير الخطائين التوابون‘‘ أخرجه أحمد ۱۹۸/۳، والدارمي ص: ۳۶۶، والترمذى ۷۷/٤، وابن ماجه ص: ۳٤۳، مصريه ۲۹۳/۲، والحاكم ٤٤٤/٤ من طريق علي بن مسعده الباهلي عن قتادة عن أنس به مرفوعاً، قال الترمذي: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث علي بن مسعده عن قتادة، و قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد و تعقبه الذهبى فقال: علي لين، وقال العراقي في تخريج الإحياء: علي بن مسعدة ضعفه البخاري.

قلت قال البخاري: فيه نظر، وقال أبوداؤد الطيالسي: ثقة، وقال ابن معين صالح وقال مرة ليس به بأس في المصريين، وقال أبو حاتم: لابأس به، وقال النسائي: ليس بالقوي وقال ابن

عدي: أحاديثه غير محفوظة وقال ابن حبان: لايحتج بما لايوافق فيه الثقات، وذكره العقيلي في الضعفاء تبعا للبخاري، قال الحافظ في التقريب: صدوق له أوهام، وقال صاحب الإتحاف ٥٩٦/٨ وفي أمالي أبي زرعة حديث فيه ضعف، فكأنه تبع فيه والده يعني الحافظ العراقي، ومال ابن القطان إلى تصحيح الحاكم، وقال ابن مسعدة: صالح الحديث وغرابته إنما هي فيما انفرد به عن قتادة اهـ.

قلت: قال الحافظ في بلوغ المرام أخرجه الترمذي وابن ماجه وسنده قوي اهـ.

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور علی بن مسعدہ کو اس کے کسی لفظ میں وہم نہیں ہوا تو اپنے عموم الفاظ کی بنا پر حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی شامل ہوگی جو لوگ انبیاء کو صغائر سے معصوم نہیں مانتے ہیں وہ تو حدیث کو صغیرہ پر حمل کرلیں گے، مگر قول مختار پر اشکال واقع ہوگا کیونکہ مختار یہ ہے کہ حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم صغائر وکبائر سبھی سے پاک ہیں، قاضی عیاض مالکی کتاب الشفاء میں طویل کلام کرتے ہوئے اور مخالفین کے استدلالات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

وقد استبان لک أيها الناظر بما قررناه ماهو الحق من عصمته – عليه الصلوة والسلام– عن الجهل بالله تعالیٰ أو صفاته أو كونه على حالة تنا في العلم بشيء من ذلک كله جملة بعد النبوة عقلاً وإجماعاً وقبلها سمعاً ونقلاً ولابشيء مما قرّره من أمور الشرع وأدّاه عن ربه من الوحى قطعاً و عقلاً وشرعاً، وعصمته عن الكذب وخلف القول مذ نبّأه الله تعالیٰ وأرسله قصدا أو غير قصد، واستحالة ذلک عليه شرعاً و إجماعاً و نظراً، و برهانا وتنزيهه عنه قبل النبوة قطعاً، و تنزيهه عن الكبائر إجماعاً، وعن الصغائر تحقيقاً، وقد استدل بعض الائمة على عصمتهم من الصغائر بالمصير إلى امتثال أفعالهم، واتباع آثارهم وسيرتهم مطلقاً، لعله معصية. اهـ. مختصراً وملتقطاً من موضعين. وراجع شرح مسلم ١٠٨/١ حديث الشفاعة وفتح الباري ٣٨٣/١١ في باب صفة الجنة والنار والمواهب، وشرحه للزرقاني ٢٥٤/٦.

اب جب کہ یہ بات محقق ہوگئی کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سبھی سے معصوم ہیں تو پھر حدیث پاک کا کیا مطلب ہے علامہ طیبی شرح مشکوۃ ۳/ ۳۰۵ میں فرماتے ہیں:

قوله: خطاء في النهاية: يقال رجل خطاء إذا كان ملازماً للخطايا غير تارک لها وهو من

أبنية المبالغة.

أقـول: إن أريـد بـلـفظ الكل الكل من حيث هو كل كان تغليبا لأن فيهم الأنبياء وليسوا بـمبالغين في الخطأ، وان أريد به الاستغراق وإن كل واحد خطاء فلا يستقيم على التوزيع كما تـقول هو ظلام للعبيد أى يظلم كل واحد واحد فهو ظالم بالنسبة إلى كل واحد فظلام بالنسبة إلـى الـمـجموع، إذا قلت: هو ظلام لعبده كان مبالغا في الظلم، قال المظهر: فيه تعميم جميع بـنـى آدم حتـى الأنبيـاء لـكنهم خصوا منه لكونهم معصومين واختلفوا في إنهم معصومون عن الـصـغـائـر والكبائر أو عن الكبائر، فمن قال هم غير معصومين على الصغائر، استدلوا بعصيان آدم وكـذبـات إبـراهيـم عـليهـما الصلوة السلام، ومن قال هم معصومون عن الصغائر حملوا زلات الأنبيـاء عـلـى الـنسيـان والـخـطـاء، هذا هو الأولى لما فيه من تعظيم الأنبياء وقد امرنا بتعظيمهم.

قـال الـطيبـي: أقـول: إخـراجه الأنبياء من هذا الحديث بالنظر إلى بناء المبالغة وإثبات الخطاء لهم بالنظر إلى التوزيع انتهى.

وقـال الـقـاري في المرقاة ٣/٧٠ قيـل أراد الـكـل من حيث هو كل أو كل واحد، وأما الأنبياء صلوات الله عليهم، فإما مخصوصون عن ذلک وإما أنهم أصحاب صغائر والأوّل أولى فإن ما صدر عنهم من باب ترک الأولى أو من قبيل حسنات الأبرار سيئات المقربين أو يقال: الـزلات الـمـنـقـولة عـن بعضهم محمولة على الخطأ والنسيان من غير أن يكون لهم قصد إلى العصيان اهـ.

وفي الكوكب الدري ٢/١٠٧ قـولـه: "كـل ابن آدم خطاء" أى خطاء تنا في منزلته عند الله، فـدخل فيه كل الناس حتي الأنبياء عليهم الصلوة والسلام قال شيخنا في الحاشية قال فإن مـايـعـدّ خـطـأ في حقهم لايجب أن يكون خطأ في حقنا، فان حسنات الأبرار سيئات المقربين ولذا قالوا في شرح قوله – صلى الله عليه وسلم – إنه ليغان على قلبي، إنه وإن لم يكن ذنبا لكنه بالنسبة إلى سائر أحواله العالية هبوط و نزول فناسبه الاستغفار اهـ.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس جملہ کی تحقیق وحکم کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں اجتہادی لغزش ہوئی جس کا خمیازہ ذریت کو بھگتنا پڑا

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنت کا پھل کھانے کے معاملہ میں اجتہادی لغزش ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی اس اجتہادی لغزش کا خمیازہ آج تک ان کی ذریت کو بھگتنا پڑ رہا ہے زید کا یہ قول از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب:

حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب بندے ہیں انکا مرتبہ اتنا رفیع ہے کہ وہاں تک کسی امتی کی رسائی ناممکن ہے مگر جیسے تمام انسان وجنات مکلّف ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مکلّف ہیں عمداً خدائے پاک کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے ہیں لیکن بتقاضائے بشریت کبھی بھول چوک ہوسکتی ہے قال اللہ تعالیٰ: ’’وَنَسِيَ آدَمَ فَلَمْ نَجِد لَهٗ عَزْماً‘‘ یہ ممکن ہے کہ بعض وقت کسی خاص حکم کا کوئی مطلب سمجھ لیں جو اپنی جگہ ممکن ہو لیکن وہ مراد نہ ہو تو وہ حضرات اپنی جگہ معذور ہوں گے لیکن انکی شان رفیع کے مناسب نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرمائیں یہ عین ممکن ہے جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق ترمذی وغیرہ میں ہے کہ قتل وفداء میں اختیار دیا گیا تھا لیکن مسلم شریف میں ہے کہ فداء کے اختیار کرنے پر آیت ’’مَا کَانَ لِنَبِيٍ أن يَكُوْنَ لَه اسْرىٰ حتىٰ يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ‘‘ نازل ہوئی۔

اب سمجھئے کہ شجرہ ممنوعہ کے پھل کھانے میں حضرت آدم علیہ السلام کو یہی صورت پیش آئی اللہ تعالیٰ نے ’’وَلاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْن‘‘ کہہ کر مطلق منع فرمایا تھا شیطان نے جب موقع پا کر شجرہ کے فضائل بیان کئے اور کہا ’’يَا آدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلىٰ‘‘ اور کہا ’’مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُوْنَا مِنَ الخٰلِدِيْنَ‘‘ اور قسم کھائی قال اللہ تعالیٰ: ’’وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ‘‘۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی

ممانعت یاد نہ رہی اور یہ سمجھے کہ یہ ابلیس سچی قسم کھا رہا ہے۔ بھلا کوئی جھوٹی قسم کھائے گا ادھر حضرت حوّا نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھل کھانے پر اصرار کیا تو پھل کھالیا۔ ایک روایت میں ابن عباس سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **أما كان لك فيما منحتك من الجنة، وأبحتك منها مندوحة عما حرمت عليك قال: بلىٰ يارب، ولكن وعزتك ماحسبت أن أحداً يحلف بك كاذباً قال: فبعزتي لأهبطنك إلى الأرض ثم لاتنال العيش الا كدا** (رواه عبدالزاق).

ایک دوسری روایت میں: **لما أكل آدم عليه السلام من الشجرة قيل: لم أكلت من الشجرة التي نهيتك عنه، قال: حوّاء أمرتنى قال فإني أعقبتها أن لا تحمل الا كرها ولا تضع الاكرها رواه ابن جرير.** (تفسیر ابن کثیر۲/۲۰۶)

اس کے بعد جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے اور جو کچھ ہوا، اس میں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر کارفرما تھی اور اس میں خدائے پاک کی صفات کے ظہور کی حکمت مضمر تھی آدم علیہ السلام کا خروج انبیاء وصالحین کے ظہور کا سبب بنا اتنا بڑا کارخانہ علم وعمل رونما ہوا۔

قال القاضي أبو بكر بن العربي في شرح الترمذي: خروج آدم عليه السلام من الجنة هو سببٌ وجود الذرية، وهذا النسل العظيم ووجود الرسل والأنبياء والصالحين والأولياء، ولم يخرج منها طرداً بل لقضاء أوطار، ثم يعود اليها.اھ.

کذا فی البذل (۲/ ۱۵۹، وشرح النووی علیٰ مسلم ۱/ ۲۸۲)۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے عالم بالا میں ملاقات ہوئی تو سوال کیا **أنت أخرجت الناس من الجنة بذنبك وأشقيتهم** . حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا **أتلو مني علىٰ أمر قد كتبه الله علي قبل أن يخلقن** (بخاری ص:۶۹۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا صرف سوال مقصود تھا کہ ایسا کیوں ہوا حضرت آدم علیہ السلام کی تنقیص مقصود نہیں تھی کوئی نبی کسی نبی کی تنقیص نہیں کرتا ہے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جائز نہیں جس سے ان کی کسر شان لازم آتی ہو، سوال میں مذکورۃ کلمات کی مراد متکلم کے انداز گفتگو اس کے طرز تحریر سے معلوم کی جاسکتی ہے ایک ہی بات ایک خاص انداز میں کہی جائے تو اشکال نہیں ہوتا اور دوسرے انداز میں کہی جائے تو موجب اشکال بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مسئلہ حیات انبیاء

حیات انبیاء سے متعلق دس حدیثیں

مسئلہ حیوۃ الانبیاء پر علامہ تقی الدین سبکی وعلامہ نورالدین سمہودی وعلامہ بازری واستاذ ابومنصور بغدادی اور حافظ بن حجر عسقلانی وعلامہ قسطلانی وغیرہم نے مفصل کلام فرمایا ہے اور حافظ کبیر ابوبکر بیہقی اور حافظ جلال الدین سیوطی وغیرہما نے مستقل رسائل تالیف فرمائے ہیں اس لئے اسپر کچھ لکھنے کی چنداں حاجت نہیں ہے اور علامہ سیوطی کے رسالہ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے تاہم مختصراً تحریر کیا جاتا ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس سے نفع پہونچائے واللہ الموفق للصواب۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں جن سے قدر مشترک مسئلہ حیات متواتر ہو جاتا ہے ہم یہاں پر بعض احادیث ذکر کرتے ہیں۔

الحديث الأول:

عن أنس أن النبي ﷺ قال: ”الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون“ رواه أبويعلى والبيهقي في كتاب حيوٰة الأنبياء والبزار وغيرهم، وصححه البيهقي وشاهده، وقال الذهبي فی المیزان فی ترجمة حجاج بن الأسود عن ثابت البناني نكره ما روى عنه فيما أعلم إلا مسلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنس في ”أن الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون“. رواه البيهقي. انتهٰى.

قلت :بسط الكلام عليه السخاوي في القول البديع.

ترجمہ حدیث اول:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

الحديث الثاني:

عن أنس بن مالك قال: ”إن رسول الله ﷺ قال: مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره“. رواه مسلم.(۲/۸۰)

ترجمہ حدیث ثانی:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا جس رات مجھ کو معراج کرائی گئی سرخ ٹیلے کے پاس اور وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

الحديث الثالث:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي إلى أن قال: وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء، فإذا موسى عليه السلام قائم يصلي فإذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوء ة، وإذا عيسى بن مريم عليه السلام قائم يصلي أقرب النا س به شبهاً عروة بن مسعود الثقفي، وإذا إبراهيم عليه السلام قائم يصلي أشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه ﷺ، فحانت الصلوة فأممتهم. الحديث رواه مسلم (۱/۹٦، أبو عوانة ۱/۱۳۱) وهو شاهد للحديث السابق.

ترجمہ حدیث ثالث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم کعبہ میں دیکھا اس حال میں قریش مجھ سے میری شب روی (یعنی معراج کی رات میں بیت المقدس جانا) کے متعلق دریافت کررہے تھے یہانتک کہ فرمایا کہ مین نے اپنے آپ کو انبیاء کی ایک جماعت میں دیکھا تو ان میں یہ بھی دیکھا کہ حضرت موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں پس وہ ایک طرف خفیف الجسم گھونگریالے بالوں والے ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ کے مردوں میں سے ہیں اور حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروۃ بن مسعودؓ ثقفی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمہارے حبیب (حضور اقدس ﷺ اپنی ذات کریم کو مراد لیتے ہیں) پس نماز کا وقت آ گیا تو میں نے ان انبیاء کی امامت کی۔

الحديث الرابع:

عن أوس بن أوس قال: قال رسول ا لله ﷺ: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا عليّ من الصلوة فيه، فإن

صـلـوتـكـم معروضة علي، قالوا: يا رسول الله ﷺ ! وكيف تـعـرض صلوتنا عليك وقد ارممتَ قال: يقولون: بليت، قال: "إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء".

رواه أحـمـد وأبوداؤد والنسائي وابن ماجه وأبو شيبة والحاكم وصححه على شرط الشيـخيـن، وأقـره الـذهـبي والبيهقي في البعث، وكتاب حيٰوة الأنبياء، وأبو نعيم في دلائل النبوة وقـد صـححه ابن خزيمة وابن حبان والدار قطني والنووي وحسنه عبد الغني، وقال ابن دحية أنه صحيح محفوظ بنقل العدل عن العدل.

ترجمہ حدیث رابع:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے افضل دنوں میں جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے اوراس میں ان کی روح قبض کی گئی اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اوراس میں لوگ بیہوش ہوں گے پس مجھ پراس دن میں کثرت سے درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہوچکے ہوں گے؟ حضوراقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے زمین پر حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم کے اجسام کوحرام فرمادیا ہے۔

الحديث الخامس:

عـن عبادة بن نُسَيٍّ عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ أكثـروا الصلوة علي يوم الـجـمـعة، فـإنه مشهود يشهده الملا ئكة، وأن أحدا لم يصل علي الا عرضت على صلوته حتـى يـفـرغ مـنها قال: قلت: وبعد الموت، قال: إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبي الله حي يرزق.

رواه ابـن ماجه بإسناد جيد، قاله المنذري، وقال ابن كثير في تاريخه: هذا من إفراد ابـن مـاجه – رحمه الله – وقال في تفسيره: هذا حديث غريب من هذا الوجه، وفيه انقطاع بيـن عبـادة بن نسي وأبي الدرداء، فإنه لم يدركه، وقال السبكي: "في إسناده زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي مرسل الا أنه يتقوى باعتضاده بغيره".

ترجمہ حدیث سادس:

عبادہ بن نسی سے منقول ہے وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ کہا ابوالدرداء نے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر کثرت سے جمعہ کے دن درود بھیجو کیونکہ اس دن میں حاضری ہوتی ہے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور کوئی شخص بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا ہے مگر اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے یہاں تک وہ اس سے فارغ ہو جائے حضرت ابوالدرداء نے کہا میں نے کہا موت کے بعد بھی؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اجسام کو زمین پر حرام کر دیا ہے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں ان کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔

الحديث السادس:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: "صلوا علي فإن صلوتكم تبلغني حيثما كنتم".

رواه أحمد وأبوداؤد، قال النووي في شرح المهذب والأذكار: رواه أبوداؤد بإسناد صحيح، وقال الحافظ ابن القيم في أغاثة اللهفان: رواه أبوداؤد، وإسناده حسن، رواته كلهم ثقات مشاهير، وقال ابن عبد الهادي في الصارم المنكى (ص: ۲۹۷): حديث حسن جيد الاسناد، وله شواهد كثيرة يرتقى بها إلى درجة الصحة وقال الحافظ في الفتح (ص: ۳۵۸) سنده صحيح.

ترجمہ حدیث سادس:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے اوپر درود پڑھو کیونکہ تمھارا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے، چاہے تم جہاں بھی رہو۔

الحديث السابع:

عن أبي هريرة قال: قال رسول ا لله ﷺ: من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ غائباً بلغته.

رواه البيهقي في شعب الإيمان والأ صبهاني في الترغيب، قال ابن كثير في إسناده نظر تفرد به محمد بن مروان السدي الصغير وهو متروك. قلت: وقال الحافظ في الفتح

أخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد.

ترجمہ حدیث سابع:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے میرے پاس اس کو پہنچایا جاتا ہے۔

الحديث الثامن:

عن عمار سمعت النبي ﷺ يقول: إن لله ملكا أعطاه أسماع الخلائق قائم على قبري فما من أحد يصلي علي صلوة إلا بلغتها.

رواه البخاري في التاريخ وابن عساكر من طرق وعيسى بن علي الوزير وعثمان بن فزار والرباني في مسنده، قال ابن عبد الهادي في الصارم المنكى(ص: ۱۸۱): هو حديث غريب. تفرد به نعيم عن عمران بن حميري عن عمار.

ترجمہ حدیث ثامن:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا انہوں نے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے اللہ نے اس کو مخلوق کے کان عطا فرما رکھے ہیں میری قبر پر کھڑا ہے پس جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ درود مجھ کو پہونچایا جاتا ہے۔

فائدہ : لوگوں کے کان عطا فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی قوت رکھی ہے جس کی وجہ سے مخلوق کے درود کو دنیا کے گوشے گوشے سے سن لیتا ہے اور ایک روایت میں ''اسماء'' وارد ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرشتے کو لوگوں کے نام بتا رکھے ہیں لہٰذا وہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ان کے نام سے درود پیش کرتا ہے۔

الحديث التاسع :

عن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ، إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغون عن أمتي السلام".

رواه أحمد والنسائي والدارمي وحاكم، وصححه البزار برجال الصحيح كما قال السمهودي في الوفاء.

ترجمہ حدیث تاسع:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

الحديث العاشر:

عن الحسن البصري قال: قال رسول الله ﷺ لا تأكل الأرض جسد من كلّمه روح القدس.

رواه اسمٰعيل القاضي قال ابن كثير: مرسل حسن.

ترجمہ حدیث عاشر:

حسن بصری سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین اس شخص کے جسم کو نہیں کھائے گی جس سے روح القدس یعنی جبرئیل نے کلام کیا ہو یعنی حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔

تلك عشرة كاملة:

یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں ان سے صاف اور واضح طور سے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی قبور مطہرہ کے اندر باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے، بعض میں تو صاف طور پر زندہ ہونے کی تصریح ہے اور بعض میں لوازمات حیات مذکور ہیں جیسے درود کا سننا جبکہ کوئی قریب سے پڑھے اور درود شریف کا پیش کیا جانا جبکہ کوئی دور سے پڑھے لہٰذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ پر عرض اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود کے پیش ہونے کا ذکر ہے اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضرات انبیاء کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا یہ سب خواص حیات میں سے ہیں نیز آیات قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں حق تعالیٰ شہداء کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَات، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' ترجمہ: ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس

زندہ ہیں۔اب جب کہ نص قرآنی سے حیات شہداء ثابت ہوتی ہے اور حضرات انبیاء شہداء سے بدرجہا افضل ہیں لہٰذا ان کو بدرجہ اولیٰ حیات حاصل ہوگی۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

حیات مؤمنین وحیات شہداء اور حیات انبیاء کا فرق

پہلا شبہ یہ ہے کہ پھر حیات شہداء وحیات انبیاء میں کیا فرق ہے جبکہ دونوں کی حیات نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حیات انبیاء بہ نسبت حیات شہداء کے قوی ہے جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے مثلاً دو آدمی ہیں حیات کا تعلق دونوں سے ہے مگر ایک قوی ہے دوسرا ضعیف ہے اسی طرح آنکھیں وغیرہ ہر شخص کو ہیں مگر ایک کی نظر تیز ہے دوسرے کی کمزور ہے۔

یہیں سے ایک دوسرے شبہ کا بھی ازالہ ہوگیا کہ جس طرح نصوص شرعیہ سے حیات انبیاء وشہداء ثابت ہے اسی طرح عام موتیٰ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ ان کا منعَم ومعذَب ہونا، سلام کا سننا، جواب دینا وغیرہ احادیث میں وارد ہے اور یہ لوازمات حیات میں ہیں اور جواب یہ ہے کہ انواع حیات متفاوت ہیں ایک حیات اشقیاء معذبین کی ہے دوسری حیات مومنین منعمین کی ہے اور تیسری حیات شہداء کی ہے اور چوتھی حیات حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم والسلام کی ہے اور ظاہر ہے کہ حیات شہداء اکمل واعلی ہے اور حیات انبیاء ان سے اکمل واعلیٰ ہے نیز حیات انبیاء حیات عنصری ہے اور حیات عامۂ مومنین وغیرہ برزخی ہے۔

اس شبہ کا جواب کہ قرآن اور صحابہ تو کہتے ہیں کہ انبیاء پر موت طاری ہوگئی؟

دوسرا شبہ یہ ہے کہ نص قرآنی اس بات پر شاہد ہے کہ حضرات انبیاء زندہ نہیں ہیں اللہ تعالی حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "إنَّکَ مَیِّتٌ وَإنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ" نیز حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں "إني مقبوض" حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں "فإن محمداً قد مات" نیز لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا کہ حضور عالی ﷺ کا انتقال ہوا اور مدینے میں بیت عائشہ میں دفن ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص سے صرف موت ثابت ہوتی ہے استمرار موت ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری نصوص حیات کو مقتضی ہیں پس لامحالہ کہا جائے گا کہ موت کے بعد پھر حیات مستمرہ عطا فرمائی گئی۔

حدیث کی رو سے ایک شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ یہ ہے کہ حدیث ابی ہریرہ: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من أحد یسلم علي الا رد اللہ علي روحي حتی أرد علیه السلام.

رواه أحمد وأبو داؤد والبیهقي في الشعب والدعوات وحیوٰة الأنبیاء وصححه النووي في الأذکار. ترجمہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شخص جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے مگر اللہ تعالی میری روح مجھ کو لوٹاتے ہیں تا کہ میں اس کو سلام کا جواب دوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح مبارکہ جسد عالی میں نہیں ہوتی ہے بلکہ سلام کے وقت آ جاتی ہے اور موت تو یہی ہے کہ روح جسم میں باقی نہ رہے تو اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ زندہ نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مشاہدہ جناب باری تعالی میں ہر وقت استغراق رہتا ہے جب کوئی شخص سلام بھیجتا ہے اس وقت اس کیفیت استغراقیہ میں تخفیف ہو جاتی ہے تا کہ حضور اقدس ﷺ اس سلام پڑھنے والے کو جواب دیں تو روح کے لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حالت استغراقیہ سے لوٹایا جاتا ہے علماء نے اس کے علاوہ دسیوں جوابات لکھے ہیں بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو حیات کی دلیل قرار دیا ہے اس لئے کہ عالم کے اندر کوئی گھڑی ایسی نہیں کہ جس میں حضور اقدس ﷺ پر کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھنے والا نہ ہو پھر اب ردّ روح کا کیا مطلب ہے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ''الا وقد رد اللہ علي روحي'' یعنی سلام پڑھنے والے کا سلام پڑھنے سے پہلے روح لوٹائی جا چکی ہوگی اور پھر روح عالی ہر وقت جسد اطہر میں موجود ہے اس لئے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد سے ہر وقت کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھتا ہی رہتا ہے ورنہ اگر حدیث کا ظاہر مراد ہو تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ دن میں ہزاروں مرتبہ مرتے جیتے ہیں اور اس میں حضور کے اعزاز کے بجائے حضور کو ایذا و تکلیف دینی ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک اور شبہ اور اس کا جواب

چوتھا شبہ جس کا فی الجملہ مسئلہ مذکورہ سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سارے لوگوں کے لئے جواب دیتے ہیں حالانکہ ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں ایک شمال میں ہے تو دوسرا جنوب میں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی استعجاب نہیں ہے سورج و چاند آسمان میں ہیں اور ان کی کرنیں

سارے عالم کو منور کئے ہوئے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کا حال تو شمس وقمر سے بھی بڑھ کر ہے پھر آخرت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے وہاں تو ساری چیزیں ہی خلاف عادۃ ہوں گی واللہ اعلم۔
مسئلہ حیات نبی پر شیخ المشائخ حجۃ الاسلام مولانا قاسم العلوم والخیرات کا ایک مستقل رسالہ مسمی بہ آب حیات ہے جس میں حضرت نے مسئلہ مبحوث عنہا کو عقلاً ونقلاً ثابت فرمایا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

مسئلہ حیات انبیاء پر ایک بڑا اشکال اور اس کا جواب

روضۂ اقدس پر جو سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ حضور پاک کی روح کو واپس کرتا ہے اور آپ جواب دیتے ہیں

تم نے ابوداؤد شریف کی روایت لکھی ہے کہ اس میں تو ارشاد نبوی: ''ما من أحد يسلم علي الا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام'' اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی قبر میں باحیات نہیں ہیں بلکہ جب کسی وقت کوئی سلام کرتا ہے تو حضور پاک ﷺ کی روح مبارک آپ کے بدن شریف میں آتی ہے اور آپ جوابات مرحمت فرماتے ہیں۔
عزیزم! تم کو بالکل ہی یاد نہ رہا میں نے بخاری شریف کے درس میں اس اشکال کے پانچ جواب دئے تھے میں ذرا وضاحت وتفصیل سے اس حدیث کے متعلق کلام کرنا چاہتا ہوں سنو! هذا الحديث أخرجه أحمد (۵۲۷/۲) وأبوداؤد (۲۰۷/۳) والبيهقي في السنن الكبرى (۲۴۵/۵) والدعوات الكبير من طريق أبي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله بن قسيط عن أبي هريرة عن النبي ﷺ، به قال النووي في شرح المهذب (۲۷۲/۸) رواه أبوداؤد بإسناد صحيح، وكذا قال التقي السبكي في شفاء الأسقام (ص: ۳۸)، وتكلم على جميع السند تفصيلاً إلا أن الحافظ أبا عبد الله محمد بن أحمد بن عبد الهادي الحنبلي ناقشه في الصارم المنكى (ص: ۱۷۵)، وتكلم في إسناده من جهة تفرد أبي صخر به عن ابن قسيط عن أبي هريرة ولم يتابع ابن قسيط أحد في روايته عن أبي هريرة ولايتابع أبا صخر أحد في روايته عن ابن قسيط ثم ذكر اختلاف المحدثين في اسم أبي صخر أهو حميد بن زياد أو حميد بن صخر؟، وفي كنيته هل هو أبو صخر، كما قاله الأكثر؛ أبو مودود حميد بن صخر كما قاله

أبو مسعود الدمشقي، والرا حج هو الأول أى أنه حميد بن زياد أبو صخر، وهو رجل واحد لا إثنان، كما زعم بعضهم كابن عدي وقال: اختلف الائمة في عدالته فوثقه بعضهم وتكلم فيه آخرون، واختلفت الرواية عن يحى بن معين فقال مرة: ضعيف الحديث، وقال مر ة: ثقة، وقال مر ة: ليس به بأس، وكذا قال أحمد، وقال في رواية: ضُعِّفَ، وكذا قال النسائي فيما حكاه الدولابي وفي الضعفاء للنسائي: ليس بالقوي، وكذا قال في الكنى، وقال ابن عبدالبر: ليس به بأس عند جميعهم، وقال ابن عدي حميد بن زياد أبو صخر مدني روى عنه حيوة أحاديث، وهو عندي صالح الحديث، وإنما أنكر عليه هذان الحديثان المؤمن مألف، وفي القدرية يعنى حديثه "سيكون في أمتي مسخ" وقذف يعنى الزنادقة، والقدرية وسائر حديثه أرجو أن يكون مستقيماً ثم ذكر حميد بن صخر، قال النسائي: ضعيف ثم ذكر له ثلاثة أحاديث من طريق القاسم بن مهدى عن أبي مصعب عن حاتم عنه حديثين عنه عن المقبري عن أبي هريرة، وحديثاً عنه عن يزيد الرقاشي عن أنس، ثم قال: وحاتم بن إسماعيل عن حميد بن صخر أحاديث كثيرة ذكرته، وفي بعض هذه الأحاديث عن المقبري، ويزيد الرقاشي مالا يتابع عليه، قال ابن عبد الهادي هكذا فرق بينهما ابن عدي وجعلهما رجلين، والصحيح إنهما رجل واحد، وهو أبو صخر حميد بن زياد لكن حاتم بن إسماعيل كان يسميه حميد بن صخر، وسماه بعضهم حماداً وقد روى له الجماعة كلهم أما البخاري ففي كتاب الأدب، وأما النسائي ففي مسند علي، وقد عرف اختلاف الأئمة في عدالته، والاختلاف في خبره مع الاضطراب في اسمه وكنيته، واسم أبيه فما تفرد به من الحديث، ولم يتابعه عليه أحد لا ينهض إلى درجة الصحيح ولا ينتهي إلى درجة الصحة بل يستشهد به، ويعتبر به. انتهى.

قلت: هذا الرجل روى له مسلم في صحيحه وأبوداؤد والترمذي وابن ماجة في سننهم، قال أبو حاتم: لابأس به، وقد نقل ابن عبد الهادي عن ابن عبد البر أنه لا بأس به عند جميعهم، فلولم يثبت الإجماع على ذلك كما هو مقتضى التصريحات السابقة فلا أقل أن يكون هذا أرجح من الجانب الآخر، وأبوحاتم معروف في التعنت في الرجال، صرح بذلك الذهبي في مواضع من الميزان، والحافظ ابن حجر في مقدمة الفتح فقوله، لا بأس به، بعد غاية التحرى، وقد وافقه غيره فعدالته أرجح، ولذا رجحها التقي السبكي

فـي شـفـاء الاسقام والذي أنكر عليه حديثان له، ليس هذا الحديث منهما، فلا أقل أن يكون حـديثـه هـذا حسـنـاً، ثـم أطـال ابـن عبد الهادي في نقل عبارات المحدثين في ترجمة ابن قسيـط، وقـد روي له الشيخان، وثقه النسائي وابن سعد وقال ابن معين: هو صالح ليس به بـأس، وقـال ابـن إسـحـاق: كـان فـقـيهاً ثقة قال أبوحاتم: ليس بالقوي، وقال ابن حبان في كتـاب الثـقـات يـروي عـن ابـن عمر وأبي هريرة وربما أخطأ وذكره في كتاب التاريخ في مشـاهيـر التـابـعي في المدينة، فقال يزيد بن عبد الله بن قسيط الليثي أبو عبد الله مات سنة اثنتين وعشرين ومأة، وكان روي الحفظ، وذكره أيضاً في كتاب التاريخ في مشاهير أتباع التـابـعيـن بـالـمـديـنـة، وقـال يزيد بن عبد الله بن قسيط من بنى ليث من جلة أهل المدينة، وقـدمـاء شيوخهم ومات سنة اثنين وعشرين ومأة، هكذا قال في التابعين روى الحفظ وفي أتبـاع التـابـعين من جملة أهل المدينة، ثم ذكر ابن عبد الهادي حديث يزيد بن عبد الله بن قسيـط عـن ابن المسيب عن عمر وعثمان أنهما قضيا في الملطاة، وهى السمحاق بنصف مـا في الـموضحة، فلما قيل لمالك: لاتحدثه، فقال: العمل عندنا على غير هذا الحديث، والـرجـل عـنـدنـا ليس هناك يعني يزيد بن عبد الله بن قسيط نقله عن كتاب ابن أبي حاتم وكـتـاب ابـن عـدي، وقـال ابـن عـدي هـو مـديني مشهور عندهم قد روى عنه مالك غير حـديـث، وهـو صـالـح الـروايـات، وذكـر ابـن عبد الهادي أن ابن قسيط لم يخرج له في الـصـحـيـح شـئ مـن روايتـه عـن أبـي هـريـرة بل هو قليل الحديث عن أبي هريرة، روى له أبـوداؤد فـي سـنـنـه حـديثيـن مـن روايتـه عنه، ثم قال ابن عبد الهادي بعد ذكر مانقلنا عنه مـلـخـصـاً، فـقد تبين أن هذا الحديث الذي تفرد به أبوصخر عن ابن قسيط عن أبي هريرة لايـخـلـو من مقال في إسناده، وإنه لاينتهى به إلى درجة الصحيح وقد ذكر بعض الأئمة أنه عـلى شرط مسلم وفي ذلك نظر، فإن ابن قسيط وإن كان مسلم قد روى في صحيحه من رواية أبي صخر عنه.

لـكـنـه لـم يخرج من روايته عن أبي هريرة شئ، فلوكان قد أخرج في الأصول حديثاً مـن رواية أبـي صخر عن ابن قسيط عن أبي هريرة، أمكن أن يقال في هذا الحديث أنه على شـرطـه، فـعـلـم أن هـذا الـحديث لا ينبغي أن يقال: إنه على شرط مسلم، وأنما هو حديث إسناده مقارب، وهو صالح أن يكون متابعا بغير، وعاضداً له انتهى، ملخصاً.

قـلـت: هذا الحديث وإن سلمنا أنه ليس على رسم الصحيح فلا أقل أن يكون حسناً

فإن الرجلين الذين ذكرهما ابن عبد الهادي الغالب عليهما التوثيق، وأحاديث أمثال هذين أقل مراتبه أن يكون حسناً، وقال الحافظ في فتح الباري (٦/٣٥٢): أخرجه أبو داؤد ورواته ثقات، وذكرها المنذري في الترغيب ولم يتكلم على إسناده، وسكت عنه وكذا سكت عنه أبو داؤد، والله أعلم. ثم رأيت المرقاة ص(٢/٦)، وفيها وقال ابن حجر المكي رواه الطبراني وابن عساكر وسنده حسن بل صححه النووي في الأذكار وغيره.

اس حدیث پر اسنادی حیثیت سے کلام ہوجانے کے بعد اصل اشکال کا جواب سنئے اور حافظ ابن حجر کی زبانی سنئے حافظ اولا مسئلہ حیات انبیاء پر کلام فرماتے ہیں اور متعدد وجوہ سے ان کی حیات ثابت فرمائی ہے اوران سے قبل امام بیہقی نے مستقل ایک رسالہ ''حیوۃ الانبیاء'' کے نام سے لکھا اسی طرح علامہ سیوطی کا ایک رسالہ إنباء الأذكياء في حيوة الأنبياء ہے بندہ نے بعض روایات اس سے پہلے نمبر میں ذکر بھی کردی ہیں۔ حضرت موسیٰ سے لیلۃ المعراج میں ملاقات اوراسی طرح دیگر انبیاء کرام سے نیز انبیاء کی امامت فرمانا حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کا نماز پڑھنا روایات معتبرہ میں وارد ہے جو سارے حیات کے لوازمات میں بلکہ روایات میں حیات الانبیاء مصرح ہے کما تقدم۔

حافظ فرماتے ہیں (٦/٣٥٢): ومما يشكل على ما تقدم ما أخرجه أبو داؤد عن أبي هريرة رفعه، ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام، ورواته ثقات وجه الاشكال فيه ان ظاهره ان عود الروح إلى الجسد يقتضى انفصالها عنه، وهو الموت وقد أجاب العلماء عن ذلك بأجوبة أحدها: أن المراد بقوله رد الله على روحي ان رد روحه كانت مسابقة عقب دفنه لا أنها تعاد، وثم تنزع.

الثاني: لكن ليس هو نزع موت بل لا مشقة فيه.

الثالث: أن المراد بالروح الملك المؤكل بذلك.

الرابع: المراد بالروح النطق فتجوز فيه من جهة خطابنا مما نفهمه.

الخامس: أنه يستغرق في أمور الملأ الأعلى، فإذا سلم عليه رجع إليه فهمه ليجيب من سلم عليه.

وقد أشكل ذلك من جهة أخرى، وهو أنه يستلزم استغراق الزمان كله في ذلك لاتصال الصلوة والسلام عليه في أقطار الأرض ممن لايحصى كثرة وأجيب بأن امور الآخرة لاتدرك بالعقل، وأحوال البرزخ أشبه بأحوال الآخرة انتهى.

علامہ سیوطی نے أنبـاء الأذكياء بحيوة الأنبياء میں اس حدیث کے تیرہ جوابات دیے ہیں اور حافظ ابن حجر کے جواب نمبر پانچ کے بارے میں فرماتے ہیں: ’’وهـذا الـجواب عندي أقوى مايجاب به عن لـفظة الرد ‘‘ قاضی بیضاوی نے یہی معنیٰ شرح مصابیح میں بیان فرمائے ہیں کمافی المرقاۃ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دھلوی سے حاشیہ مشکوۃ میں بھی نقل کیا گیا ہے علامہ عبدالرؤف مناوی نے یہ جواب علامہ طیبی سے نقل کیا ہے اوراسی کومناوی نے ارجح الاجوبۃ قرار دیا ہے اور جواب اول امام بیہقی سے منقول ہے: قـال البيهقي إنما أراد – والله أعـلـم – الا وقـد رد الله عـلـي روحي حتى أرد عليه السلام، ونقله السبكي في شفاء الأسقام وأوضحه السيوطي في رسالته.

ولتراجع لمزيد التفصيل والله الهادي إلى سواء السبيل۔

الاحقر الافقر محمد يونس عفى عنه

۲۲؍ذی الحجہ لیلۃ الجمعۃ المبارکۃ ۱۳۹۰ھ

انبیاء علیہم السلام اور جناب رسول اللہ ﷺ سے قبر اور میدان حشر میں حساب وکتاب اور سوال وجواب ہوگا یانہیں؟

سوال: جوامع الکلم جلد دوم ص: ۱۲۷و۱۲۸ میں فرماتے ہیں:

’’کوئی نبی اورولی موت کے بعدکل قیامت کے دن سوال وجواب سے خالی نہ رہے گا یہاں تک کہ سردار انبیاء محمد اصفیاء کی روح مبارک کو جب بجناب حضرت حق لے جایا گیا تو ارشاد ہوا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا؟ تو آپ نے کہا کہ وہ میں نے نہیں کیا اور وہ میری طرف سے نہ تھا پھر ارشاد ہوا کہ آپ کی بعثت اورلوگوں کی دعوت کیا تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متحیر ہوگئے تو فرمان ہوا کہ جایئے میں نے آپ کو بخش دیا (إذهـب فقد غفرت لـک) لفظ اذهب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حساب وکتاب کی بناء پر کوئی بھی مرحوم ومغفور قرار نہیں پاتا جب تک کہ میری رحمت نہ ہو میری مغفرت آپ کو نصیب نہ ہوتی‘‘

مذکورہ اقتباس کے مفہوم کی صحت کے لئے کتاب وسنت میں کوئی مآخذ موجود ہے؟ وہ ذات اقدس واطہر جس کے معصوم ومغفور ہونے کے متعلق قرآن کریم کی شہادت لِيَـغْـفِـرَ لَکَ اللّٰهُ مَـا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَـأَخَّرَ موجود ہے کیا ایسی ہستی بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جانب سے پروانہ مغفرت ملنے کے بعد ہی مرحوم

ومغفور قرار پائے گی۔

قرآن کریم حضرت زید کی بیوی کے تعلق سے ناطق ہے کہ ''فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِنْھَا وَطَرًا زوجنکھا ''الخ اس کے خلاف یہ کہنا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا کیا یہ توہین رسول اور تکذیب آیات قرآنی نہیں ہے؟ اس واقعہ کی اس طرح مدلل وضاحت فرمایئے جس سے شبہات کی دیوار جو کھڑی کی گئی ہے وہ منہدم ہو جائے۔

جواب: اس سوال میں تین جزء ہیں اول یہ ہے کہ ہر شخص سے بروز قیامت سوال ہوگا اور دوسرا حضرت زید بن حارثہ کی بیوی کا قصہ تیسرے سارے لوگوں کا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات پانا۔

امر اول سے متعلق متعدد نصوص وارد ہیں جو سورہ اعراف، المؤمن، اور القارعۃ میں مذکور ہیں سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے ''وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلاَ تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئاً'' نفس نکرۃ تحت النفی واقع ہوا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کا حساب ہوگا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا اس کے عموم میں دوسرے مکلفین کی طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی آجاتے ہیں مگر علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات حساب اپنے عموم پر نہیں ہیں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کا حساب نہیں ہوگا جن میں انبیاء بھی داخل ہیں قال العلامة السید محمود الآلوسی فی تفسیرہ روح المعانی (۵۵/۱۷) تحت الآیة المذکورة: ربما یفھم من ذلک أن کل أحد توزن أعمالہ، وقال القرطبي (أی أبو عبد اللہ صاحب التذکرة ۳۱۱/۱): المیزان حق ولا یکون في حق کل أحد، بدلیل الحدیث الصحیح، ''فیقال یا محمد أدخل الجنة من أمتک من لا حساب علیہ من الباب الأیمن'' الحدیث وأحری الأنبیاء علیھم السلام وقولہ تعالیٰ ﴿یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاھُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالأَقْدَامِ﴾ وقولہ تعالیٰ ﴿فَلاَ نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا﴾ وقولہ سبحانہ ﴿وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَنْثُوْراً﴾ وانما یبقی الوزن لمن شاء اللہ سبحانہ من الفریقین وذکر القاضي منذربن سعید البلوطي: أن أھل الصبر لاتوزن أعمالھم وإنمایصب لھم الأجر صبا، وظواھر أکثر الآیات والأحادیث تقتضي وزن أعمال الکفار، وأُوِّل لھا ما اقتضی ظاھرہ خلاف ذلک، وھو قلیل بالنسبة إلیھا وعندي لا قاطع في عموم الوزن وأمیل إلی عدم العموم انتھی۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ''باب قول اللہ تعالیٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیمة، وإن

أعـمـال بـنـي آدم، وقولهم يوزن" قال الحافظ بن حجر في فتح الباري (١٧/٣٢٣): قوله: وإن أعـمـال بني آدم، وقولهم وكذا للأكثر وللقابسي وطائفة، وأقوالهم بصيغه الجمع، وهو الـمـنـاسب للأعمال وظاهره التعميم، لكن خص منه طائفتان فمن الكفار من لا ذنب له إلا الـكـفـر، ولم يعمل حسنة فإنه يقع في النار من غير حساب ولا ميزان، ومن المؤمنين من لا سئية له، وله حسنات كثيرة زائدة على محض الإيمان فهذا يدخل الجنة بغير حساب كما فـي قـصـة السبعين ألفا، ومن شاء الله أن يلحقه بهم وهم الذين يمرون على الصراط كالبرق الـخـاطف، وكـالـريـح وكأ جاويد الخيل، ومن عدا هذين من الكفار والمؤمنين يحاسبون وتـعـرض أعمالهم على الموازين، ويدل على محاسبة الكفار ووزن اعمالهم قوله تعالىٰ في سورة الـمـومنين ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأولٰئِكَ هُمُ المُفْلِحُون. وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأولٰئِكَ الَّذِيْـنَ خَسِـرُوْا أنْـفُسَهُمْ، إلى قوله: ألَمْ تَكُنْ آيَاتِيْ تُتْلىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْن﴾ ونقل الـقرطبي عن بعض العلماء أنه قال: الكافر لا ثواب له، وعمله مقابل بالعذاب، فلا حسنة له تـوزن فـي موازين القيامة ومن لا حسنة له، فهو في النار: واستدل بقوله تعالىٰ: فلا نقيم لهم يـوم الـقيـمة وزنـاً وبـحـديـث أبي هريرة - وهو في الصحيح - في الكافر "لايزن عند الله جناح بعوضة" وتعقب بأنه مجازعن حقارة قدره، ولا يلزم منه عدم الوزن، وحكى القرطبي في صفة وزن عمل الكافر وجهين.

أحـدهـمـا: أن كـفـره يوضع في الكفة ولا يجد له حسنة يضعها في الأخرى فتطيش التي لاشيء فيها، قال: وهذا ظاهر الآية لأنه وصف الميزان بالخفة لاالموزون.

ثـانيهـمـا: قـد يـقـع مـنـه العتق والبر والصلة وسائر أنواع الخير المالية مما لو فعلها الـمسـلـم لـكـانت له حسنات، فمن كانت له حسنات جمعت ووضعت، غير أن الكفر إذا قابلها رجح بها.

قـال الـحـافظ: ويحتمل أن يجازي بها عما يقع منه من ظلم العباد مثلاً فإن استوعب عـذب بـكـفره مثلاً فقط، وإلا زيد عذابه بكفره أو خفف عنه كما في قصة أبي طالب. اهـ. وقـال صاحب الجمل ولايكون الوزن في حق كل أحد لأن من لاحساب عليه لايوزن له كا لأنبياء والملائكة والوزن يكون للمكلفين من الجن والإنس. اهـ.

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے حساب نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ان کے اعمال کا وزن ہوگا، ان محققین نے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے۔

انبیاء سے قبر میں سوال جواب ہوگا یا نہیں؟

البتہ سوال قبر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے قبر میں سوال ہوگا یا نہیں؟ حافظ ابن القیم اور حافظ ابن حجر نے یہ اختلاف ذکر کیا ہے علامہ ابن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں:

والأصح أن الأنبياء عليهم الصلوة والسلام لايسئالون ،علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح المسایرہ میں (ص:۲۳۳) پر لکھتے ہیں "**لأن غير النبي يسأل عن النبي فكيف يسأل هو عنه**" اور علامہ کمال الدین ابن ابی شریف مسامرہ (ص:۲۳۴) میں نصوص نقل کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور مرابط سے سوال نہیں کیا جائے گا لکھتے ہیں "**وإذا ثبت ذلك لبعض الأمة فالأنبياء عليهم الصلاة والسلام يعلو مقامهم المقطوع بسببه بالسعادة العظمى ومع عصمتهم أولى بذلك انتهى .**"

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہ بات تو ضمنی طور پر آ گئی تھی اصل گفتگو یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے کل بروز قیامت حساب کتاب نہیں ہوگا لیکن بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**إذ قال الله يٰعيسٰى أ أنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِي وَأمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللهِ. الآية**" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سے سوال ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے اٹھانے کے بعد ہو چکا ہے یا قیامت میں ہوگا بہر حال اس سے مقصود حضرت عیسیٰ سے حساب لینا نہیں ہے اس لئے کہ عیسیٰ کا معبود بنا لینا ان کی قوم کی گمراہی ہے حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر راضی تھے بلکہ اس کلام کا مقصود عیسائیوں پر اتمام حجت ہے کہ عیسیٰ کو خدا بنا لینا تمہارا من گھڑت افسانہ ہے حضرت عیسیٰ تو اس سے تبری کر رہے ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق روایات کی تحقیق وتفصیل

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں عام طور سے دوقسم کے لوگ گڑبڑ کرتے ہیں ایک تو وہ ہیں جن کو کتاب وسنت سے واقفیت نہیں ہے، دوسرا وہ فریق باطل ہے جو اس وقت مرزائیہ یا قادیانیہ فرقہ کے ساتھ موسوم ہے، اگر قدماء میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو نزول مسیح کو ظنی کہے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو نزول کی روایات متواترہ کا علم نہیں ہوا، ورنہ جو حضرات کتاب وسنت کے ماہرین ہیں ان میں کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔ابن جریر طبریؒ، ابن عطیہ غرناطی الاندلسیؒ، ابوحیان اندلسی المالکیون، ابن کثیر شافعیؒ وغیرہم نے اپنی تفاسیر میں سورۂ آل عمران میں نزول عیسیؑ کے بارے میں تواتر کی تصریح فرمائی ہے۔اسی طرح ابوالحسن الآبری شافعی ابن حجر عسقلانی شافعی، ابن رشد مالکی وغیرہ مصرح ہیں، علامہ سفارینی حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وقد أجمعت الأمة على نزول عيسى بن مريم عليه السلام ولم يخالف فيه أحد من أهل الشريعة، وإنما أنكر ذلك الفلاسفة والملاحدة ممن لايعتد بخلافه، وقد انعقد إجماع الأمة على أنه ينزل ويحكم بهذه الشريعة المحمدية وليس ينزل بشريعة مستقلة عند نزوله من السماء وإن كانت النبوة قائمة به وهو متصف بها. اهـ. (۳/ ۹۴، لوامع الانوار)

حافظ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ:

وعيسى حي في السماء ولم يمت بعد، وإذا نزل من السماء لم يحكم الا بالكتاب والسنة لابشيء يخالف ذلك. (فتاوی ابن تیمیہ طبع ریاض ۴/ ۳۱۶)۔

اوراس سے زیادہ بسط سے ۴/۳۲۴ پر مذکور ہے، نزول عیسی کے بارے میں علماء نے اس زمانے میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام، وتحیۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی مشہور عالم تالیفات ہیں، اس کے علاوہ علماء عرب وعجم کی بکثرت تصانیف ہیں، اور یہ وہم کرنا کہ اس کے رواۃ بحد تواتر نہیں پہنچے یا تو ناواقفیت ہے یا عناد، اس لئے کہ تواتر میں کوئی عدد مخصوص شرط نہیں ہے بلکہ ایک جماعت نقل کرے کہ جن کا توافق علی الکذب نہ ہو، ظاہر ہے کہ جس مضمون کو روایت کرنے والے پچاسوں سے زیادہ ہوں اس کے بارے میں کیا شک وشبہ کیا جاسکتا ہے یہ ہر عاقل بصیر سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے کسی شہر کو نہیں دیکھا ہے اور دوچار آدمی خبر دیں کہ فلاں ملک میں فلاں شہر ایسا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ اس پر اتفاق کرکے نہیں آئے تو یقیناً ہر سننے والا

تصدیق ہی کرے گا الا یہ کہ کوئی آدمی طبائع سلیمہ کی حد سے تجاوز کر گیا ہو پھر جب کہ صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ اس مضمون کو نقل کر رہی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ صحابہ سارے عدول ثقات ہیں پھر ان میں توافق علی الکذب ہونا من امحل المحال ہے، بلکہ اوہام وظنون فاسدۃ کے قبیل سے ایسا خیال شمار ہوگا۔ نہ معلوم کتنی روایات ہیں جن کے بارے میں علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متواتر ہیں اور ان کے رواۃ کی نوعیت یہی ہے، احادیث رؤیت باری، حشر ونشر ومیزان وصراط وغیرہا صدہا روایات ہیں علامہ سیوطی کی مشہور تالیف "الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة" کا مطالعہ فرمائیں، بسا اوقات کسی روایت کے تواتر کا انکار اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ آدمی حالات روایت ورجال سے ناواقف ہوتا ہے اور دوسرا واقف ہوتا ہے وہ مقر ہوتا ہے، حافظ شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی الحرّانی اپنے فتاوی طبع ریاض ۱۸/۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"والصحيح الذي عليه الجمهور أن التواتر ليس له عدد محصور، والعلم الحاصل بخبر من الأخبار يحصل في القلب ضرورة كما يحصل الشبع عقيب الأكل والري عند الشرب وليس لما يشبع كل واحد، ويرويه قد رمعين، بل قد يكون الشبع لكثرة الطعام وقد يكون لجودته كاللحم وغير ذلك، كذلك العلم الحاصل عقيب الخبر تارة يكون لكثرة المخبرين وإذا كثروا فقد يفيد خبرهم العلم، وإن كانوا كفارا وتارةً يكون لدينهم وضبطهم فربّ رجلين أو ثلاث يحصل من العلم بخبرهم مالا يحصل بعشرة و عشرين لايوثق بدينهم وضبطهم، وتارة قد يحصل بكون كل من المخبرين أخبر بمثل ما أخبربه الآخر مع العلم بأنهما لم يتواطآ وأنه يمتنع في العادة الاتفاق في مثل ذلك كمن يروى حديثا طويلا فيه فصول، ويرويه الأخر لم يلقه، وتارة يحصل العلم بالخبر لمن عنده الفطنة، والذكاء والعلم بأحوال المخبرين وبما أخبروا به ما ليس لمن له مثل ذلك، وتارة يحصل العلم بالخبر لكونه روي بحضره جماعة كثيرة شاركوا المخبر في العلم ولم يكذبه أحد منهم، فإن الجماعة الكثيرة قد يمتنع تواطئهم على الكتمان كما يمتنع تواطئهم على الكذب، وإذا عرفت أن العلم بأخبار المخبرين له أسباب غير مجرد العدد علم أن من قيد العلم بعدد معين، وسوّىٰ بين جميع الأخبار في ذلك فقد غلط غلطاً عظيما، ولهذا كان التواتر ينقسم إلى عام وخاص فأهل العلم بالحديث، والفقه قد تواتر عندهم من السنة مالم يتواتر عند العامة كسجود السهو ووجوب الشفعة وحمل العاقلة العقل ورجم الزاني المحصن وأحاديث الرؤية وعذاب القبر والحوض والشفاعة وأمثال ذلك" اهـ. باختصار حروف.

یہ مضمون فتاوی میں دوسری جگہ ۱۸/۴۰ کچھ اجمال کے ساتھ ہے۔

چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

اور یہ کہنا کہ ہر زمانہ میں حدیث متواتر کے راوی اس قدر رہوں کہ ان کا توافق علی الکذب نہ ہو اور احادیث نزول میں یہ بات نہیں ہے یہ ایک مغالطہ ہے جو قادیانیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمیشہ روایات نزول کی یہی حیثیت رہی ہے تا آنکہ اصحاب تدوین نے اطراف عالم میں الگ الگ بیٹھ کر انھیں اپنے یہاں کے رواۃ سے سنا اور تدوین فرمایا یہ تو اس کی بیّن دلیل ہے کہ ان کا توافق نہیں ہوا اس زمانہ میں تو اجتماعات کے اتنے آسان وسائل بھی نہ تھے صحاح ستہ کے مصنفین اکناف مختلفہ کے رہنے والے ہیں اور وہ سارے احادیث نزول کی روایت نقل کرتے ہیں اسی طرح حاکم، بیہقی، دارقطنی دارمی، طبرانی، بزار، خطیب، ابن عساکر، نعیم بن حماد، ابوالشیخ ابن حیان، ابونعیم، ابوسعید نقاش، احمد ابن جریر حکیم ترمذی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن مردویہ وغیرہم نہ معلوم کتنے محدثین کرام وحفاظ عظام نے اس مضمون کی روایت کی تخریج فرمائی ہے۔

اور یہ خیال کہ بخاری وغیرہ کی بعض روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے مثلاً شریک بن عبداللہ نخعی کی طویل حدیث حدیث المعراج جو بخاری کی کتاب التوحید میں ہے اس کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے، لیکن احادیث نزول میں کسی نے بھی کلام نہیں کیا ہے، نیز شریک کے اوہام پر کلام ہے نہ کہ نفس معراج پر یا اسراء پر بلکہ نفس معراج اور اسراء چونکہ صحیحین وغیرہ میں بحالت یقظہ ہونا وارد ہے اور شریک کی روایت اس کے خلاف ہے اس لئے علماء نے اس پر کلام کیا ہے اور بہت سے علماء نے شریک کی روایت کا محمل یہ بتلایا ہے کہ وہ معراج منامی ہے، پھر اگر یہی صورت اختیار کی گئی تو ساری کتب حدیث بلکہ سارے دین کو بے اصل ماننا پڑے گا اور امت اسلامیہ کا یہ ایک مایۂ نازسرتاج کو پامال کرنا ہوگا، یہ مسلمات میں سے ہے کہ امت محمد یہ علی صاحبہا الف الف صلوات والتسلیمات نے اپنے نبی کریم ﷺ کی احادیث کی جو حفاظت فرمائی ہے وہ امم سابقہ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

اور یہ دعوی کہ نزول عیسی کی روایات بنوامیہ کے زمانہ میں گھڑی گئی ہیں یہ بھی باب انکار حدیث کی ایک کڑی ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے یا محض وہم وخیالات ہیں، اگر بنوامیہ کے زمانہ میں بفرض محال ایسا ہوا تو کیا بعد میں بنوالعباس نے اس کی تلافی نہیں کی اگر نہیں کی تو کیوں؟ بلکہ نزول کی تو خود حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ۶/۳۵۷ میں ذکر فرمایا ہے، نیز کیا سارے علمائے حق ختم ہوگئے تھے جنھوں نے حجاج کے سامنے صاف گوئی نہیں چھوڑی کیا وہ بعد میں ایسا کر سکتے ہیں جو اپنے اعزاء

واقر اباء کی پرواہ نہ کرتے ہوں وہ کسی اور کی کر سکتے ہیں؟ امام احمد نے خلفائے بنی العباس کے دور میں ضرب و حبس کی تکالیف مسئلہ خلق قرآن میں برداشت کی کیا وہ احادیث نزول کے موضوع ہونے کی صورت میں خاموش رہ سکتے ہیں اور مزید برآں اپنی مسند میں جس کی شرط ابوداود کی شرط کے برابر ہے ایسی روایات کو ذکر فرمانا گوارا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، نیز احادیث نزول کی روایت کے سلسلہ کی کڑیاں بخاری و مسلم میں ثقات ومعتمدین ہیں جن کو اصحاب رجال نے بلا کسی خوف کے صاف صاف بیان کر دیا ہے، اور یہ کہنا کہ ان احادیث میں حضور اقدس ﷺ کی اہانت ہے بالکل حماقت ہے، اس میں تو اعزاز ہے کہ ایک نبی حضرت اقدس ﷺ کی امت کا ایک فرد ہو کر نازل ہوگا، حافظ ذہبی جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو علامہ تاج الدین سبکی جوان کے شاگرد ہیں ان کی عیادت کرنے گئے، حافظ ذہبی نے استفسار کیا کہ بتلاؤ وہ کون سا آدمی ہے جو حضور اقدس ﷺ کی امت میں سے ہو اور ابو بکر و عمر عثمان و علیؓ سے بالاتفاق افضل ہو حافظ تاج الدین سبکی نے عرض کیا ''یقول لنا الشیخ ''(حضرت ہی ارشاد فرمائیں) حافظ ذہبی نے ارشاد فرمایا: **هو عيسى عليه السلام** ینزل في آخر الزمان، یہ سارا قصہ طبقات شافعیہ کبریٰ کے جلد ششم میں مذکور ہے مدت ہوئے دیکھا تھا پھر مطالعہ کریں گے، ذہبی کا نقد فی الحدیث سب کو معلوم ہے کسی کی بھی رعایت کو تیار نہیں ہوتا ہے کیا روایات باطلہ پر ایسا ناقد بصیر سکوت کر سکتا ہے۔

اور ''لانبی بعدي'' سے نزول عیسی کے خلاف استدلال کرنا حماقت ہے، اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اب کوئی جدید نبی نہیں آئے گا اور حضرت عیسی علیہ السلام نبی ہو کر نہیں آئیں گے بلکہ ایک امتی ہو کر نازل ہوں گے لیکن اپنے وصف نبوت کے ساتھ متصف ہوں گے جیسے کوئی قاضی کسی دوسرے قاضی کے محل قضاء میں جائے تو وہاں اس قاضی کے علاقہ کا پابند ہوگا، اگر چہ فی حد ذاتہ اپنے حاکم کی طرف سے وہ منصب قضاء کے ساتھ سرفراز ہی ہو اور یہ باتیں تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے اور ہماری یہ توجیہ لانفی جنس ماننے کے مخالف نہیں ہے اس لئے کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ جنس نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور حضرت عیسی تو پرانے نبی ہیں حضرت کے امتی ہو کر نازل ہوں گے۔

(ایقاظ) یہاں یہ بات دل نشیں کر لینی چاہئے کہ ہماری یہ توجیہ مرزائیوں کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ وہ مرزالعین کو نبی جدید مانتے ہیں اس سلسلے میں حضرت کشمیری کی کتاب عقیدۃ الاسلام کا مطالعہ کریں، کراچی سے بسہولت مل جائے گی بندہ نے درس مسلم میں خطبہ اور اسی طرح باب نزول عیسی علیہ السلام میں قدرے مختصراً

کلام کیا تھا غالبًا آپ کے پاس لکھا ہوگا اسے بھی دیکھ لیں۔اپنی کمزوری کی وجہ سے حفظ ہی سے لکھ رہا ہوں خدا کرے قامع شبہ مبتدعین ہو اور نافع ہو، التصریح بما تواتر في نزول المسیح مع تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ کی مکہ مکرمہ میں مل جائے گی وہاں سے حاصل کر کے مطالعہ کرلیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صبح کے وقت ہوگا یا عصر کے وقت

سوال: حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ نے بہشتی زیور میں نزول عیسی علیہ السلام کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عصر کے وقت نزول ہوگا، مولانا سید بدر عالم صاحبؒ نے ترجمان السنۃ تیسری جلد میں جن روایتوں کو جمع فرمایا ہے ان میں وقت نزول صبح کا ذکر ہے آپ براہ کرم تتبع فرما کر اور قیمتی وقت نکال کر اطمینان سے قول فیصل تحریر فرماویں۔

از مفتی داؤد یوسف رنگون

جواب: حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ السلام کے نزول کے بارے میں بکثرت احادیث وآثار وارد ہیں جو سو سے بھی متجاوز ہیں لیکن عام طور سے صرف نزول کا ذکر ہے نماز کا ذکر نہیں اور بہت سی احادیث میں صلوۃ کا بھی ذکر ہے لیکن تعیین صرف چند ہی روایات میں وارد ہوئی ہے اور بندہ کے تتبع میں صرف پانچ روایات ہیں جو پانچ صحابہ سے مروی ہیں:

(١)جابر بن عبد الله، أبو أمامة الباهلي (٢) عثمان بن أبي العاص الثقفي (٣) حذيفة بن اليمان، (٤) حذيفة بن اسيد.

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث میں ہے:

ثم ينزل عيسىٰ بن مريم فينادي من السحر، فيقول يا أيها الناس ما يمنعكم من الخروج إلى الكذاب الخبيث، فيقولون هذا رجل جنّيٌّ فينطلقون، فإذا هم بعيسىٰ بن مريم فتقام الصلوٰة فيقال له: تقدم ياروح الله، فيقول: ليتقدم أمامكم فإذا صلوا صلوة الصبح خرجوا إليه.

أخرجه أحمد ٣٦٧/٣ والحاكم ٥٣٠/٤، وصححه، وقال الذهبي هوعلى شرط مسلم، وقال الهيثمي ٣٤٤/٧ رواه أحمد بإسنادين ورجال أحدهما رجال الصحيح

وأخرجه ابن خزيمة في صحيحه كما في إقامة البرهان على نزول عيسىٰ في آخر الزمان ص: ٤١، وقال العلامة الكشميري، رجاله ثقات.

حضرت ابوامامہ کی حدیث میں ہے:

وجُلّهم في بيت المقدس وأمامهم رجل صالح فبينما أمامهم قد تقدم يصلى بهم الصبح إذ نزل عيسى بن مريم الصبح، فرجع ذلک الإمام ينكص يمشي القهقري ليقدم عيسىٰ فيضع عيسىٰ يده بين كتفيه، ثم يقول له، تقدم فصل فإنها لک أقيمت، فيصلى بهم إمامهم.

رواه ابن ماجة والحاكم ٥٣٦/٤، وقال حديث صحيح على شرط مسلم وأقره الذهبي في تلخيص المستدرک، وقال الزرقاني في شرح المواهب ٥٣/٦ صححه ابن خزيمة والحاكم، قال السيوطي في العرف الوردي أخرجه ابن ماجة والرويائي، وإبن خزيمة والحاكم وأبو نعيم. اهـ. وعزاه صاحب الاشاعة ص: ١٩٩، إلى الضياء المقدسي صاحب المختارة أيضاً وأخرج الحافظ ابن حجر في الفتح ٣٥٨/٦ و ٤٥٠. ٨٢/١٣. ٨٤/١٣. ٨٧/١٣ و٩٣ أطرافا من هذا الحديث من عند ابن ماجة وشرطه معلوم أنه لا يخرج الاسندا معتبراً.

حضرت عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں ہے:

وينزل عيسىٰ بن مريم عليه السلام عند صلوٰة الفجر فيقول له أميرهم، روح الله تقدم صل، فيقول هذه الأمة أمراء بعضهم على بعض، فيتقدم أميرهم فيصلى. أخرجه أحمد ٢١٧/٤ والحاكم ٤٧٨/٤، وكذا أخرجه ابن أبي شيبة والطبراني كما في الدرالمنثور ٢٤٣/٢، وفي إسناده مقال.

حضرت حذیفہ بن الیمان کی حدیث میں ہے:

إنه (أى الدجال) يقتل من المسلمين ثلثا ويهزم ثلثا ويبقى ثلث فيحجز بينهم الليل فيقول بعض المؤمنين ببعضهم: ما تنتظرون أن تلحقوا إخوانكم في مرضات ربكم، من كان عنده فضل طعام فليعد به على أخيه، وصلوا حين ينفجر الفجر، وعجلوا صلوٰتكم ثم أقبلوا على عدوكم فلما قاموا يصلون نزل عيسىٰ، وإمامهم يصلى.

أخرجه أبو عبد الله بن منده في كتاب الإيمان كما في النهاية لابن كثير ١١٦/١، والفتح لابن حجر ٤٥٠/٦، وقال أخرجه ابن منده باسناد صحيح والحاكم في المستدرک ٤٩٠/٤-٤٩١، وصححه على شرط مسلم وقال الذهبي: إسناده صالح.

اور حضرت حذیفہ ابن اسید کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فيقول لهم الذي عليهم: ماتنظرون لهذه الطاغيه إن تقاتلوه حتى تلحقوا بالله أو يفتح لكم، فيأتمرون أن يقاتلوه إذا أصبحوا، فيصبحون ومعهم عيسىٰ بن مريم، فيقتل الدجال، أخرجه الحاكم في المستدرك ٥٢٩/٢ موقوفًا على حذيفة بن أسيد وصححه وأقره الذهبي ولكنه مرفوع حكما إذ لا يقال مثله من الرأى.

ایک اثر کعب احبار سے اسی معنی میں منقول ہے:

قال السيوطي في العرف الوردي أخرج نعيم (يعني ابن حماد) عن كعب قال: يحاصر الدجال المؤمنين ببيت المقدس فيصيبهم جوع شديد حتىٰ يأكلوا أوتار قسيهم من الجوع، فبينما هم على ذلك إذا سمعوا صوتًا في الغلس فيقولون: أن هذا لصوت رجل شبعان فينظرون فإذا عيسى بن مريم، وتقام الصلوة فيرجع إمام المسلمين المهدي، فيقول عيسىٰ: تقدم فلك أقيمت الصلوة، فيصلى تلك الليلة، ثم يكون عيسى إماما بعده.

ان سب روایات سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا کا نزول صبح کے وقت ہوگا بندہ کو باوجود بار بار تقلیب اوراق کے کسی روایت میں یہ نہیں ملا کہ نزول عیسیٰ عصر کے وقت ہوگا اور بہشتی زیور میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حضرت اقدس شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کے قیامت نامہ سے لیا گیا ہے ملاحظہ ہو قیامت نامہ (ص:۱۴) مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی حضرت شاہ صاحب نے یہ مضمون علامہ محمد بن عبدالرسول البرزنجی کی کتاب الاشاعۃ (۱۶۹) سے لیا ہے اور خود صاحب الاشاعہ نے شیخ اکبر محی الدین بن عربی سے نقل کیا ہے:

قال الشيخ الإكبر في الفتوحات المكية ٣٢٧/٣ في الباب السادس والستين والثلث مأة في معرفة نزول وزراء المهدي الظاهر في آخر الزمان ينزل عيسىٰ بن مريم بالمنارة البيضاء بشرقي دمشق بين مهرودتين متكئا على ملكين: ملك عن يمينه وملك عن يساره تقطر رأسه مثل ماء الجمان، يتحدر كأنما خرج من ديماس، والناس في صلوة العصر، فيتنحى له الإمام من مقامه فيصلي بالناس يؤم الناس بسنة محمد ﷺ۔

لیکن شیخ اکبر نے کسی روایت کو اسناد میں پیش نہیں فرمایا آگے (ص۳/۳۳۰) حضرت نواس بن سمعان کلابی کی طویل حدیث بطریق امام ترمذی نقل فرمائی ہے جو مسلم شریف میں بھی ہے مگر اس میں کہیں بھی صلوۃ عصر کی تعیین وارد نہیں ہے اور نہ ہی حفاظ حدیث میں سے کسی نے ذکر کیا ہے بلکہ حافظ ابن کثیر

۵۸۲/۱ فرماتے ہیں:

فهـذه أحاديث متواترة عن رسول الله ﷺ مـن رواية أبي هريرة وابن مسعود وعثمان بـن أبـي الـعـاص وأبـي أمـامة والنواس بن سمعان وعبدالله بن عمروبن العاص ومجمع بن جـارية وأبي شريح وحذيفة بن أسيد، وفيها دلالة على صفة نزوله ومكانه من أنه بالشام بل بـدمشـق عندالمنار ة الشـرقية، وأن ذلك يـكـون عـنـد إقامة صلوة الصبح اهـ. وقال في تاريخه ۹۹/۲ وإنـه ينزل على المنارة البيضاء بدمشق وقد أقيمت صلو ة الصبح، فيقول له إمـام الـمسـلـمين: تقدم يا روح الله فصلّ فيقول: لا أن بعضكم على بعض أمراء تكرمة الله هذه الأمة.

البتہ علامہ برزنجی نے الاشاعۃ میں جمع کی صورت ذکر فرمائی ہے فرماتے ہیں ص:۲۰۶).

وطـريق الجمع بين هذه الروايات أن عيسىٰ صلوات الله عليه ينزل أولا بدمشق على المنار ة البيـضـاء وهـي مـوجـودة اليوم لستّ ساعات من النهار، وقد مر عن الفتوحات أنه يـصلى بالناس صلوٰة العصر فيحتمل أنه ينزل بعد الظهر، ثم مع اشتغاله بالقرعة بين اليهود والـنـصـارى، يـدخـل وقـت الـعـصـر، فيـصـلى بهم العصر كما في رواية ثم يأتى إلى بيت المقدس غوثا للمسلمين، ويلحقهم في صلوة الصبح، وقد أحرم المهدي والناس كلهم أو بـعـضهـم لـم يـحرموا، فيخرج الله بعض من لم يحرم بالصلوة، فيأتى والمهدي في الصلوة فيتـقهـقـر، ويقول لعيسىٰ بعض الناس: تقدم لما رأى تقهقر المهدي، فيضع يده على كتف الـمهـدي: أن تـقـدم انتهى۔اورمزید تفصیل اشاعہ میں ہے دیکھ لیں بندے کے ناقص خیال میں اس جمع کی تو اس وقت ضرورت تھی جب کہ کسی روایت میں نزول عند صلوۃ العصر ملجاتا اوراگر یہ مان لیا جائے کہ صلوۃ العصر کا لفظ مصحف ہے صحیح صلوۃ الفجر ہے تو سارا اشکال ختم ہوجائے واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۸؍جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے یا امتی ہونے کے ساتھ اور آپ کا وصف نبوت باقی رہے گا یا نہیں

حضرت عیسیٰ کی نبوت اور امتی ہونا:

اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نبی ہونے کے ساتھ امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نزول ہوگا، نبوت نبی کا وصف لازم ہے خدائے پاک کی طرف سے، یہ ایک عطیۂ دائمہ ہے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں کہیں کوئی آیت یا روایت نہیں ہے کہ جس میں نبی کے وصف نبوت سے معزولی کا ذکر ہو، بالفرض ایسا ہوتا بھی تو دار دنیا میں جو کہ نبی کا مقام عمل ہے جس کے لئے یہاں بھیجا جاتا ہے اور جب اس دنیا سے اس کو تعلق نہیں رہا تو اب وصف نبوت کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا، حضرت علامہ قسطلانی نے المواہب میں علامہ تقی الدین السبکی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ''التعظیم والمنة فی لنؤمنن به ولتنصرنه'' میں لکھا ہے:

يأتي عيسى في آخر الزمان على شريعته أى نبيّنا ﷺ بمعني أنه مامور بالعمل بها لكونه مأموراً بإتباعه وهو نبي كريم على حاله لا كما يظن بعض النا س أنه يأتي واحداً من هذه الأمة ليس متصفا بنبوته وحذف هذه الصفة تأدباً، قال السيوطي وسبب هذا الظن تخيله ذهاب صفة النبوة منه، وهوفاسد لأنه لا يذهب أبداً ولا بعد موته نعم هو واحد من هذه الأمة لما قلنا من أتباعه النبي ﷺ وإنما يحكم بشريعة نبينا محمد ﷺ بالقرآن والسنة وهو نبي كريم على حاله لم ينقص منه شئى إذا النبوة لا تذهب بالموت فكيف بمن هو حي. بزيادة من الزرقاني ١٦٥/٦، وقال الذهبي في التجريد ٤٣٢/١ عيسى بن مريم صحابي ونبي فإنه رأى النبي ﷺ ليلة الإسراء، وسلّم عليه، فهو آخر الصحابة موتا. وقال التاج السبكي في طبقاته ٢٢١/٥ قال لي شيخنا الذهبي مرة: ''من في الأمة أفضل من أبي بكر الصديق رضي الله عنه بالإجماع؟ فقلت: يفيدنا الشيخ، فقال عيسى بن مريم عليه السلام فإنه من أمة المصطفى ﷺ ينزل على باب دمشق ويأتم في صلوة الصبح بإمامها ويحكم بهذه الشريعة، قلت هذا ما أشرت إليه بقصيدتي التي نظمتها في المعاياة منها.

مـن بــاتـفــاق جـمـيـع الـخـلـق أفضل من
شيـخ الـصـحــاب أبي بـكــر ومن عمـر
ومــن عــلــي ومــن عثمــان وهـو فتــى
مـن أمة الـمـصـطـفى الـمختار من مضر

حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں ذہبی اور تاج الدین السبکی کا کلام بلانکیر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وأنكر مغلطاي على من ذكر خالد بن سنان في الصحابة كأبى موسىٰ، وقال إن كان ذكره لكونه ذكر النبي ﷺ فكان ينبغي له أن يذكر عيسىٰ وغيره من الأنبياء أو من ذكره هو من الأنبياء غيرهم، ومن المعلوم أنهم لا يذكرون في الصحابة انتهى. قال الحافظ ويتجه ذكر عيسى خاصة لأمور اقتضت ذلک أولها إنه رفع حياً، وهو على أحد القولين. الثاني إنه ينزل إلى الأرض، فيقتل الدجال ويحكم بشريعة محمد فبهذه الثلث يدخل في تعريف الصحابي وهو الذي عليه الذهبي اهـ.

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ۲/ ۷۵، ابن عمر کی حدیث ''ارأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد''۔ الحدیث رواہ البخاری کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: وأما من قال: المراد أمة محمد ﷺ سواء أمة الإجابة، وأمة الدعوة، وخرج عيسى والخضر لأنهما ليسا من أمتهٖ فهو قول ضعيف لأن عيسى يحكم بشريعته فيكون من أمته والقول في الخضر إن كان حياً كالقول في عيسى انتهى.

علامہ جلال الدین السیوطی نے الأعلام بحكم عيسى عليه السلام میں تقی الدین السبکی کی عبارت سابقہ اور دوسرے امور کے ساتھ بعض احادیث بھی لکھی ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صاف اس شریعت کے اوپر ہونا معلوم ہوتا ہے:

أخرج أحمد والبزار والطبراني من حديث سمرة عن رسو ل الله ﷺ، قال ينزل عيسى بن مريم مصدقاً بمحمد ﷺ، وعلى ملته فيقتل الدجال ثم إنما هو قيام الساعة.

وأخرج الطبراني في الكبير والبيهقي في البعث بسند جيد عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ: يلبث الدجال فيكم ماشاء الله، ثم ينزل عيسى بن مريم مصدقاً بمحمد وعلى ملته إماما مهدياً وحكما عدلا فيقتل الدجال.

وأخرج ابن حبان في صحيحه عن أبي هريرة قال سمعت رسول ﷺ يقول: ينزل عيسى بـن مريم فيؤمهم فإذا رفع رأسه من الركعة، قال: سمع الله لمن حمده، قتل الله الدجال واظهر المؤمنين، ووجه الاستدلال من هذا الحديث أن عيسٰى يقول في صلوته يومئذ "سمع الله لمن حـمـده" وهـذا الـذكـر فـي الاعتـدال من خواص هذه الأمة كما ورد في حديث ذكرت في كتاب المعجزات والخصائص.

وأخـرج ابـن عسـاكـر عـن أبـي هـريرة قال يهبط المسيح ابن مريم فيصلى الصلوات ويجمع الجمع، فهذا صريح أنه ينزل بشرعنا لأن مجموع الصلوت الخمس وصلوة الجمعة لم يكونا في غير هذه الملة.

وأخـرج ابـن عساكر من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص، قال قال رسول الله ﷺ: "كيف تهلك أمة أنا أولها" وعيسى بن مريم آخرها.

وأخـرج بـن عسـاكـر أيضاً من حديث ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ كيف تهلك أمة أنا أولها، وعيسى آخرها، والمهدي من أهل بيتي في وسطها.

عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھی نازل ہوگی۔

فـأخـرج مسـلـم وأحمد أبوداؤد والترمذى والنسائى وغيرهم من حديث النواس بن سـمـعـان، قال: ذكر رسول الله ﷺ الـدجـال إلـى أن قـال فبيـنـما هم كذلك إذ بعث الله الـمسيـح بـن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق واضعاً يده على أجنحة ملكين فيتبعـه فيـدركه، فيقتله عند باب الشرقى فبينما هم كذلك أوحى الله إلى عيسى بن مريم إنـي قـد أخرجت عبادا من عبادي لايدان لک بقتالهم فحرز عبادى إلى الطور، فيبعث الله يـاجوج وماجوج الحديث. قال السيوطي فهذا صريح في أنه يوحى إليه بعدا لنزول ثم قال بـعد كلام طويل ۱٦٦/۲: فـعـرف بـذلک أنـه لا تنافي بين كونه ينزل متبعاً للنبي ﷺ وبين كـونـه بـاقيـاً عـلـى نبوته ويأتيه جبرئيل ماشاء الله من الوحي. اھ۔لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس وقت نبی ہونے کے باوجود ان پر احکام تشریعیہ کے متعلق وحی نازل نہ ہوگی:

قال الـنووي في تهذيب الأسماء: "إذا نزل عيسى كان مقررا للشريعة المحمدية لا رسـولاً إلـى هـذه الأمة ويـصلى، وراء إمام هذه الأمة تكرمة من الله لها من أجل نبيها" وفي

الـصـحيح "كيف بكم إذا نزل عيسى بن مريم وإمامكم منكم، قال وقد جاء أنه يتزوج بعد نـزولـه ويولدله ويدفن عند النبيﷺ" انتهـى. كذا نقله ابن حجر في الإصابة ٣/٥٤ وهو في تهذيب الأسماء (٢/٤٧) ولفظه "ينزل عيسى حكما لا رسولا" والباقي نحوه.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کی تحقیق

سوال:

مخدوم ومکرم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج والا بعافیت ہوں چند باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

(۱) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہونے کی تمنا کی اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔

جواب: سیدنا موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰة والتسليمات میں داخل ہونے کی تمنا کرنا حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل روایت میں وارد ہے جس کو ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ۱۴/ پر روایت کیا ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے تورات میں اس امت کے بہت سے فضائل دیکھے تو یہ خواہش کی کہ یہ امت ان کی امت بنادی جائے ارشاد ہوا "تلك أمة أحمد" جب بار بار یہی جواب ملا تو پھر حضرت موسی علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ "يا رب فاجعلني من أمتي أحمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی سند میں جبارہ بن المغلس الحمانی الکوفی ہے جو ضعیف ہیں ابن معین سے منقول ہے کہ: "كذاب" لكن قال ابن المنير: هو صدوق يوضع له الحديث فيرويه ولا يدري، وقال أبونعيم: هذا الحديث من غرائب حديث سهيل لا أعلم أحداً. رواه مرفوعاً إلا من هذا الوجه تفرد به الربيع بن النعمان وبغيره من الأحاديث عن سهيل وفيه لين".

بندہ محمد یونس عفی عنہ

اس اشکال کا جواب کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پیغام پہنچایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر خود خدا آیا اور کلام کیا

سوال : ہمارا ایک دوست پوچھتا ہے کہ سب پیغمبروں کو جبرئیل کے ذریعہ وحی کا پیغام پہنچایا گیا کیا بات ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو طور پر خود خدا آ کر دکھائی دیا اور کلام کیا۔ والسلام فقط

زینب بی بی صاحبہ

جواب: موسی علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالی کا کلام سنا تھا دیکھا نہیں بلکہ ”رب أرني أنظر إليك“ کہہ کر جب دیکھنے کی تمنا کی تو ”لن تراني“ کا جواب ملا یعنی دنیا میں کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

اب سنو! سارے انبیاء ہم رتبہ نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض بعض کو خاص فضائل عطا فرمائے ہیں: ”قال تعالیٰ: تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مِنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَات“ عام انبیاء علیہم السلام کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا تھا حضرت موسی علیہ السلام سے اللہ پاک نے براہ راست کلام فرمایا اور حضور اقدس ﷺ کو اللہ پاک نے لیلۃ المعراج میں سارے آسمانوں کے اوپر بلایا یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے ہے اس کو وہی جانتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۸/شوال ۱۴۰۳ھ

باب (۷)

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر یا نور ہونے اور آپ کا سایہ ہونے یا نہ ہونے کی مفصل تحقیق

جواب :- تمہارا طویل وعریض خط مولانا وقار علی صاحب کے لفافے میں میرے نام بھی پہنچا تم نے بے سود کاوش کی جبکہ تم مجھ سے یہ سوالات زبانی بھی پوچھ چکے تھے تاہم قدرے تفصیل کے ساتھ جوابات لکھتا ہوں خدا کرے کافی وشافی ثابت ہوں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے سایہ کے متعلق مشہور یہ ہے کہ قد مبارک کا سایہ نہیں تھا اس کی مختلف وجہیں ہوسکتی ہیں اول تو مشہور عند الناس یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نور سے پیدا ہوئے تھے قاضی عیاض فرماتے ہیں (ص۳۰۶) **ذكر أنه ﷺ لا يرى ظل شخصه في شمس ولا قمر لأنه كان نوراً انتهى. قال القاري نقله الحلبي عن ابن سبع**، صاحب مواہب وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ **قال السيوطي في الخصائص ۱/۶۸؛ "قال ابن سبع: من خصائصه أن ظله كان لايقع على الأرض وإنه كان نوراً فكان إذا مشىٰ في الشمس والقمر لاينظر له ظل "** چنانچہ حدیث میں وارد ہے، **أول ماخلق الله نوري** مگر یہ حدیث جو بھی نقل کرتا بے سند نقل کرتا ہے جیسے مثال کے طور پر ملا علی قاری نے مرقات میں ۱/۱۴۰، یوں نقل فرمایا ہے: **"روي أن أول ما خلق الله نوري وأن أول ما خلق الله روحي "**، مگر یہ حدیث بایں لفظ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اور محض کسی ایک کا نقل کر دینا کافی نہیں جب تک کہ کسی حدیث کی معتبر کتاب کا حوالہ نہ دے اور یا اپنی سند معتبر سے پیش کرے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب میں نقل فرمایا ہے: ''وروی عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله قال: قلت یارسول الله! بأبي أنت وأمي، أخبرني عن أول شئ خلقه الله تعالى قبل أشياء، قال: ياجابر! إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيک من نوره فجعل ذلک النور يدور بالقدرة حيث شاء الله، ولم يكن في ذلک الوقت لوح ولاقلم ولا جنة ولا نار ولا ملک ولاسماء ولا أرض ولاشمس ولاقمر ولاجني ولا إنسي، فإذ أراد الله تعالىٰ أن يخلق الخلق قسم ذلک النور أربعة أجزاء: فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثانى اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول حملة العرش ومن الثاني الكرسي، ومن الثالث باقي، الملائكة، ثم قسم الرابعة أربعة أجزاء، فخلق من الأول السمٰوات ومن الثاني الأرضين ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، ومن الثاني نور قلوبهم وهي المعرفة بالله، ومن الثالث نور أنسهم وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله'' الحديث یہیں تک قسطلانی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ: ولم يذكر الرابع من هذا الجزء فليراجع من مصنف عبد الرزاق مع تمام الحديث وقد رواه البيهقي ببعض انتهى.

قسطلانی نے صرف حدیث نقل کردی اور عبدالرزاق کا حوالہ دیا نہ معلوم عبدالرزاق کی کس تصنیف میں ہے پھر اس کی سند ذکر نہیں کی روایت کا طرز بتلاتا ہے کہ یہ حدیث مشکوۃ نبوت سے نہیں نکلی ہے ہم کو باوجود تتبع کے اس حدیث کی سند نہیں ملی علامہ سیوطی جن کو اس قسم کی روایات ذکر کرنے میں انہماک ہے ان کی کتاب خصائص میں بھی تلاش سے نہ مل سکی ظن غالب یہ ہے کہ یہ الفاظ سید الرسل ﷺ کے نہیں ہیں بلکہ معمول ومصنوع ہے دور متأخر کے مشہور عالم الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ''التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة'' (ص ۱۲۹) میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نور محمدی ﷺ اول مخلوقات ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ نور مجرد ہیں بلکہ آپ انسان تھے تمام اوصاف انسانیت آپ میں موجود تھے آپ خواجہ عبداللہ و بی بی آمنہ کے صلب وشکم سے پیدا ہوئے آپ سوتے وجاگتے بھی تھے، کھاتے پیتے بھی تھے اور آپ کو بول وبراز کی بھی حاجت ہوتی تھی، آپ نے نکاح بھی فرمائے اور اپنی ازواج سے جماع بھی فرماتے تھے جیسا کہ روایات صحیحہ میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں بلکہ قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ میں بشر ہونے کی تصریحات موجود ہیں قال تعالیٰ ''قل إنما أنا

بشرٌ مِّثلكم" حدیث پاک میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے "إنـمـا أنـا بشر فإذا نسيت فذكروني" أو كما قال عليه السلام بلکہ قرآن پاک تو بانگ دہل فرماتا ہے کہ اگر پیغمبر آئے گا تو وہ بشکل انسانی ہوگا قال تعالیٰ "وَقَالُوا لَوْلا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الأَمْرُ ثُمَّ لا يُنظَرُونَ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلاً" الآية اور بات بھی یہی ہے اس لئے کہ حضرات رسل علیہم السلام مربی واستاذ بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ استفادہ اور افادہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ مفید و مستفید میں مناسبت ہو۔

چند غلط استدلالات اور ان کے جوابات

اور یہ گمان کرنا کہ "إنَّـمـا أنَـا بَشَرٌ مِّثْلُكُم" میں ما نافیہ ہے نحوی غلطی ہے اہل فن نے بالاتفاق تصریح فرمائی ہے کہ ایسے مقامات میں ما کافہ ہوتا ہے اور بعض اہل اصول کا یہ خیال کہ یہ إنـمـا أن حرف مشبہ بالفعل اور ما نافیہ سے مرکب ہے اول تو محققین نے اسے تسلیم ہی نہیں کیا ہے ثانیاً اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ مقصد نہیں ہے کہ آیت کا مقصد بشریت کی نفی کرنا ہے بلکہ جن حضرات نے إنما کو ان اور ما نافیہ سے مرکب مانا ہے خود ان کے یہاں بھی یہ حرف ما اور الا کے معنی میں ہے جو بالاتفاق مفید حصر ہے تو اس صورت میں مقصود یہ ہوگا آنحضرت ﷺ بشر ہی ہیں یعنی غیر بشر نہیں ہیں اس لیے جملہ حصر یہ دو مضمون کے لیے مفید ہیں اول اثبات مذکور دوم نفی غیر مذکور یہ بحث ضمنی طور پر آگئی ہے اس مسئلہ میں لوگوں نے طویل وعریض کلام کیا ہے کتب تفسیر وغیرہ سے مراجعت کرلیں اور اگر ہم حدیث أول "ما خلق الله نور نبيك" ثابت بھی مان لیں تو مقصود یہ ہے کہ حضور اقدس کا نور نبوت عالم غیب میں سب سے پہلے جلوہ گر ہوا۔

(۲) بعض حضرات کا استدلال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں حضور اقدس ﷺ کا "اللّٰهم اجعلني نوراً" فرمانا وارد ہوا ہے مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ اس دعا کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ قلب حقیقت کی دعا فرماتے ہیں بلکہ ساری دعا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کچھ اور ہی دعا فرماتے ہیں، مختلف الفاظ میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ہے "اللّٰهم اجعل في بصري نوراً وفي سمعي نوراً وعن يميني نوراً وعن يساري نوراً ومن خلفي نوراً ومن أمامي نوراً ومن فوقي نوراً ومن تحتي نوراً".

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی دعا کی غرض یہ ہے کہ حضرت ﷺ کے سارے متعلقات واحوال میں نور الٰہی وربانی کی تجلی کارفرما ہے اور ہمہ وقت اور ہر آن کدورات بشریت سے صفائی حاصل ہو اسی کا ایک اثر یہ

تھا جو حضور ﷺ نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ”إن الله قد أعانني عليه فأسلم“ یہ شیطان کے بارے میں ارشاد ہے یعنی قرین جو حضور کے ساتھ مقرر ہے وہ مسلمان ہو گیا ہے اگر نور حقیقی ہوتے اور بشری اوصاف بالکل نہ ہوتے تو متعلقات بشریت کے کیوں محتاج ہوتے اکل وشرب وغیرہ صحت وسقم، مرض والم، رنج وغم، دیگر متعلقات بشریت اور لوازم سبھی آپ میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) بعض حضرات نے استدلال میں ایک حدیث نقل فرمائی علامہ سیوطیؒ خصائص کبری (ص ۶۸ ص ۷۱) میں لکھتے ہیں:

”أخرج الحكيم الترمذي من طريق عبد الرحمن بن قيس الزعفراني عن عبد الملک بن عبد الله بن الوليد عن ذكوان أن رسول الله ﷺ لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر ولا أثر قضاء حاجة“ انتهى.

قلت: عبد الرحمن بن قيس لايقبل عنه هذا الحديث، فقد قال الذهبى فى الميزان: ”كذبه ابن مهدى وأبوزرعة، وقال البخاري: ذهب حديثه وقال أحمد لم يكن بشيء“ انتهى. وذكر الجمال المرى في تهذيب الكمال والحافظ ابن حجر في تهذيب التهذيب كلام الحفاظ فيه، وجرحهم إياه، وقال الحافظ صالح بن محمد المعروف بجزره: كان يضع الحديث، وقال الحافظ ابن حجر فى التقريب ”متروک كذبه أبو زرعة وغيره“ انتهى، فكيف يقبل حديثه هذا، وأما عبد الملک بن عبد الله بن الوليد فلم أعرفه، وكذا ذكوان ينظر من هو، ففى الصحابة جماعة بهذا الإسم.

(۴) بعض حضرات ایک دوسری حدیث نقل کرتے ہیں قال القاضی عیاض (ص ۳۰۶): ”ذكر أنه لايرى ظل شخصه في شمس ولا قمر لأنه كان نوراً“ قال الخفاجی (۲۸۲/۳): هذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباسؓ قال: ”لم يكن لرسول الله ﷺ ظل لم يكن مع شمس الا غلب ضوءه ضوئها ولامع سراج الا غلب ضوءه ضوئه“ انتهىٰ.

اس حدیث کی کوئی سند نہ تو خفاجی نے ذکر کی اور نہ ہی ہمیں اور کہیں اس کی سند ملی ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بھی من جملہ روایات ضعیفہ کی ایک روایت ہے علامہ سیوطی نے خصائص میں اس روایت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے حالانکہ علامہ سیوطی نے خصائص میں روایات کے سلسلے میں بہت ہی تساہل سے کام لیا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات ایسی ہیں جو تحقیق کے بعد کھری ثابت نہ ہوں گی تو بیجا نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ ہونے والی روایات

اب ہم ایسی روایات پیش کریں گے جس سے انشاء اللہ یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ قد انور کے لیے عام انسانوں کی طرح سایہ تھا اور اس میں عقلی طور پر بھی کوئی استغراب واستعجاب نہیں ہے اس لیے کہ آپ بشر تھے، اور نہ ہی سایہ ہونا شان نبوت کے منافی ہے جیسے دیگر لوازمات بشریت منافی مقام نبوت نہیں ہے:

(۱) قال الإمام أحمد (۱۳۱/٦) وابن سعد (۱۲٦/۸): حدثنا عفان حدثنا حماد قال ثابت عن شميسة عن عائشة "أن رسول الله ﷺ كان فى سفرله فاعتلّ بعير لصفية، وفي إبل زينب فضل، فقال لها رسول الله ﷺ: إن بعيرا لصفية اعتل فلو أعطيتها بعيراً من إبلک، فقالت أنا أعطى تلک اليهودية؟ قال: فتركها رسول الله ﷺ ذاالحجة والمحرم شهرين أو ثلاثة لا يأتيها، قالت: حتى يئست منه وحولت سريري قالت: فبينما أنا يوماً بنصف النهار إذا أنا بظل رسول الله ﷺ مقبل" زاد أحمد قال عفان: حدثنيه حماد عن شمية عن النبى ﷺ سمعته بعد يحدثه عن شمية عن عائشة عن النبى ﷺ وقال بعد في حج أو عمرة قال ولا أظنه إلا قال في حجة الوداع" انتهى.

وأخرجه في موضع آخر (٢٦١/٦) قال حدثنا يونس حدثنا حماد يعنى ابن سلمة عن ثابت عن شميسة عن عائشة: أن بعيراً لصفية اعتل، وعند زينب فضل من الإبل، فقال رسول الله ﷺ لزينب: إن بعير صفية قد اعتل، فلو إنک أعطيتها بعيراً، قالت: أنا أعطى تلک اليهودية؟ فتركها فغضب رسول الله ﷺ شهرين أو ثلاثاً حتى رفعت سريرها وظنت أنه لايرضى عنها، قالت: فإذا أنا بظله يوما بنصف النهار فدخل رسول الله ﷺ فأعادت سريرها".

ورجال الإسنادين ثقات أما عفان فهو ابن مسلم من رجال الستة ثقة ثبت، وأما حماد بن سلمة فهو من الثقات الأعلام أثبت الناس في ثابت، وأما ثابت فهو ثقة ثبت من رجال الستة.

اعلم أن هذه السلسلة أعني عفان عن حماد عن ثابت أخرج بها مسلم في صحيحه أحاديث (۱/ ۱۰۵-۱۱٤-۱۱۵) وأما يونس فهو يونس بن بكير بن واصل الشيباني أحد الأعلام وأئمة الأثر صدوق، وقد يخطئ روي له الترمذي وأبو داؤد والنسائي وابن ماجة،

قال الذهبى: وقد أخرج مسلم ليونس في الشواهد لا الأصول، وكذلك ذكره البخاري مستشهداً به وهو حسن الحديث، مات سنة تسع وتسعين ومأة انتهى، وأما شميسة فهي شميسة بالتصغير بنت عزيز العتكية البصرية مقبولة من الثالثة كذا في التقريب، قال الذهبي في الميزان، وما علمت في النساء من اتهمت، ولا من تركوها انتهى. فلذا قال الحافظ ابن حجر: إنها مقبولة، فالإسناد إذن حسن وهذا الحديث أخرجه الطبراني فى الأوسط (٣/٢٩٠) كما في مجمع الزوائد (٤/٣٢٢).

عن عائشة ؓ: قالت كان رسول الله ﷺ: في سفر ونحن معه فاعتل بعير لصفية، وكان مع زينب فضل، فقال لها رسول الله ﷺ: إن بعير صفية قد اعتل، فلو أعطيتها بعيراً لك، قالت: أنا أعطى هذه اليهودية؟ فغضب رسول الله ﷺ وهجرها بقية ذى الحجة ومحرم وصفر وأياماً من ربيع الأول، حتى رفعت متاعها وسريرها، فظنت أنه لا حاجة له فيها فبينا هي ذات يوم قاعدة بنصف النهار إذا رأت ظله قد أقبل فاعأدت سريرها ومتاعها.

قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الأوسط وفيه سمية روي لها أبوداؤد وغيره ولم يجرحها أحد، وبقية رجاله ثقات.

(٢) قال الإمام أحمد (٦/٣٣٧) حدثنا عبد الرزاق قال: حدثنا جعفر بن سليمان عن ثابت قال حدثتني شميسة أو سمية، قال عبد الرزاق: هو في كتابي سمينة عن صفية بنت حيى أن النبي ﷺ حج بنسائه فلما كان في بعض الطريق نزل رجل فساق بهن، فأسرع، فقال النبي ﷺ: كذاك سوقك بالقوارير، يعنى النساء، فبيناهم يسيرون برك بصفية بنت حيى جملها، وكانت من أحسنهنّ ظهراً فبكت، وجاء رسول الله ﷺ حين أخبر بذلك فجعل يمسح دموعها بيده، وجعلت تزداد بكاء وهو ينهاها، فلما أكثرت زبرها، وانتهرها، وأمر الناس بالنزول فنزلوا ولم يكن يريد أن ينزل قالت فنزلوا، وكان يومى فلما نزلوا، ضرب خباء النبي ﷺ ودخل فيه قالت: فلم أدر على ما أهجم من رسول الله ﷺ، وخشيت أن يكون في نفسه شئ مني، فانطلقت إلى عائشة فقلت لها: تعلمني إني لم أكن أبيع يومي من رسول الله ﷺ بشئ أبداً، وإنى قد وهبت يومي لك على أن ترضى رسول الله ﷺ عني، قالت: نعم قال فأخذت عائشة ؓ خماراً لها قد ثردته بزعفران، فرشته بالماء ليذكى

ريحه، ثم لبست ثيابها ثم انطلقت إلى رسول الله ﷺ فرفعت طرف الخباء فقال لها، مالک يا عائشة! إن هذا ليس بيومک، قالت: ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء، فقال مع أهله، فلما كان عندالرواح، قال لزينب بنت جحش: يا زينب أفقري أختک صفية جملاً، وكانت من أكثرهن ظهراً فقالت أنا أفقر يهوديتک، فغضب النبي ﷺ حين سمع ذلک منها فهجرها فلم يكلمها حتى قدم مكة، وأيام مني في سفره حتى رجع إلى المدينة والمحرم وصفر فلم يأتها، ولم يقسم لها ويئست منه، فلما كان شهر ربيع الأول دخل عليها فرأت ظله، فقالت: إن هذا لظل رجل وما يدخل على النبي ﷺ، فمن هذا؟ فدخل النبي ﷺ فلما رأته فقالت يا رسول الله ﷺ ما أدري ما أصنع حين دخلت علي، قالت: وكانت لها جارية وكانت تخبؤها من النبي ﷺ فقالت فلانة لک، فمشى النبي ﷺ إلى سرير زينب وكان قد رفع فوضعه بيده ثم أصاب أهله ورضي عنهم.

رجال الإسناد ثقات وشميسة وكذا سمية قد ذكرنا فى الحديث الذى قبله وأما سمينة فالظاهر إنها هي سمية وجعفر بن سليمان عن ثابت أخرج مسلم عن هذه الترجمة. ص١٨٨ـ

(٣) قال عبد الله بن وهب أنبأنا معوية بن الصالح عن عيسى بن عاصم عن زر بن حبيش عن أنس بن مالک، قال: صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم صلوةالصبح ثم مد يده ثم أخرها فلما سلم، قيل له: يا رسول الله لقد صنعت في صلوتک شئاً لم تصنعه في غيرها، قال إني رأيت الجنة فرأيت حبها دالية قطوفها دانية حبها كالدباء، فأردت أن أتناول منها فأوحى إلي أن أستأخر، فاستأخرت ثم رأيت النار فيما بيني وبينكم، حتى لقد رأيت ظلي وظلكم، فأومات إليكم أن استاخروا، فأوحى إلى أُقِرَّهُمُ فإنک أسلمت وأسلموا، وهاجرت وهاجروا، وجاهدت وجاهدوا، فلم أرلى عليكم فضلا إلا بالنبوة.

كذا في حادي الأرواح للحافظ ابن القيم والحديث أخرجه الحكيم الترمذى في نوادر الأصول (ص:١٦٨) وابن خزيمة فى صحيحه (٥١/٢) والحاكم فى المستدرک (٤٥٦/٤) والضياء فى المختاره (١٣٨/٧) من طريق ابن وهب، وصححوه، وهذا الإسناد حسن صحيح وابن وهب ثقة، إمام ومعٰوية بن صالح الحمصى قاضى الأندلس روي له مسلم

والأربعة والطحاوى، وثقه أحمد وابن مهدي والعجلي والنسائي وأبو زرعة وابن سعد وغيرهم، وقد ينفرد بأشياء، وقال ابن معين، ثقة، وقال مرة: صالح، وقال مرة: ليس بمرضي، وقال يحيى القطان: ما كنا نأخذ عنه، وقال ابن خراش: صدوق، وقال ابن عدي: له غير ما ذكرت حديث صالح وما أري بحديثه بأسا، وهو عندي صدوق، إلا إنه يقع في حديثه إفرادات، وأما عيسى بن عاصم الأسدى الكوفي فأخرج له أبو داود والترمذي وابن ماجة والبخاري في الأدب، قال أبو طالب عن أحمد: ثقة، وقال أبوحاتم: صالح، وقال النسائي: ثقة وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الحاكم: كوفي ثقة، ووقع فى النسخة المطبوعة من أعلام الموقعين عيسى عن عاصم وهو غلط وأما زرين حبيش فهو ثقة ثبت من رجال الستة.

یہ احادیث ثلثہ یعنی حدیث ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حدیث ام المومنین حضرت صفیہ وحدیث انس بن مالک اسانید معتبرہ حسنہ سے مروی ہیں جیسا کہ تفصیلی تحقیق سے معلوم ہو چکا اور ہر ایک میں رسول ﷺ کے قد مبارک کے لئے سایہ وظل ہونا مذکور ہے بلکہ انس کی حدیث میں تو حضور اقدس ﷺ کا فرمان رأيت ظلی وظلکم صاف وارد ہوا ہے پھر اس کے خلاف کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے اور ہرگز کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ اثبات ظل منافی مقام نبوت ہے اگر یہ بات ہوتی تو خود اللہ تعالی اس کا ضمان لیتے اور صاف فرماتے کہ ہمارے رسول کے قد انور کا سایہ نہیں ہے نیز اگر جسد انور کا سایہ نہ ہوتا تو جس طرح اور شمائل نبویہ بیان کئے جاتے ہیں اور روایات صحیحہ معتبرہ میں وارد ہوئے ہیں اس کا بھی ذکر ہوتا بلکہ یہ تو خلاف عادت ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ قابل اہتمام ہوتا اور صحابہؓ جیسے شق قمر، نبع ماء، تسلیم حجر وغیر ذکر فرماتے ہیں اسے بھی ذکر فرماتے خاتم نبوت کا تذکرہ جس طرح احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے اس کا تذکرہ بھی ہوتا حالانکہ تحقیقی طور پر ایک روایت بھی نفی ظل نبوی میں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اصل فضائل وہ ہیں جو احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں ان کمالات واوصاف کے لئے شمائل ترمذی وغیرہ دیکھی جائے واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ پڑنے سے متعلق روایات کی تحقیق

سوال:۔ کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ پڑتا تھا؟ والسلام

سید شاکر علی نقوی بدایوں ۲۵ رمئی ۱۹۸۱ء

جواب :- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں اگر چہ انہیں قاضی عیاض وغیرہ نے ذکر کیا ہے، مسند احمد (ص۔۱۳۱، ج۔۶) پر بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول منقول ہے: ''**فبینما أنا یوماً بنصف النهار إذا أنا بظل رسول الله صلی الله علیه وسلم مقبل**'' ابن القیم نے حادی الارواح میں ایک روایت نقل کی ہے اس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''**حتی رأیت ظلي وظلکم**'' وارد ہے اور اس کے رجال مستند ہیں درجہ حسن کی حدیث ہے۔

فقط محمد یونس عفی عنہ ۲۳؍رجب ۱۴۰۱ھ

رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہونے کی صریح صحیح روایت

سوال: محترم المقام قابل صد احترام جناب استاذی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! مؤدبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب بحوالہ تحریر فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک بریلوی عالم نے تقریر کی اور اس نے درمیان تقریر یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کے استدلال میں اس نے ایک حدیث پیش کی اور اس نے کہا کہ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے، اور اس نے اس حدیث کو مستدل بنایا اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں اور مزید اس نے یہ کہا کہ ہر جسم والی چیز کا خاصہ ہے کہ اس کو سایہ ہو اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسم والے تھے تو آپ کا سایہ ہونا ضروری ہے اور مقرر کی استدلال کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہیں تھا کیا یہ حدیث صحیحین یا دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ حدیث کیسی ہے اور محدثین کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے، اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں اور اس کے بارے میں محدثین کی رائے کا اظہار فرمائیں۔ فقط والسلام

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی حدیث صحاح ستہ اور مسانید مشہورہ و مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبد الرزاق اور دیگر کتب مشہورہ میں نہیں ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں لکھی ہیں لیکن وہ ساری معلول و غیر معتبر ہیں مسند احمد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی روایت موجود ہے۔ حضرت زینب فرماتی ہیں: ''**فبینما أنا یوماً بنصف**

النهار، إذا أنا بظل رسول الله صلى الله عليه وسلم مقبل"۔(مسند احمد ۶/۱۳۱)

محمد یونس عفی عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی بابت قاضی عیاض کی صراحت اور اس کا جواب

مسند احمد کا درجہ ابوداؤد سے بڑھ کر ہے

سوال: مجھ کو آپ نہیں جانتے لیکن مجھ کو ایک ثقہ روای کی معرفت معلوم ہے کہ آپ شیخ الحدیث نہیں بلکہ ابوالحدیث ہیں کچھ عرصہ ہوا یہاں بدعتیوں کے مکتب پر مبارک پور کے شیخ الحدیث عبدالعزیز صاحب کی تشریف آوری ہوئی دورانِ میلاد فرماگئے کہ رسول اکرم کا سایہ نہیں تھا میں نے ثبوت طلب کیا تو ڈیڑھ ماہ کے بعد خط آیا کہ شفاء قاضی عیاض میں حدیث ہے کہ حضور کا سایہ نہیں تھا یہ الفاظ انہیں کی تحریر کے ہیں اب میرے لئے بڑی مشکل ہے کہ وہ کتاب میں نے پڑھی نہیں ہے نہ ہی وہ حدیث میری نظر سے گذری ہے میں اس کی نوعیت کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتا ہوں اب یہاں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے برائے کرم اس سلسلے میں آپ جو میری مدد کر سکتے ہیں دریغ نہ کریں۔

جواب:- ابھی ابھی آپ کا کارڈ ملا حضور اقدس ﷺ کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ قد اقدس کا سایہ نہ تھا اور واقعی قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ ذكر أن رسول الله لا يرى ظل شخصه في شمس ولا قمر لأنه كان نوراً۔

ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نقله الحلبي عن ابن سبع وقال الخفاجي رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضي الله عنهما لیکن کسی نے اس کی سند نقل نہیں کی اور سند ہی پر دارومدار ہے محض کسی عالم کا اس قسم کی بات کا بے سند نقل کرنا جس کا تعلق نقل وروایت سے ہو کافی نہیں ہے جب تک کہ سند نہ ذکر کی جائے مسند احمد جس کا درجہ ابن تیمیہ کی رائے میں ابوداؤد کے برابر بلکہ افضل ہے اس میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل ہے اس میں قد انور کے سایہ کا ذکر ہے قال (۶/۲۶۱) حدثنا يونس ثنا حماد عن ثابت عن شميسة عن عائشة أن بعيراً اعتل، وعند زينب فضل من الإبل، فقال رسول الله ﷺ لزينب: إن بعير صفية اعتل، فلو إنك أعطيتها بعيراً قالت: أنا أعطى تلك

اليهـو دية؟ فتر كها فغضب رسول الله شهرين أو ثلثاً حتى رفـعت سريرها وظنّت أنه لا يرضى عنها، قالت: فإذا أنا بظله يوماً بنصف النهار فدخل رسول الله ﷺ فأعادت سريرها۔

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس حدیث کے رجال معروف ہیں شمیسہ کے بارے میں حافظ نے کہا ہے مقبولۃ اس لئے اگر کہا جائے کہ یہ سند حسن ہے تو بجا ہوگا۔فقط والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کتنی مرتبہ ہوا؟

سوال: - شق صدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی مرتبہ ہوا؟ تین مرتبہ یا اس سے زائد کا بھی ثبوت ہے اگر ہے تو مفصل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

جواب :- شق صدر نبوی ﷺ کے سلسلے میں مختلف روایات مروی ہیں سب سے اول تو بچپن میں ہوا

قال مسلم (۹۲/۱) حـدثـنا شيبان بن فروخ قال ثنا حماد بن سلمة قال ثنا ثابت البناني عن أنس بن مالک أن رسول الله ﷺ أتـاه جبـريـل وهو يلعب مع الغلمان، فأخذه فصرعه فشق عن قلبه، فاستخرج منه علقة فقال هذا فاستخرج القلب حظ الشيطان منک، ثم غسله في طشـت مـن ذهب بماء زمزم، ثم لأمه ثم أعاده في مكانه وجاء الغلمان يسعون إلى أمه يعنى ظئـره، فـقـالـوا: ان مـحـمداً قد قتل، فاستقبلوه وهو منتقع اللون قال أنس وكنت أرى أثر المخيط في صدره. وأخرجه الإمام أحمد في مسنده.

وأخـرج الإمام الدارمي (۱/٦-۸) قـال أخبـرنـا نعيم بن حماد ثنا بقية عن بحير عن خـالـد عـن بـن مـعدان قال ثنا عبد الرحمن بن عمرو السلمي عن عتبة بن عبد السلمي أنه حـدثهـم - وكـان من أصحاب رسول الله ﷺ: أن رسـول الله قـال له رجل: كيف كان أول شـأنک يـا رسـول الله! قـال: كانت حاضنتى في بني سعد بن بكر فانطلقت أنا وابن لها في بهم لنا ولم نأخذ معنا زاداً، فقلت يا أخي "إذهب فأتنا بزاد من عندامنا فانطلق أخي ومكثت عـنـد البَهم فأقبل طائران أبيضان كأنهما نسران فقا ل أحدهما لصاحبه: هو هو، قال الآخر نـعـم فاقبلا يبتدراني فأخذاني فبطحانى للقفا، فشقابطنى ثم استخرجا قلبى فشقاه، فأخرجا مـنـه عـلـقتين سودا وين فقال أحدهما لصاحبه ائتنى بماء ثلج فغسل به جوفي ثم قال ائتنى بـمـاء بـرد فـغسـل به قلبي، ثم قال ائتنى بالسكينة فذره في قلبي، ثم قال أحدهما لصاحبه،

حـصـه فحاصه وختم عليه بخاتم النبوة ثم قال أحدهما لصاحبه: اجعله في كفة واجعل ألفا مـن أمته في كفة، قال رسول الله ﷺ: فـإذا أنـا انـظر إلى الالف فوقي اشفق أن يخر بعضهم، فـقـال: لـو أن أمة وزنـت به لمال بهم، ثم انطلقا وتركاني، قال رسول الله ﷺ: وفـرقت فرقا شـديـد اثـم انـطـلقت إلى أمي فأخبرتها بالذى لقيت، فاشفقت أن يكون قد التبس بي فقال أعيـذك بـالله فـرحـلت بعيراً لها فجعلتنى على الرحل وركبت خلفي، حتى بلغتنا إلى أمي فـقـالـت: أديـت أمانتي وذمتي وحدثتها بالذي لقيت، فلم يرعها ذلك، وقالت: إنى رأيت خـرج مـنـي يـعـنـي نـوراً اضـاء ت مـنـه قصور الشام، وهذا الحديث. أخرجه الإمام أحمد (٤/١٨٤) والحاكم (٢/٦٠٦) وأبـو نعيم من حديث بقية بن الوليد وهٰكذا رواه عبد الله بن الـمبـارك وغيـره عن بقية بن الوليد به كما ذكره الحافظ بن كثير (٢/ ٢٧٦) في تاريخه وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (٨/٢٢٢): إسناد أحمد حسن، قلت: وبإسناد أحمد وهو بـقية بإسناده رواه الباقون وذكر الحافظ السيوطى فى الخصائص (١/٦٤)، وإنه رواه أيضاً الـطبـرانـي والبيهقي والحاكم وصححه على شرط مسلم وأقره الذهبي لأن مدار إسنادهم هـو بـقية بن الوليد وهو مدلس، ولكنه صرح بالتحديث عند البيهقي في الدلائل ص ٢٩٤، وأحـمـد بـن حنبل في مسنده ٤/١٨٤، والـحـاكـم في مستدركه ٢/٦١٦. قـولـه: فـحصه فحاصه معناه فخطه، فخاطه كما وقع في رواية أبي نعيم.

وقـال ابن اسحق حدثنى ثور بن يزيد عن بعض أهل العلم ولا أحسبه إلا عن خالد بن مـعـدان الـكـلاعي "أن نفراً من أصحاب رسول الله ﷺ قـالـوا لـه يـا رسول الله! أخبرنا عن نـفسك، قـال: نـعم! أنا دعوة أبي إبراهيم وبشري عيسى ورأت أمي حين حملت بي منها نـوراً أضـاء لهـا قـصـور الشـام، واسترضعت في بني سعد بن بكر، فبينا أنا مع أخ لي خلف بيـوتـنـا تـرعـي بهماً لنا إذ أتاني رجلان عليهما ثياب بيض بطست من ذهب مملوء ة ثلجا فـأخـذاني فشقا بطني واستخرجا قلبى فاستخرجا منه علقة سوداء فطرحاها ثم غسلا قلبى وبـطـنـى بـذلـك الثلج، حتى أنقياه قال ثم قال أحدهما لصاحبه زنه بعشرة من أمته فوزنني بهـم فـوزنتهـم، ثم قال: زنه بمائة من أمته فوزنني بهم فوزنتهم ثم قال بألف من أمته فوزننى بهـم فـوزنتهـم، فقال دعه عنك، فوالله لو وزنته بأمته لوزنها، هٰكذا أنا رأيت هٰذا الحديث في سيرة ابن إسحق برواية ابن هشام (١/٨٩)، ونقله الحافظ ابن كثير (٢/٢٧٥) أيضاً عن

ابـن إسـحـق ولـكنه ذكر الإسناد هٰكذا، وقال ابن إسحق: حدثني ثور بن يزيد عن خالد بن معدان عن أصحاب رسول الله ﷺ أنهـم قـالوا له أخبرنا الحديث، والفرق بينهما بوجهين: الأول الشك فـي شيخ ثور بن يزيد في رواية ابن هشام بخلاف ما ذكره ابن كثير، والثاني الـظـاهر عما في ابن هشام الإرسال في الإسناد، فإنه قال أن نفرا الخ والظاهر عما في تاريخ ابـن كثيـر الاتـصال، فإنه ذكره بلفظ عن أصحاب رسول الله ﷺ ولـذا قال ابن كثير وهٰذا إسـناد جيد قوي، وماوقع في رواية عتبة بن عبد السلمي كأنهما نسران وفي رواية خالد بن مـعـدان رجلان ولاتخالف بينهما فلعلهما كانا على صورة طيرين إلا أنه عبر عنهما برجلين لكونهما فعلا فعل الإنسان أوكانا على صورة انسانين لكن كان فيهما بعض صفات الطيور من الجناح وغيره والله أعلم.

وقـد أخـرج ابـن إسحق قصة إتيان حليمة السعدية ثم رجوعها بالنبى ﷺ وهو رضيع وفيه أيضاً قصة شق صدره ﷺ وهـو صغير قال ابن إسحق، وحدثني جهم بن أبي جهم مولى الـحـارث بن الحاطب الجمحي عن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب أو عمن حدثه عنه قال: كـانـت حليمة بنت أبي ذويب السعدية أم رسول الله ﷺ التـي أرضعته تحدث أنها خرجت مـن بلدها مع زوجها وابن لها ترضعه في نسوة مـن بني سعد بن بكر تلتمس الرضعاء قالت وهـي فـي سـنة شهبـاء لم تبق لنا شيئاً، فخرجت على أتان لي قمراء معنا شارف لنا، والله ما تبـض بـقـطـرـة وما ننام ليلنا أجمع من صبينا الذى معنا من بكائه من الجوع، ما في ثديي ما يـغـنيه وما في شارفنا ما يغذيه، ولكن كنا نرجوا الغيث والفرج، فخرجت على أتانى تلك فـلقد أذنت بالركب حتى شق ذلك عليهم ضعفاً وعجفا حتى قدمنا مكة نلتمس الرضعاء فـمامنا إمرأة إلا وقد عرض عليها رسول الله ﷺ فتـأباه إذا قيل له: أنه يتيم، وذلك أنا إنما كـنـا نـرجـو المعروف من أبي الصبي، فكنا نقول: يتيم وما عسى أن تصنع أمه وجده، فكنا نـكـرهـه فـمـا بقيت إمرأة قدمت معي إلا أخذت رضيعاً غيري فلما أجمعنا الإنطلاق قلت لصاحبى وليد إني لأكره أن أرجع من بين صواحبي ولم آخذ رضيعاً والله لأذهبن إلى ذلك اليتيـم فلآخذنه، قال لا عليك أن تفعلى، عسى الله أن يجعل لنا فيه بركة، قال فذهبت إليه فـأخـذتـه وماحملني على أخذه إلا إني لا أجد غيره قالت: فلما أخذته رجعت به إلى رحلي

فـلـما وضعته في حجري، أقبل عليه ثد ياي بما شآء من لبن، فشرب حتى روى وشرب معه أخـوه حتـى روى، ثـم نـامـا ومـا كـنا ننام قبل ذلک وقام زوجي إلى شارفنا تلک فإذا انها لـحافـل فـحـلـب منها ماشرب، وشربت معه حتى انتهينا ريا أوشبعاً فبتنا بخير ليلة قالت: يـقـول صاحبي حين أصبحنا: تعلمي والله يا حليمة لقد أخذت نسمة مباركة قالت والله إني أرجـوا ذلک قـالت: ثم خرجنا وركبت أتاني وحملته عليها معي فوالله لقطعت بالركب ما يقدر عليها شيء من حمرهم، حتى إن صوا حبي ليقلن لي يا ابنة أبي ذويب! ويحک اربعي عـلـيـنـا أليسـت هـذه أتـانکِ التي كنتِ خرجتِ عليها، فأقول لهن بلى والله إنها لهي هي، فيـقـلـن، والله إن لهـا لشـأنـا، ثم قدمنا منازلنا من بلا دبني سعد وما أعلم أرضا من أرض الله أجـدب مـنهـا فـكـانـت غـنـمی تروح علي حين قد منا به معنا شباعاً لبنا فنحلب ونشرب، ومـايـحـلـب إنسـان قـطرة لبن ولايجدها في ضرع حتى كان الحاضرون من قومنا يقولون لرُعيانهم: ويلكم اسرحوا حين يسرح راعي بنت أبي ذويب، فتروح أغنامهم جياعاً ماتبض بـقـطـرـة لبـن وتـروح غنمي شباعاً لُبَّناً، فلم نزل نتعرف من الله الزيادة والخير حتى مضت سـنتـاه، وفـصـلتـه وكان يشب شباباً لا يشبه الغلمان فلم يبلغ سنتيه حتى كان غلاماً جفرا، قالت: فقدمنا به على أمه ونحن أحرص شيء على مكثه فينا لما كنا نرى من بركته، فكلمنا أمـه وقـلـت لهـا: لو تركت ابني حتى يغلظ، فإني أخشى عليه وباء مكة قالت: فلم نزل بها حتـى ردتـه مـعـنا قالت فرجعنا به، فوالله إنه بعد مقدمنا به بأشهر مع أخيه لفى بهم لنا خلف بيوتنا إذأ تانا أخوه يشتد، فقال لي ولأبيه ذاک أخي القرشي قد أخذه رجلان عليهما ثياب بيـض فـأضـجـعـاه فشـقا بطنه، فهما يسوطانه قالت: فخرجت أنا وأبوه نحوه فوجدنا قائما مـنتـقـعـا وجهه، قال فالتزمته والتزمه أبوه فقلنا له مالک يابني! قال جاء ني رجلان عليهما ثيـاب بيـض فـأضـجـعاني وشقابطني فالتمسا فيه شيئاً لا أدري ماهو، قالت: فرجعنا به إلى خبـائـنا قالت: وقال لي أبوه: يا حليمة! لقد خشيت أن يكون هذا الغلام قد أصيب فألحقيه بـأهـلـه قبـل أن يظهر ذلک به، قالت فاحتملناه فقدمنا به على أمه، فقالت ما أقدمک به يا ظئر وقد كنت حريصة عليه وعلي مكثه عندک قالت فقلت نعم قد بلغ الله بابنى وقضيت الـذي عـلـي وتـخـوفـت الأحـداث عـليه فأديته عليک كما تحبين، قالت ما هذا شأنک

فاصدقيني خبرك، قالت فلم تدعني حتى أخبرتها قالت: أفتخوفت عليه الشيطان؟ قالت: فقلت: نعم، قالت كلا والله ما للشيطان عليه من سبيل، وإن لبني لشانا، أفلا أخبرك خبره قالت بلى قالت: رأيت حين حملت به أنه خرج منى نور أضاء لي به قصور بصري من أرض الشام ثم حملت به، فوالله مارأيت كان أخف ولا أيسر منه ووقع حين ولدته وإنه لواضع يديه بالأرض ورافع رأسه إلى السماء، دعيه عنك وانطلقى راشدة.

قال الحافظ بن كثير (٢٧٥/٢) هذا الحديث قد روي من طرق آخر وهو من الأحاديث المشهورة المتداولة بين أهل السير والمغازي.

قلت: أخرجه أبو نعيم في دلائل النبوة (ص: ٤٧) عن محمد بن إسحاق بإسناده مختصراً ورواه أبويعلى والطبراني بنحوه ورجالهما ثقات، كما قاله الحافظ نورالدين الهيثمي (٢٢١/٨) وقال السيوطي (٥٤/١) أخرجه إسحق وإسحق بن راهويه وأبويعلى والطبراني والبيهقي وأبونعيم وابن عساكر من طريق عبد الله بن جعفر بن أبي طالب قال حدثت عن حليمة بنت الحارث أم رسول الله ﷺ التى أرضعته قالت: قدمت مكة في نسوة من بني سعد بن بكر نلتمس الرضعاء الحديث.

والقصة أخرجها الواقدي بنحوه وفيها قصة شق صدره ﷺ من طريق عبد الصمد بن محمد السعدي عن أبيه عن جده عن بعض ماكان يرعي غنم حليمة وفي آخر القصة قال ابن عباس رجع إلى أمه وهو ابن خمس سنين وكان غيره يقول: رد إلى أمه وهو ابن أربع سنين وكان معها إلى أن بلغ ست سنين كذا في دلائل أبي نعيم (ص:٤٩).

ان سب روایات میں حضور اقدس ﷺ کا شق صدر زمانۂ طفولیت میں جب کہ حضور ﷺ حضرت حلیمہ السعدیہ کے یہاں بغرض رضاعت تھے صاف مصرح ہے بعض حضرات نے اس کے علاوہ شق صدر ہونا تسلیم نہیں کیا ہے لیکن جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ شق صدر شریف اس کے علاوہ بھی ثابت ہے چنانچہ متعدد روایات میں شق صدر نبوی شریف واقعۂ معراج کے وقت بھی صحاح ومسانید میں وارد ہے۔

فأخرج البخاري ص ٥٠ ومسلم ص ٩٢ من طريق يونس عن الزهري عن أنس بن مالك قال: كان أبوذر يحدث أن رسول الله ﷺ قال: فرج سقف بيتي وأنا بمكة فنزل جبرئيل عليه السلام ففرج صدري ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست مملوءة من ذهب

ممتلئ حكمة وإيماناً فأفرغه في صدري ثم أطبقه، ثم أخذ بيدي فعرج بي إلى السماء فذكر حديث المعراج.

وأخرج أحمد ٢٠٧/٤، و البخارى (ص:٥٤٨) ومسلم (٩٣/١) والنسائي (٧٦/١) من طريق قتادة عن أنس بن مالك عن مالك بن صعصعة أن النبيﷺ قال: بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان إذ أقبل أحد الثلاثة بين الرجلين فأتيت بطست من ذهب ملأه حكمة وإيماناً، فشق من النحرإلى مراق البطن فغسل القلب بماء زمزم، ثم ملئ حكمة وإيماناً ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار، ثم انطلقت مع جبرئيل عليه السلام حتى أتينا السماء الدنيا، فذكر حديث المعراج وقد أخرجه الترمذي ١٠٧/٢ مختصراً وانتهت روايته على قوله: حكمة وإيماناً، وقال فى الحديث قصه طويلة أشار إلى باقى القصة المتعلقة بالمعراج والإسراء وقوله إذ أقبل أحد الثلاثة بين الرجلين، هكذا فى المسند والنسائي والظاهر منه أنه أتى النبي ﷺ ثلاثة من الملائكة في صورة الرجال فأقبل أحدهم حال كونه بين الرجلين أى ملكين في صورة الرجلين.

ولفظ مسلم "بينا أنا عند البيت بين النائم واليقظان إذ سمعت قائلاً يقول أحد الثلاثة بين الرجلين، وهذا صريح في أن النبي ﷺ كان بين رجلين والذي يظهر لي أن هذا السياق هوالصواب، ولفظ البخارى في بدء الخلق (ص ٤٥٥): "بين أنا عند البيت بين النائم واليقظان فذكر رجلاً بين الرجلين" وهذا لفظ مختصر يحتمل معنى لفظي أحمد ومسلم، وقد شرحه الكرماني وصاحب الخير الجاري موافقا لما فى المسند والنسائي فقالا كما في حاشية البخاري أى ذكر النبي ﷺ ثلث رجال وهم الملائكة تصوروا بصورة الإنس، وأما الحافظ ابن حجر فحملها على رواية مسلم قال (١٥٦/٧) وهو أى لفظ البخاري مختصر، وقد أوضحته رواية مسلم من طريق سعيد عن قتادة: "اذ سمعت قائلا يقول أحد الثلثة بين الرجلين فأتيت فانطلق به" قال الحافظ والمراد بالرجلين حمزة وجعفر فإن النبى ﷺ كان نائما بينهما. انتهى.

ويحتمل الجمع بأن يكون الذين أتوه ثلثة والحال أنه ﷺ كان بين رجلين، وأول العلامة السندي حديث النسائي إلى مايفيده حديث مسلم قال السندي (٧٦/١) إذ أقبل أحد الثلثة ظاهر النسخة إذ بلا الف وأن الألف التاليه متعلقة بما بعده وهو من الإقبال

والـمعني أنه جاء ه ثلثة فأقبل منهم واحد إليه بين رجلين حال من مقدر أى أقبل إلى واحد مـن الثـلـثة والـحـال أي كنت بين رجلين قالوا: هما حمزة وجعفر ويحتمل أن يقرأ إذا قيل عـلـى أن الألف جـزء مـن إذا وقيل من القول أى سمعت قائلاً يقول في شأني هو أحد الثلثة بيـن الـرجـليـن إنـي هـو أوسـطـهـم، ولا مـنـافاة بين الروايتين فالوجهان في كلام المصنف صحيحان لفظاً ومعنى إنتهى.

والـحديث أخرجه أحمد (٤/٢٠٨) مـن طـريق همام بن يحيىٰ عن قتادة عن أنس بن مـالك عـن مـالك بن صعصعة أن النبي ﷺ حـدثهـم عـن ليـلة أسرى به قال: "بينا إنا في الـحـطـيـم" وربـمـا قـال قتـادـة "فـي الـحـجر مضطجع" إذ أتاني آتٍ فجعل يقول لصاحبه الأوسـط بيـن الثـلثة، قـال: فأتاني فقد سمعت قتادة يقول: فشق مابين هذه، إلى هذه" قال قتـادـة: فـقـلـت لـلـجـارود، وهـو إلـى جـنـبـي: مايعني قال من ثغرة نحره إلى شعرته، قال: فـأستـخـرج قـلـبـي فـاتيت بطست مملوء ة إيماناً وحكمة فغسل قلبي ثم حشي ثم أعيد ثم أتيت بدابة دون البغل" الحديث.

وأخرجه البخاري ولم يذكر قوله يقول لصاحبه الأوسط بين الثلثة قال فأتانى انتهى.

وقـد ثبـت شـق الـصـدر الـشـريف فـي حديث أبي هريرة الذي أخرجه ابن جرير من طـريـق أبـي جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية الرياحي عن أبي هريرة أو غيره شك أبـوجـعـفـر ثـم رواه مـن وجـه آخرعن أبي جعفر الرازى عن الربيع بن أنس عن أبي العالية أو غيره شك أبو جعفر عن أبي هريرة عن النبي ﷺ، وهذا الحديث قد رواه ابن أبي حاتم والحاكم والبيهقي من هذا الوجه وأبوجعفر الرازي صدوق يَهم كثيراً وقد ورد الشق فـي الاسراء من رواية أنس بن مالك عن أبي بن كعب الأنصاري أخرجه عبد الله بن الإمام أحمد في زيادات المسند (١٤٣/٥) حـدثـنا محمد بن إسحق بن محمد المسيّبى ثنا أنس بـن عياض عن يونس بن يزيد، قال: قال ابن شهاب قال أنس بن مالك: كان أبي بن كعب يحدث أن رسول الله ﷺ قـال: فرج سقف بيتي وأنا بمكة فنزل جبرئيل عليه السلام ففرج صـدري ثـم غسـله من ماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وإيمانًا فأفرغها في صـدري ثـم أطبقه ثم أخذ بيدى، فعرج بي إلى السماء فذكر الحديث بطوله مثل سياق أبي ذر في الصحيحين سواءً بسواء.

وظـنـي أن هـذا السند وقع فيه خطأ فكان أبوذر، وسقط "ذر" فصار أبي فتصرف فيه الرواة وقـد تـأول نـحـوذلک الإمـام أبـو عبد الرحمن النسائي في حديث آخرفانه أخرج (١/٢٢٩، سلفيه) أولاً حديث أبي ذر من طريق موسى بن طلحة عن ابن الحوتكية عن أبي ذر عـن الـنـبـي "أمر رجلاً بصيام ثلث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة ثم أخرج من وجه آخـر عـن مـوسى بن طلحة عن ابن الحوتكية قال قال أبي: جاء أعرابي إلى رسول الله ومعه أرنـب قـد شـواها وخبز، فوضعها بين يدي النبي ﷺ ثـم قـال: إني قد وجد تها تدمي فقال: رسول الله ﷺ لا يـضـر كـلـوا، وقـال للاعرابي: كل، قال: إني صائم ثم قال صوم ماذا؟ قال صـوم ثلثة أيام، قال: إن كنت صائماً فعليک بالغرالبيض ثلث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة قـال النسائي: الصواب عن أبي ذر وشبيه أن يكون سقط من الكتاب "ذر" فقيل أبي انتهى. والله أعلم بحقيقة الأمر.

وقد أظهر الحافظ ابن كثير في تفسيره (٣/١٠) التردد أيضاً في هذه الرواية فإنه قال هـكـذا، رواه عبـد الله بـن أحـمـد فی مسند أبيه. وليس هو في شيءٍ من الكتب الستة. وقد تـقـدم فـی الـصـحـيـحـيـن من يونس عن الزهري عن أنس عن أبي ذر مثل هذا السياق والله أعـلـم، ويحتمل أن يكون سمع أنس من أبي بن كعب كما سمع من أبي ذر واتحد سياقهما لأنه يحتمل لأنهما سمعاه من النبيﷺ في وقت واحد، وأنس قد يروى هذا الحديث بنفسه وقد يروى بواسطة غيره، قال الحاكم أبو عبد الله فی المستدرک (١/٨١)، وليعلم طالب هـذا الـعلم إن حديث المعراج قد سمع أنس بعضه من النبيﷺ وبعضه من أبي ذر الغفاري وبـعـضه من مالک بن صعصعة وبعضه من أبى هريرة انتهى. وقد وقع شق الصدر الشريف فـي حـديـث أنس نفسه عند البخاري فی التوحيد (ص ١١٢٠) مـن طريق شريک ابن أبي نمر عن أنس بن مالک وأشار إليه مسلم أيضاً.

ان سب روایات میں شق صدر نبوی شریف ﷺ کا واقعۂ اسراء ومعراج کے اندر ہونا مصرح ہے بعض حضرات نے دعوی کیا ہے کہ صرف شق صدر بزمانہ طفولیت پیش آیا ہے معراج کے واقعہ میں اس کا ذکر بعض رواۃ کی تخلیط ہے۔

قال القاضي عياض فی الشفاء (بعد ما ذكر حديث المعراج من طريق ثابت عن أنس الـذي أخـرجـه مسـلـم وأشرت إليه فيما تقدم) جوّد ثابت هذا الحديث عن أنس رضى الله

تعالى عنه ماشاء، وخلط فيه غيره لا سيما من رواية شريک ابن أبي نمر فقد ذكر في أول مجيئه الملک له وشق صدره وغسله بماء زمزم، وهذا إنما كان وهو صبى قبل الوحي، إنتهى، وقد سبقه إلى إنكار ذلک أبو محمد بن حزم الظاهري معللاً بهذه العلة.

لیکن سابق تفصیلات سے معلوم ہو چکا کہ صرف تنہا شریک ہی شق صدر نہیں نقل کر رہے ہیں بلکہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہے اور عقلا بھی کوئی مانع نہیں بلکہ بوقت اسراء بھی ہونا عین مقتضائے حکمت ہے جیسا کہ حکم کے بیان میں اس پر کلام آ رہا ہے علماء نے قدیما وحدیثا قاضی عیاض کے انکار پر انکار کیا ہے ابو القاسم سہیلی الروض الانف میں فرماتے ہیں (۱/۱۱۰)۔

وذكر بعض من ألف في شرح الحديث أنه تعارض في الروايتين وجعل يأخذ في ترجيح الرواة وتغليط بعضهم وليس الأمر كذلک، بل كان هذا التقديس والتطهير مرتين.

الأولى: في حال الطفولية لينقى قلبه من مغمز الشيطان وليطهر ويقدس عن كل خلق ذميم حتى لا يتلبس بشئ مما يعاب على الرجال حتى لايكون فى قلبه شئ الا التوحيد ولذلک قال: أي في رواية أبي ذر التي رواها ابن أبى الدنيا "فولياعنى يعنى الملكين وكأنى أعاين الأمر".

الثانية: في حال الاكتهال بعد ما نبي وعند ما أراد الله أن يرفعه إلى الحضرة المقدسة التي لا يصعد إليها الا مقدس، وعرج به هناک لتفرض عليه الصلوة وليصلي بملائكة السموٰت، ومن شأن الصلوة الطهور فقدس ظاهراً وباطناً وغسل بماء زمزم وفى المرة الأولى بالثلج لما يشعر الثلج من ثلج اليقين وبرده هناک، وكذلک هناک حصل له اليقين بالأمر الذي يراد به وبوحدانية ربه. وأما في الثانية فقد كان مؤقنا منبأ فإنما طهر لمعنى همزة وهو ما ذكرنا من وصول حضرة القدس والصلوة فيها ولقاء الملک فغسله روح القدس بماء زمزم التي هي همزة روح القدس وهمزة عقبه لأبيه إسماعيل عليه الصلوة والسلام انتهى. وقال الحافظ العراقي وقد أنكر وقوع الشق ليلة الاسراء ابن حزم والقاضي عياض وادعيا أنه تخليط من شريک وليس كذلک. فقد ثبت من غير طريق شريک في الصحيحين وقال القرطبي: لا ملتفت لإنكاره لأنه رواية ثقات مشاهير كذا في شرح الشفاء لعلى القارى(۲/۲۸۱، هامش النسيم) والزرقاني في شرح المواهب (۲۳/٦)

وهـكـذا أنـكـر عـلـي الـقـاضـي عيـاض غيـر واحد منهم الحافظ ابن حجر وسيأتي كلامه والـحـافـظ بـرهـان الـديـن الـحـلبي وتبعهما القسطلاني والقاضي شهاب الدين الخفاجي والـزرقـاني وعلي القاري وغيرهم، وقال البيهقي في الدلائل (١١٩/١) ويحتمل أن ذلك كان مرتين مرة عند مرضعته حليمة ومرة حين كان بمكة بعد مابعث ليلة المعراج اهـ.

اس کے علاوہ بھی شق صدر دوسرے اوقات میں بعض روایات میں وارد ہے بعض روایات میں یہ ہے کہ جبکہ عمر شریف دس سال کی تھی اسوقت شق صدر شریف واقع ہوا۔

قـال الإمام أبو عبد الرحمن عبد الله بن الإمام أحمد في زيادات مسند أبيه (١٣٩/٥) حـدثنا محمد بن عبد الرحيم أبو يحيىٰ البزاز ثنا يونس بن محمد ثنا معاذ بن محمد بن أبي بن كعب حدثني أبي محمد بن معاذ عن معاذ عن محمد عن أبي بن كعب أن أبا هريرة كان جرئياً على أن يسأل رسول الله ﷺ عن أشياء لا يسأله عنها غيره، فقال يارسول الله: ما أول مارأيت من أمر النبوة؟ فاستوى رسول الله ﷺ جالساً، وقال: "لقد سألت أبا هريرة، إني لفي صـحـراء، ابـن عشر سنين وأشهر، وإذا بكلام فوق رأسي، وإذا رجل يقول لرجل أهو هو؟ قـال نـعـم! فـاسـتـقبلانى بوجوه لم أرها لخلق قط وأرواح لم أجدها من خلق قط، وثياب لم أرهـا على أحد قط، فأقبلا إليّ يمشيان حتى أخذ كل واحد منهما بعضدي لا أجد لأحدهما مسّـا، فـقـال أحـدهـمـا لـصـاحـبـه: أضـجـعه فأضجعانى بلا قصر ولا هصر، وقال أحدهما لـصـاحبه: أفلق صدره فهوى أحدهما إلى صدري ففلقها فيما أرى بلادم ولاوجع، فقال له: أخـرج الـغـل والـحسد، فأخرج شيأ كهئية العلقة، ثم نبذها فطرحها فقال له: أدخل الرأفة والـرحـمة، فإذا مثل الذي أخرج يشبه الفضة ثم هزّ إبهام رجلي اليمنى فقال: اغد وأسلم، فرجعت بها أغدو رقة على الصغير ورحمة للكبير.

وهكذا أخرجه ابن حبان والحاكم وأبونعيم ص ٧١ وابن عساكر والضياء المقدسي فـى الـمـخـتـارة من هذا الوجه وأشار أبو نعيم إلى إعلال ذكر السن فقال: هذا الحديث مما تفرد به معاذ بن عمد وتفرد بذكر السن الذي شق فيه عن قلبه والذى رواه عبد الله بن جعفر عـن حـلـيـمة الـسـعـدية ورواه عبـد الـرحـمـن بـن عمر عن عتبة بن عبد اتفقا على أنه كان مسترضعا في بني سعد، وقد تقدم ذكره انتهى.

قـلـت: قال نورالدين الهيثمي (ص ۲۲۳): رواه عبـد الله بـن أحمد ورجاله ثقات وثقهم ابـن حبـان، انتهى. قلت: محمد بن معاذ بن محمد بن أبي بن كعب عن أبيه عن جده قال ابن الـمـديـنـي: ’’لايعرف محمد هذا ولا أبوه ولا جده فى الرواية وهذا إسناد مجهول‘‘ كذا فى الـميزان، وقال في اللسان وذكره ابن حبان في الثقات وكذا ذكر أباه، وأما محمد بن أبي فله رواة وقتل يوم الحرة انتهى. وهذا لوثبت لكانت الحكمة على مانقل الزرقاني (ص ۱۵۳) عن الشـافـعي: ’’أن الـعشـر قريب من سن التكليف فشق قلبه حتى لايتلبس بشئ مما يعاب على الرجال‘‘.اهـ. قلت: قد تقدم نحو هذه الحكمة في كلام السهيلي في وجه شق المرة الثانية.

اس کے علاوہ چوتھی مرتبہ بھی شق صدر نبوی شریف بوقت نزول وحی بعض روایات میں وارد ہے۔

وأخرج الحارث بن أبي أسامة في مسنده ومن طريقه أبو نعيم في الدلائل ص ٦٩ قال حدثنا داود بـن الـمـحبر قال حدثنا حماد عن أبي عمران الجوني عن يزيد بن بابنوس عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله ﷺ نذر أن يعتكف شهراً هو وخديجة بحرا أفوافق ذلک شهر رمـضان، فخرج النبيﷺ ذات ليـلـة، فسـمع السلام عليک فظننتها فجاء ة الـجن، فجئت مسـرعـاً حتـى دخـلـت على خديجة سجتنى ثوباً وقالت: ماشأنک يا ابن عبد الله؟ فقلت: سمعت السلام عليک فظننتها فجاء ة الجن، فقالت: أبشر يا ابن عبد الله فإن السلام خير، قـال: ثم خرجت مر ة أخـرى فـإذا بـجبـرئـيـل عـلى الشمس جناح له بالمشرق وجناح له بالمغرب، قال فهبت منه فجئت مسرعاً فإذا هو بيني وبين الباب فكلمنى حتى أنست به ثم وعدني موعداً، فجئت له فأبطأ علي فأردت أن أرجع فاذا أنابه وميكائيل قدسد الأفق فهبط جبـرئـيـل وبقى ميكائيل بين السماء والأرض، فأخذنى جبرئيل فاستلقاني لحُلاوة القفاء ثم شـق عـن قـلبي فاستخرجه ثم استخرج منه ماشاء الله أن يخرج، ثم غسله بطست من ذهب بـمـاء زمـزم ثـم أعـاده بمكانه ثم لأمه ثم أكفانى كما يكفاء الأديم ثم ختم في ظهري حتى وجـدت مسّ الخاتم في قلبي، ثم قال اقرأ ولم أكن قرأت كتابا قط فلم أجد ما أقراءُ ثم قال إقـرأ قـلـت: مـا أقـرأ قال: ’’إقرأ باسم ربک الذي خلق‘‘ حتى انتهى. إلى خمس آيات فما نسيـت شيـئـا بـعد، ثم وزنني برجل، فوزنته ثم وزننى بآخر، فوزنته حتى وزننى بمائة رجل فـقـال ميـكـائـيـل تبـعته أمته ورب الكعبة، فجعلت لا يلقاني شجر ولا حجر إلا قال السلام

عليك يا رسول الله ﷺ حتى دخلت على خديجة قالت: السلام عليك يا رسول الله ﷺ، إنتهى، وهذا الحديث فيه مقال ظاهر، لأن الحارث وشيخه ضعيفان، لكن رواه الطيالسي (ص٢١٦) عن حماد بن سلمة عن أبي عمران الجوني عن رجل عن عائشةؓ، وله شاهد من حديث أبي ذر أخرجه الدارمي (ص ٦) إلى قوله "من كفة الميزان" وابن جرير الطبري في تاريخه (٢٠٩/٤) والبزار في مسنده، والعقيلى في الضعفاء (إسناده في الميزان في ترجمة جعفر بن عبدالله) وأبو نعيم (ص ٧١ ص١٧٦ جديد) وابن عساكر من طريق جعفر بن عبد الله بن عثمان بن حميد القرشي ثنا عثمان بن عروة بن الزبير عن أبيه عن أبي ذر الغفاري قال: قلت: يارسول الله! كيف علمت أنك نبي، وبما علمت حتى استيقنت، قال أتاني آتيان وأنا ببطحاء مكة، فوقع أحدهما بالأرض وكان الآخر بين السماءِ والأرض، فقال أحدهما لصاحبه أهو هو؟ قال نعم؛ هو هو، قال زنه برجل فوزنني برجل فرجحته قال زنه بعشرة فوزنني فرجحتهم، قال: زنه بمأة فوزنني فرجحتهم، ثم جعلوا يتساقطون علي من كفة الميزان، ثم قال أحدهما لصاحبه، شق بطنه: فشق بطني فأخرج منه مغمز الشيطان وعلق الدم فطرحهما، فقال أحدهما لصاحبه: إغسل بطنه غسل الإناء وقلبه غسل الملاء ثم قال أحدهما: خط بطنه، فخاط بطني وجعل الخاتم بين كتفي كما هو الآن، ووليا عني وكأني أرى الأمر معاينة.

وجعفر بن عبد الله بن عثمان وثقه أحمد وابن حبان وتكلم فيه العقيلى فقال: في حديثه وهم واضطراب، وذكر هذا الحديث في ترجمته وقال لا يتابع عليه وهذا الحديث تقدمت الاشارة إليه في كلام السهيلي، ودل كلامه على أنه حمله على شق الصدر في حال الطفولية بل قد صرح به قبل ذلك الكلام الذي حكيته بأسطر (الروض الأنف ١١٠/١).

لكن الذي يظهر لي هو الذي ذكرته من أنه يحمل على شق الصدر عند البعث وهو الذي مشى عليه الهيثمي في مجمع الزوائد (٢٥٥/٨) فإنه ترجم عليه ماجاء فى بعثته ﷺ ونزول الوحي وكذلك مال إليه قبله أبو نعيم في دلائل النبوة، فإنه ترجم بذكر بدأ الوحي وكيفية تراءئ الملك وإلقائه الوحي إليه وتقريره عنده إنه يأتيه من عند الله وماكان شق صدره ﷺ، ثم أخرج فيه حديثي عائشة وأبي ذر هذين، والله أعلم.

ولـكن مع هذا يحتمل كلامه العموم فإنه قدذكر فيه حديث أنس في شق صدره ﷺ في صباه وقدورد في أحاديث مرسلة شق الصدرالشريف عند البعث، فأخرج البيهقي وأبونعيم من طريق موسى بن عقبة عن ابن شهاب قال: بلغنا أول ما رأى ﷺ إن الله أراه رؤيا في المنام فشق ذلک عليه، فذكرها لخديجة فقالت: أبشر، فإن الله لن يصنع بک إلا خيراً، ثم إنه خرج من عندها ثم رجع إليها فأخبرها أنه رأي بطنه شق ثم طهّر وغسل ثم أعيد كما كان. قالت: هذا والله خير، فأبشر، ثم استعلن له جبرئيل وهو بأعلى مكة فأجلسه على مجلس كريم يعجب، كان النبي ﷺ يقول: أجلسني على بساط كهيئة الدرنوک فيه الياقوت واللؤلؤ فبشره برسالة الله حتى اطمأن النبي ﷺ ثم قال له: اقرأ، فقال: كيف أقرأ، قال: "اقرأ بسم ربک الذي خلق" إلى قوله: "مالم يعلم" فقبل رسول الله ﷺ رسالة ربه وانصرف، فجعل لا يمر على شجر ولاحجر إلا سلم عليه، فرجع مسروراً إلى أهله موقناً قد رأى أمراً عظيماً، فلما دخل على خديجة قال: أريتُک الذي كنت أخبرتک أني رأيته في المنام، فإنه جبرئيل استعلن، أرسله إلي ربي فأخبرها بالذي جاء ه من الله وماسمع منه، فقالت: فوالله لا يفعل الله بک إلا خيرا، فأقبل الذي جاءک من الله فإنه حق وأبشر فإنک رسول الله، ثم انطلقت حتى أتت غلاماً لعتبة بن ربيعة بن عبد شمس نصرانياً من أهل "نينوا" يقال له "عداس" فقالت له يا عداس أذكرک بالله إلا ما أخبرتنى هل عندكم علم من جبريل؟ فقال عداس: قدوس قدوس ماشأن جبرئيل يذكر بهذه الأرض أهلها أهل الأوثان، فقالت أخبرني بعلمک فيه، قال: فإنه أمين الله بينه وبين النبيين وهو صاحب موسى وعيسى، فرجعت خديجة من عنده فجاء ت ورقة بن نوفل فأخبرته فقال: لعل صاحبک النبي الذى ينتظره أهل الكتاب الذى يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والإنجيل، ثم أقسم لئن ظهر دعاء ه وأنا حي لأبلين الله في طاعة رسوله وحسن مؤازرته، فمات ورقة.

اس روایت سے شق صدر کا بحالت خواب ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ چیز قابل اشکال نہیں اس لئے کہ ممکن ہے کہ اولا خواب میں یہ صورت دکھائی گئی ہو اور پھر بیداری میں یہی معاملہ پیش آیا ہو جیسا کہ روایت سابقہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قال السيوطي في كفاية اللبيب (۹٤/۱): قال البيهقي: وماذكر فيه من شق بطنه

يـحتمل أن يكون حكاية منه لما صنع به في صباه، ويحتمل أن يكون شق مرة أخرى ثم مرة ثـالثة حيـن عـرج به إلى السماء. انتهى. قال السيوطي ١/٦٥ : والتـحـقيق في الجمع بينها الـحـمل على التعدد ووقوع ذلک ثلث مراتٍ، وممن صرح بوقوعه مرتين السهيلي وابن دحية وابـن المنير وممن صرح بالثلث البيهقي وابن حجر، وأبدى لذلک معنى لطيفا وهو الـمبـالـغة فـي الإسباغ والتطهير بالتثليث كـمـا هو في شرعه ﷺ فـي الـطهارة، واختصت الأوقـات الثلث بـذلک يـنشـأ مـن الـطفولية على أكمل الأحوال من العصمة من الشيطان ليتلقى عند البعث ما يوحى إليه بقلب قوي ليتأهب عنه الإسرا أللمناجاة انتہی۔

اور چوتھی مرتبہ بعمر دہ سالگی بھی شق صدر وارد ہوا ہے اگر ثابت ہوجائے تو اس کی حکمت بھی ظاہر ہے کہ یہ عمر بلوغ کے ابتداء مراحل یا مقدمات کی ہوتی ہے، لہٰذا بشری مقتضیات کی بے اعتدالیوں سے تحفظ کے لئے اس عمر میں شق صدر فرما کر صفائی فرمائی گئی۔

وقـال الشهـاب الـخـفـاجي في نسيم الرياض (٢/٢٤٤): إن الشـق وقـع مراراً مرة وهوﷺ يـلعب مع الصبيان لإزالة حظ الشيطان معه كما مر، ومرة وهو ﷺ ابن عشر سنين لإزالة الـطـفولية عنه، ومرة عند البعثة يتثبث قلبه بالوحي، وليلة الإسراء ليقوى عليه، وزيد خـامسة ضـعفها ابن حجر رحمه الله في شرح البخاري وصحح هو والبرهان الحلبي رحمه الله الأربعة الأول إنتهى.

قـلـت: ومـايـظهـر مـن التـخالف بين مانقله السيوطي عن الحافظ ابن حجر ومانقله الـخـفـاجي عنه هو مبنى على كلا مين مختلفين للحافظ بن حجر، فإنه ذكر في الصلوة كما ذكـره الـخـفـاجي، قـال الـحافظ في الصلوة في شرح حديث المعراج تحت قوله: ففرج صدري (١/٣٨٩) ورجـح عيـاض أن شق الصدر كان وهو صغير عند رضعة حليمة وتعقبه السهيـلـي بـأن ذلک وقـع مـرتيـن وهـو الـصـواب، وقـد روي الطيـالسی والحـارث في مسـنديهما أن الشق وقع مرة أخرى عند مجيئ جبرئيل بالوحي في غار حراء، وروي الشق أيضاً وهو ابن عشر أونحو ها في قصة مع عبد المطلب أخرجها أبو نعيم في الدلائل وروي مرة أخرى خامسة لا تثبت انتهى.

وقـال فـي السيـرـة الـنـبـوية فـي شرح حديث المعراج أيضاً (٧/١٥٦): وقـد استنكر

بعضهم وقوع شق الصدر في ليلة الإسراء، وقال: وإنما كان ذلك وهو صغير في بني سعد ولا إنكار في ذلك، فقد تواردت الروايات به، وثبت شق الصدر أيضاً عند البعثة، كما أخرجه أبو نعيم في الدلائل، ولكل منها حكمة، فالأول وقع فيه من الزيادة عند مسلم في حديث أنس فأخرج علقة فقال هذا حظ الشيطان منك وكان هذا في زمن الطفولية فنشأ على أكمل الأحوال من التطهير ثم وقع شق الصدر عند إرادة العروج إلى السماء يتأهب للمناجاة، ويحتمل أن تكون الحكمة في هذا الغسل لتقع المبالغة في الإسباغ بحصول المرة الثالثة في شرعه ﷺ انتهى۔

ان ساری تفصیلات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بحالت طفولیت شق صدر کا ہونا جبکہ عمر شریف چار پانچ سال کے مابین تھی یہ مسلّم ہے البتہ بوقت اسراء شق صدر کے ابن حزم اور قاضی عیاض قائل نہیں ہیں اور شریک کا وہم قرار دیتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شریک تنہا اس کو نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ دوسرے بھی اس نقل میں ان کے شریک ہیں اور ان دونوں کا ذکر صحیحین میں وارد ہے بحالت طفولیت کا ذکر صحیح مسلم میں اور بوقت اسراء و معراج کا ذکر صحیحین میں اس کے بعد دو مرتبہ کا اور بھی ذکر احادیث میں ملتا ہے مگر وہ صحیحین کی روایات نہیں ہیں اور ان کی اسانید بھی کلام سے خالی نہیں ہیں ایک تو بوقت بعثت اور دوسرا بعمر دہ سالگی اور بعثت کے وقت شق صدر کی روایات بہ نسبت دس سال والی روایت کے زیادہ قوی ہے اور اس کے بعض مؤیدات بھی ہیں اور دس سال والی روایت صرف ایک روایت ہے جس میں علما نے رجال کی حیثیت سے کلام بھی کیا ہے اور امام ابونعیم اصبہانی نے اس کے معلول ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دس سال کا ذکر بظاہر وہم ہے اور صرف تین مرتبہ کی روایات ہی قابل اعتماد ہیں جس میں خاص طور سے بچپن اور معراج کے وقت کی روایات صحیح اور ثابت ہیں اور اگر بعمر دہ سالگی ثابت بھی ہو جائے تو بظاہر کچھ مستبعد نہیں اس لئے کہ انسانی زندگی میں دو گھاٹیاں ایسی ہیں کہ ان میں بتقاضائے بشریت بعض بے اعتدالیاں ہو جاتی ہیں ایک بچپن دوسری جوانی بچپن میں تو لہو و لعب کھیل و تماشے کی طرف میلان ہوتا ہے اور بعض بری عادات پڑ کر آئندہ کے لیے راستہ خراب ہوتا ہے اور جوانی میں انسان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور بشری تقاضوں کی طرف غیر معمولی انجذاب ہوتا ہے، اور بہت سی اخلاقی خرابیاں انسان میں پیدا ہو جاتی اور جوانی کا ابتدائی مرحلہ یہی مراہقت کا زمانہ ہوتا ہے جس کی ابتدائی منزل دس سال سے شروع ہونے لگتی ہے اسی

لئے دس سال کی عمر میں ترک صلوۃ پر مارنے کا حکم ہوا کما ورد في الحديث ”مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين“.

رواه أحمد (۲/ ۱۸۰) وأبوداؤد (۱/ ۲۷۷) وغيرهما وإسناده حسن.

لہٰذا بچپن میں مغمز شیطان سے صفائی فرمادی گئی اور پھر فطری طور پر عمر کے تقاضے جو طبعی رجحان جوانی کی بے اعتدالیوں کی طرف ہوتا ہے اس کا ابتداء ہی میں خاتمہ فرمادیا گیا اور پھر جبکہ خلعت نبوت سے نوازنا ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ اس کے لئے استعداد پیدا فرمائی جائے اس لئے پھر شق ہوا اور صفات ملکیت سے نواز دیا گیا اور پھر جبکہ اپنی حریم قدس میں بلاکر قرب خاص سے نوازنا چاہا تو پھر شق صدر فرماکر اعلی درجہ کی استعداد عطا فرمائی گئی اسلئے کہ عالم شہادت واجسام سے گزرکر عالم غیب وعالم ارواح کا سفر کرنا تھا اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ استعداد خاص کی ضرورت تھی تاکہ وہاں پہنچ کر شرف ہم کلامی کی دولت سے مالا مال ہوں۔

شرح صدر کی دوصورتیں ظاہری وباطنی

فائدہ:- اگر چہ تم نے یہ نہیں پوچھا جس کو میں آئندہ لکھنا چاہتا ہوں مگر میرا خود طبعی تقاضہ ہے کہ اسے لکھ دوں اس لئے مختصراً یہ لکھتا ہوں کہ حضرت اقدس شیخ المشائخ مسند عصر الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی نوراللہ مرقدہ نے تفسیر عزیزی میں سورہ الم نشرح کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ شرح صدر کی دوصورتیں ہیں ایک شرح صدر ظاہری جس کی تفصیل اوپر بیان ہوچکی دوسری شرح صدر باطنی جو کنایہ ہے اس بات سے کہ حق تعالی نے صدر محمدی ﷺ کو تمام کمالات انسانیت وروحانیت کا مرکز ومخزن بنایا ہے اور جہاں بھی کوئی فیض کسی نوع کمال کا ہوتا ہے وہ اسی مشکوٰۃ صدر نبوی ﷺ ہی سے پہنچتا ہے اور حضرت شاہ صاحب نے اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ صدر محمد ﷺ کی مثال ایک لق ودق میدان کی ہے جس میں بارہ مجالس لگی ہیں ایک میں بادشاہ دوسری میں حکیم دانا اور تیسری میں قاضی اور چوتھی میں مفتی اور پانچویں میں محتسب اور چھٹی میں قاری خوش الحان اور ساتویں میں عابد اور آٹھویں میں ایک عارف کامل اور نویں میں ایک واعظ خوش بیان اور دسویں میں ایک نبی مرسل اور گیارہویں میں ایک مرشد کامل اور بارہویں میں ایک محبوب نازنین بیٹھا ہوا ہے اور ہر ایک اپنے کام انجام دے رہا ہے تو وہیں سے سارے عالم میں فیض جاری ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اسوقت جتنا مستحضر تھا لکھ دیا گیا اگر تفسیر عزیزی میسر آجائے تو ضرور دیکھ لیں۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول اکرم ﷺ کا اپنی ازواج سے ایک رات میں سو مرتبہ صحبت کرنے سے متعلق روایات اور اشکالات کے جوابات

سوال: خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ کے ملفوظات کو ان کے فرزند اکبر حضرت سید محمد اکبر حسینی نے جوامع الکلم کے نام سے فارسی زبان میں مرتب فرمایا تھا اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب سید رحیم الدین حسینی نے کیا ہے اور اس کا پیش لفظ سید شاہ محمد الحسینی موجودہ سجادہ نشین روضہ بزرگ نے تحریر فرمایا ہے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے پہلا حصہ (۱۹۷۲ء) میں اور دوسرا حصہ (۱۹۷۴ء) میں بندہ نواز ریسرچ انسٹی ٹیوٹ گلبرگہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔

چونکہ مذکورہ دونوں حصوں کی اکثر عبارتیں مسلمانوں میں خلفشار کا باعث بنی ہوئی ہیں اور طرح طرح کے شکوک وشبہات سے فضا مسموم ہورہی ہے اس لئے ہم نے طے کیا کہ چند وہ اقتباسات جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہیں اخذ کر لئے جائیں اور آپ کی خدمت گرامی میں بھیج کر استصواب فرمالیں تاکہ ہمیں قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں صحیح رہنمائی مل سکے۔

(۱) جوامع الکلم (جلد اول، ص۔ ۳۶۷) کا اقتباس یہ ہے کہ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو حرم تھے ہر شب ہر ایک کے ساتھ نو مرتبہ مقاربت فرماتے تھے یعنی اکیاسی بار ہوجاتے تھے“

مذکورہ اقتباس میں رحمۃ للعالمین کی شبانہ زندگی کے دوامی عمل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کیا وہ قرآن حکیم اور سنت رسول کے عین مطابق ہے اگر جواب نفی میں ہے تو ایسے توہین آمیز کلمات کے قائل اور اس کے ناشر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے مدلل تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو تھیں صحیح ہے اور بعض اوقات سب کے پاس تشریف لیجانا اور جماع ومقاربت بھی ثابت ہے۔

(۱) سعید عن قتادة أن أنس بن مالك حدثهم أن نبی الله صلى الله عليه وسلم كان يطوف على نساءه في الليلة الواحدة وله يومئذ تسع نسوة. رواه البخاري (ص: ۴۲-۷۵۸-۷۸۵)

(۲) هشام عن قتادة قال حدثنا أنس بن مالك قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدور

عـلـى نسـائـه فـى السـاعة الواحدة من الليل والنهار، وهن إحدى عشرة، قال، قلت لأنس أو كان يطيقه، قال: كنا نتحدث أنه أعطي قوة ثلثين. (رواه البخاري (ص: ٤١)

(٣) عـن هشـام بـن زيـدعن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يطوف على نسائه بغسل واحد. رواه مسلم (١/١٤٤، واحمد ٣/٢٢٥)

(٤) حـمـيـد الـطويل عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نسائه فـى غسل واحد. رواه أبوداود (١/١٣٤ بـذل) ورواه النسائي ١/٥٢) بـلـفـظ طاف على نسائه فى ليلة بغسل واحد. ورواه أحمد (٣/٩٩) بلفظ، كان يطوف على جميع نسائه فى ليلة بغسل واحد وله ٣/١٨٩) وله طاف على نسائه فى ليلة واحدة بغسل واحد.

(٥) معمرعن قتادة عن أنس أن رسول الله ﷺ كان يطوف على نسائه في غسل واحد. رواه الترمذي (١/٢٠) والنسائي (١/٥٢) وابن ماجه ص: ٤٤، وأحمد ١/١٦١.

(٦) صـالـح بـن أبـي الأخـضرعن الزهري عن أنس قال: وضعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غسلا فاغتسل من جميع نسائه في ليلة. رواه ابن ماجه (ص: ٤٤).

(٧) سـليـمـان بـن حـرب ثناحماد بن سلمة عن ثابت عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسـلـم طاف على نسائه في يوم واحد. رواه الدارمي (١/١٩٢) ورواه عـن عفان عن حماد بلفظ طاف على نسائه في ليلة واحدة جُمَع.

(٨) عبـد الـرحمن ثناحمادبن سلمة عن ثابت عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف على نسائه في ليلة واحدة في غسل واحد. رواه أحمد٣/١٨٥).

(٩) سـفـيـان حدثنى معمر عن ثابت عن أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يطيف بنساءه في ليلة يغتسل غسلا واحدا. رواه أحمد (٣/١١١) .

(١٠) عبـد الـرزاق انـا مـعـمرعن قتادة عن أنس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يطيف على نسائه في غسل واحد. رواه أحمد (١/١٦١) وشيخه عبد الرزاق (١/٢٧٥) في مصنفه.

(١١) قال عبد الرزاق (٧/٥٠٧) أخبـرنـاابـن جـريج قال أخبرت عن أنس بن مالك قال: قـال الـنبي صـلـى الله عـليه وسلم أعطيت الكفيت، قيل: وما الكفيت؟ قال: ”قوة ثلثين رجلاً فى البضاع“ وكان له تسع نسوة وكان يطوف عليهن جميعا في ليلة.

(۱۲) أبـوعـوانة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشرعن أبيه قال: سألت عائشة وذكرت لها قول ابن عمر، ما أحب أن أصبح محرما أنفخ طيبا، فقالت عائشة، أنا طيبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم طاف في نسائه ثم أصبح محرما. رواه البخاري١ ٤، ومسلم ١ /٣٧٨) واللفظ للبخاري.

(١٣) شعبة عن إبراهيم بن محمد بن المنتشرعن أبيه قال: قالت عائشة: كنت أطيب رسو ل الله صلى الله عليه وسلم فيطوف على نساء ه ثم يصبح محرماً يتضخ طيبا.

رواه البخاري (ص: ٤١، ومسلم ص: ٣٧٩، والنسائي ص: ٧٣).

(١٤) مسـعـر وسـفـيـان عـن إبـراهيم بن محمدبن المنتشر عن أبيه قال: سمعت يقول لأن أصبح مطليا بقطران أحب إلي من أن أصبح محرما انضخ طيبا، قال: فدخلت على عائشة فأخبرتها بقوله فقالت: طيبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فطاف في نسائه ثم اصبح محرما. رواه مسلم (ص: ٣٧٩).

(١٥) حـمـاد بـن سلـمـة عن عبد الرحمن بن أبي رافع عن عمتهٖ سلمي عن أبي رافع أن النبي صـلـى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نسائه يغتسل عند هذه وعند هذه قال: فقلت له: يا رسول الله ألا تـجـعـلــه غسـلا واحـدا، قـال هـذا أزكى وأطيب وأطهر. رواه أحمد (٦/٨،٦/٩، ٦/١ ٣٩، وابوداؤد ١/ ١٤٤، وابـن ماجه ص: ٤٤) والسيـاق لأبـي داؤد، ولـفظ ابن ماجه: أن النبى صلى الله عـليـه وسـلـم طـاف على نساء ه فى ليلة وكان يغتسل عند كل واحد منهن فقيل له: يا رسول الله! ألاتجعله غسلا واحدا فقال: هو أزكى وأطيب وأطهر ونحوه. لأحمد ٦/ ٣٩١) وفي لفظ لأحمد: طاف على نسائه جمع في يوم واحد واغتسل عند كل واحد منهن غسلاً.

یہ پندرہ روایتیں ہیں جو حقیقتاً تین ہیں اول حضرت انسؓ سے دوسرے حضرت عائشہ سے تیسرے حضرت ابورافع سے سب کا مضمون مشترک یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیک وقت اپنی ازواج مطہرات سے یکے بعد دیگرے وطی کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں طواف علی النساء سے مراد جماع ہے کما فهمه الإمام البخاري وغیرہ اگرچہ دوسرا احتمال تجدید العہد یعنی سب سے ملاقات کا بھی ہے لیکن امام بخاری کے اتباع میں پہلا ہی احتمال اختیار کرتے ہوئے اس روایت سے مسئلہ مذکورہ پر استدلال کیا گیا ہے پھر اس کے بعد ان روایتوں میں تین اختلافات ہیں اول تو یہ کہ حضرت انس کی روایت میں وحدت غسل مصرح ہے اور ابورافع کی روایت میں تعدد غسل، امام ابوداؤد نے اصول محدثین پر ترجیح کا طرز اختیار کر کے یہ فرمایا کہ ”حديث أنس أصح من هذا“ انتہی یعنی انس کی حدیث ابورافع کی حدیث سے اصح ہے لہٰذا ارجح ہوئی لیکن امام نووی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ابورافع کی حدیث ثابت ہو تو یہ دوسرا واقعہ

ہوگا اور انس نے جو نقل کیا ہے وہ اور واقعہ ہے:

ولفظه في شرح المهذب (۱۵۷/۲) قال أبوداؤد: والحديث الأول أصح.

قلت: وإن صح هذاالثانى حمل على أنه كان في وقت وذاک في وقت انتهیٰ. وكذا قال في شرح مسلم ۱۴۴/۱ قال الحافظ في التلخيص ۱۴۱/۱، قال النووي هومحمول على أنه فعل الأمرين في وقتين مختلفين .

دوسرا اختلاف حضرت انس کی روایتوں میں ہے کہ جن ازواج مطہرات پر دور ہوتا تھا وہ نو تھیں یا گیارہ سعید بن ابی عروبہ تو قتادہ سے تسع نسوۃ یعنی نو عورتیں نقل کرتے ہیں ہشام الدستوائی احدی عشر گیارہ کا عدد نقل کرتے ہیں امام بخاری نے اولاً ہشام الدستوائی کی روایت ذکر کی جس میں گیارہ کا عدد ہے اس کے بعد لکھا: **وقال سعيد عن قتادة إنا نتحدث أن أنسا حدثهم تسع نسوة.** علامہ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ جب روایات میں کوئی وہم واقع ہو جاتا ہے تو امام بخاری روایت کے بعد جو درست ہوتا ہے اس پر تنبیہ فرما دیتے ہیں اور یہ بخاری کی عادات میں سے ہے۔

بعض علماء نے دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے محدث مشہور ابو حاتم بن حبان البستی نے اپنی صحیح میں اختلاف روایات کو تعدد واقعہ پر محمول فرمایا ہے فرماتے ہیں ۳۷۱/۱:

”في خبرهشام الدستوائى عن قتادة وهن إحدى عشرة نسوة، وفي خبرسعيدعن قتاد ة، وله يومئذتسع نسوة، أما خبر هشام فإن أنساحكى ذلک الفعل منه صلى الله عليه وسلم في أول قدومه المدينة حيث كانت تحته إحدى عشرة امرأة، وخبرسعيد عن قتادة إنما حكاه أنس في آخر قدومه المدينة حيث كانت تحته، تسع نسوة، لأن هذا الفعل كان منه صلى الله عليه وسلم مرارا كثيرة لامرة واحدة انتهیٰ.

لیکن محدث ابن حبان کا کلامِ بالاخلاف تحقیق ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں تو آپ کے نکاح میں صرف دو بیبیاں تھیں حضرت سودہ جن سے مکہ ہی میں دخول ہو چکا تھا اور حضرت عائشہ جن سے ہجرت کے بعد دخول ہوا، پھر حضرت حفصہ اور زینب بنت خزیمہ سے ۳ھ میں اور ام سلمہ سے شوال ۴ھ میں اور زینب بنت جحش سے ۵ھ میں حضرت جویریہ سے بقولے ۵ھ میں اور بقول دیگر ۶ھ میں اور صفیہ ام حبیبہ اور میمونہ سے ۷ھ میں یہ ساری ازواج مطہرات وہ ہیں جن سے دخول ہوا یعنی وہ نکاح کے بعد رخصت ہو کر حضورِ اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور پاس رہیں حضرت ریحانہ بنوقریظہ کے قیدیوں میں تھیں ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے بنوقریظہ کے قتل سے فراغت پر محرم ۶ھ میں نکاح فرمایا۔ یا ملک یمین ہی میں باقی رہیں واقدی

ابن سعد (ص ۱۲۹/۸) نے ثعلبہ بن ابی مالک، عمر بن الحکم، محمد بن کعب القرظی وغیرہم سے قول اول نقل کیا ہے اور اس کو راجح واثبت قرار دیا ۱۳۱/۸ مذکورہ حضرات کے آثار اور دیگر بعض آثار نقل کرنے کے بعد واقدی کہتے ہیں:

"هذا ماروي لنا في عتقها وتزويجها وهو أثبت الأقاويل عندنا، وهو الأمر عند أهل العلم وقد سمعت من يروي أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يعتقها وكان يطأها بملك اليمن حتى ماتت".

پھر قول ثانی: **أيوب بن بشير المعاوي** اور **عبد الله بن أبي الجهم** سے نقل کیا ہے: ابن اسحاق، ابن ہشام ۲۶۴/۳ وغیرہما نے یہی قول ثانی اختیار کیا ہے حافظ ابن حجر کا میلان فتح الباری ۲۵۳/۱ اسی طرف ہے، ابن اسحاق فرماتے ہیں:

"قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم عرض عليها أن يتزوجها ويضرب عليها الحجاب فقالت: يارسول الله بل تتركني في ملكك فهو أخف علي وعليك فتركها".

پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی وفات ہوئی اور اکثر کی رائے ہے کہ آپ سے پہلے ۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی واختارہ الوقدی وابن سعد ۱۳۱/۸ حضرت زینب بنت خزیمہ رخصتی کے کچھ ماہ بعد وفات پاگئیں۔

قال الواقدي وابن سعد (ص: ۱۱۵) "كان تزويجه إياها في شهر رمضان على رأس أحد وثلثين شهرا من الهجرة، فمكثت عنده ثمانية أشهر وتوفيت في آخر شهر ربيع الآخر على رأس تسعة وثلثين شهرا.

اور ابن عبد البر فرماتے ہیں: **"لم تلبث عنده إلا شهرين أوثلثة وتوفيت في حياته"**۔

اب اس صورت میں جن ازواج سے دخول ہوا گیارہ ہیں: حضرت خدیجہ، عائشہ، سودہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ، صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ۔ ان میں سے حضرت خدیجہ کی ہجرت سے پیشتر وفات ہوگئی اور زینب بنت خزیمہ حیات شریفہ میں ہی وفات پاگئیں، اب کل نو باقی رہ گئیں، لہٰذا گیارہ کا اجتماع کبھی ہوا ہی نہیں، تو ابن حبان کا مذکور کلام جمع بین الاختلاف کے سلسلے میں صحیح نہیں ہوسکتا، لامحالہ گیارہ کی روایت کو وہم کہنا پڑے گا یا پھر یہ کہا جائے کہ ہشام کی روایت میں گیارہ کا محمل یہ ہے کہ ریحانہ اور ماریہ القبطیہ کو مجازاً نساء یعنی ازواج میں شمار کرلیا۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ حضرت انس کے بعض تلامذہ جیسے قتادہ، ہشام بن زید تو **"كان يطوف"** کا لفظ نقل کرتے ہیں جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مرتبہ دور علی الازواج پایا

گیا ہے، اور حمید الطّویل کے اکثر الفاظ اور زہری ’’طاف فی لیلة أو یوم‘‘ نقل کرتے ہیں، ثابت البنانی سے بھی دونوں طرح کے الفاظ مروی ہیں۔ بہرحال دوسرے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاقاً کسی وقت پیش آیا تھا، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حج کے وقت کا واقعہ ہے اور غالباً انہوں نے حضرت عائشہ کی روایت مذکورہ کو دلیل بنایا ہے مگر ابن حبان کی رائے ہے کہ یہ متعدد مرتبہ پیش آیا ہے ابن جریج کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، بہرحال اس میں کوئی اشکال نہیں ایک مرتبہ ہوا ہو یا متعدد مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ساری ازواج مطہرات سے ایک ہی رات میں مقاربت کی ہو کوئی بعید نہیں ایک گھنٹہ میں سب سے فراغت ہو جاتی تھی۔’’کما یستفاد من لفظ فی الساعة الواحدة‘‘۔

البتہ یہ کسی روایت میں وارد نہیں ہے کہ ایک ہی ساتھ ہر بیوی سے نو مرتبہ مقاربت ہوئی تھی اور یہ بظاہر وہم ہے، بیان کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہوگا کہ ہر ایک پر نو مرتبہ دور مراد ہے ’’ولا یدل علیه لفظ‘‘ اور اگر یہ ثابت ہو جاتا تو جیسے حضور اکرم ﷺ کے اور معجزات وخوارق عادات پر ہم ایمان لاتے ہیں اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ تمام کاروبار نبوت کی انجام دہی کے ساتھ اکیاسی مرتبہ شب وروز میں مقاربت ایک معجزہ ہی ہوسکتا ہے ورنہ یہ چیز بشری طاقت سے باہر ہے اور آپ کو اس پر قدرت تھی کہ آپ اکیاسی بلکہ اس سے زائد مرتبہ جماع فرمائیں حضرت انس کی روایت میں گزر چکا ہے:’’کنا نتحدث أنه أعطي قوة ثلثین‘‘۔

طبقات ابن سعد میں طاؤس کی مرسل روایت میں اربعین یعنی چالیس کا عدد مذکور ہے، اور اس طرح مجاہد سے بھی مرسلاً یہ عدد ابی نعیم کی صفۃ الجنۃ میں اور ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے، اور ابونعیم کی روایت میں من رجال أهل الجنة کا لفظ بھی وارد ہے، تو اس لحاظ سے جنت کے چالیس مردوں کی طاقت آپ کو حاصل تھی اور ہر جنتی کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوگی مسند احمد، سنن نسائی، مستدرک حاکم میں زید بن ارقم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے ’’أن الرجل من أهل الجنة لیعطی قوة مأة في الأكل والشرب والجماع والشهوة‘‘۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حساب سے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار آدمیوں کی قوت تھی، یہیں سے مستشرقین کا یہ اعتراض جاتا رہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ بڑے شہوت پرست تھے کہ بیک وقت نو بیویاں رکھتے ہیں اس لئے کہ جس کو چار ہزار کی طاقت حاصل ہو اس کے لئے نو کیا کفایت کرسکتی ہیں اور پھر اگر شہوت پرستی مقصود ہوتی تو جب قریش اپنی لڑکیوں کو پیش کررہے تھے کہ تم جس لڑکی سے چاہو نکاح کرلو لیکن تبلیغ اسلام چھوڑ دو اس وقت تو آپ نے ایک بیوہ حضرت خدیجہ پر اکتفاء کرلیا اور درازسنی میں آپ نعوذ

باللہ شہوت پرستی کرتے اگر یہ مقصود ہوتا تو کنواریاں جمع کرتے، حالانکہ حضرت عائشہ کے سواسب بیوہ تھیں۔ اصل مقصود ان کی خبر گیری اوران کے خاندانوں میں اسلام کی ترویج اورشریعت کے دوسرے رخ یعنی جس کاتعلق عورتوں سے ہے اس کے ناقلین کی تکثیر مقصود تھی واللہ اعلم۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

فائدہ:

اگرچہ قاضی ابن العربی نے جمع بين الأزواج في الطواف عليهن کے جواب میں حضرت ابن عباس کی حدیث بحوالہ مسلم نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کوعصر کے بعد ایک ساعت مخصوصہ عطاء کی گئی تھی جس میں آپ کوسب کے پاس جانے کا حق تھا اور اگرعصر کے بعد نہ ہوتو مغرب کے بعد، مگر یہ روایت مجھے حضرت ابن عباس سے مسلم میں نہیں ملی۔ امام بخاری نے کتاب النکاح میں مختصراً ص:۷۸۵ اور کتاب الطلاق میں (ص:۷۹۳) اور امام مسلم نے ۱/۴۷۹ میں حضرت عائشہ سے نقل کی ہے اس میں عصر کے بعد کا ذکر ہے مغرب کا ذکر نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینب سے نکاح کرنے سے متعلق مختلف روایات اوراشکالات کے جوابات

زید بن حارثہ حضور اکرم ﷺ کے مولی اور متبنی یعنی منھ بولے بیٹے ہیں آپ نے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح کردیا اس کے بعد جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو آپ نے ان سے نکاح کرلیا اور یہ نکاح آسمان پر ہوا، اب آگے مفسرین دوقول نقل کرتے ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت زید بن حارثہ اور زینب میں حالات ناخوشگوار رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ زینب تمہاری بیوی ہونے والی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اظہار سے خوف محسوس ہوتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ عرب میں متبنی کا وہی درجہ تھا جو حقیقی بیٹے کا، اللہ تعالیٰ نے اس رسم کا ابطال فرمایا اور آپ کا آسمان پر زینب سے نکاح کردیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول زید کے مکان تشریف لے گئے وہاں زید موجود نہ تھے زینب پوری طرح ملبوس نہ تھیں آپ کی نگاہ ان پر پڑی اور زینب کی محبت دل میں پیدا ہوگئی آپ ''سبحان مقلب القلوب'' کہتے ہوئے واپس ہوئے اور دل میں یہ خیال کرلیا کہ اگر زید نے طلاق دیدی تو میں نکاح کرلوں گا،

قول اول امام زین العابدین علی بن الحسین اور محمد بن عبدالرحمٰن السدي الکبیر سے منقول ہے:

فأخرج الحكيم الترمذي وابن جرير وابن أبي حاتم والبيهقي في الدلائل عن علي بن زيد بن جدعان، قال: قال لي علي بن الحسين ما يقول الحسن في قوله: ”وتخفي في نفسک ما الله مبديه“ فقلت له، فقال لا. ولكن أعلم الله نبيه صلى الله عليه وسلم أن زينب رضى الله عنها ستكون من أزواجه قبل أن يتزوجها فلما أتاه زيد يشكو إليه قال: ”اتق الله وأمسک عليک زوجک. فقال قد أخبرتک إني مزوجکها وتخفي في نفسک ما الله مبديه، قال قلت: كان يقول إنها كانت تعجبه وإنه قال زيد اتق الله وأمسک عليک زوجک، قال لا إلى آخره، قال الحافظ (۱۰/۱٤۳) وقد أطنب الترمذي الحكيم (ص:۱۸۹) في تحسين هذه الرواية، وقال إنها من جواهر العلم المكنون، وضعفه الحافظ ابن حجر لضعف علي بن زيد بن جدعان.

وأخرج ابن أبي حاتم عن السدي في قوله: ”وإذ تقول للذى أنعم الله عليه وأنعمت عليه الآية. قال بلغنا أن هذه الآية نزلت في زينب بنت جحش رضى الله عنها وكانت أمها أميمة بنت عبد المطلب عمة رسول الله ﷺ فأراد أن يزوجها زيد بن حارثة رضى الله عنه مولاه، فكرهت ذلک ثم أنها رضيت بما صنع رسول الله ﷺ فزوجها إياه ثم أعلم الله نبيه ﷺ بعد إنها من أزواجه، فكان يستحيي أن يأمر زيد بن حارثة بطلاقها وكان لايزال بين زيد وزينب بعض مايكون بين الناس فيأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمسک عليه زوجه وأن يتقى الله، وكان يخشى الله أن يعيبوا عليه ويقولوا تزوج امرأة ابنه وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تبنى زيداً. قال الحافظ ابن حجر (ص: ۱٤۳): ”هذا أوضح سياقاً وأصح إسناداً من أثر زين العابدين لضعف علي بن زيد بن جدعان“.

اور دوسرا قول متعدد علماء تفسیر سے نقل کیا گیا ہے مگر وہ غیر مستند ہے اس کے غیر معتمد ہونے کی قاضی بکر بن العلاء المالکی، قاضی ابن العربی، قاضی عیاض، حافظ ابن کثیر وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں (۳/۴۹۱): ”ذكر ابن جرير وابن أبي حاتم هنا آثاراً من بعض السلف أحببنا أن نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها“.

اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”وردت آثار أخرى أخرجها ابن أبي حاتم والطبري ونقلها

كثير من المفسرين لاينبغي التشاغل بها اهـ. صرف ایک روایت مسند احمد میں موصولاً وارد ہوئی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں قال الإمام أحمد (۱۴۹/۳) حدثنامؤمل بن إسمعيل ثنا حماد بن زيد ثنا ثابت عن أنس قال: أتى رسول الله ﷺ منزل زيد بن حارثة فرأى رسول الله امرأته زينب وكانه دخله لا أدرى من قول حماد أو في الحديث فجاء زيد يشكوها إليه فقال له النبي ﷺ أمسك عليك زوجك واتق الله فنزلت: "واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه إلى قوله "زوجناكها" يعنى زينب انتهى.

قال ابن كثير (ص: ۴۹۱) رواه أحمد وفيه غرابة تركنا سياقه.

قلت: ومؤمل بن إسمعيل وإن كان صدوقاً ولكنه كثير الخطاء والوهم، كما صرح به الأئمة، قال أبوحاتم: "صدوق شديد في السنة كثير الخطأ، وقال البخاري: منكر الحديث وقال الساجي: "صدوق كثير الخطأ وله أوهام يطول ذكرها" وقال الدار قطني: "ثقة كثير الخطا" وقال ابن سعد: "ثقة كثير الغلط" وقال محمد بن نصر المروزي المؤمل إذا انفرد بحديث وجب أن يتوقف ويتثبت فيه لأنه كان سيء الحفظ كثير: "الغلط" وقال يعقوب ابن سفيان: "مؤمل أبوعبد الرحمن شيخ جليل سني سمعت سليمان بن حرب يحسن الثناء عليه كان مشيختنا موصولا به إلا إن حديثه لا يشبه حديث أصحابه وقد يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه فإنه يروي المناكير عن ثقات شيوخه وهٰذا أشد، فلو كانت هٰذه المناكير عن الضعفاء لكنا نجعل له عذراً".

بہر حال مؤمل کے ثقہ، صدوق ہونے کے باوجود سوء حفظ اور کثیر الخطاء والا وہام ہونے کی وجہ سے اس کی روایت لائق اعتماد نہیں ہے محققین قاضی ابوالفضل بکر بن العلاء القشیری، قاضی ابوبکر بن العربی، قاضی عیاض وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت زینب حضور اکرم ﷺ کی پھوپی زاد بہن ہمیشہ پاس کا رہنا ولادت زینب کے وقت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوری طرح واقف تھے اور اس دور میں پردہ کا اہتمام بھی نہیں تھا، زینب اس وقت کنواری تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ان کی طرف رغبت نہیں ہوئی، اب جب کہ وہ منکوحہ ہوگئیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی نکاح کر دیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رغبت ہوگئی یہ بات عقلاً وعادۃً بعید ہے بلکہ یہ صورت حال اللہ کی طرف سے اس لئے واقع ہوئی تا کہ اہل جاہلیت کی سنت کا ابطال ہوجائے کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور اس کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح جانتے

تھے اور قصہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو امام زین العابدین نے نقل کی ہے۔

قال القاضي عياض في الشفاء (ص: ١٩٤): "والأولى ماذكر نا عن علي ابن الحسين وحكاه أبو الليث السمرقندي وهو قول ابن عطاء واستحسنه القاضي القشيري، وعليه عول أبو بكر بن فورك، وقال: "إنه معنى ذلك عند المحققين من أهل التفسير" اهـ. اور آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے فرمایا: "تخفى في نفسك ما الله مبديه" اور جس چیز کو بعد میں ظاہر کیا گیا وہ آسمان سے زینب کا نکاح ہے اور یہ کہیں نہیں ظاہر کیا گیا کہ آپ کو زینب سے محبت ہوگئی آپ اس وجہ سے چاہتے تھے کہ زید طلاق دیدے۔

اور اگر بالفرض دوسری تفسیر مان بھی لی جائے تو بھی میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں ہے، محبت غیر اختیاری چیز ہے بعض وقت اچانک کسی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے البتہ اس کے بعد غلط رویہ اختیار کرنا غلط ہے۔ اور یہاں کوئی صورت پائی ہی نہیں گئی بالفرض محبت ہوگئی تو کیا ہوا؟ آپ نے آگے کوئی قدم تو نہیں بڑھایا صرف یہی ارادہ تھا کہ چونکہ زینب وزید میں بناؤ نہیں ہے اس لئے اگر زید طلاق دیدیں گے تو آپ نکاح کرلیں گے اور اس میں کیا حرج ہے اور آپ نے زید کو ارادہ طلاق کے وقت اخلاقی طور پر تعلیم دی کہ اپنے اہل کو نہ چھوڑ۔

قال الشيخ أبو محمد البغوي في معالم التنزيل: وإن كا ن القول الآخر: وهو أنه أخفى محبتها أو نكاحها لو طلقها لايقدح في حال الأنبيأ لأن العبد غير ملوم على ما يقع في قلبه من مثل هذه الأشياء ما لم يقصد فيه الإثم، لأن الود وميل النفس من طبع البشر، وقوله: "أمسك عليك زوجك واتق الله" أمر بالمعروف وهو حسنة لا إثم فيه. اهـ.

قال الحافظ ابن حجر (١٠/١٤٣): "وقال ابن العربي وإنما قال عليه الصلوة والسلام لزيد: أمسك عليك زوجك، اختباراً لما عنده من الرغبة فيها أو عنها فلما أطلعه زيد على ما عنده منها من النفرة التي نشأت من تعاظمها عليه وبذاء ة لسانها اذن له في طلاقها وليس في مخالفة متعلق الأمر لمتعلق العلم ما يمنع من الأمربه والله اعلم .

بنده محمد يونس عفى عنه

لیلۃ المعراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے یا نہیں؟

محترم المقام جناب شیخ الحدیث صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش خدمت عالی میں یہ ہے کہ احقر کی نگاہ سے ایک کتاب گذری جس کا نام ہے فہم قرآن مؤلفہ جناب مولانا سعید احمد ایم اے فاضل دیوبند اس میں ایک مثال دیتے ہوئے انھوں نے یہ جملے لکھے ہیں اسی طرح حدیث معراج میں جو یہ آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رؤیت باری سے مشرف ہوئے تو حضرت عائشہ نے اس کی صحت سے انکار کردیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَاتُدْرِکُهُ الْأَبْصَار تو اس آیت شریفہ کو پڑھ کر یہ پتہ چلا کہ جب قرآن یہ ثبوت دے رہا ہے تو درست ہے مگر پریشانی یوں ہوئی کہ آج تک یہی سنتے چلے آئے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کو دیدار الٰہی ہوا اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے ایک عالم صاحب سے ملاقات کی اور ان کو یہ کتاب دکھائی تو وہ تسلی تو کیا کرتے اور ایک آگے کی پکڑائی فرمایا کہ میاں حضرت عائشہ تو جسمانی معراج کی بھی قائل نہیں بس اب اور پریشانی میں اضافہ ہوا اور سوچا کہ خدا خیر کرے کہ یہ باتیں آج ہی سننے میں آرہی ہیں ورنہ بڑے بڑے علماء نے جب معراج کو اپنی تقریروں میں بیان کیا تو یہی بتایا کہ جسمانی معراج ہوئی مگر صرف ایک دفعہ اور منامی معراج بہت سی دفعہ اور دیدار الٰہی بھی ہوا ہے تو اب حضرت جی سے درخواست ہے جواب باصواب عنایت فرمائیں اس کتاب کا حوالہ بھی عنایت فرمائیں جس میں معراج جسمانی کا ثبوت ملتا ہے اور حضرت عائشہ کی طرف جو منسوب ہے واقعی انکار کیا ہے؟

احقر عبدالحق غفرلہ

کرتپور بجنور

جواب: باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عنایت فرمایم بعد سلام مسنون

یہ ناکارہ اپنے امراض کی کثرت بالخصوص آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے علمی خطوط کے جواب سے معذور ہے مگر ایسی چیزوں سے الجھن میں نہ پڑنا چاہئے ایسی چیزوں میں صحابہ کرام ائمہ مجتہدین وغیرہم میں اختلاف ہوتے ہی رہے ہیں اس کے لئے آپ کا جی چاہے تو اس ناکارہ کا رسالہ اختلاف الائمہ کتب خانہ

اشاعت العلوم محلّہ مفتی سہار نپور سے منگوا کر ملاحظہ کرلیں آپ کا خط مدرسہ کے شیخ الحدیث کے پاس بھیج رہا ہوں وہ اس کا جواب براہ راست لکھ کر بھیج دیں گے۔ والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب

بقلم حبیب اللہ ۷؍صفر ۹۳ھ

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اقدس ﷺ نے لیلۃ المعراج میں آیا اللہ رب العزت کو دیکھا ہے یا نہیں اس میں صحابہ ہی کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے حضرت عائشہ وغیرہ منکر ہیں اور حضرت ابن عباس وغیرہ اس کے قائل ہیں اور یہی حضرت انس عکرمہ حسن بصری وغیرہ کا مذہب ہے بلکہ حسن بصری تو اس پر قسم کھاتے تھے، حضرت ابن عمر نے اس مسئلے میں حضرت ابن عباس سے مراجعت کی تو فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ تمام صوفیہ کی بھی یہی رائے ہے محدثین میں سے امام احمد، محمد بن اسحاق بن خزیمۃ، محمد بن اسماعیل تیمی، قاضی عیاض امام نووی وغیرہ اسی کے قائل ہیں امام ابوالحسن اشعری امام المتکلمین سے بھی یہی منقول ہے اور حضرت عائشہ کا انکار کسی دلیل خاص کی بنا پر نہیں ہے بلکہ دلائل عامہ کی بنا پر جیسے آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ادراک سے احاطہ کی نفی کرنی مقصود ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ محال ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو لیلۃ المعراج میں رویت باری دل کی آنکھوں سے ہوئی اور حضرت ابن عباس سے مسلم وغیرہ میں رآه بفوادہٖ وارد بھی ہے اور حضرت عائشہ سر کی آنکھ سے دیکھنے کا انکار کرتی ہیں۔

کیا حضرت عائشہؓ نے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے؟

اور حضرت عائشہ سے جو معراج جسمانی کا انکار نقل کیا جاتا ہے اولاً تو اس کے ثبوت میں کلام ہے اس لئے کہ اس کی سند میں جہالت ہے **قال ابن اسحاق: حدثني بعض آل أبي بكر عن عائشة أم المؤمنين أنها كانت تقول: ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولكن الله تعالى أسرى بروحه.**

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ اثر ثابت نہیں ہے اور ابن دحیہ وغیرہ نے تو اس کو موضوع تک کہا ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس وقت بہت چھوٹی تھیں جبکہ معراج ہوئی ہے کچھ بات کسی طرح سنی سنائی ہو، اور پوری بات بچپن ہونے کی وجہ سے محفوظ نہ رہی ہو اگر معراج جسمانی نہ ہوتی تو کفار اس قدر شور وشغب کیوں کرتے، خواب میں تو آدمی نہ معلوم کہاں کہاں سیر کرآتا ہے حضور اقدس ﷺ کی

معراج جسمانی تو علماء کے یہاں اس قدر مشہور ہے کہ اس کے کسی حوالہ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ابن جریر طبری ابن حبان امام بیہقی ابن حزم قاضی عیاض وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ کو معراج جسمانی ہوئی اسی طرح حافظ ابن کثیر وحافظ ابن حجر بھی فرماتے ہیں، روح المعانی تفسیر ابن کثیر شفاء للقاضی عیاض نسیم الریاض شرح المواہب وغیرہ میں اس کی تصریح دیکھی جاسکتی ہے اور اس کی قدرے تفصیل تنویر السراج تالیف حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ میں بھی ملے گی ملاحظہ ہو۔ (ص ۶۴)

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۷؍صفر ۱۳۹۳ھ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی ابتداء رات کے وقت ہوئی یا دن میں؟

دو متضاد واقعوں کی تحقیق روایات کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی المطاع حضرت الاستاذ شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

.... بہت روز سے ایک سوال کرنا چاہ رہا ہوں مگر اب تک نوبت نہیں آئی اس مرتبہ جسارت کر رہا ہوں اگر سہولت سے جواب ممکن ہو تو مشرف فرمائیں۔

تاریخی روایات سے سفر ہجرت کی ابتداء رات کے وقت معلوم ہوتی ہے جس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر مبارک پر لٹا دیا تھا اور امانتیں ان کے حوالہ فرمادی تھیں وغیرہ وغیرہ لیکن صحیح بخاری کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ سفر کی ابتداء دوپہر کو ہوئی تھی اور حضرت اسماء وغیرہ نے سامان سفر تیار کیا اور اپنے نطاق کے دو حصے کر کے توشہ دان کا منہ بند کیا تھا وغیرہ وغیرہ مجھے تو شبہ ہوتا ہے کہ تاریخی روایات کا بیان شیعوں کی اختراع ہے اور صحیح بخاری کا بیان زیادہ صحیح ہے آپ کا اس سلسلہ میں کیا خیال ہے۔

احقر عمر احمد عثمانی

۲۰؍جون ۱۹۷۶ء

اس پر حضرت اقدس مدظلہ العالی نے یہ تحریر فرمایا کہ مولانا یونس صاحب اس خط کا جواب تحریر فرما کر

میرے پاس بھیج دیں میرے خیال میں کوئی تعارض نہیں ایک سفر کی ابتداء رات کو ہے اور دوسری ابتداء غار ثور سے ہے۔ انتہی

جواب:- ازاحقر محمد یونس عفا اللہ عنہ وستر عیوبہ ورزقہ حبہ وحلاوۃ الایمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر کا خیال یہ ہے کہ اس کا سمجھنا روایات کے الفاظ پر موقوف ہے اس لئے اولاً روایات ذکر کرتا ہوں پھر تعارض کے متعلق عرض کروں گا۔

(۱)　**أخرج البخاري ص: ۵۵۳ من طريق ابن شهاب عن عروة عن عائشة قالت: "بينما نحن يوماً جلوس في بيت أبي بكر في نحر الظهيرة، قال قائل لأبي بكر هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متقنعاً في ساعة، لم يكن يأتينا فيها فقال أبوبكر: فداء له أبي و أمي و الله ماجاء به في هذه الساعة إلا أمر، قالت: فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذن فأذن له فدخل فقال النبي صلى الله عليه وسلم لأبی بكر: أخرج من عندك، فقال أبوبكر إنما هم أهلك بأبي أنت يا رسول الله! قال: فإني قد أذن لي في الخروج، فقال أبوبكر: الصحابة بأبي أنت يارسول الله! قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم، قال أبوبكر: فخذ بأبي أنت يارسول الله! إحدى راحلتي هاتين قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بالثمن قالت عائشة: فجهزناهما أحث الجهاز و صنعنا لهما سفرة في جراب فقطعت أسماء بنت أبي بكر قطعة من نطاقها فربطت به على فم الجراب، فبذلك سميت ذات النطاق قالت ثم لحق رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر بغار في جبل ثور فكمنا فيه ثلث ليال، الحديث وأخرجه أحمد ۲۹۸/۶ من هذا الوجه.**

(۲)　**وأخرج عبد الرزاق في مصنفه ۳۸۹/۵ وعند أحمد في مسنده ۳۴۸/۱ فقال ثنامعمر قال وأخبرني عثمان الجزري أن مقسما مولى ابن عباس أخبره عن ابن عباس في قوله: "وإذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك" قال: تشاورت قريش ليلة بمكة فقال بعضهم إذا أصبح فاثبتوه بالوثاق يريدون النبي صلى الله عليه وسلم وقال بعضهم، بل اقتلوه وقال بعضهم، بل أخرجوه فاطلع الله نبيه على ذلك فبات عليؓ على فراش النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة وخرج النبي صلى الله عليه وسلم حتى لحق بالغار وبات المشركون يحرسون عليا يحسبونه النبي صلى الله عليه وسلم.**

فلما أصبحوا ثاروا إليه فلما رأوا علياً رد الله مكرهم فقالوا أين صاحبک قال لا أدرى فاقتصوا أثره، فلما بلغوا الجبل خُلِّطَ عليهم، فصعدوا في الجبل فمروا بالغار فرأ واعلى بابه نسج العنکبوت، فقالوا: لودخل ههنا لم يکن نسج العنکبوت على بابه. فمکث فيه ثلث ليال.

قال الحافظ ابن کثير ۱۸۱/۳ في تاريخه والحافظ ابن حجر في الفتح ۲۳۷/۸: هذا إسناد حسن وتبعهما الزرقاني في شرح المواهب وقال الهيثمى(۲۷/۷): رواه أحمد والطبراني وفيه عثمان بن عمرو الجزري وثقه ابن حبان، وضعفه غيره وبقية رجاله رجال الصحيح.

(۳) وأخرج البيهقي فى الدلائل ٤٦٦/۲ من طريق إبراهيم بن المنذر حدثنا محمد بن فليح عن موسى بن عقبة عن ابن شهاب الزهري قال: "ومکث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الحج بقية ذى الحجة والمحرم وصفر، ثم إن مشرکي مکة اجتمعوا أن يقتلوه أو يخرجوه حين ظنوا أنه خارج وعلموا أن الله عزوجل قد جعل له مأوى ومنعة ولأ صحابه وبلغهم إسلام من أسلم ورأوا من يخرج إليهم من المهاجرين فأجمعوا أن يقتلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أو يثبتوه، فقال الله عزوجل ﴿وَإِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ وبلغه صلى الله عليه وسلم في ذلک اليوم الذى أتى فيه أبابکر أنهم مُبيتوه، إذا أمسى على فراشه فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبکر في جوف الليل قبل الغار غارثور وهو الغار الذي ذکر الله عزوجل في الکتاب، وعمد علي بن أبي طالب فرقد على فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم، يوارى عنه وباتت قريش يختلفون ويأتمرون أيهم يجثم على صاحب الفراش فيوثقه فکان ذلک أمرهم حتى أصبحوا فإذاهم بعلي بن أبي طالب رضي الله عنه فسألوه عن النبي صلى الله عليه وسلم فأخبرهم أنه لاعلم له به، فعلموا عند ذلک أنه قد خرج فاراً منهم، فرکبوا في کل وجه يطلبونه.

وهذه الرواية نقلها الحافظ ابن حجر ۱۳۷/۸ عن مغازي موسى بن عقبة وقد صرح البيهقى بأن مغازي موسى بن عقبة أصح المغازي. وقد أخرج البخاري في المغاز ي ۵۷۳ بهذا الإسناد طرفاً من قصة بدر.

(٤) وأخرج البيهقى ۲۰۰/۲ من طريق ابن لهيعة عن أبي الأسود عن عرو ة بن زبيرقال: فمکث رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الحج بقية ذى الحجة والمحرم وصفر ثم

أن مشركي قريش أجمعوا أمرهم ومكرهم على أن يأخذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فإما أن يقتلوه و إما أن يحبسوه و إما أن يخرجوه و إمـا أن يوثقوه فأخبره الله عزوجل بمكرهم ”وإذ يمكربک الذين كفروا“ الآية. فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر من تحت الليل قبـل الغاربثور، وعمد علي رضى الله عنه فرقد على فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم يوري عنه العيون.

(۵) وأخرج البيهقى ۲۰۹/۲ مـن طريق عفان بن مسلم قال: حدثنا السرى بن يحيىٰ قال: حدثنا محمد بن سيرين قال: ذكر رجال على عهد عمر فكأنهم فضلوا عمر رضى الله عنه عـلـى أبـي بـكر رضى الله عنهما فلما بلغ ذلک عمررضى الله عنه، قال: والله ليلة من أبي بكر خيـر مـن آل عـمـر، وليـوم مـن أبـي بكر خير من آل عمر، لقد خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة انطلق إلى الغار ومعه أبوبكر رضى الله عنه فجعل يمشى ساعة بين يديه وساعة خلفه حتـى فـطـن لـه رسـول الله صـلـى الله عليه وسلم فقال يا أبابكر، مالک تمشي ساعة بين يدي وسـاعة خـلـفـي؟ فـقال يارسول الله! أذكر الطلب فأمشي خلفک ثم أذكر الرصد فأمشي بين يـديک قـال: يـا أبـا بـكـر! لوكان شئ لأحببت أن يكون بک دوني، قال: نعم والذي بعثک بـالـحـق، فـلـما انتهيا إلى الغار قال أبوبكر رضى الله عنه: ”مكانک يارسول الله حتى استبرى لک الـغـار فدخل فاستبراه، حتى إذا كان في أعلاه ذكر أنه لم يستبر الجحرة فقال: مكانک يـارسول الله حتى استبرئ الجحرة فـدخل فاستبرأ ثم قال: انـزل يارسول الله فنزل فقال عمر، والذي نفسي بيده لتلک الليلة خير من آل عمر“. قلت: رجاله ثقات ولكنه منقطع.

ان تمام روایات میں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان مبارک سے رات میں نکلے صرف حضرت عائشہؓ کی روایت سے جوسب سے اول میں ذکر کی گئی ہے بظاہر دن میں نکلنا معلوم ہوتا ہے علامہ زرقانی کی رائے یہ ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر رات ہی رات غارثور تشریف لے گئے اور وہاں چھپ گئے اور دوپہر کو وہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبر کے پاس تشریف لائے پھر آپ اور ابوبکرصدیقؓ غارثور کی طرف چلے،وعبـارتـه روي أحمد بإسناد حسن ”تشاورت قريش الحديث وفيـه فـأطـلـع الله نبيـه على ذلـک فبات علي على فراشه وخرج النبى صلى الله عليه وسلم حتـى لـحـق بـالـغـار أي غارثور كما في رواية ابن هشام وغيره فأفاد أنه تواري فيه حتى أتى

أبابكر منه في نحر الظهيرة، ثم خرج إليه هو وأبوبكر ثانياً وبهذا علم الجواب عن قوله في النور لم أقف على ماصنع من حين خروجه إلى أن جاء إلى أبي بكر في نحر الظهيرة، ووقع في البيضاوی فبيت علياً على مضجعه وخرج مع أبي بكر إلى الغار وفي سيرة الدمياطي أنه ذهب تلک الليلة إلى بيت أبي بكر فكان فيه إلى الليلة أي المقبلة ثم خرج هو وأبوبكر إلى جبل ثور إنتهى، وفيه أن الثابت في الصحيح أنه عليه الصلوة والسلام أتى أبابكر في نحر الظهير ة وفي رواية أحمد جعل إنتهاء خروجه، بعد أن بيت علياً على فراشه لحوقه بالغار فيفيد ماقلنا انتهى.

میرے خیال میں یہ صورت جمع بہت ہی مشکل ہے اول تو اس وجہ سے کہ جب مشرکین آپ کے قتل کی نیت سے آپ کے دروازے پر جمع تھے تو آپ مکہ سے نکل کر پھر دوبارہ کیوں تشریف لائے اس میں تو بہت ہی شدید خطرہ تھا اور جو احتیاطی تدابیر آپ نے اس سفر میں اختیار فرمائیں کہ رات میں نکلے غار ثور میں تین راتیں پوشیدہ رہے مدینہ کا عام راستہ چھوڑ کر ساحل کا راستہ اختیار فرمایا دو پہر کے وقت غار سے نکل کر حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لے جانا ان سب کے خلاف ہے اور ثانیاً اس وجہ سے مشکل ہے کہ عام ارباب سیر رات میں آپ کے مکان سے نکل جانے کے بعد آپ کے ساتھ صدیق اکبر کا غار ثور تک ساتھ ہونا ذکر کرتے ہیں عروہ، زہری، ابن سیرین کی روایات میں اس کی تصریح گذر چکی ہے صرف ابن عباس کی روایت کو اصل بنا کر باقی روایات کو نظر انداز کر دینا سمجھ میں نہیں آتا جب کہ اس میں اجمال کا امکان قوی ہے۔

احقر کے خیال میں بخاری کی روایت دن میں نکلنے میں صراحۃً دلالت نہیں کرتی ہے اور دوسری روایات میں رات میں نکلنا مصرح ہے اور اس وقت کی مصلحت کا مقتضی بھی تھا اس لئے جمع کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صدیق اکبر کے مکان پر تشریف لے گئے اور ہجرت کی اطلاع فرمادی اس کے بعد آپ مکان تشریف لائے اور رات میں مکان سے نکلے حضرت صدیق اکبر نے کوئی جگہ طے فرمالی ہوگی دونوں حضرات وہاں سے غار ثور تشریف لے گئے اور یہ تفصیل زہری کی روایت میں جو نمبر تین پر گذر چکی ہے جس کو امام بیہقی نے بروایت موسیٰ بن عقبہ نقل فرمایا ہے مصرح ہے زہری کے الفاظ یہ ہیں:

''وبلغه صلى الله عليه وسلم في ذلک اليوم الذي أتى فيه أبابكر أنهم مبيتوه إذا أمسى على فراشه، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر في

جوف الليل قبل الغار''.

زہری کی اس روایت میں کوئی راوی شیعہ نہیں ہے اس کی پوری سند کو امام بخاری نے بخاری کی کتاب المغازی میں ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے سند کی حیثیت سے اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہے۔

ابن سعد/ ۳۲۸ کی رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر میں حضرت ابوبکر کے یہاں تشریف لے گئے اور پھر اپنے مکان تشریف لائے رات میں حضرت ابوبکر کے مکان تشریف لے گئے اور بقیہ رات اور اگلے دن انہیں کے یہاں رہے اور آئندہ رات میں غار ثور کی طرف چلے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو جب آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور یہ بعید ہے کہ اگلی ہی رات میں مشرکین خاموش ہو جائیں اور آپ ابوبکر کے مکان سے اطمینان سے نکل جائیں ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں:

فلما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر أتانا نفر من قريش فيهم أبوجهل، فوقف على باب أبي بكر، فخرجت إليهم فقالوا: ''أين أبوک يا ابنت أبي بكر قلت لهم: لا أدري والله، أين أبي، فرفع أبوجهل يده وكان فاحشاً خبيثا فلطم خدي لطمة طرح منها قرطي''. الحديث. جب مشرکین تلاش میں ابوبکر صدیق کے گھر گئے تو پھر یہ بہت بعید ہے کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہوں اور اگلی رات میں روانگی ہو لیکن یہ بھی امکان ہے کہ اگلے دن آئے ہوں وفضل الله على رسوله صلوات الله وتسليماته عليه أكثر من ذلک فلا ننكره نظراً إلى ذلک. واللہ اعلم بالصواب محمد یونس عفی عنہ اواخر رجب ۱۳۹۷ھ

حجۃ الوداع کے موقع کی ایک حدیث کی تحقیق

سوال:- عزیزم مولوی یونس سلمہ بعد سلام مسنون ابوداؤد میں بذل (۳/۴۳/ ۱) عن رجلين أتينا رسول الله ﷺ في حجة الوداع وهو يقسم الصدقة الحديث اگر یہ تعیین ہو سکے کہ یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں کس جگہ آئے تو حجۃ الوداع رسالہ میں جوڑ دیں صاحب منہل نے اس روایت کو دارقطنی ونسائی وطحاوی کی طرف منسوب کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

جواب: مخدومی وسیدی مدظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

هذا الحديث أخرجه أحمد (۴/۲۲۴) عن وكيع وأبو داؤد (۱/۴۳/۳) ومن طريقه البيهقي ۱۴/۷ من طريق عيسى بن يونس وأبو عبيد ص۲۴۹ من طريق الليث بن سعد والدار قطني ص ۲۱۱ من طريق ابن نمير كلهم عن هشام بن عروة عن أبيه عن عبيدالله بن عدي بن الخيار قال: أخبرني رجلان أنهما أتيا النبي ﷺ في حجة الوداع، وهو يقسم الصدقة فسألاه منها، فرفع البصر وخفضه قرآنا فقال: إن شئتما أعطيتكما ولا حظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب.

وأخرجه ابن أبي شيبة ۲۰۸/۳ عن عبد الرحيم وابن نمير والنسائي (۳۶۳/۱) وأحمد (۲۲۴/۴) من طريق القطان والطحاوي ص ۳۰۳ من طريق جعفر بن عون أو حفص بن عمر على اختلاف النسخ ومن طريق عمرو بن الحارث والليث بن سعد وحماد بن سلمة، وهمام كلهم عن هشام بن عروة وليس فيه ذكر حجة الوداع بل ذكر مطلق الإتيان إلى النبي ﷺ وكذا ذكره ابن الأثير في أسد الغابة وليس فيه ذكر حجة الوداع وذكر أن أبا نعيم وابن مندة أخرجاه ولفظه روي هشام بن عروة عن أبيه عن عبيدالله بن عدي بن الخيار عن رجلين أتيا النبيﷺ وهو يعطي من الصدقة قالا: فزاحمنا حتى خلصنا إليه فرفع إلينا النبي ﷺ طرفه ثم خفض فراناً فقال لاحظ لغني ولا مكتسب انتهىٰ.

اصل اختلاف تو یہ ہے کہ بعض رواۃ حجۃ الوداع ذکر کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے ہیں اور بظاہر یہی معلوم بھی ہوتا ہے اس لئے کہ اہل سیر نے حجۃ الوداع میں تقسیم صدقات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور اگر حجۃ الوداع میں ثابت ہو جائے تو پھر شاید حضور ﷺ نے مکہ میں صدقہ تقسیم فرمایا ہو جبکہ آپ وہاں تشریف لے گئے تھے لیکن اس حدیث کے طرق میں جیسا کہ معلوم ہو چکا یہ تعیین نہ مل سکی کہ کہاں اور کس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا۔

(بندہ محمد یونس)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا؟

سوال:- هل عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نفسه بعد النبوة؟ كما ذكره في مالا بد منه.

جواب:- ذكره الرافعي في شرع الوجيز لكن قال النووي في شرح المهذب

ص: ٤٣١ : هذا الحديث رواه البيهقي بإسناده عن عبدالله بن محرر (بالحاء المهملة والراء المكررة) عن قتادة عن أنس أن النبي ﷺ عن نفسه بعد النبوة قال: وهذا حديث باطل قال البيهقي هو حديث منكر وروى البيهقي عن عبدالرزاق إنما تركوا عبدالله بن محرر بسبب هذا الحديث قال البيهقي وقد روى هذا الحديث من وجه آخر عن قتادة ومن وجه آخر عن أنس وليس بشيء، فهو حديث باطل، وعبد الله بن محرر ضعيف متفق على ضعفه، قال الحفاظ: هو متروك انتهى. وقال الذهبي في الميزان فى ترجمة عبدالله بن المحرر ومن بلاياه روي عن قتادة عن أنس أن رسول الله ﷺ عق عن نفسه بعد ما بعث انتهى، وقال الحافظ ابن حجر فى تخريج الرافعى ص ٣٨٧، قوله: روى أنه ﷺ عق عن نفسه بعد النبوة. أخرجه البيهقي من حديث قتادة عن أنس وقال: منكر، وفيه عبدالله بن محرر وهو ضعيف جداً وقال عبدالرزاق، إنما تكلموا فيه لأجل هذا الحديث، قال البيهقي: وروي من وجه آخر عن قتادة ومن وجه آخر عن أنس وليس بشيء، قال الحافظ: أما الوجه الأخر عن قتادة فلم أره مرفوعاً إنما ورد أنه كان يفتى به كما حكاه ابن عبد البر بل خرم البزار وغيره بتفرد عبدالله بن محرر به عن قتادة.

وأما الوجه الآخر عن أنس فأخرجه أبو الشيخ في الأضاحي وابن أيمن في مصنفه، والخلال من طريق عبد الله بن المثنى عن ثمامة بن عبدالله بن أنس عن أبيه وقال النووي في شرح المهذب: ”هذا حديث باطل“ انتهى.

وقال في فتح الباري ٩/ ٥١٤ : أخرجه البزار من رواية عبدالله بن محرر وهو بمهملات عن قتادة عن أنس ولايثبت، قال البزار: تفرد به عبدالله وهو ضعيف، وأخرجه أبو الشيخ من وجهين آخرين أحدهما من رواية إسمعيل بن مسلم عن قتادة، وإسمعيل ضعيف أيضاً، وقد قال عبد الرزاق: إنهم تركوا حديث عبدالله بن محرر من أجل هذا الحديث فلعل إسمعيل سرقه منه.

ثانيهما: من رواية أبي بكر المستملى عن الهيثم بن جميل، وداود بن المحبر، قالا: حدثنا عبدالله بن المثنى عن ثمامة عن أنس وداود هوضعيف لكن الهيثم ثقة، و عبدالله من رجال البخاري، فالحديث قوي الاسناد، وقد أخرجه محمد بن عبدالملك بن أيمن عن إبراهيم بن اسحق السراج عن عمرو الناقد، وأخرجه الطبراني في الأوسط عن أحمد بن

مسعود كلاهما عن الهيثم بن جميل وحده به، فلولا ما في عبدالله بن المثنى من المقال لكان هذا الحديث صحيحاً، لكن قد قال ابن معين: ليس بشيء، وقال النسائي ليس بقوي وقال أبوداود: لا أخرج حديثه. وقال الساجي: فيه ضعف لم يكن من أهل الحديث روي مناكير، وقال العقيلي: لايتابع على أكثر حديثه: وقال ابن حبان في الثقات: "ربما أخطأ" وثقه العجلى والترمذي وغيرهما فهذا من الشيوخ الذين إذا انفرد أحدهم بالحديث لم يكن حجة وقد مشى الحافظ الضياء على ظاهر الإسناد، فأخرج هذا الحديث في المختارة مما ليس في الصحيحين انتهى وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ٥٩/٤ رواه البزار و الطبراني في الأوسط ورجال الطبراني رجال الصحيح خلا الهيثم بن جميل وهو ثقة، وشيخ الطبراني أحمد بن مسعود الخياط المقدسي ليس هو في الميزان، انتهى، قلت قد علمت ما في عبد الله بن المثنى من الكلام والله أعلم.

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

حجۃ الوداع کے علاوہ حضور پاک ﷺ نے سر کے بال منڈائے یا نہیں؟

سوال: حضور ﷺ نے سوائے حجۃ الوداع کے موئے مبارک پورے منڈوائے ہیں کہ نہیں؟

جواب: آنحضرت ﷺ کا جس طرح حجۃ الوداع میں حلق رأس فرمانا وارد ہے اسی طرح عمرات میں حلق راس فرمانا وارد ہے پہلا عمرہ عمرۂ حدیبیہ ہے اس میں حلق فرمایا بخاری شریف میں (ص:۲۴۳، ۶۰۱، ۶۱۰) حضرت ابن عمر کی روایت ہے:

"خرجنا مع رسول الله ﷺ فحال كفار قريش دون البيت فنحر النبى ﷺ هديه وحلق رأسه" الحديث وفي لفظ المغازي حلق رسول الله ﷺ وقصر أصحابه.

بخاری شریف (ص ۲۴۳) ہی میں ابن عباس کی روایت ہے:

"قد أحصر رسول الله ﷺ فحلق رأسه وجامع نسائه ونحر هديه حتىٰ اعتمر عاما قابلاً"، اسی طرح صلح حدیبیہ کی طویل حدیث میں ہے "فلما فرغ من قضية الكتاب قال رسول الله ﷺ لأصحابه: قوموا فانحر واثم احلقوا، قال فوالله ماقام منهم رجل حتىٰ قال ذلک ثلاث

مرات، فلما لم يقم منهم أحد دخل على أم سلمة فذكر لها مالقى من الناس، فقالت أم سلمةؓ يانبي الله ﷺ ! أتحب ذاک، أخرج ثم لاتكلم أحداً منهم كلمة حتىٰ تنحر بدنک وتدعو حالقک ليحلقک، فخرج فلم يكلم أحداً منهم حتىٰ فعل ذلک نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه، فلما رأوا ذلک، قاموا فنحروا وجعل يحلق بعضهم بعضا حتىٰ كاد بعضهم يقتل بعضا غما''. الحديث أخرجه البخاری (ص ۳۸۰) عن المسور بن مخرمة) صحابہ دونوں طرح کے تھے بعض نے حلق کیا اور بعض نے قصر جیسا کہ اس روایت اور ابن عمر کی روایت سابقہ کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے یعنی جمع کا مقتضی ہے اسی طرح دوسرا عمرہ عمرۃ القضاء ہے اس میں بھی حلق فرمایا جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے (ص ۲/۱۲۲): فنحر عند المروة وحلق هناک وكذلک فعل المسلمون، زرقانی فرماتے ہیں کہ (ص: ۳/۲۵۹) ذكر صاحب الإمتاع أنه حلق معمر بن عبدالله العدوي اھ۔ یہ جو ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عمرۃ القضا میں حلق فرمایا ہے، اپنے شیخ محمد بن عمر بن واقد الواقدی کے اتباع میں لکھا ہے اور ان دونوں کا اتباع بعد کے مؤرخین ومحدثین نے کیا ہے جیسے قسطلانی وزرقانی وغیرہ اسی طرح عمرہ جعرانہ میں بھی حلق رأس فرمانا بعض روایات میں وارد ہے:

قال الحافظ ابن حجر في الفتح (۳/۴۵۱): أخرج الحاكم في الإكليل في آخر قصة غزوة حنين أن الذي حلق رأسه ﷺ في عمرته التى اعتمرها فى الجعرانة أبو هند عبد بني بياضة، وكذا ذكره في الإصابة في ترجمة أبي هند، وهذا الذي ذكره الحاكم تبعه صاحب التاريخ الخميس فقال طاف وسعي وحلق رأسه وحالقه أبو هند اھ۔ لیکن حافظ ابن حجر کو اس کے ثبوت میں تردد ہے كما يظهر من الفتح. اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے عمرۃ القضاء اور عمرۃ الجعرانۃ دونوں میں حلق فرمایا ہے تو ایک اشکال ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں (ص ۴۰۸) حضرت ابن عباس سے روایت ہے: ''أن معاوية بن أبي سفيان أخبره قال قصرت عن رأس رسول الله ﷺ بمشقص وهو على المروة أو رأيته يقصر عنه وهو على المروة''.

اس روایت کو حجۃ الوداع اور عمرۃ الحدیبیہ پر بدو وجہ حمل نہیں کر سکتے ایک تو اس وجہ سے کہ احادیث صحیحہ میں حجۃ الوداع اور عمرۃ الحدیبیہ میں حلق فرمانا ثابت ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ حجۃ الوداع میں منی میں حلق فرمایا اور مروہ پر حلق یا قصر کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ علی التحقیق قارن تھے اور عمرۃ الحدیبیہ میں حدیبیہ میں حلق فرمایا مکہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور تیسرے اس وجہ سے بھی کہ حضرت معاویہ اس

وقت تک مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اب عمرۃ القضاء پر یا تو محمول ہے یا عمرہ جعرانہ پر مگر دونوں پر حمل کرنے میں اشکال ہے کیونکہ حضور ﷺ نے دونوں میں اصحاب السیر کی رائے پر حلق فرمایا ہے اس لئے بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرت معاویہ کو وہم ہوگیا اور انہیں واقعہ یاد نہیں رہا اور اگر مان لیا جائے کہ انہیں واقعہ یاد رہا تو پھر یہ ممکن ہے کہ اول حضور نے دونوں میں سے کسی ایک میں قصر کرلیا ہو اس لئے کہ حلاق موجود نہیں تھا پھر جب حلاق آگیا تو پھر حلق بھی فرمالیا اس لئے کہ حلق قصر سے افضل ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بظاہر عمرۃ القضاء پر حمل درست نہیں اس لئے کہ حضرت معاویہ مسلمۃ الفتح میں سے ہیں اور عمرۃ القضاء ۷ھ میں واقع ہوا اسی لئے اکثر محققین جیسے امام نووی محبّ طبری ابن القیم ابن کثیر وغیرہم کی رائے ہے کہ یہ عمرۃ الجعرانہ کا واقعہ ہے لیکن حافظ ابن عسا کر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ عمرۃ القضاء اور عمرۃ الحدیبیہ کے مابین مسلمان ہوگئے تھے لیکن اپنے والدین کے خوف سے اسلام ظاہر نہیں کرتے تھے اس صورت میں ممکن ہے کہ حدیث معاویہ کو عمرۃ القضاء پر حمل کیا جائے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روایات میں تصریح ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے گئے تو کفار مکہ غیظ وغضب میں مکہ سے باہر نکل گئے تو اب سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ کہاں رہ گئے تھے جو حضور اقدس ﷺ کے بالوں کو قصر کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کہیں پوشیدہ ہوگئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

حج وعمرہ کے علاوہ سر کے بال منڈانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں

(فائدہ) آنحضرت ﷺ سے پورے سر کا حلق کرانا سوائے حج وعمرہ کے کہیں ثابت نہیں کما صرح بہ الامام النووی اس لئے اکثر علماء کی رائے ہے کہ بال رکھنا افضل ہے۔ اور علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ حج وعمرہ اور ضرورت کے علاوہ پورے سر کا حلق نہیں فرماتے تھے البتہ ابوداود شریف (ص ۱۵۲) وغیرہ میں حضرت علیؓ سے سارے سر کا حلق منقول ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول اللہ ﷺ کا کرتا شریف کتنا لمبا ہوتا تھا

سوال:- حضور اقدس ﷺ کا کرتا شریف کتنا لمبا ہوتا تھا۔

جواب:- حضرت اقدس ﷺ کے کرتے کے طول میں روایات مختلف ہیں ففي سنن ابن ماجه (ص ٢٦٤) عن ابن عباس قال: "كان رسول الله يلبس قميصاً قصير اليدين والطول".

وأخرج البيهقى فى الشعب كما في شرح الشمائل للمناوي ۱۳٤/۱. من طريق مسلم الأعور عن أنس: "أنه ﷺ كان له قميص من قطن قصير الطول قصير الكم".

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا کرتا مبارک زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا۔

"وأخرج الحاكم وصححه، وأبو الشيخ كما فى شرح المواهب ٥/٥ عن ابن عباس، أن رسول ﷺ لبس قميصاً وكان فوق الكعبين وكان كمه إلى الأصابع".

وأخرجه ابن عساكر كما فى الجامع الصغير، ولفظه كان يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوي الكمين بأطراف أصابعه، وبهذا اللفظ عزاه ابن الجوزي فى الوفاء إلى أبى الشيخ كما في شرح الشمائل للقارى ١٣٥/١ وأخرجه البيهقى فى الشعب بنحوه كما فى شرح المناوى للشمائل.

اس روایت سے حضرت ﷺ کی قمیص کا لمبا ہونا معلوم ہوتا ہے انھیں روایات کے اختلاف کی بنا پر علماء کے اقوال بھی مختلف ہو گئے علامہ ابن القیم زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھتے ہیں ۱/۳٦: "وكان قميصه من قطن وكان قصير الطول قصير الكمين". اور علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں تحریر فرماتے ہیں ٥/٥ وكان ذيل قميصه ورداءه إلى أنصاف الساقين.

لیکن دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی ایسا کرتا پہنا کبھی ویسا جیسا کہ حاکم کے لفظ "لبس قمیص" سے صاف واضح ہے اور یہی بات بھی ہے کہ جو میسر آ جائے پہن لیں لیکن فقہاء نے نصف ساق تک ہونے کو مسنون لکھا ہے جیسا کہ شامی نے کتاب الکراہیۃ میں تحریر فرمایا ہے غالباً یہ حضرات روایۃ ثانیہ کو راجح قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس میں تستر زیادہ ہے مگر یہ اسوقت ہے کہ جبکہ کوئی تکلف نہ کرنا پڑے ورنہ جو میسر ہو وہی پہننا چاہئے وهو الثابت كما نبّه عليه ابن القيم. واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۱۴/رجب ۱۳۸۴ھ

رسول اللہ ﷺ کا گریبان کھلا ہوا ہونے والی روایت

مخدومی ومکرمی زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ نے کہیں دیکھا ہے یا سنا ہے کہ دو صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں باپ بیٹے تھے دونوں نے آنحضرت ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا گریبان کھلا ہوا تھا اس کے بعد ان

دونوں صحابیوں نے پوری زندگی گرمی وسردی میں اپنا گریبان بندنہیں کیا اس روایت کا متن مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

جواب بعد سلام مسنون

حدیث مذکورابوداؤد میں ہے(۵/۵۲)حدثنا النفيلي وأحمد بن يونس قالا نا زهيرنا عروة بن عبدالله قال ابن نفيل ابن قشير أبو مهل الجعفي نا معاوية بن قرة نا أبي قال أتيت رسول الله ﷺ في رهط من مزينة فبايعناه وأن قميصهٔ لمطلق الازرار، قال فبايعناه ثم أدخلت يدي في جيب قميصه، فمسست الخاتم قال عروة: فما رأيت معاوية ولا ابنه قط إلا مطلقي إزرارهما قط في شتاء ولاحر ولايزرران ازرارهما أبداً. وأخرجه أحمد في مسنده (٣/٤٣٤) عن حسن الاشيب وأبي النضر قال نا زهير باسناده.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲رشوال۱۳۹۲ھ

پیر دبوانے والی حدیث

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر دبوائے ہیں

سوال :حضرتؒ نے کلکتہ میں ایک موقع پر جب میں پیر دابنے لگا تو مسکرا کر فرمایا کہ قبلہ حکیم صاحب پہلے یہ بتائیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدن دبوایا ہے میں نے شوخی کی اور عرض کیا کہ یہ معالجہ ہے جس کی تلقین حضرت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے حضرت ہنس کر چپ ہوگئے اور میں پیر دابنے لگا آج آپ بیتی (۹۹/۴) پر حدیث کا ذکر پڑھ کروہ واقعہ تازہ ہوگیا ازراہ ذرہ نوازی حدیث کا حوالہ لکھوا کر روانہ فرمائیں۔

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیر دبوانے کی کوئی مرفوع روایت تو یاد نہیں ہے ایک موقوف روایت منقول ہے:

”روى السلفي عن ابن عباس اعتل أبي فعاده علي، فوجدني أضبط رجليه فأخذهما من يدى وجلس موضعي، وقال: أنا أحق بعمي منك، إن كان الله عزوجل قدتوفىٰ رسوله ﷺ وعمي حمزة فقد أبقىٰ لي العباس عم الرجل صنو أبيه، وبره به بره بأبيه، اللّٰهم هب لعمي عافيتك وارفع له درجتك واجعله عندك في العليين“ كذا في الزرقانی

شرح المواهب (۲۸۳/۳).

البتہ ایک روایت میں پشت کا دبوانا منقول ہے اس سے پیر کا دبوانا بھی قیاساً ثابت ہوجائے گا:

قال الطبراني في المعجم الصغير (ص ٤٥) حدثنا إبراهيم بن يوسف البزاز البغدادي ثنا عبد الرحمن بن يونس الرقي ثنا أبو القاسم بن أبي الزناد عن هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر قال: دخلت على النبي ﷺ وغلام له حبشي يغمز ظهره، فقلت: ما شانک يا رسول الله ﷺ: فقال: "إن الناقة اقتحمت بي. قال الطبراني: لم يروه عن زيد بن هشام لا عن هشام بن سعد إلا أبو القاسم بن أبي الزناد وتفرد به عبد الرحمن بن يونس انتهى.

قلت: عبد الرحمن بن يونس الرقي هو عبد الرحمن بن يونس بن محمد الرقي أبو معمر ذكره الخطيب في تاريخه (۲٦۹/۱۰) ونقل عن الدار قطني أنه قال: لا بأس به، وقال الذهبي في الميزان: صدوق، والحديث عزاه الهيثمي في مجمع الزوائد (۹٦/٥) إلى الطبراني فى الأوسط والبزار قال: ورجاله رجال الصحيح خلا عبدالله بن زيد بن أسلم وقد وثقه أبو حاتم وغيره وضعفه ابن معين وغيره اهـ.

(**فائده**) قال البخارى في التاريخ الكبير (۱٦٥/۱) قال إبراهيم بن طهمان عن عباد بن إسحاق عن أبيه عن ثابت بن عبد الله بن الزبير عن سعد بن أبي وقاص رأيتني مع النبي ﷺ في ماء من السماء وإني لأدلک ظهره وأغسله.

بنده محمد يونس عفي عنه

رسول اللہ ﷺ کے بعض ازواج کو طلاق دینے کی تحقیق

آپ نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تھی یا حضرت سودہ کو؟

سوال: مکرمی ومعظمی متعنا الله بطول بقائکم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے الحمد للہ احقر بعافیت ہے اور دعاؤں کا خواستگار ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ نے حکایات صحابہ میں ازواج مطہرات کے حال کے ذیل

میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حفصہؓ کو نبی کریم ﷺ نے طلاق دی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں اب آں محترم سے دونوں قول میں سے راجح قول کی وضاحت کی درخواست ہے ظاہر و باطن کی اصلاح اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہنے کیلئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

والسلام

احقر محمد انعام اللہ شاہجہاں پوری مدرسہ امدادیہ مراد آباد

جواب: مکرم و محترم زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ کئی روز سے رکھا ہوا تھا لیکن موقع نہیں ملا آج لکھنے کا ارادہ کیا ہے حضرت حفصہؓ کو طلاق دینا تو مشہور ہے: **فأخرج أبوداؤد** (۳۱۸/۳، والنسائی ۱۲۰/۲ وابن ماجه ص: ۱٤٦) **والدارمی** (۱٦۰/۲) **وعبد ابن حميد وابن سعد** (۸٤/۸) **الحاكم** (۱۹۷/۲) **من طريق يحيىٰ بن زكريا بن أبي زائدة عن صالح بن صالح عن سلمة بن كهيل عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن عمر "أن النبي ﷺ طلق حفصة ثم راجعها" قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين، وأقره الذهبي وأخرج ابن سعد** (۸٤/۸) **والدارمي** (۱٦۱/۲) **والحاكم في المستدرک** (۱۹۷/۲) **من طريق هشيم عن حميد عن أنس "أن النبي ﷺ طلق حفصة ثم راجعها" قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين وأقره الذهبي وقال الدارمي: كان علي بن المديني أنكر هذا الحديث وقال: ليس عندنا هذا الحديث بالبصرة عن حميد.**

وأخرج الحاكم (۱٥/٤) **من طريق الحسن بن أبي جعفر عن ثابت عن أنس أن النبي ﷺ طلق حفصة تطليقة، فأتاه جبريل عليه الصلوة والسلام فقال: "يا محمد! طلقت حفصة وهي صوامة وقوامة وهي زوجتک فی الآخرة؟ فراجعها" وأخرج الحارث بن أبي أسامة وابن سعد** (۸٤/۸) **الحاكم** (۱٥/٤) **من طريق حماد بن سلمة عن أبي عمران الجوني عن قيس بن زيد "أن رسول الله ﷺ طلق حفصة بنت عمر فأتاها خالاها عثمان وقدامة ابنا مظعون فبكت، وقالت: والله ما طلقني رسول الله من شبع، فجاء رسول الله فدخل عليها فتجلببت فقال رسول الله ﷺ: إن جبرئيل أتاني فقال لي إرجع حفصة فإنها صوامة قوامة، وهي زوجتک فی الجنة" وهو مرسل فإن قيسا مختلفٌ في صحبته، والصواب أنه تابعي وذكر عثمان وهم، لأنه مات قبل أحد بلا خلاف، وتزوج النبي ﷺ حفصة بعد أحد بلا**

خلاف. كما قاله الحافظ فى الإصابة.

اس کے علاوہ اور بھی بعض روایات ہیں بعض متصل اور بعض مرسل جو کہ طبقات ابن سعد اور اصابۃ میں حضرت حفصۃ کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے طلاق کا تذکرہ بعض روایات میں ہے: قال ابن سعد (۸/۵٤):

أخبرنا مسلم بن إبراهيم قال حدثنا هشام الاستوائى حدثنا القاسم بن أبي بزة "أن النبي ﷺ بعث إلى سود ة بطلاقها، فلما أتاها جلست طريقه بيت عائشة فلما رأته قالت: أنشدك بالذى أنزل عليك كتابه واصطفاک على خلقه بماطلقتنى آلِمَوجدة وجدتها في قال: لا قالت: فإنى انشدک بمثل الأولى لما راجعتنى وقد كبرت ولاحاجة لي فى الرجال، ولكنى أحب أن أبعث في نسائک يوم القيامة فراجعها النبي ﷺ، قالت: "فإني قد جعلت يومي وليلتي لعائشة حبة رسول الله ﷺ".

رجاله ثقات وهو مرسل، وأخرج البيهقى(۷/۷۵) من طريق أحمد بن عبد الجبار العطاردي عن حفص بن غياث عن هشام بن عروة عن أبيه أن رسول الله طلق سودة فلما خرج إلى الصلوة أمسكت بثوبه، مالي في الرجال حاجة، ولكني أريد أن أحشر في أزواجک، قال فراجعها وجعل يومها لعائشة وكان يقسم لها بيومها ويوم سودة. وهو مرسل وأحمد بن عبدالجبار مختلف فيه.

لیکن اس سے قوی روایات میں ہے کہ حضرت سودہ کو طلاق کا خطرہ تھا۔

فأخرج أبوداؤد (۲/۳۵۰) والحاكم من طريق هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: قالت سوده بنت زمعة حين أسنت وفرقت أن يفارقها رسول الله ﷺ! يا رسول الله! يومي لعائشة: فقبل رسول ﷺ ذلک منها، قالت تقول في ذلک أنزل الله عزوجل وفي أشباهها أراه "وإن إمرأة خافت من بعلها نشوزاً" صححه الحاكم وأقره الذهبي.

وفي تخريج الإحياء (۲/٤۵) للعراقي بعد ذكر هذا الحديث وللطبراني فأراد أن يفارقها.

وأخرج الترمذى (۲/۱۲۹) من طريق سليمان بن معاذ عن سماک عن عكرمة عن بن عباس قال خشيت سودة أن يطلقها رسول الله ﷺ فقالت: لا تطلقني وأمسكني واجعل يومي لعائشة: ففعل فنزلت "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" فما

اصطلحا، عليه من شئ فهو جائز". قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب.
ہوسکتا ہے کہ بعض رواۃ نے مجازاً ارادۂ طلاق پر طلاق کا اطلاق کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۷؍صفر ۱۴۰۴ھ

کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے کہ کسی صحابی نے حضور ﷺ کا خون پی لیا تھا

اس کی تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ کا خون اور پیشاب پاک ہے

محترمی و مکرمی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت خواہ، بخیر و عافیت ہے، خدا کرے جناب والا بھی بخیر و عافیت ہوں ایک بات دریافت طلب ہے امید کرتا ہوں کہ جواب سے نوازیں گے کیا کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا تھا؟ اگر یہ حدیث ہے تو سند و متن کے اعتبار سے اس کا کیا رتبہ ہے، نیز کیا اس سے یہ استدلال درست ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب و پاخانہ پاک ہے؟ میں نے مشکوۃ شریف جمع الفوائد وغیرہ میں تلاش کیا مگر مجھ کو نہیں مل سکی، آج کل غالی مبتدعین اس کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں مجھ سے اس کی بابت اپنے آدمیوں نے سوال کیا مگر چونکہ اس کا ماخذ مجھے نہیں مل سکا اس لیے تصدیق نہیں کرسکا، اور ذخیرۂ احادیث پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے انکار کی بھی مجال نہیں اس لیے آنجناب سے گذارش ہے کہ میری پریشانی کو دور فرمائیں، نیز اگر اجازت ہو تو وقتاً فوقتاً مجھے جو علمی خلجان ہوا کرتا ہے اس کو آپ سے دور کرلیا کروں؟ اس مقصد کے لیے آپ کے علاوہ کوئی اور میری نگاہ انتخاب میں نہ آسکا، امید کہ دعاؤں میں یاد فرمائیں گے، اور اپنی خیریت سے مطلع فرمائیں گے۔ بندہ کو آپ سے لوجہ اللہ محبت ہے۔ بقیہ سب خیریت ہے۔

یہ عریضہ لکھنے کے بعد ایک صاحب کی تحریر نظر سے گذری کہ مظاہر حق کے مولف نے اس کے بین السطور میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے اس واقعہ کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے، باب الاستنجاء میں۔ والسلام

محمد عبدالقیوم مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین

جمدا شاہی ڈاک خانہ مجھوا میر ضلع بستی (یوپی)

جواب: مکرم ومحترم مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کئی روز ہوئے گرامی نامہ ملا تھا مگران ایام میں مسلسل طبیعت خراب چل رہی تھی اس لئے فوری جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی آجکل کچھ ہلکی ہے اس لئے سوچا کہ اگر پوری ہمت کا انتظار کیا گیا تو نہ معلوم کتنی تاخیر ہوجائے گی اس لئے اب جواب لکھ ہی دینا چاہئے بعض روایات میں بھی صحابیات کا حضور ﷺ کا پیشاب پینا وارد ہے جیسے ام ایمن اورام یوسف، محدث حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور حاکم ودارقطنی وطبرانی وابونعیم نے بطریق ابی مالک النخعی عن الاسود عن نبیح الغزی ام ایمن سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں:

قام رسول الله ﷺ من الليل إلى فخارة في جانب البيت، فبال فيها فقمت من الليل وأنا عطشانة فشربت مافيها وأنالا أشعر، فلما أصبح النبي ﷺ قال: يا أم أيمن قومي فأهريقي مافى تلك الفخارة، قلت: قد والله شربت ما فيها، قالت: فضحك النبي ﷺ حتى بدت نواجذه ثم قال: "أما والله لايتجعن بطنك أبدا". رواه أبوأحمد العسكرى بلفظ "لن تشتكى بطنك".

لیکن ابو مالک ضعیف ہیں اور نبیح کی ام ایمن سے ملاقات نہیں ہوئی۔

امام عبدالرزاق نے المصنف میں ابن جریج سے مفصلا حضرت ام یوسف کا پیشاب پینا بھی ذکر فرمایا حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اس واقعہ کو پوری سند سے موصولا نقل فرمایا ہے حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر میں تحریر فرماتے ہیں: "**وصح ابن دحية أنهما قضيتان وقعتا لامرأتين وهو واضح من اختلاف السياقين**" اھ۔

یہ مسئلہ طہارت فضلات نبوی کا ہے اس میں علماء کی دونوں رائے ہیں شافعیۃ کی ایک جماعت نے نجاست کو راجح کہا ہے اور روایت دالہ علی الطہارت پر کلام کیا ہے اور ایک دوسری جماعت اس کو طاہر قرار دیتی ہے یہی امام بغوی وغیرہ کی رائے ہے حافظ ابن الحجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"**قد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته وعد الائمة ذلك من خصائصه فلا يلتفت إلى ماوقع في كتب كثير من الشافعية مما يخالف ذلك، فقد استقر الأمر بين الأئمة على القول بالطهارة**" اھ۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں (۱/ ۸۲۹) امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے شامی نے بھی اسی طرح

نقل کیا ہے ملا علی قاری نے شرح الشفاء اور شرح الشمائل میں متناقض کلام کیا ہے حضرت تھانویؒ نے دلائل طہارت پر بوادر النوادر میں ملا علی قاری کے اتباع میں کلام کیا ہے مگر اس مسئلہ میں طہارت ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے اور غلو مبتدعین میں داخل نہیں ہے یہ تو آپ کے خصائص میں ہے جیسے چار سے زائد عورتوں سے نکاح آپ کے خصائص میں ہے۔ والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۷؍جمادی الاول ۱۳۹۵ھ

ایک حدیث پاک کی تحقیق جس میں آپ کی وفات کے وقت ملک الموت اور فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے

چند احادیث کے متعلق بعض احباب (عزیزم مولوی راشد کاندھلوی) نے سوال کیا تھا بعض کے مخارج پوچھے تھے اور بعض کے مواضع نمبر وار ان کو لکھا جاتا ہے مع ان کے اجوبہ کے۔

سوال: (۱) ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی اس بیماری میں جس میں روح مبارک قبض ہوئی، آئے اور عرض کیا کہ خدا تعالی سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اپنے کو کس طرح پاتے ہیں، آپ نے جواب دیا میں بہت درد میں ہوں اور نہایت رنج میں ہوں، اگلے دن جبرئیل علیہ السلام نے پھر یہی سوال کیا پھر آنحضرت ﷺ نے پہلے دن کا جواب دیا تیسرے دن مع ملک الموت اور ایک فرشتہ کے کہ نام اس کا اسماعیل ہے اور وہ ستر ہزار یا سو ہزار فرشتوں پر حاکم ہے اور ان میں سے ہر ہر فرشتہ سو سو یا ستر ستر ہزار فرشتہ پر حاکم ہے حاضر ہوئے یا محمد ﷺ اللہ تعالی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ کس طرح پاتے ہو حال اپنا، حضرت نے جواب دیا دردناک پاتا ہوں میں، پھر حضرت نے پوچھا یہ کون ہے ساتھ تمہارے اے جبرئیل؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا یہ ملک الموت ہے یا رسول اللہ، اور عرض کیا کہ یہ اخیر آنا ہے میرا دنیا میں، بعد آپ کے کسی بنی آدم کے پاس نہ آؤں گا پھر پائی سختی موت کی، اور سکرات کی، اور آپ کے پاس ایک پیالہ پانی کا بھرا ہوا رکھا تھا اس میں دست مبارک ڈالتے تھے، اور چہرۂ انور پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے: ''اللّٰهم أعني على سكرات الموت'' اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ''لا إله إلا الله أن للموت سكرات'' کہتے ہیں کہ شدت موت کی آنحضرت ﷺ کو اس قدر رہوئی کہ چہرۂ مبارک آپ کا کبھی زرد ہوتا تھا

اور کبھی سرخ ہوتا تھا اور کبھی دائیں ہاتھ کو کھینچتے اور کبھی بائیں کو اور روئے انور پر عرق آتا اور اس وقت آپ فرماتے تھے: ''أللّٰهم اغفرلي والحقني بالرفيق الأعلى''. (مدارج النبوة: ۵۰۹/۲)

جواب: یہ حدیث بندہ کو حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نہیں ملی البتہ اسی کے قریب قریب علامہ سیوطی نے انموذج اللبیب (ص:۲۷۳) میں ایک دوسرے طریق سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

أخرج ابن سعد (۲۷۵/۲) والبيهقي عن جعفر بن محمد بن علي عن أبيه قال: لما كان قبل وفاة النبي ﷺ بثلاث هبط إليه جبرئيل فقال: يا محمد! إن الله أرسلنى إليك إكراماً لك وتفضيلاً، وخاصة لك يسئلك عما هو أعلم به منك، يقول: كيف تجدك؟ قال أجد ني ياجبرئيل مغموماً وأجدني ياجبرئيل مكروبا، فلما كان اليوم الثاني هبط إليه، فقال له مثل ذلك: فقال له يا جبرئيل أجدني مغموماً وأجدني ياجبرئيل مكروباً، فلما كان اليوم الثالث هبط إليه جبرئيل ومعه ملك الموت ومعهما ملك آخر يسكن الهواء لم يصعد إلى السماء قط ولم يهبط إلى الأرض قط، يقال له: إسماعيل على سبعين ألف ملك كل ملك منه على سبعين ألف ملك، فسبقهم جبرئيل، فقال يا محمد: إن الله أرسلني إليك إكراماً لك وتفضيلاً لك وخاصة ويسألك عما هو أعلم به منك، يقول: كيف تجدك؟ قال: أجدنى ياجبرئيل: مغموماً أجدني ياجبرئيل مكروبا ثم استأذن ملك الموت على الباب فقال جبرئيل هذا ملك الموت يستأذن عليك ولم يستاذن على آدمي قبلك ولايستاذن على آدمي بعدك، قال: ائذن فدخل فوقف بين يدي رسول الله ﷺ فقال إن الله أرسلني إليك وأمرني أن أطيعك فيما أمرتني، إن أمرتني عن أقبض نفسك قبضتها وإن أمرتنى عن أتركها تركتها، قال أوتفعل ذلك يا ملك الموت؟ قال نعم بذلك أمرت، فقال جبرئيل: إن الله قد إشتاق إلى لقائك قال: يا ملك الموت: امض لما أمرت به. فقال جبرئيل: السلام عليك يا رسول الله هذا آخر موطيء الأرض فتوفي رسول الله ﷺ فأتاه آت يسمعون حسه ولا يرون شخصه، فقال السلام عليكم يا أهل البيت ورحمة الله وبركاته، إن في الله خلفاً من كل هالك وعزاء من كل مصيبة ودركا من كل فائت، فبا لله فثقوا، وإياه فارجوا، فإن المصاب من حرم الثواب.

قال البيهقي قوله: إن الله قد اشتاق إلى لقائك، معناه قد أراد لقائك بأن يردك من

دنياك إلى معادك زيادة في قربتك وكرامتك.

هذا إسناد معضل وقد أخرجه ابن سعد والشافعي في سننه. والطبراني من طريق جعفر بن محمد عن أبيه عن جده علي بن الحسين به، وهو مرسل أيضاً وأخرجه العدني في مسنده حدثنا محمد بن جعفر بن محمد عن أبيه عن جده وعن أبيه علي بن الحسين عن أبيه عن على بن أبي طالب به موصولاً. انتهى، كذا كلام السيوطي.

قلت: حديث الطبراني ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (٣٥/٩) وقال: فيه عبد الله بن ميمون القداح وهو ذاهب اهـ. وقال العراقى فى تخريج الإحياء (٤٠٢/٤): وهو منكر، فيه عبدالله بن ميمون القداح، قال البخاري ذاهب الحديث اهـ.

والحديث الثاني قال الحافظ ابن حجر فى المطالب العالية (٢٦٠/٤): روى الشافعي فى الآثار التي سمعنا الطحاوي عن المزني عنه قال: عن القاسم بن عبد الله بن عمر بن حفص عن جعفر بن محمد عن أبيه أن رجالاً دخلوا على أبيه علي بن الحسين، فذكره والقاسم متروك الحديث وأخرجه الشافعى من هذا الوجه في مسنده (ص ٢٠٣) مختصراً وأخرجه ابن سعد ٢٧٥/٢ عن أنس بن عياض الليثى قال: حدثونا عن جعفر بن محمد عن أبيه مرسلاً مختصراً، ولم أجده في طبقاته عن علي بن الحسين.

وأما الموصول الذى أخرجه العدني فأخرجه حمزة بن يوسف السهمي في تاريخ جرجان (ص ٣١٧) حدثنا أبوأحمد عبد الله بن عدي الحافظ إملاءً في سنة أربع وستين وثلاث مأة حدثنا أحمد بن حفص السعدي سنة إحدى وتسعين ومأتين حدثنا محمد بن أبي عمر العدني المكي وعبد الوهاب بن علي الجرجاني قالا حدثنا محمد بن جعفربن محمد قال: كان أبي يذكره عن أبيه عن جده عن علي قال: دخل علي على نفر من قريش قال، فقال: ألا أحدثكم عن أبي القاسم ﷺ قال: قالوا: بلى قال لما كان قبل وفاة رسول الله ﷺ بثلاث هبط إليه جبرئيل – عليه السلام – فذكر الحديث بطوله وزاد في آخره، قال: فقال علي أترون من هذا؟ قالوا لا، قال: هذا الخضر – عليه السلام – ثم قال حمزة السهمي أخبرنا إبراهيم بن محمد بن سهل الجرجاني حدثنا محمد بن إبراهيم بن برد الرقاء حدثنا محمد بن إدريس الرازي حدثنا أحمد بن الوليد بن برد الأنطاكي حدثنا محمد بن جعفر

بن محمد عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه محمد بن علي عن أبيه علي بن الحسين عن أبيه الحسين بن علي عن أبيه علي بن أبي طالب قال: ”دخل على نفر من قريش“ قال وذكر الحديث انتهى. وذكر طريقا آخر مداره على محمد بن جعفر وهو متكلم فيه والمعروف عن علي بن الحسين مرسلاً.

چہرۂ انور پر بھرے پیالہ میں ہاتھ ڈالنا اور پھر منہ پر پھیرنا تو بخاری (ص ۶۴۰) وغیرہ میں بھی ہے:

فـفي البخاري عن عائشة في ذكر وفاته ﷺ، وبين يديه ركوة أو علبة – يشك عمر يعني ابن سعيد الراوى – فيها ماء فجعل يدخل يديه في الماء فيمسح بهما وجهه يقول لا إله إلا الله إن للموت سكرات، وعند أحمد والترمذي في الشمائل (ص ۲۸) من طريق القاسم بن محمد عن عائشة أنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ وهو بالموت وعنده قدح فيه ماء وهو يدخل يده في القدح، ثم يمسح وجهه بالماء ثم يقول: ”اللّٰهم أعني على سكرات الموت“ أو قال: ”على سكرات الموت“.

باقی رہ گیا چہرۂ انور پر پسینہ کا آنا امام غزالی وغیرہ نے ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے مگر مخرجین نے اس کا کوئی پتہ نہیں بتلایا، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مسئول عنہ ”صفوة الصفوة“ لابن الجوزي (۸۳/۱) میں بایں الفاظ ملی:

عن أبي هريرةؓ أن جبرئيل أتى النبي ﷺ في مرضه الذي قبض فيه فقال: إن الله عزوجل يقرئك السلام. ”ويقول كيف تجدك؟ قال أجدني وجعاً يا أمين الله! ثم جاءه من الغد، فقال يامحمد! إن الله عزوجل يقرئك السلام ويقول: كيف تجدك؟ قال أجدني يا أمين الله وجعاً ثم جاءه في اليوم الثالث ومعه ملك الموت فقال يا محمد! إن ربك يقرئك السلام ويقول كيف تجدك؟ قال أجدني يا آمين الله وجعاً، من هذا معك؟ قال هذا ملك الموت عليه السلام وهذا آخر عهدى بالدنيا بعدك وآخر عهدك بها ولن آسي على هالك من ولد آدم بعدك، ولن أهبط إلى الأرض إلى أحد بعدك أبدا، فوجد النبي ﷺ سكرات الموت ويقول: اللّٰهم أعنى على سكرات الموت. إنتهىٰ.

خیال یہ ہے کہ ابن جوزی نے اس کو الوفاء میں ذکر کیا ہوگا، حلیۃ الاولیاء میں تو چونکہ سرور عالم ﷺ کا تذکرہ ہی نہیں ہے اس لئے اس حدیث کے ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں، میں نے پھر براہ راست حلیۃ الاولیاء کی مراجعت

کی اس میں بھی یہ حدیث نہ ملی۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ملک الموت نے آ کر آپ سے کیا کہا اور کیسے اجازت چاہی؟

سوال :- عبداللہ ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ وفات کے دن آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالی نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین میں میرے حبیب محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ایسا نہ کیجیو! کہ بے اجازت روح مبارک قبض کرو، موافق حکم قابض الارواح دروازہ پر بصورت اعرابی کھڑے ہوئے اور کہا السلام علیک یا اہل بیت النبوۃ اور کہا کیا مجھ کو اجازت ہے کہ میں آؤں سلامتی ہو تم پر اللہ تعالیٰ کی، حضرت فاطمہ زہراء کہ سرہانے آنحضرت کے بیٹھی تھی۔ جواب دیا کہ پیغمبر خدا ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں اب وقت ملاقات کا نہیں دوسری بار پھر اجازت طلب کی اور یہی جواب ملا تیسری دفعہ اجازت چاہی اس ہیبت ناک آواز سے کہ تمام آدمی اس گھر کے خوف سے کانپ اٹھے اور آنحضرت ﷺ بھی ہوشیار ہو گئے اور فریا کہ کیا کہنا ہے تمام حال عرض کیا فرمایا اے فاطمہ جانتی ہو یہ کون ہے توڑنے والا ہے لذتوں کا اور بیوہ کرنے والا ہے عورتوں کا الخ۔

جواب:۔ هذا الحديث طرف من حديث طويل أخرجه الطبراني في معجم الكبير عن جابر وابن عباس قالا فذكرا حديثاً طويلاً فيه، فلما كان يوم الاثنين اشتد الأمر وأوحى الله عزوجل إلى ملك الموت أن إهبط إلى حبيبي وصفيي محمد ﷺ في أحسن صورة وارفق به في قبض روحه، فهبط ملك الموت ﷺ فوقف بالباب شبيه أعرابي ثم قال: السلام عليكم يا أهل بيت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة أدخل؟ فقالت: عائشة لفاطمة أجيبي الرجل، فقالت فاطمة: آجرك الله في ممشاك يا عبد الله! إن رسول الله مشغول بنفسه فنادى الثانية فقالت: عائشة يافاطمة! أجيبى الرجل فقالت فاطمة آجرك الله في ممشاك يا عبد الله! إن رسول الله مشغول بنفسه ثم نادى الثالثة السلام عليكم يا أهل بيت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة أدخل؟ فلا بد من الدخول، فسمع رسول الله ﷺ صوت ملك الموت فقال: يا فاطمة! من بالباب؟ فقالت: يارسول الله! إن رجلا بالباب يستأذن في الدخول فأجبناه مرة بعد أخرى، فنادى في الثالثة صوتا اقشعر منه جلدي وارتعدت منه فرائصي فقال لها النبي: يا فاطمة أتدرين من بالباب؟ هذا هاذم

اللـذات ومفرق الجماعات هـذا مـرمل الأزواج ومؤتم الأولاد، وهذا مخرب الدور وعـامـر القبـور هـذا مـلـک الموت أدخل يرحمک الله – يا ملک الموت! فدخل ملک الـموت على رسول الله ﷺ، فـقـال رسـول الله: جـئـتـنـي زائراً أو قابضاً قال جئتک زائراً وقـابـضـاً وأمـرنـي الله عـزوجل أن لا أدخل عليک إلا بـإذنک ولا أقبض روحک إلا بـاذنک، فـإن أذنـت وإلا رجـعـت إلى ربي عزوجل، فقال رسول الله: ياملک الموت أين خـلـفـت حبيبي جبـرئيـل قـال: خلفته في سماء الدنيا، والملائكة يعزونه فيک، فما كان بأسرع أن أتاه جبرئيل، فقعد عند رأسه فقال رسول الله ﷺ، هذا الرحيل من الدنيا، فبشرني مالي عندالله، قال أبشرک يا حبيب الله إني تركت أبواب السماء قد فتحت، والملائكة قد قـامـوا صـفـوفا صفوفاً بالتحية والريحان يحيون روحک يا محمد قال لوجه ربي الحمد، فبشرني يا جبريل. فذكر حديثاً طويلاً.

قال الهيثمي (۳۱/۹) فيه عبد المنعم بن إدريس كذاب وضاع. إنتهى.

قـلـت: وأخرجه أبو نعيم في الحلية قال حدثنا سليمان بن أحمد هو الطبراني الكبير قـال حـدثـنـا مـحـمـد بن أحمد بن البراء حدثنا عبدالمنعم بن إدريس بن سنان عن أبيه عن وهـب عـن ابـن عبـاس وهو حديث طويل في أربع صفحات أخرجه ابن الجوزي من طريق أبي نـعـيـم فـي الـموضوعات وأقره السيوطي في اللآلي (٢٨٢/١) وابـن عـراق في تنزيه الشريعة (٣٣١/٢) وقـال الـعـراقـي في تخريج الإحياء (٤٠٢/٤): "وهـو مـنـكـر" فيه عبد الـمنعم بن إدريس بن سنان عن أبيه عن وهب ابن منبه قال أحمد يكذب على وهب بن منبه وأبـوه إدريـس أيـضـاً متـروک، قـاله الدارقطني انتهى. والحديث أخرجه صاحب إتحاف السادة (٣٩٤/١٠) عـن كـتـاب الـحلية لأبي نعيم فزاد جابر بن عبد الله أيضاً مع ابن عباس كما ذكره الهيثمي عن كتاب الطبراني والله أعلم.

اس حدیث پاک کی تحقیق کہ جنازہ میں تاخیر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی انگلی میں سیاہ دھبہ آ گیا تھا

سوال :- طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے میں تاخیر ہوئی تو

ہاتھ کی ایک انگلی میں سیاہ دھبہ آ گیا تھا ایک صاحب کا بیان ہے ناکارہ کو معلوم نہیں مہربانی فرما کر اس مقام کی عبارت نقل فرما کر روانہ فرمائیں۔

دعا جو و دعا گو:۔ عبدالجبار الاعظمی غفرلہ ۲؍صفر

جواب :- مخدوم و مکرم مد فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

(۱) ابن سعد کی روایت مع السند والمتن درج کرتا ہوں:

قال(۲/۲۷٤): أخبرنا وكيع بن الجراح قال أخبرنا ابن أبي خالد عن البهي قال: ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد وفاته يوماً وليلة حتى رباقميصه ورُئِيَ في خنصره انثناء.

قلت: هذا حديث مرسل لأن البهي ،عبد الله بن يسار تابعي روي له مسلم والأربعة والبخاري في الأدب المفرد قال الحافظ ابن حجر في التقريب: صدوق يخطئ، ووكيع وشيخه إسمعيل بن أبي خالد ثقتان، قال الذهبي في الميزان في ترجمة عبد المجيد بن عبدالعزيز بن أبي رواد (۲/٦٤۹): قال عباس بن مصعب في تاريخ مروجاور عبدالمجيد مع أبيه بمكة، وسمع كتب ابن جريح وغيره من المشائخ وكان صاحب عبادة نعم نقم عليه قوله "الإيمان قول" وقال ابن معين: كان عبد المجيد أصلح كتب ابن علية عن ابن جريج فقيل ليحيىٰ كان عبد المجيد بهذا المحل؟ فقال كان عالماً بكتب ابن جريج إلا أنه لم يكن يبذل نفسه للحديث، ونقم على عبدالمجيد أنه أفتى الرشيد بقتل وكيع والحديث حدثناه[ا] قتيبة حدثنا وكيع عن إسمعيل بن أبي خالد عن عبد الله البهي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم. لمامات لم يدفن حتى ربابطنه وانثنت خنصراه. قال قتيبة: حدّث به وكيع بمكة وكان سنة حج فيها الرشيد فقدموه إليه فدعا الرشيد سفيان بن عيينة وعبد المجيد فقال: يجب أن يقتل، فإنه لم يرو هذا إلا وفي قلبه غش للنبي صلى الله عليه وسلم، فسأل الرشيد سفيان فقال لا يجب عليه القتل، رجل سمع حديثا فرواه، والمدينة شديدة الحر توفي النبي صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين فترك إلى ليلة الأربعاء فمن ذلك تغير.

قال الذهبي: قلت: النبي صلى الله عليه وسلم سيد البشر وهو بشر يأكل ويشرب وينام ويقضي حاجته ويمرض ويتداوى ويتسوك ليطيب فمه فهو في هذا كسائر

[ا] وقصة أخري في هذا الحديث ذكرها يعقوب بن سفيان في تاريخه (۱/۱۷٥) ومن طريقه الخطيب في الجامع (۲/۲۰٥) وانظر ميزان (۲/٦٤۹).

الـمـؤمـنـيـنـآ فـلـما مات بأبي هو وأمي صلى الله عليه وسلم، عمل به كما يعمل بالبشر من الـغسـل والتـنـظيف والـكـفـن والـلـحد والدفن لكن ما زال طيباً مطيباً حياً وميتاً، وارتخاء أصـابـعه المقدسة وانثناء ها وربو بطنه ليس معنا نص على انتفائه والحي قد يحصل له ريح وينتفخ عنه جوفه، فلا يعد هذا أن كان قد وقع عيباً وإنما معنا نص على إنه لا يبلى، و أن الله حـرم عـلـى الأرض أن تـأكـل أجسـادا الأنبياء عليهم الصلوة والسلام بل ويقع هذا لبعض الشهـداء رضـى الله عـنهم – أما من روي حديث عبد الله البهي ليغض به من منصب رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم فهذا زنديق بل لو روى الشخص حديث أن النبى صلى الله عليه وسـلم سحر، وحاول بذلك تنقصا كفر وتزندق، وكذا لو روي حديث أنه سلم من اثنتين وقال مادرى كم صلى: يقصد بقوله شينه ونحو ذلک كفر، فإن النبي صلى الله عليه وسلم قـال إنـمـا أنـا بشر أنسى كما تنسون فالغلوُ والاطراء منهي عنه، والأدب والتوقير واجب، فـإذا اشتبه الاطراء بالتوقير توقف العالم وتورع، وسأل من هو أعلم منه حتى يتبين له الحق فيقـول بـه وإلا فـالسـكوت واسع له ويكفيه التوقير المنصوص عليه في أحاديث لاتحصى، وكـذا يكفيه مجانبة الغلو الذى ارتكبه النصارى في عيسٰى عليه الصلوة والسلام ومارضوا له بالنبوة حتى رفعوه إلى الالٰهية وإلى الولدية وانتهكوا رتبة الربوية الصمدية فضلوا وخسروا فـإن اطـراء رسـول الله صـلـى الله عـليه وسلم يودى إلى إساء ة الأدب على الرب نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا بالتقوى وأن يحفظ علينا حبنا للنبي صلى الله كما يرضى.انتهى.

قـال الـعبـد الـضـعيف الـمـقـر بالسيئات تجاوز الله عنها وعصمنا فيما بقى مما لا يـرضيـه: والـحـديـث مـع ذلک مـرسـل كـمـا قد قدمت، وعبد الله البهى صدوق يخطئ والـمرسل وإن قبله أبوحنيفة ومالک وأكثر الفقهاء المتقدمين، ولكن قال الإمام الشافعي وجـمهـور الـمحدثين لاحجة فيه، والصدوق الذى يخطئ إذا انفرد بالشيء ينبغي أن يتأني فيـه ولـم يـأت مـايؤيده إلا رواية ضعيفة ذكرها ابن سعد قال أخبرنا محمد بن عمر حدثني قيس يعنى ابن الربيع عن جابر عن القاسم بن محمد قال: لم يدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى عرف الموت فيه في أظفاره اخضرت.

قـلـت: محمد بن عمر هو الواقدي قال الذهبي فى المغني: مجمع علي تركه، وقال ابن عدي يروي أحاديث غير محفوظة والبلاء منه، وقال النسائي: يضع الحديث، وقال ابن مـاجـه حـدثـنـا ابن أبي شيبة حدثنا شيخ حدثنا عبد الحميد بن جعفرفذكر حديثاً في لباس

الجمعة، وحسبک لایجسر أن یسمیه ابن ماجة إنتهی. وقال الحافظ فی التقریب: متروک مع سعة علمه" وقیس بن الربیع الأسدي قال الذهبي في المغني: صدوق سیئی الحفظ، وکان شعبة یثني علیه، وقال أبوحاتم: محله الصدق ولیس بالقوي، وقال ابن معین وغیره، لیس بشيءٍ، وقال ابن عدي، عامة روایاته مستقیمة: وقال الحافظ ابن حجر فی التقریب صدوق تغیر، لما کبر وأدخل علیه ابنه ما لیس من حدیثه فحدث به، وجابر فیما أظن ابن یزید الجعفی ضعیف رافضي کان یؤمن بالرجعة، والقاسم بن محمد هو ابن أبی بکر الصدیق تابعی فالحدیث مع سقوط إسناده مرسل۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں قمیص تھی یا نہیں؟

سوال:- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کیا آپ کی قمیص مبارک بھی تھی یا نہیں؟

جواب:- کفن مبارک میں مشہور روایات میں قمیص کا ذکر نہیں ہے صحیحین کی روایت ہے کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في ثلثة أثواب بیض سحولیة لیس فیها قمیص و لاعمامة. البتہ ابوداؤد وغیرہ کی بعض روایات میں قمیص کا ہونا وارد ہے مگراس کی سند میں کلام ہے حنفیہ قمیص کے اثبات کے لئے حضرت شداد بن الہاد کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جب ایک صحابی کی شہادت ہوگئی تو حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے جبہ شریف میں کفن دیا: "قال ثم کفنه النبی صلی اللہ علیه وسلم فی جبة النبي ﷺ" جبہ میں اور جو قمیص حنفیہ کفن میں استعمال کرتے ہیں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور بھی بعض روایات پیش کرتے ہیں جو نصب الرایہ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور یہ اختلاف صرف اولی وافضل کا ہے ورنہ سب جواز میں برابر ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کے سلسلہ میں کعب بن اشرف اور ابولہب کی بیوی کے واقعہ کی تحقیق

سوال:- کعب بن اشرف جس نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اس میں یہ

حصہ کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور اپنے ساتھیوں کو پہلے سے قتل کرنے کو کہہ دیا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نظروں سے مستور ہوگئے اور جب بھی وہ قتل کا ارادہ کرتے تو ان کو کعب بن اشرف کی صورت نظر آتی اس لئے قتل نہ کرسکے۔ اس کے حوالہ کی ضرورت ہے۔ جو غالباً فتح الباری یا عینی میں ہے۔ میرے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں۔

جواب:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعب بن اشرف اور اسکے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہوجانا کہیں نظر نہیں پڑا علامہ سیوطی نے بھی خصائص کبری میں یہ واقعہ نہیں لیا۔ فالله أعلم.

ہاں سیوطی نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ مارنے چلی تھی صدیق اکبر آپ کے پاس تھے گھبرا گئے، لیکن جب وہ آئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسکو نظر نہیں آئے۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

لیلۃ المعراج میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے امت محمدیہ کو سلام پہنچانے کے واقعہ کی تحقیق

سوال:- سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیلۃ المعراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امت کو سلام پہنچانے کے لئے فرمایا۔ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔

جواب:- حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لیلۃ المعراج میں اس امت کو سلام پہنچانا حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت میں وارد ہے: **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لقيت إبراهيم ليلة أسري بي فقال: يا محمد! إقرأ أمتک منى السلام، وأخبرهم أن الجنة طيبة التربة عذبة الماء وإنها قيعان وإن غراسها سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله اكبر.**

(رواه الترمذى ۲/۱۸٤ والطبراني في الصغير ۱/۱۹٦ من طريق سيار بن حاتم عن عبد الواحد بن زياد عن عبد الرحمن بن إسحق عن القاسم بن عبد الرحمن عن أبيه عنه قال الترمذي: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، وقال الطبراني: لم يروه عن القاسم الا عبد الرحمن ولا عنه الا عبد الواحد ولم يروه عن عبد الواحد مرفوعاً الا سيار بن حاتم إنتهى. وزاد الطبرانى فى المتن "ولا حول ولا قوة إلا بالله".

معراج کے موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین اتارنے والی روایت بے اصل ہے

سوال :- لوگ ایک حدیث شریف نقل کررہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ومقام اتنا بلند رہا کہ جب معراج میں تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین شریفین اتارنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جوتے نہ اتاریں آپ کے جوتے آنے سے میرے عرش کی عزت بڑھ جائے گی۔

جواب:- نعلین شریفین کے ساتھ عرش پر جانا میری نظر سے نہیں گذرا یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۱۱-۷-۲۰

عہد نبوی میں مسجد نبوی کی تعمیر دومرتبہ ہوئی ہے
تعمیر مسجد نبوی میں ابوہریرۃ بھی شریک تھے

سوال:- حیاۃ (۳/۹۷) عنوان بناء المسجد کے شروع ہی میں جو روایت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد نبوی میں حضرت ابوہریرہؓ شریک تھے جبکہ ان کا اسلام ۷ھ میں ہے بین الحديبية والخيبر، تو کیا عہد نبوی میں مسجد نبوی ایک بار سے زیادہ تعمیر ہوئی ہے؟ اگر یہی ہے تو اس کا تاریخی ثبوت ضروری ہے، یا روایت میں کوئی گڑبڑ ہے؟ مولوی عبداللہ

جواب: - مسجد نبوی حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں دومرتبہ تعمیر کی گئی ہے **صرح به العلامة السمهودى فى الوفاء وخلاصته' ولفظها** (ص:۲۱۱) **وقد صرح ابن زياد فيما رواه من طريق ابن جريج عن جعفر بن عمرو بأن النبى ﷺ بنى مسجده مرتين وقال بناه حين قدم أقل من مائة في مائة أي في أقل من مائة أيضاً فلما فتح الله عليه خيبر بناه وزاد عليه مثله في الدور** پھر مزید اس سلسلہ کی روایات ومؤیدات ذکر کی ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۵؍شعبان ۱۴۰۶ھ

قبا میں قیام کے متعلق دو روایتوں کی تحقیق و تطبیق

ازامروہہ۔ ۱۱رفروری ۱۹۸۱ء

محترمی سلام مسنون!

یہ خط خاص مقصد سے تحریر کرارہا ہوں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی اردو تقریر بخاری کی پہلی جلد میں ابتدائی صفحات کے اندر تحریر ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ کے قیام قبا کی دو روایتیں ہیں ایک سے چودہ دن قیام معلوم ہوتا ہے اور ایک سے چوبیس دن جو کھلا ہوا تعارض ہے اس تعارض کا حل اس کتاب کے آخر میں یا کسی اور جلد میں تحریر فرمایا ہوگا اس سے بحث نہیں ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ چوبیس دن والی روایت بخاری کے کس پارے میں کس باب میں اور کس صفحہ پر ہے میں پرسوں مولانا ابوالحسن زید فاروقی کے پاس بغرض ملاقات گیا تھا اس وقت تقریر بخاری ان کے مطالعہ میں ہے انہوں نے فرمایا کہ چوبیس دن والی روایت میں نے تمام مروجہ عربی شروح میں دیکھی کہیں نہیں ملی غالباً انہوں نے ہجرت کے باب میں دیکھا ہوگا میں نے ان سے کہا کہ یہ حدیث ہوسکتا ہے کسی اور مضمون کے باب میں ذکر کی گئی ہو جیسا کہ حضرت بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) کی عادت ہے کہ ایک مضمون کی حدیث دوسرے مضمون کے باب میں لے آتے ہیں آپ سے امید ہے کہ اس کا جواب جلد دیں گے۔ والسلام

نسیم احمد فریدی غفرلہ

جواب :- مخدوم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی جناب والا کا گرامی نامہ موجب عزت افزائی ہوا حضرت اقدس دامت برکاتہم نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ پارہ (۲) ابواب المساجد میں باب ھل ینبش قبور مشر کی الجاھلیة ویتخذ مکانھا مساجد (ص:۶۱) پر درج ہے اور مولانا ابوالحسن زید صاحب کو مصری نسخوں اور مروجہ شروح میں نہ ملنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نسخ میں اختلاف ہے، بعض نسخ میں اربعا وعشرین ہے اور بعض میں اربع عشرة ہے یہ اختلاف سارے شراح علامہ عینی، حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے حافظ فرماتے ہیں: (ص ۱۷ ج ۳) قوله فيه: فأقام فيهم أربعاً وعشرين كذا للمستملي والحموي وللباقين أربع عشرة وهو الصواب من هذا الوجه وكذا رواه أبوداؤد عن مسدد شيخ البخاري فيه انتهى.

حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اربعا وعشرین والی روایت اقرب الی الصواب ہے جیسا کہ

حاشیہ لامع (۲/۸) پر اجمالاً اور تقریر بخاری جلد ثانی (۲/۱۵۵) پر تفصیلاً درج فرمایا ہے چونکہ جناب والا کے پاس دونوں کتابیں ہوں گی اس لئے عبارت درج نہیں کی اور انشاء اللہ آج ہی مولانا ابوالحسن زید صاحب کو بھی خط لکھ دوں گا لیکن رواۃ کے عام طرق میں اربع عشرۃ ہی ہے: كذا في مسند أحمد وطبقات ابن سعد وأبواب الهجرة من البخاري ومسلم والنسائي واتفق عليه تلامذة عبد الوارث الراوي عن أبي التياح عن أنس والله اعلم . دعاؤں کا ملتجی

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

عذاب قبر اور ضغطۂ قبر کا فرق

صحابی رسول حضرت سعد بن معاذ کو عذاب قبر ہوا تھا یا نہیں؟

مکرمی مولانا محمد یونس صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک سوال حدیث کے متعلق ارسال ہے اس کا جواب تحریر فرمادیں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عذابِ قبر کیوں ہوا؟ بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ وہ عذاب نہیں تھا بلکہ ضغطہ تھا، دبوچنا تھا اور وہ از روئے محبت تھا جیسا کہ ماں اپنے بچے کو دبوچتی ہے اور ہر مومن کو ہوگا، اس پر دو شبہ ہوتے ہیں، اول اگر ہر مومن کو ہوگا تو پھر حدیث پاک میں حضرت سعد بن معاذ کی وجہ تخصیص کیا ہے (یعنی اور کسی کی قبر پر جا کر تکبیر و تہلیل نہیں فرمائی اور نہ عذاب کی خبر اس طرح دی) نیز بعض روایات میں عذاب کی تصریح ہے، اس تصریح کے ہوتے ہوئے "اهتز عرش الرحمن" کے پیش نظر عذاب کی نفی کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد یحییٰ ۲۹/۱۱/۹۶ھ

مکرمی زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عذاب قبر اور ضغطۃ القبر میں فرق ہے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضغطۃ القبر ہوا تھا، نسائی میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں صاف وارد ہے۔

"هذا الذى تحرك له العرش و فتحت له أبواب السماء وشهده سبعون ألفا من

الملائكة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه'' بیہقی نے کتاب عذاب القبر میں اس کے آگے یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا ہے اور یہ ضغطہ ہر شخص کے لئے عام ہے عن عائشة رضی الله عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ''إن للقبر ضغطة لو كان أحد منها ناجياً لنجا منها سعد بن معاذ'' احمد نے اور ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور بیہقی نے اس کو نقل کیا ہے، ضغطۃ القبر کے متعلق بکثرت روایات وارد ہیں جن سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے، طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت زینب اور سنن سعید بن منصور میں حضرت رقیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے متعلق ضغطۃ القبر کا ذکر ہے، اسی طرح بچوں کے ضغطہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطی نے شرح الصدور ص ۴۵ میں تفصیل سے لکھا ہے اور بعض روایات زہر الربی حاشیۂ نسائی میں بھی ذکر کی گئی ہیں، چونکہ سعد بن معاذؓ سے پیشاب سے بچنے میں کوتاہی ہوگئی تھی اس لئے یہ ضغطہ ہوا تھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے، ابن سعد نے بطریق ابی معشر سعید مقبری سے نقل کیا ہے کہ:

لما دفن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم سعد بن معاذؓ قال: لو نجا أحد من ضغطة القبر لنجا سعد، ولقد ضم ضمةً اختلف فيها أضلاعه من أثر البول۔

اور ترمذی اور امام بیہقی نے بطریق ابن اسحاق امیہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے:

أنه سأل عن بعض أهل سعد ما بلغكم من قول رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم في هذا، فقالوا: ذكر لنا أن رسول الله ﷺ سئل عن ذلک، فقال: قال ''يقصر في بعض الطهور عن البول''.

ابوالقاسم سعدی کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ:

لاينجو من ضغطة القبر صالح و لا طالح غير أن الفرق بين المسلم والكافر دوام الضغطة للكافر، وحصول هذه الحالة للمؤمن في أول نزوله إلى قبره ثم يعود إلى الانفساح له فيه، قال: ''والمراد لضغطة القبر التقاء جانبيه على جسد الميت''۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں: سبب هذه الضغطة أنه ما من أحد إلا وقد ألم بخطيئة مّا، وإن كان صالحاً فجعلت هذه الضغطة جزاءً له ثم تدركه الرحمة ولذلک ضغطه سعد بن معاذ في التقصير من البول.

چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کبار صحابہ میں تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاص طور سے

ذکر فرمایا کہ ضمۃ القبر تو عام چیز ہے اگر کوئی اس سے بچ سکتا ہے تو حضرت سعد بن معاذؓ اس کے مستحق تھے کہ ان کی موت پر تو عرشِ الٰہی بھی خوشی میں جھوم گیا، مگر وہ بھی نہ بچ سکے اور اگر کسی روایت میں عذاب کا ذکر ہے تو اس سے بھی ضغطۃ القبر ہی مراد ہے، متعارف عذاب جو فرشتوں کے ذریعہ اور آگ وغیرہ سے ہوگا وہ مراد نہیں۔

اور ابن ابی الدنیا نے محمد تیمی سے نقل کیا ہے "**كان يقال: إن ضمة القبر إنما أصلها إنها أمهم ومنها خلقوا فغابوا عنها الغيبة الطويلة فلما رد إليها أولادها ضمتهم ضم الوالدة إذا غاب عنها ولدها ثم قدم عليها، فمن كان لله مطيعاً ضمته برأفة ورفق، ومن كان عاصياً ضمته بعنف ساخطأ منها عليه لربها.**

یہ اثر حکیم ترمذی کے بیان کے خلاف نہیں ہے کیونکہ زمین کا محبت سے دبانا اس کے منافی نہیں ہے کہ سابقہ کوتاہیوں کا اس دبانے میں تدارک بھی ہوجائے۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب شنبہ ۳۰ ذی القعدہ ۹۶ھ

اس روایت کی تحقیق کہ ایک صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے

سوال: کسی صحابی کے بارے میں پڑھا کہ وہ پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے ایک بار انہوں نے خود اپنا ہی پیٹ چاک کرلیا اور اسمیں موت واقع ہوگئی خیال پڑتا ہے کہ اصابۃ کی قسم رابع موالی صحابہ کے بیان میں ہے یا اسطرح کا فن جراحی سے متعلق کوئی واقعہ عہد صحابہ میں یاد ہو تو تحریر کریں۔

جواب۔ مجھے ان صحابی کا واقعہ یاد نہیں جو پیٹ چاک کر کے پیٹ کا علاج کرتے تھے اور اپنا پیٹ ایک مرتبہ چاک کیا اس میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ البتہ ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس عمل کا عہد نبوت میں وجود ملتا ہے علامہ مناوی فیض القدیر ۲/ ۲۱۶ میں لکھتے ہیں:

أخرج حميد بن زنجويه إن أناساً جاؤا إلى المصطفى ﷺ من الأنصار فقالوا: إن أخانا استسقى بطنه، أفتاذن لنا أن نداويه؟ قال بماذا؟ قالوا: يهودى هنا يشق بطنه، فكره ذٰلک وقال لاآذن حتىٰ جاء وه مرتين أوثلثاً وفي كل ذٰلک يأبى، حتى قال افعلوا فدعواله اليهودي فشق بطنه ونزع منه فرخاعظيما ثم غسل بطنه ثم خاطه ثم داواه فصح وبرئ فراه المصطفى ﷺ وهو مارٌ بالمسجد فقال أليس ذٰلک بفلان؟ قالوا بلى، فقال

أدعوه إلي فنظر إلى بطنه فوجده قد صح، فقال: إن الذي خلق الداء جعل له دواءً الا السام.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

سوال: یہ ہے کہ یہاں دلی میں کسی کو بھائی یا بہن بنالینے کا دستور ہے اور پھر اس سے پردہ نہیں رہتا اسکی قباحت عام احکام کے علاوہ کیا کوئی خصوصی نکیر یا نکیر کے لئے نظیر مل سکتی ہے۔

مولوی عبداللہ طارق دہلوی

جواب: کسی کو بھائی یا بہن بنالینا اور پھر اس سے پردہ نہ کرنا شرعاً قبیح ہے لیکن اسپر کوئی خصوصی نکیر یا اس کی نظیر مستحضر نہیں ہے۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۸؍شوال ۱۴۰۱ھ

ایک صحابیہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں جوئیں دیکھنے والی روایت پر ایک اشکال اور اس کا جواب

سوال: صحیح بخاری ابواب الاستیذان میں پوری اور ''باب ركوب البحر، باب فضل من يصرع في سبيل الله، باب غزوة المرأة في البحر، باب ما قيل في قتال الروم'' میں ادھوری روایت ''بعضها عن أنس وبعضها عنه عن أم حرام بنت ملحان'' ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحری غزوے کی بشارت اور ام حرام کی اس میں شرکت کی بشارت دی۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا ام حرام سے جس طرح کا معاملہ ہے یہ تو محرمیت کو متقاضی ہے مگر محرمیت ثابت نہیں ہوتی ابن عبدالبر وغیرہ نے رضاعی رشتہ ثابت کیا ہے مگر اس پر جو اعتراضات ہیں وہ اس دعوے کو ختم کردیتے ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح (۱۱/۶۳) عاجز ہوکر اسے آپ کی خصوصیت قرار دی ہے مگر یہ جواب پوچ ہے کوئی جاندار جواب آپ کے علم میں ہوتو رہنمائی فرمائیں۔

(مولانا) عبداللہ دہلوی

جواب: آپ نے تو دونوں جوابوں کو بالکل ہی بے وزن سمجھ لیا اب اس کے علاوہ اور کونسا جواب دیا جائے یہ تو مسلم امر ہے کہ اسلام نے مرد وعورت کے تعلقات میں حد بندی فرمادی ہے ایک بیوی کو چھوڑ کر باقی

سب سے پردہ ہے گو اس کی نوعیت مختلف ہے، آدمی کو اپنے محارم نسبیہ کو ایک مخصوص حد میں دیکھنے و ملنے کی اجازت ہے اور غیر محارم میں بالکل ہی تنگی ہے، اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام حرام کے مکان پر تشریف لے جانا اور ان کے یہاں آرام فرمانا اور ان کا آپ کے سر کے بالوں کا تفتیش کرنا کسی جائز ہی شکل پر ہوسکتا ہے، ظاہر ہے یا تو رضاعی رابطہ تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر وغیرہ حضرات کی رائے ہے اور اس پر جو دمیاطی وغیرہ کو اشکال پیش آیا ہے وہ صورت رضاعت متعین کرلینے کی وجہ سے ہوا، اگر یہ کہا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کی طرف سے رضاعت کا تعلق ہو (اور اس کا معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ صورت کیا تھی)۔ تو محتمل ہے۔ سب سے احسن جواب خصوصیت ہی کا معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اکرم ﷺ کو خاص خصائص سے نوازا تھا جیسے چار سے زائد عورتوں سے نکاح اور بلا مہر کے نکاح فرمانا، سونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا وغیرہ تو اگر یہ بھی ایک خصوصیت ہو تو کیا استعجاب ہے اور وجہ خصوصیت آپ کا معصوم ہونا ہے بہت سے ائمہ کا اسی طرف رجحان ہے نقله القاضي أبوبكر بن العربي وحكاه العلامة سراج الدين بن الملقن عن بعض مشائخه وأقره وتابعهم الحافظ ابن حجر ثم العلامة السيوطي اور قاضی عیاض کا انکار ضعیف ہے یہ حدیث خود اس کی ایک دلیل ہے دوسری دلیل حضرت ربیع بنت معوذ کے بستر پر بیٹھنا ہے جو بخاری شریف میں وارد ہے ربیع بنت معوذ اپنے شاگرد خالد بن ذکوان سے فرماتی ہیں: جاء النبي صل الله عليه وسلم فدخل حين بني علي فجلس على فراشي كمجلسك مني نیز آپ کا اپنے قرین کے بارے میں ارشاد ہے: ولكن الله أعانني عليه فأسلم فلا يأمرني إلا بخير رواه مسلم۔ ہاں اگر تفلیۃ الراس کسی راوی کا وہم ہوتا تو پھر سب اشکال حل تھا کیونکہ پھر یہ کہنا آسان ہوتا کہ وہاں اور کوئی ہوگا اور تفلیۃ کو بالوں کے چھونے پر محمول کرلیا جائے گو اس میں بعد ہے مگر اس صورت میں اشکال ختم ہوجائے گا۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ ۶ / جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''یا بُنی'' (اے میرے بیٹے) کہنا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یا بنی کہنا وارد ہے یا نہیں؟

الجواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بُنی کہنا روایات میں وارد ہے فأخرج الترمذي والطبراني ص:۷۷، اوراجع الترمذی ص:۹۴، ''عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يابني إذا دخلت على أهلك، فسلم يكون بركة عليك وعلى أهل بيتك''.

وأخرج أحمد ١/٢٣٤، وأبو داود والنسائي وابن ماجه والطحاوى وابن حبان عن عباس قال: قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة المزدلفة أُغَيلِمَةَ بنى عبد المطلب على حمرات فجعل يلطح أفخاذنا، ويقول أبينى لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس ـ

اسی طرح حضرت ابوبکر کا حضرت عائشہ کو یا بنیة کہنا بخاری میں وارد ہے:

عن البراء دخلت مع أبي بكر على أهله فاذا عائشة ابنته مضطجعه قد أصابتها حمى فرأيت أباها فقبل خدها وقال كيف أنت يا بنية؟.

وأخرج مسلم ٢/٢١٠ عن أنس بن مالك قال: قال لي رسول الله ﷺ يا بني.

وأخرج مسلم عن المغيرة بن شعبة قال ما سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد عن الدّجال أكثر مما سألته عنه فقال: أي بني وما ينصبك عنه؟ انه لن يضرك الحديث.

وأخرج الترمذى ٣/٧، عن عمر بن أبي سلمة: "أنه دخل على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعنده طعام فقال أدن يا بني فسم الله وكل بيمينك''.

وأخرج البخاري في الأدب المفرد: ص ١١٨ عن سلمة العلوى قال سمعت أنسا يقول كنت خادما للنبى صلى الله عليه وسلم قال: فكنت أدخل بغير استيذان، فجئت يوماً فقال كما أنت يابني، فانه قد حدث بعدك أمر لاتدخلن إلاباذن.

وأخرج أيضاً عن الصعب بن حكيم عن أبيه عن جده قال أتيت عمر بن الخطاب فجعل يقول: يابنى أخي ثم سألني فانتسبت له فعرف أن أبي لم يدرك الإسلام فجعل يقول يابُني.

وأخرج أيضاً عن ابن أبي صعصعة عن أبيه عن أبي سعيد الخدري قال له يابني.

وأخرج مسلم: ١/٢٥٦ عن سعد بن هشام قال، قلت: يا أم المؤمنين! انبئيني عن وتر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر الحديث، وفيه "فتلك أحدى عشر ركعة يابني".

بندہ محمد یونس عفی عنہ

باب (۸)

متفرق احادیث کی تحقیق

حضرت حمزہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک روایت کی تحقیق

سوال: جوامع الکلم (جلد اول، ص۔۱۸۷) میں تحریر ہے کہ:

''ایک روز حمزہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی لی اور بی بی فاطمہ علیہا السلام کی اونٹنی کے کلیجہ وکوہان کاٹ ڈالے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ کے پاس آپ کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ بے ہوش ہیں اور یاوہ گوئی کررہے ہیں ایسے وقت میں آپ ان کے سامنے نہیں گئے حضرت علی سے کہا اے علی یاد رکھو فاطمہ علیہا السلام کی اونٹنی کا زخم کسی روز حمزہ کھائیں گے جب جنگ احد میں جو کچھ حمزہ پر گذرا تو آپ نے فرمایا اے علی تم نے دیکھا کہ فاطمہ علیہا السلام کی اونٹنی کے زخم نے حمزہ پر کیا اثر ڈالا''۔

کیا مذکورہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کا مقام سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے بھی بلند ہے؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ایسے بددعائیہ کلمات ارشاد فرمائے تھے کہ جہاد میں شرکت فرما کر شہید ہوجانے کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ زندگی کے ناشائستہ عمل کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ بات تصور میں بھی آسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نتیجہ نکالا ہوگا؟

آخر حق وصواب کیا ہے براہ کرم مسئولہ امور پر سیر حاصل جواب تحریر فرما کر ہم عام مسلمانوں پر احسان عظیم فرمائیے۔ والسلام

المستفتی قاضی محمد علی لکچرار عربی

معتمد مجلس تحقیقات شرعیہ گلبرگہ

جواب: یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، اصل روایت کتب حدیث میں حسب ذیل ہے:

عن علي بن أبي طالب قال: كانت لى شارف من نصيبي من المغنم يوم بدر، وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني مما أفاء الله عليه من الخمس يومئذ، فلما أردت أن ابتني بفاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم وأعدت رجلا صواغاً من بنى قينقاع أن يرتحل معي فنأتى بإذخر فأردت أن أبيعه من الصواغين فنستعين به في وليمة عرسي، فبينا أنا أجمع لشارفي من الأقتاب والغرائر والحبال وشارفاي منا ختان إلى جنب حجرة رجل من الأنصارحتى جمعت ماجمعت، فإذا أنا بشارفي قد أجبت أسنمتهما وبقرت خواصرهما وأخذ من أكبادهما فلم أملك عيني حين رأيت المنظر، قلت: من فعل هذا؟ قالوا فعله حمزة بن عبد المطلب، وهو في هذا البيت في شرب من الأنصارعنده قينة وأصحابه فقالت في غنائها:

ألا يا حمز للشرف النواء

فوثب حمزة إلى السيف فأجب أسنمتهما وبقر خواصرهما وأخذ من أكبادهما قال علي: فانطلقت حتى أدخل على النبى صلى الله عليه وسلم وعنده زيد بن حارثة، فعرف النبي صلى الله عليه وسلم الذي لقيت، فقال: مالك؟ قلت: يا رسول الله ما رأيت كاليوم عدا حمزة على ناقتى فأجب أسنمتهما وبقر خواصرهما وهاهو ذا في بيت معه شرب، فدعا النبي صلى الله عليه وسلم بردائه فارتدى ثم انطلق يمشي وأتبعته أنا وزيد بن حارثة، حتى جاء البيت الذى فيه حمزة فاستأذن عليه فأذن له، فطفق النبى صلى الله عليه وسلم يلوم حمزة فيما فعل، فإذا حمزة ثمل محمرة عيناه فنظر حمزة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، ثم صعد النظر فنظر إلى ركبته، ثم صعد النظر فنظر إلى وجهه، ثم قال حمزة: وهل أنتم إلا عبيد لأبي؟ فعرف النبى صلى الله عليه وسلم أنه ثمل فنكص رسول الله صلى الله عليه وسلم على عقبيه القهقرى فخرج وخرجنا معه.

رواه البخاري (ص: ۷۱ ومسلم ۲/۱۶۱، وأبوداؤد ٤/۱۳۵، بذل)

یہ ہے اصل واقعہ اور باقی جو کچھ سوال میں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ بعض غالی شیعہ کی جعل سازی اور دسیسہ کاری ہے، اونٹنی حضرت علی کی تھی اور دوسری اونٹنی حضرت علی ہی کو دی گئی تھی، حمزہ کے بارے

میں تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک روایت میں وارد ہے۔ **حمزہ سید الشہداء عند الله یوم القیمة** (رواہ الحاکم ۱۱۹/۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حمزہ کے انتقال پر رنجیدہ ہونا ایک مشہور حقیقت ہے حتی کہ روایات میں وارد ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ انصار کے شہداء کا ان کی عورتیں ماتم کررہی ہیں تو آپ نے فرمایا: ''**ولكن حمزة لا بوا كي له**'' جب انصار کو معلوم ہوا تو اپنی عورتوں کو حضرت حمزہ کا ماتم کرنے کے لئے بھیج دیا آپ سو رہے تھے عورتیں آکر ان کا نوحہ کرنے لگیں آپ بیدار ہو گئے تو آپ نے ان عورتوں کو منع کردیا اور فرمادیا: ''**لا يبكين على هالك بعد اليوم**''.

رواه ابن سعد (۱۷/۳) وأحمد وابن ماجه والحاكم وصححه الحاكم.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۷ر شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ

حدیث عطارہ کی تحقیق

سوال: حدیث عطارہ کہاں ہے کس نے اسے روایت کیا ہے اور یہ حدیث کیسی ہے؟

مولانا منور حسین صاحب

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي ونسلم على رسوله الكريم.

حديث العطارة وقع ذكره في مقدمة مسلم قال مسلم ۱۸/۱ حدثنا محمود بن غيلان قال: قلت لأبي داؤد الطيالسي، قد أكثرت عن عباد بن منصور، فمالک لم تسمع منه حديث العطارة الذي روى لنا النضر بن شميل؟ فقال لي: أسكت، فأنا لقيت زياد بن ميمون وعبد الرحمن ابن مهدي فسألناه فقلنا له هذه الأحاديث التي ترويها عن أنس؟ فقال أرأيتما رجلاً يذنب فيتوب أليس يتوب الله عليه؟ قال: قلنا: نعم، قال: ما سمعت من أنس من ذا قليلاً ولا كثيراً، إن كان لايعلم الناس فأنتما تعلمان، وإني لم ألق أنساً، قال أبو داؤد فبلغنا بعد إنه يروي فأتيناه أنا وعبد الرحمن فقال: وأتوب ثم كان بعد يحدث فتركناه انتهى.

قال النووي (۱۸/۱) قوله: حديث العطارة، قال القاضي عياض: هو حديث رواه زياد

بن ميمون هذا عن أنس أن امرأة يقال لها الحولاء[1] عطارة كانت بالمدينة فدخلت على عائشة رضـى الله عـنهـا وذكـرت خبـرهـا مـع زوجها أن النبى صلى الله عليه وسلم ذكرلها في فضل الـزوج وهـو حـديـث طويل غير صحيح وذكره ابن وضاح بكماله ويقال إن هذه العطارة هى الحولاء بنت تويت انتهى. وذكر الذهبي فى ترجمة زياد بن ميمون في الميزان ما ذكره مسلم ولـم ينسبه إلى مسلم قال الحافظ ابن حجر في اللسان: وحديث العطارة التى أشار إليه أخرجه ابن الجوزي في الموضوعات من طريق غنجار صاحب تاريخ بخارى حدثنا محمد بن نصر بن خـلف ثـنـا أبـو كثيـر سيف بـن حـفـص حدثني على بن الجنيد ثنا محمد بن سلام ثنا أبو سهل الـمـدائـنـي ثنا الصباح بن سهل عن زياد بن ميمون عن أنس بن مالک رضى الله عنه قد كانت إمراة بالمدينة عطارة يقال لها الحولاء فجاء ت إلى عائشة رضى الله عنها فقالت يا أم المؤمنين نـفسـي لک الفداء إني لأزين نفسي لزوجى كل ليلة حتى كأني العروس أزف إليه فقالت: إن رسـول الله صـلى الله عليه وسلم قال: ليس من امرأة ترفع شيئاً من بيتها أو تضعه في مكان تريد بذلک إصلاحاً إلا نظر الله إليها، فذكر الحديث بطوله وفيه وفضل الولاد ة والرضاع والفطام والمراودة والمعانقة والقبلة والمجامعة وغير ذلک انتهى.

وفـي الـلآلـى الـمصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي ١٦٩/٢ أخـرج الخطيب ٢٣٨/٩، أخبرني أبوالوليد الدر بندي أخبرنا محمد بن أحمد بن سليمان الحافظ حدثنا محمد بـن نـصر بن خلف حدثنا أبو كثير سيف بن حفص حدثني علي بن الجنيد أبو الحسن و محمد بـن حـمـيـد ابـن فروة قالا حدثنا محمد بن سلام حدثنا أبو سهل المدائني الصباح بن سهل عن زياد بن ميمون عن أنس بن مالک قال: كانت امرأة بالمدينة عطارة يقال لها الحولاء فجاء ت إلـى عـائشة فـقـالـت: يا أم المؤمنين نفسي لک الفداء، إني أزيّن نفسي لزوجي كل ليلة حتى كـأنـي الـعـروس أزفّ إليـه، قـال الـخـطيب و ذكر الحديث قال المؤلف (يعني ابن الجوزي) وتـمامه فقال رسول الله ﷺ لـلـخـولاء: ليـس من امرأة ترفع شيئاً من بيتها من مكان تضعه في مـكـان أو تـريـد بـذلـک إصـلاحا الانظر الله إليها ومانظر الله تعالىٰ إلى عبد قط فعذبه، قالت: زدنـي يا رسول الله قال ليس من امرأ ة مـن الـمسـلمين تحمل من زوجها إلا كان لها من الأجر كـأجـر الـصـائـم القائم المخبت القانت فإذا أرضعته كان لها بكل رضعة عتق رقبة فاذا فطمته

---

[1] فى اللسان الخولاء بالمعجمة.

نادی مناد من السماء أيتها المرا ة استانفی العمل، فقد كفيت ما مضى، فقالت عائشة: يا رسول الله هذا للنساء فما للرجال؟ قال ما من رجل من المسلمين يأخذ بيد امرأته يراودها إلا كتب الله له عشر حسنات فإذا عانقها فعشرون حسنة، فاذا قبلها فعشرون ومائة حسنة، فإذا جامعها ثم قام إلى مغتسله لم يمر الماء على شعرة من جسده إلا كتب الله له بها عشر حسنات ورفع له بها وحط عنه عشر خطيئات وإن الله عز و جل ليباهي به الملائكة، فيقول أنظروا إلى عبدي قام في هذه الليلة الشديدة بردها فاغتسل من الجنابة موقناً إني ربه أشهدكم إني قد غفرت له.

قال الدار قطني هذا حديث باطل، وقال ذهب عبد الرحمن بن مهدي وأبو داؤد إلى زياد بن ميمون فأنكرا عليه هذا الحديث فقال: أشهدوا أني قد رجعت عنه انتهى.

قال المؤلف يعنى ابن الجوزي: زياد كذاب، والصباح منكر الحديث، قال السيوطي أخرجه الطبراني في الأوسط حدثنا محمد بن أبي خيثمه حدثنا بقية عن ابن جريج أحمد بن محمد بن أبان بن صالح حدثنا القاسم بن الحكم العرني حدثنا جرير بن أيوب البجلي عن حماد بن أبي سليمان عن زياد عن أنس والله أعلم، انتهى[1]

قلت: جرير بن أيوب البجلى الكوفي قال الذهبي في الميزان: مشهور بالضعف، روى عباس عن يحيىٰ، ليس بشيء وروى عبدالله بن الدورقي عن يحيى: ليس بذاك، وقال أبونعيم كان يضع الحديث، وقال البخاري: منكر الحديث وقال النسائي: متروك وقال ابن عدي: ولجرير أحاديث عن جده أبي زرعة بن عمرو بن جرير عن الشعبى ولم أرفي حديثه إلا ما يحتمل. انتهى.

وذكر الحافظ ابن حجر في الإصابة في ترجمة الحولاء العطارة طرفاً من هذا الحديث فقال: استدركها أبو موسى وأخرج من طريق أبي الشيخ بسنده إلى زيادة والثقفي عن أنس بن مالك قال: كان بالمدينة امرأة عطارة تسمى الحولاء بنت تويت فجاء ت حتى دخلت على عائشة فقالت.

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

لتسع خلون من صفر المظفر سنة ألف وثلثمائة وست وثمانين

---

[1] حدیث کی عبارت ابن الجوزی سے لی گئی ہے اور کلام اللآ لی المصنوعۃ سے ماخوذ ہے۔

حدیث مسجد العشار کی تحقیق

سوال: کیا حدیث وارد فی فضیلۃ مسجد العشار موضوع ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں؟

جواب: حدیث مسجد العشار کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ۵/ ۱۰۸، فرماتے ہیں

.حدثنا محمد بن المثنى نا إبراهيم بن صالح بن درهم قال: سمعت أبي يقول انطلقنا حاجين فإذا رجل فقال لنا: إلى جنبكم قرية يقال لها الأبلة قلنا: نعم قال: من يضمن لي منكم أن يصلي لي في مسجد العشار ركعتين أو أربعاً، ويقول: هذه لأبي هريرةؓ سمعت خليلي أبا القاسم ﷺ يقول: ان الله يبعث في مسجد العشار يوم القيامة شهداء لا يقوم مع شهداء بدر غيرهم۔

قال أبو داود: هذا المسجد مما يلي النهر، قلت محمد بن المثنى أخرج له الستة وإبراهيم بن صالح بن درهم أبومحمد البصري قال البخاري: لايتابع على حديثه، وقال العقيلي: إبراهيم وأبوه ليسا بمشهورين في نقل الحديث، والحديث غير محفوظ وقال الدارقطني: ضعيف، ذكره ابن حبان في الثقات وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: فيه ضعف وأبوه صالح بن درهم أبو الأزهر البصري، قال الآجري لأبي داود: هو قدرى قال لا أدري، وقال عباس عن يحيى صالح بن درهم ثقة وقال الدار قطني في ترجمة إبراهيم بن صالح: أبوه صالح ثقة اهـ.

ان اقوال ائمہ کے نقل کرنے سے یہ محقق ہوگیا کہ قابلِ التفات کلام صرف ابراہیم بن صالح کے بارے میں ہے مگر کسی نے ان کو وضاع یا متہم بالکذب نہیں کہا ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صرف امام بخاری کا قول ''لايتابع عليه'' کہہ کر چھوڑ دیا ہے، اگرچہ دارقطنی نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے فیہ ضعف فرمایا ہے، لہٰذا قول فیصل حافظ ابن حجر کا قول ٹھہرا۔

اور یہ بات اصول حدیث میں ثابت ہے کہ محض راوی کا ضعیف ہونا یا اس میں کچھ ضعف ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا سبب نہیں ہے، بلکہ احادیث کے موضوع ہونے کے لئے اسبابِ مخصوصہ ہیں، حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

فالقسم الأول وهو الطعن بكذب الراوي في الحديث النبوي هو الموضوع والحكم

علـيـه بـالـوضـع إنـمـا هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب لكن لأهل العـلـم بـالـحديث ملكة قوية يميزون بها ذلک وقد يعرف الوضع بإقرار واضعه، قال ابن دقيق العيد: لكن لايقطع بذلک لاحتمال أن يكون كذب في ذلک الإقرار. انتہی۔

قـال الـحـافـظ: لايـلـزم من نفى القطع نفي الحكم لأن الحكم يقع بالظن الغالب وهو هنا كـذلک ولـولا ذلک لـمـا سـاغ قتـل المقر بالقتل و لارجم المعترف بالزنا لاحتمال أن يكون كاذبين فيما اعترفا به.

ومـن الـقرائن التي يدرک بها الوضع مايوجد من حال الراوي كما وقع لمأمون بن أحمد أنـه ذكـر بحضرته الخلاف في كون الحسن من أبي هريرة أولا فساق في الحال إسناداً إلى النبي صـلـى الله عـلـيـه وسـلـم أنه قال سمع الحسن سمع من أبي هريرة، وكما وقع لغياث بن إبراهيم حيـث دخـل على المهدى فوجده يلعب بالحمام فساق في الحال إسنادا إلى النبي صلى الله عليه وسـلـم وآلـه وصـحبه وسلم أنه قال لاسبق إلا في نصل أوخف أوحافر أوجناح فزاد في الحديث أوجناح فعرف المهدي أنه كذب لأجله فأمر. يذبح الحمام.

ومـنـهـا مـا يـوجـد من حال المروي كأن يكون منا قضا لنص القرآن أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعى أو صريح العقل حيث لايقبل شيء من ذلک التاويل.

ثـم المروي تارة يخترعه الواضع وتارة يأخذ كلام غيره كبعض السلف الصالح، أو قدماء الـحـكـمـاء، أوالإسـرائـيـليات أو يأخذ حديثاً ضعيف الإسناد فيركب له إسناداً صحيحاً ليروج.
(شرح نخبة الفكر ص: ۷۹ مطبوعة دمشق).

حافظ ابن حجر کی اس عبارت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسباب وضع معدود ہیں، اول راوی کا متہم بالکذب ہونا، ثانی اقرار وضع، ثالث حال راوی دلالت کرے، رابع مروی نص قرآن کے خلاف ہو، خامس سنتِ متواترہ کے خلاف ہو، سادس اجماع قطعی کے خلاف ہو، سابع صریح عقل کے خلاف ہواور تاویل ناممکن ہو، یہ سات اسباب وضع ہیں ان میں سے کوئی بھی اس حدیث میں موجود نہیں ہے ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ اتنا ثواب اس عمل قلیل پر صریح عقل کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ خود اس قسم کا ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے، صحیح مسلم، ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت ابو مالک اشعری کی روایت ہے:

قـال رسـول الله ﷺ: الـطـهـور شـطـر الإيـمـان والـحـمـد لله تملأ الميزان وسبحان الله

والحمد لله تملآن أو تملأ ما بين السماء والأرض. (الحديث) وفي جامع الترمذي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: مـن سبح لله مأة بالغداء ومأة بالعشي كان كـمـن حـجّ مائة حجة، ومن حمد الله مأة بالغداة ومأة بالعشي كان كمن حمل على مأة فرس فـي سبيـل الله ومـن هـلـل الـلـه مـأـة بـالـغـداة ومائة بالعشي كان كمن أعتق مأة رقبة من ولد إسـماعيل، ومن كبر الله مأة بالغداة ومأة بالعشي لم يأت في ذلك اليوم أحد بأكثر مما أتى به إلا من قال مثل ماقال أو زاد على ما قال، قال الترمذي: "هذا حديث حسن غريب".

قـلـت: في إسناده الضحاک بن حمزة قال النسائي: ليس بثقة وقال البخاري: منكر الـحـديـث مجهول، وقال ابن معين ليس بشيء وذكره ابن جبان فی الثقات ورواه الذهبي فـي الميزان في ترجمته بإسناده، وقال رواه الترمذي وحسنه فلم يصنع شيئاً قلت: هو إذن ضعيف شاهد في أصل زيادة الثواب إلى هذا المقدار حديث الباب. وأخرجه الترمذي في فضل جماعة ۷٦/۱: عـن أنس قال قال رسول الله ﷺ: مـن صـلى الفجر في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة قال قال رسول الله ﷺ: تـامة تـامة تامة. قال الترمذي هذا حديث حسن غريب وغير ذلک من الأحاديث كـحـديـث الـصـحـيـحـيـن الـمعروف "كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، حبيبتـان إلـى الـرحمن، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" نیز ائمہ مذکورین یعنی حافظ ذہبی حافظ ابن حجر وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس کو موضوع نہیں کہا ہے اگر موضوع ہوتی تو حافظ ذہبی جیسا آدمی تو چوک ہی نہیں سکتا تھا کـمـا لايـخـفـى على من طالع كتبه، خود امام ابوداؤد نے اس حدیث کی تخریج کے بعد اس پر سکوت فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صالح ہے کـمـا صـرح بـه في رسالته إلى أهل مكة.

حافظ سیوطی الحاوی ۱/ ۳۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: وقـال أبـوداود: إنّ مـا رويته في هذا الكتاب ولم أضعِّفه فهو صالح يعني للاحتجاج والصالح له إما صحيح أو حسن۔

نیز بغوی نے مصابیح ۱/ ۳۳۸، میں ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک قابل اعتبار ہے کیونکہ انہوں نے مقدمۂ مصابیح میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ مناکیر کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں

فرمائیں گے،اسی طرح محبّ طبری نے حدیث مذکور بحوالہ ابوداؤد اپنی کتاب العقری لقا صدأم القریٰ ۶۴۷ میں ذکر کیا ہے اور کوئی کلام نہیں کیا، رہ گیا عقیلی کا یہ کہنا کہ حدیثہ غیر محفوظ اس سے وضع لازم نہیں آتا ہے کیونکہ محفوظ کا مقابل شاذ ہے، جیسا کہ مشہور ہے اور شاذ میں ضعف لازم نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ موضوع ہو،اوراس تفصیلی بحث کے بعد ''فالظاهر عند هذ العبد إن هذا الحديث من الضعيف المتماسک''. واللہ اعلم. کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے ابوشحمہ کے شراب پینے اور زنا کرنے والا واقعہ موضوع اور باطل ہے

سوال: ماہنامہ حسن اخلاق کے اندر یہ مضمون شائع کیا ہے عدل فاروقی کی ایک جھلک تفصیل مندرجہ ذیل ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کے ایک صاحب زادہ ابوشحمہ عبدالرحمٰن نے ایک عورت سے بنی نجار کے باغ میں شراب کے نشہ میں زنا کیا، عورت کو اس حرام کاری سے ایک بچہ پیدا ہوا عورت اس بچہ کو لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئی اور دعویٰ کیا کہ حضرت یہ آپ کا بچہ ہے۔تو آپ نے اس واقعہ کے تحقیق کے بعد ابوشحمہ پر حد رجم جاری کیا اور اسی حالت میں اس بچے کا انتقال ہوگیا، رسالہ البدر جو لکھنو سے مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی لکھنوی شائع کرتے ہیں انھوں نے اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کے حضرت عمر پر بہتان اور افتراء پردازی ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے تو حضرت آپ سے رجوع کرنا پڑا جواب سے ضرور نوازیں گے۔والسلام

آپ کا نالائق شاگرد

تجمل حسین بستوی

مدرس مدرسہ مظہر العلوم سیہورا یم پی

جواب: یہ واقعہ موضوع ہے ابن الجوزی نے اس کو موضوع کہا ہے علامہ سیوطی نے اللآلی ۲/ ۱۹۸، میں اور ابن عراق نے تنزیہہ الشریعہ ۲/ ۲۲۰ میں ان کی موافقت کی ہے۔والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۵/ رجب ۴۵ھ

(ایضاً) حضرت عمر کے لڑکے ابوشحمہ کا قصہ ابن الجوزی نے موضوعات میں روایت کیا ہے ان کی لاش یا قبر پر کوڑے مارنے کا قصہ مشہور ہے لیکن بے اصل ہے۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضرت ابوہریرہ کے کوہ طور جانے والی روایت

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ کوہ طور پر زیارت کے لئے گئے تھے جب وہ لوٹے تو حضرت بصرہ بن ابی بصرہ غفاری نے فرمایا کی اگر جاتے وقت مجھے معلوم ہوجاتا تو میں تم کو ہرگز نہ جانے دیتا، میں نے کہیں پر نسائی کے حوالہ سے دیکھی تھی مگر نسائی میں نہیں ملی براہ کرم حوالہ تحریر فرما گئے۔

جواب: یہ حدیث امام مالک نے موطا میں ماجاء فی الساعة التی فی یوم الجمعة اور امام نسائی نے (ص۲۱۰) ذکر الساعة التی یستجاب فیها الدعاء یوم الجمعة کے تحت روایت فرمائی ہے۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

افطار کے مختلف معانی

السوال: عید کے دن کے ناشتہ کھانے کو افطار سے تعبیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

افطار کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے روزہ نہ رکھنا روزہ توڑنا روزہ کھولنا احادیث میں بھی فقہاء کی عبارت میں بھی، لیکن کھانے پینے کی چیز کو افطار اسی وقت کہا جاتا ہے، جب اس سے روزہ کھولا جائے اس لئے عید کے دن صبح کی نماز کے بعد جو کھانا کھایا جائے وہ افطار نہیں ہوسکتا، نہ عرف میں اس کو افطار کہا جاتا ہے، نہ شرعاً نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس کے متعلق افطار کا لفظ کہا گیا، نہ فقہ کی کسی کتاب میں، نہ کسی محدث نے افطار کا ترجمۃ الباب منعقد کیا، احتیاطاً سیہ کارنے (بغیر حضرت کا ذکر کیے ہوئے) یہاں کے سابق مفتی صاحب اور موجودہ مفتی صاحب سے سوال کیا، تو انہوں نے بھی فرمایا کہ نہ شرعاً افطار کہا جاتا ہے نہ عرفاً، عیدالفطر کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے لیکن عیدالفطر تو دن بھر ہے لیکن پورے دن کے کھانے کو افطار کوئی بھی نہیں کہتا۔

(مولوی عبدالجبار صاحب)

مولوی یونس صاحب اس کا جواب لکھیں آپ بیتی (۳۹/۵) پر مولوی عبدالجبار کا اعتراض آیا تھا کہ قاری سعید مرحوم کے معمول میں صبح کی نماز کے بعد میرے گھر آ کر کھجور سے افطار کا لفظ لکھا گیا انکا اشکال یہ ہے کہ اس کھجور کے کھانے کو افطار کے لفظ سے غلط تعبیر کیا گیا میرے خیال میں تو عیدالفطر ہی اس وجہ سے ہے اور یہی

میں نے لکھدیا تھا اس کا جواب یہ آیا جو آپ کی خدمت میں ارسال ہے جتنے زور سے اس خط کی تردید لکھو جی خوش ہوگا۔ فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب قدس سرہٗ......بقلم حبیب اللہ)

جــواب: عیدالفطر کے دن صبح کے وقت کی کسی چیز کے کھانے کو افطار سے تعبیر کرنا شرعاً عرفاً کسی طرح بھی مستنکر نہیں ہے بچند وجوہ۔

اولاً تو اس وجہ سے کہ خود یوم الفطر کو یوم الفطر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس دن افطار کیا جاتا ہے اور رہا یہ خیال کہ عیدالفطر تو دن بھر ہے لیکن پورے دن کے کھانے کو کوئی بھی افطار نہیں کہتا ہے لہٰذا اول کھانے کو بھی افطار نہ کہیں گے غلط ہے اس لئے کہ افطار کا اطلاق اوّلِ اکل ہی پر ہوتا ہے چنانچہ ایام صیام میں افطار کا لفظ اوّلِ اکل بعد المغرب پر بولا جاتا ہے اور اس کے بعد کے کھانے کو افطار سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افطار فطر سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ شق کے ہیں تو افطار وہ عمل ہوگا جو قاطع ہو عمل سابق میں صوم کے تسلسل کو اور صوم کے تسلسل کا قاطع اوّل اکل ہی ہے اور عیدالفطر کے دن چونکہ صورۃً وہی حالت ہوتی ہے جو ایام ماضیہ میں ہوتی ہے لہٰذا جیسے وہاں کوئی چیز منافی صوم استعمال کرنے پر افطار کا اطلاق کیا جاتا ہے ویسے ہی عید کے دن بھی اول اول کھانے کو افطار کہتے ہیں رہا یہ گمان کہ اس لفظ کا اطلاق یوم الفطر پر نہ عرفاً ہوتا ہے اور نہ شرعاً تو یہ اپنا خانہ زاد خیال ہے ممکن ہے کہ قائل کا کچھ اور عرف ہو ہمارے یہاں تو اس کے خلاف عرف ہے اور اس پر افطار کا اطلاق ہوتا ہے اور ہمارا ہی عرف سلف کا عرف ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا اور باقی یہ کہنا کہ شرعاً بھی یہ اطلاق درست نہیں ہے تو یہ محتاج دلیل ہے کسی جگہ حرمت یا کراہت وممانعت کا اثبات محتاج دلیل ہے اگر کسی دلیل سے ممانعت معلوم ہوگی تو اس پر عمل کیا جائے والا فالأشیاء علی الاباحة الأصلية اور یہاں کوئی دلیل شرعی جو مانع ہو موجود نہیں ہے ودونه خرط القتاد۔

اور ثانیاً اس وجہ سے بھی کوئی اشکال نہیں کہ حضرات محدثین وفقہاء نے اس اکل پر افطار کا اطلاق فرمایا ہے قال الحافظ (٣٧٣/٤) في باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج: استحب بعض التابعين أنه يفطر على الحلو مطلقا كالعسل. رواه ابن أبي شيبة عن معوية بن قرة وابن سيرين وغيرهما، وهكذا قال العيني في عمدة القاري (٣٦٤/٣) والقسطلاني في إرشاد السارى (٦٨/٣) والشوكاني في النيل (٣٤٦/٣).

وقـال الـحـافـظ بـعـد ذلک بـعـد کلام: وهذا کله فی حق من یقدر علی ذلک وإلا فیـنبـغـي أن یـفطر، ولو علی الماء لیحصل له شبه من الإتباع، أشار إلیه ابن أبي جمرة اهـ. وهکذا قال الشوکاني (۳/۳٤٦) تبـعاً للحافظ وترجم مالک ”الأمر بالأکل قبل الغدو في العید“.

قال الباجي (۱/۳۱۸) تحتها: ویستحب أن یکون فطره علی تمر إن وجده اهـ.

وقال ابن رشد(ص: ۱۳۰): أجـمعو علیٰ انه یستحب أن یفطر في عید الفطرقبل الغد وإلی المصلیٰ وأن لایفطر یوم الاضحیٰ الا بعد الانصراف من الصلوة اھ۔

یہ اکابرصاف طور پراکل یوم الفطر کوافطار سے تعبیر فرمارہے ہیں۔اسی طرح جب تعجیل اکل کی حکمت بیان کرتے ہیں تو وہ وہاں بھی افطار کالفظ استعمال کرتے ہیں:

قال الأشرف في شرح المصابیح تحت حدیث أنس: کان رسول الله ﷺ لا یغد ویوم الـفطر، حتیٰ یأکل تـمرات، لعله علیه السلام أسرع بالإفطار یوم الفطر لیخالف ما قبله، فإن الإفطار في سلخ رمضان حرام، وفي العید واجب، ولم یفطر في الأضحی قبل الصلوة لعدم وجـود الـمـعنٰی المذکور اهـ. هکذا نقله الطیبي (۲/۲۹۲) فـي الکاشف عن حقائق السنن والقاري في مرقاة المفاتیح (۲/۲٥۰).

وقال الحافظ ابن حجر (۲/۳۷۲): قال المهلب: الحکمة في الأکل قبل الصلوة، أن لا یـظـن ظـان لـزوم الـصوم حتیٰ یصلی العید، فکأنه أراد سدّ هذه الذریعة، وقال غیره: لما وقـع وجـوب الـفـطر عقب وجوب الصوم استحب تعجیل الفطر مبادرة إلیٰ امتثال أمرالله تبارک وتعالیٰ، ویشعر بذلک اقتصاره عن القلیل من ذلک، ولوکان بغیر الامتثال لأکل قـدر الشبـع وأشار إلی ذلک ابن أبي جمرة، وقیل: لأن الشیطان الذي یحبس في رمضان لایـطلق إلا بعد صلوة العید، فاستحب تعجیل الفطر بدارا إلی السلامة من وسوسته اھ حافظ ابن حجر نے حکمت تعجیل بیان کرتے ہوئے استحباب تعجیل الفطر فرمایا ہے اور دوسرے سے نقل فرما کر اس لفظ پر کوئی اشکال نہیں کیا ہے یہ دلیل ہے کہ حافظ اور اسی طرح ان سے پہلے علماء کے نزدیک اس لفظ افطار کے اطلاق میں اشکال نہیں ہے:

وقال القسطلانی (۳/٦۸) تحت حدیث أنسؓ: حتیٰ یأکل تمرات لیعلم نسخ تحریم

الـفـطـر قبل صلوته، فإنه كان محرما قبلها أول الاسلام اهـ. وقوله ليعلم الخ فى الروضة من فروع الشافعية كما في الأوجز (٢/٢٤٤).

اس عبارت سے استدلال بایں طور ہے کہ اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ فطر قبل صلوۃ العید کی حرمت منسوخ ہوگئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ افطار جائز ہے اور بلفظ افطار تعبیر فرمایا ہے یہ تو حضرات محدثین وشراح حدیث کے کلمات تھے جن کی تعداد نصف درجن سے زائد ہے یعنی باجی، طیبی، ابن رشد، اشرف، علی القاری، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، وعلامہ قسطلانی وعلامہ شوکانی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اب حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی عبارات پڑھئے جن میں مذاہب اربعہ کے فقہاء ہیں:

مـنـهـم صـاحب الروضة من الشافعية وقد تقدمت عبارته وقال الشيخ أحمد الدردير الـمالكي في الشرح الكبير: ندب فطر قبل ذهابه في عيدالفطر وتأخيره في عيد النحر كذا في الأوجز (٢/٢٤٥) وتقدم كلام القاضي أبي الوليد الباجي وهو من كبار الفقهاء المالكية كما هو من كبار المحدثين.

وقال الشوكاني (٣/٣٤٦): والـحـكـمة في تأخير الفطر يوم الأضحى أنه يوم تشرع فيـه الأضـحية، والأكـل مـنهـا فشـرع أن يـكـون فـطره على شيء منها، قاله ابن قدامة اهـ وهذا كلام ابن قدامة وهو حنبلى نقله الشوكاني وهو ظاهري۔

اب فقہاء احناف کی بعض عبارات سنئے:

فـي الـمـراقـي "ونـدب في الفطر أن يأكل بعدالفجر" قال الطحطاوي (ص: ٣١٨): الـحـكـمة فيه المبادرة إلىٰ امتثال الأمربه، وليعلم نسخ تحريم الفطر قبل صلوة العيد، فإنه كان محرما قبلها في أول الإسلام. اهـ".

وفـي الـدرر شـرح الـغرر (١/١٤٢) ونـدب يـوم الـفـطـر الأكـل قبـل الـصلوة قـال الشـرنبـلالـى فـي حـاشية الـدرر: أقـول ويستـحـب تـعجيله في ابتداء اليوم، قال الكمالي ويستحب تعجيل الافطار قبل الصلوة ولو لم يأكل قبلها لا يأثم ولو لم يأكل في يومه ذلك ربما يعاقب. اهـ. وقال العارف الجامي في شرح مختصر الوقاية تحت قول الماتن، وندب يوم الفطر أن يأكل الخ. مستحب است روز عید رمضان کہ افطار کند پیش از نماز عید اھ۔

اب اس کے بعد مزید ضرورت باقی نہیں رہتی ہے اس لئے کہ جب فقہاء اور محدثین سبھی کے یہاں اس

اکل پر افطار کا اطلاق جائز ہے تو اس کے جواز پر کیا تردد ہوسکتا ہے لیکن مزید برآں یہ ہے کہ احادیث میں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے جیسا کہ وجہ ثالث میں آرہا ہے چاہئے تو یہی تھا کہ صرف روایت نقل کردیتے اس کے بعد کسی امر کی بھی ضرورت نہیں رہتی ہے مگر ہم کو یہ دکھلانا مقصود ہے کہ سبھی مسالک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

ثالثا: اس وجہ سے بھی کہ یہ لفظ بعض احادیث میں وارد ہے قال ابن ابی شیبة (۲/۱۶۰): حدثنا هشيم بن بشير أنا محمد بن إسحاق عن حفص بن عبيد الله بن أنس عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ يفطر يوم الفطر على تمرات، ثم يغدو. وأخرجه الترمذي (ص: ۷۱) من طريق هشيم بلفظ "كان يفطر على تمرات، يوم الفطر قبل أن يخرج إلىٰ المصلىٰ" وقال هذا حديث حسن صحيح غريب.

وأخرج الإمام أحمد في مسنده (۲۸/۳) قال: حدثنا زكريا بن عدي أنا عبيد الله عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري قال: كان رسول الله ﷺ يفطر يوم الفطر قبل أن يخرج وكان لايصلى قبل الصلوة، فإذا قضىٰ صلوته صلى ركعتين، وهذا الحديث عزاه الشوكاني في النيل (۲۴۵/۳) بهذااللفظ إلى أحمد والبزار وأبي يعلى والطبراني قال العراقي: إسناده جيد.

ان دونوں روایتوں میں بھی اکل یوم الفطر پر افطار کا اطلاق نفس روایت میں وارد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ صحابی کا قول ہے اور دونوں حدیثوں کے بعض طرق میں اکل یا طعم کا لفظ بجائے فطر کے وارد ہونا ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہے اس لئے کہ ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال دونوں کے جواز کی دلیل ہے اب اس کے بعد کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں ہے فليس وراء عباد ان قرية. واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۱/ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

محدثین کے نزدیک ''رکاکت'' کا مطلب

سوال: رکاکت کا کیا مطلب ہے محدثین اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟

از: مولانا احرار الحق صاحب فیض آبادی

جواب: رکاکت کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں کلام نبوت کی بلاغت وجزالت نہ ہو حافظ سخاوی شرح

الفیۃ میں رکاکت کی تفسیر فرماتے ہیں: (ص:۱۱۳) أي الضعف من قوة فصاحته ﷺ في اللفظ والمعنى معاً، مثل ما يروى في وفاة النبي ﷺ وكذا في أحدهما ولكنه في اللفظ مقيد بما إذا صرح بأنه لفظ الشارع، ولم يحصل التصرف بالمعنى في نقله، لاسيما إن كان لا وجه له في الإعراب، وقد روي الخطيب وغيره من طريق الربيع بن خثيم التابعي الجليل قال: إن للحديث ضوءاً كضوء النهار يعرف، وظلمة كظلمة الليل تنكر ونحوه قول ابن الجوزي الحديث المنكر يقشعر منه جلد طالب العلم، وينفر منه قلبه في الغالب، وعني بذلک الممارس لألفاظ الشارع الخبير بها وبرونقها وبهجتها، ولذا قال ابن دقيق العيد، وكثيراً مايحكمون بذلک أي بالوضع باعتبار أمور ترجع إلى المروي والفاظ الحديث، وحاصله يرجع إلى أنه حصلت لهم لكثرة محاولة ألفاظ النبي ﷺ هيئة نفسانية وملكة قوية يعرفون بها مايجوز أن يكون من الفاظ النبوة وما لايجوز. انتهى.

والركة في المعنى كأن يكون مخالفاً للعقل ضروة أواستدلالاً، ولا يقبل تأويلا بحال نحو الأخبار عن الجمع بين الضدين و عن نفي الصانع وقدم الأجسام وما أشبه ذلک، لأنه لا يجوز أن يروي الشرع بما ينافي مقتضى العقل.

حدیث موضوع کی ایک علامت

قال ابن الجوزي: وكل حديث رأيته يخالف العقول أو يناقض الأصول، فاعلم! أنه موضوع، فلا يتكلف اعتباره أي لا تعتبر رواته ولا تنظر في جرحهم، أو يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة أو مبايناً لنص الكتاب والسنة المتواترة أوالإجماع القطعي، حيث لا يقبل شيء من ذلک التأويل، أو يتضمن الإفراط بالوعيد الشديد على الأمر اليسير وبالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود في حديث القصاص والطريقة ومن ركة المعنى "لا تأكل القرعة حتى تذبحوها" ولذا جعل بعضهم ذلک دليلاً على كذب راويه. إنتہیٰ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

''صلوۃ الاوابین'' کی تحقیق

صلوۃ الاوابین کے مصداق میں اقوال اربعۃ

سوال: ''صلوٰۃ الأوابین حین ترمض الفصال'' ۔کس کتاب میں ہے۔اوراگر یہ حدیث ثابت ہےتو رکعات ستہ بعد مغرب کو(مغرب کے بعد چھ رکعات کو) اوابین کہنا صحیح ہے یا نہیں اوراگر صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟اوّابین کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد!

پہلاقول:

صلوٰۃ الاوابین کی تفسیر میں علماء کے دوقول مشہور ہیں اول صلوٰۃ الضحیٰ ثانی نوافل فیمابین العشائین.

قول اوّل متعدداحادیث سے ثابت ہے۔

فأخرج الإمام أحمد و مسلم ۱/۲۵۷ عن زيد بن أرقم رأى قوماً يصلون من الضحى فقال، أما لقد علموا أن الصلوة في غير هذه الساعة أفضل، إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوة الأوابين حين ترمض الفصال، وفي لفظ ''حين رمضت الفصال''.

وأخرج عبد بن حميد وسمويه عن عبد الله بن أبي أوفى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''صلوة الأوابين حين ترمض الفصال''. كذا في الحاوي ۱/۴۳.

وأخرج حمزة بن يوسف السهمي في تاريخ جرجان والبيهقي في الشعب (۴۲۷/۶) في الحادي والستين، والثعلبي من طرق اليسع بن زيد القرشي عن سفيان بن عيينه عن حميد الطويل عن أنس بن مالک، قال: ''خدمت النبي صلى الله عليه وسلم فما قال لي لشيء فعلته 'لم فعلته؟' ولا قال لشيء كسرته لم كسرته؟ وكنت واقفاً على رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم أصبُّ على يديه الماء فرفع رأسه إلى فقال يا أنس بن مالک! هل أعلمک ثلاث خصال تنفع بهن؟ فقلت: بأبي أنت وأمي يا رسول الله صلى الله عليه وسلم بلى! فقال لي: من لقيت من أمتي فسلم

عليهم يطل عمرک، وإذا دخلت إلى بيتک فسلّم عليهم يكثر خير بيتک، صلّ صلوة الضحى فإنها صلوة الأبرار الأوابين".

هٰكذا عزا الحافظ ابن حجر في تخريج الكشاف (ص ١٢٠)ولكن لم أر لفظ "الأوابين" في تاريخ جرجان فإنه أخرجه في ترجمة اليسع وليس هذا اللفظ هناک وليس هذا اللفظ فی شعب الإيمان أيضاً۔

ثم قال الحافظ ابن حجر: اليسع آخر من زعم أنّه سمع من ابن عيينة، مات بعد الثمانين والمئتين وهو واهي الحديث.

قال الحافظ بن حجر: وأصل الحديث دون القصة التي فيه في الصحيح من حديث أنس بن مالک وباقيه مروي عن أنس من أوجه.

منها: ما رواه البزار من طريق عويد بن أبي عمران الجونی عن أبيه عن أنسؓ قال: "أوصاني النبي صلى الله عليه وسلم بخمس خصال، قال: أسبغ الوضوء يزد في عمرک، وسلّم على من لقيت من أمتي تكثر حسناتک، وإذا دخلت بيتک فسلم على أهلک يكثر خير بيتک، وصلّ صلوة الضحى فإنها صلوة الأوابين، وارحم الصغير تكن من رفاقي".

وعويد قال ابن حبان: "يروى من أبيه ما ليس من حديثه" ورواه أبو يعلى من رواية عمرو بن أبي خليفة عن ضرار بن عمرو عن أنسؓ وإسناده ضعيف جداً.

وكذا رواه الطبراني في الصغير (ص: ١٦٨) من رواية عمرو بن دينار عن أنس والراوي عنه ساقط ورواه العقيلي من رواية الفضل بن العباس عن ثابت عن أنس، والفضل مجهول، قال العقيلی مثله لم يتابعه عليه إلا من هو دونه أو مثله.

ورواهُ ابن عدي من طريق أزور بن غالب عن سليمان التيمی عن أنس قال ابن طاهر: أزور منكر الحديث وله طرق أخرىٰ عن أنس أشد ضعفاً من هٰذا انتهىٰ كلام الحافظ بن حجر.

وأخرج البخاري في التاريخ (ص:٣٦٦) والحاكم في المستدرک (١/٣٠٤) من طريق إسماعيل بن عبد الله بن زراره الرقي من خالد بن عبد الله الطحان عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحافظ علىٰ صلوٰة الضحى إلا أواب".

قال الحاكم: "هٰذا حديث صحيح على شرط مسلم" وأقرّه الذهبي، لكن قال المنذري رواه الطبراني وابن خزيمة في صحيحه، وقال: لم يتابع إسماعيل بن عبدالله يعني ابن زراره الرقي علىٰ اتصال هٰذا الخبر.

ورواه الدراوردى عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة مُرسلاً، رواه حماد بن سلمة عن محمد بن عمرو عن أبى سلمة قوله، انتهى كلام المنذري.

قلت: وصوّب البخاري أنه من قول أبي سلمة لكن قال الحاكم في جزء صلوة الضحىٰ في ما نقل عنه ابن القيم في الهدى (۹۳) هٰذا إسناد قد احتج بمثله مسلم بن الحجاج، وأنه حدث عن شيوخه عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ: ما أذن الله لشيء ما أذن لنبي يتغنىٰ بالقرآن. قال: ولعل قائلا يقول: قد أرسله حماد بن سلمة وعبد العزيز بن محمد الدراوردي عن محمد بن عمرو، فيقال له خالد بن عبدالله ثقة، والزيادة عن الثقة مقبولة، انتهىٰ كلام الحاكم.

وسكت عليه ابن القيم مع أن البخاري صوب أنه من قول أبي سلمة وقد تقدم، و أيضاً إسماعيل بن عبد الله الراوي عن خالد، وإن وثقة ابن حبان فقد قال فيه الأزدي: منكر الحديث. كما نقل عنه فى الميزان.

وأخرج ابن أبي شيبة عن أبي هريرة: "أوصاني خليلي ﷺ أن أصلي صلوٰة الضحىٰ فإنها صلوٰة الأوّابين". كذا فى الحاوى.

وأخرج زاهر بن طاهر في سداسياته بإسناد صحيح عن أنس مرفوعاً: "صل الصبح والضحىٰ فانها صلوٰة الضحىٰ" (من الجامع الصغير و شرحه للمناوي).

وأخرجه الديلمي في مسند الفردوس عن أبي هريرة بإسناد ضعيف مرفوعاً "صلوٰة الضحى صلوٰة الاوّابين" (من الجامع الصغير وشرحه للمناوي)

وأخرج ابن أبي شيبة في المصنف عن أبي رملة الأذدي عن علي أنه رآهم يصلوّن الضحى عند طلوع الشمس فقال: "هلا تركوها حتى إذا كانت الشمس قيد رمحين صلوها فتلك صلوة الأوابين" كذا في الحاوي.

وأخـرجه ابن جرير في تهذيب الآثار كما في منتخب الكنز (۱۲/۳) بلفظ عن أبی رملة قال: ”خرج علي فقال أين الـناس؟ قالوا: في المسجد من بين قائم يصلي وقاعد، فقال نحرهم الله، ألا تركوها حتى تكون قيد رُمح أو رمحين ثم صلوا ركعتين فتلك صلوة الأوابين“.

دوسرا قول

یعنیٰ ”صلوة الأوابـين نوافـل فيما بين العشائين“ کو کہتے ہیں۔

یہ قول بعض مراسیل وآثار واقوال صحابہؓ سے ثابت ہے:

فـأخـرج بـن الـمبارک فـي الـرقـائـق كما في تخريج الإحياء للعراقي (ص: ۱۷۷)، ومـحمد بن نصر المروزي كما في الإتحاف وشرح النقاية للقاري عن محمد بن المنكدر قال: قال رسول الله ﷺ: ”من صلى بين المغرب والعشاء فإنها صلوٰة الأوابين“.

وقـال الـبغـوي فـي تـفسيـره وروى عـن ابـن عباس قال: إن الملائكة لتحفّ بالذين يصلون بين المغرب والعشاء وهي صلوة الأوابين.

وأخـرج البيهقي (۱۹/۳) مـن طـريـق ابـن لهيـعة قال: وقال أبو عُقيل زهرة بن معبد سـمـعـت ابـن الـمـنـكدر وأبا حازم يقولان ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾: هي ما بين المغرب وصلوة العشاء صلوة الأوابين.

قال ابن الهمام: واعلم أنه ندب إلى ستّ بعد المغرب لما روى ابن عمر أنه صلى الله عـليـه وسـلم قال: ”من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين، وتلا قوله تعالى ﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾“.

قـلـت: وهـذا الـحـديـث الـذي ذكره ابن الهمام عن ابن عمر مرفوعاً لم أجده، ولا ذكره أحد من المفسرين كابن جرير وابن كثير والسيوطي والآلوسي والشوكاني وغيرهم في تفسير الآية، والله أعلم.

وفـي الـمـرقـاة قال ابن الملک عن ابن عباس: الصلوة بين المغرب والعشاء صلوة الأوابين.

قـال ابـن حـجـر: وفيهـا حـديث آخر وهو ”أنه صلى الله عليه وسلم يصليها عشرين

ویقول: هذه صلوة الأوابین فمن صلاها غفر له'' انتهی.

قلت: لم أجد هذا الحدیث، ولا ذکره من جمع هدي النبي صلی الله علیه وسلم کابن القیم والعسقلاني والزرقاني وغرهم، والله أعلم.

اس کے علاوہ بکثرت احادیث نوافل فیما بین العشائین کی فضیلت میں وارد ہیں اور صوفیاومحدثین نے احیاء ما بین العشائین کا مستقل عنوان قائم فرمایا ہے اگر نوافل کا صلوٰۃ الاوابین ہونا ثابت ہوجائے تو وہ ساری احادیث جس میں نوافل فیما بین العشائین کا ذکر ہے اس میں داخل ہوجائیں گی۔ حضرت حافظ ابن کثیرؒ نے جہاں ''وإنه کان للأوابین غفورا'' کی تفسیر میں بہت سارے اقوال نقل فرمائے ہیں وہیں یہ دونوں مذکورہ بالا اقوال بھی ذکر فرمائے ہیں لکھتے ہیں:

قال بعضهم: هم الذین یصلون بین العشائین، وقال بعضهم: هم الذین یصلون الضحی.

صلوۃ الاوابین کے مصداق میں تیسرا قول

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ ''صلوٰۃ الأوابین رکعتین قبل الظهرین'' حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

أخرج محمد بن نصر في کتاب الصلوٰۃ.

قال: یقال ''صلوٰۃ الأوّابین صلوٰۃ المنیبین وصلوٰۃ التوابین'' فصلوٰۃ الأوابین رکعتان قبل الظهر، وصلوٰۃ المنیبین الضحیٰ وصلوٰۃ التوابین رکعتان قبل المغرب''. کذا في الحاوي ۱/۴۷.

ہمارے فقہاء عامہ نے اوابین کے مصداق میں: رکعات ستہ بعد المغرب ہی ذکر فرمایا ہے مگر روایات کے پیش نظر صلوٰۃ الضحیٰ کا اوابین ہونا راجح معلوم ہوتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ساری ہی نماز صلوٰۃ الاوابین کا مصداق ہوں اس لیے کہ اوّاب صیغہ مبالغہ ہے اوب سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنے کے آتے ہیں اور یہ معنی تینوں ہی نمازوں پر صادق آتے ہیں صلوٰۃ الضحیٰ پر تو اس لیے کہ یہ لوگوں کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کا وقت ہے لیکن اوابین یعنی ''راجعین إلی الله تعالیٰ بالتوبة والإنابة'' اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی طاعت وعبادت میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اور رکعات فیما بین العشائین پر اس لئے کہ یہ راحت وآرام اور کھانے پینے کا وقت ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

یہی بات تقریبا رکعتین قبل الظهر میں بھی پائی جاتی ہے۔اس لیے کہ وہ وقت قیلولہ اور استراحت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

چوتھا قول

ان سب کے لکھ لینے کے بعد ایک چوتھا قول بھی معلوم ہوا، وہ یہ کہ ”صلوٰة الأوابين ركعتين عند دخول البيت وعند الخروج منه“ کو کہتے ہیں۔ ففي الجامع الصغير وشرحه للمناوي ”صلوٰة الأوابين وصلوٰة الأبرار ركعتان إذا دخلت بيتك وركعتان إذا خرجت“ أخرجه ابن المبارك عن عثمان ابن أبي الأسود مرسلاً انتهىٰ۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

صلوۃ الاوابین کے مصداق کے متعلق بحث کا تتمہ

اقوال متعارضہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا مطلب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه و بارك وسلم.

آپ کا مکتوب ملا، ناشکری کے انداز والفاظ سے آپ کا شکریہ پہنچا، جس نے

ع درشتی ونرمی بہم در بہ است

کا مزہ دیا، آپ نے لکھا ہے کہ تمہارے مکتوب میں اشکال کی توضیح اور طرفین کے اقوال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، حالانکہ ضرورت فیصلہ اور ترجیح القوی علی الضعیف کی ہے۔ اھ، ملخصاً

محترم! اقوال متعارضہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہہ دیا جائے تو یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ دلائل سے ایک کی صحت اور دوسرے کا خطا ہونا واضح ہو جائے اور یہ صورت یہاں ممکن نہیں آخر ایک جماعت علماء کی صلوٰۃ الضحیٰ کو صلوٰۃ الاوابین کا مصداق ٹھہراتی ہے، اور دلائل المذکورہ فی المکتوب السابق انکا مستدل ہیں، اور دوسری جماعت رکعات فی ما بین العشائین کو مصداق صلوٰۃ الاوابین قرار دیتی ہے، اور ان کی دلیل محمد بن المنکدر کی حدیث مرسل ہے اور مراسیل جمہور کے نزدیک

قابل احتجاج ہیں، لہٰذا جب ان کے ہاتھوں میں ایک شیئ قابل اعتماد ہے گو پہلے کے بنسبت کمزور ہی سہی تو بالکلیہ غلط کیسے کہہ سکتے ہیں، رہ گیا صرف نفس دلیل کے اعتبار سے رجحان تو میں اس کو مکتوب سابق میں بھی لکھ چکا ہوں، اور اگر ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ ایک کو قوی دوسرے کو ضعیف قرار دیا جائے جیسا کہ آپ کی عبارت سے ظاہر ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ضعیف کا بالکل اعتبار نہ ہو اور متروک ہو جائے تو یہ تو عملاً شق اول میں داخل ہو گیا اور اگر اعتبار کیا جائے جیسا کہ ضابطہ کا تقاضہ ہے تو پھر جمع کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

ترجیح کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟

اس کے بعد یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ترجیح وغیرہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں جمع ناممکن ہو اور یہاں ممکن ہے لہٰذا کیا اشکال ہے علاوہ ازیں میں مکتوب سابق میں لکھ چکا ہوں کہ از روئے دلیل صلوٰۃ الضحیٰ ہی راجح معلوم ہوتی ہے، غالباً آپ نے اس پر غور نہیں کیا محض سرسری طور سے طالب علمانہ انداز میں دیکھ لیا جس کی وجہ سے توضیح اقوال طرفین کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئی بندہ نے جو جمع کی صورت میں لکھی ہے اگر تلاش کریں گے تو اکابر کے یہاں بھی مل جائے گی، رہ گیا ہمارے بعض مشائخ سے جو صرف صلوٰۃ الضحیٰ ہی کا اوابین ہونا منقول ہے تو دوسرے مشائخ نے اس پر کلام کیا ہے اس کے بعد میں اپنے مکتوب سابق کی بات پھر دہراتا ہوں کہ صلوٰۃ الضحیٰ دلائل کے پیش نظر صلوٰۃ الاوابین ہونے کے زیادہ لائق ہے:

قال الشيخ شهاب الدين القليوبي الشافعي في حاشية شرح المنهاج للمحلي (۱/۲۱٤): صلوٰة الضحىٰ هي صلوٰة الأوابين وصلوٰة الإشراق على المعتمد عند شيخنا الرملي وشيخنا الزيادي وقيل: "كذا في الإحياء وإنهاصلوٰة ركعتين عند ارتفاع الشمس انتهىٰ". والله أعلم بالصواب . بندہ محمد یونس عفی عنہ

ابوداؤد شریف کی ایک روایت کا مطلب

ولاء میں میراث جاری ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

مکرم محترم مدفیوضکم وعافاکم وسلمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

بذل رابع ص۱۱۲۔ إن رياب بن حذيفه إلخ اس حدیث سے کیا مسئلہ ثابت ہوا، حدیث جمہور کے خلاف ہے یا موافق جمہور کیا فرماتے ہیں فقط والسلام.

بینوا وتوجروا. ان شاءاللہ آپ کے یہاں اس پر کچھ لکھا ہوا ہوگا۔

جزاکم اللہ خیرالجزاء

محمد عاقل غفرلہ ۶/رجب ۹۸ھ

جواب: مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے عصبة الابن کے لئے ولاء کا فیصلہ کیا لیکن یہ اگرچہ امام احمد کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے مگر ائمہ ثلٰثہ اور خود امام احمد کے راجح مذہب کے خلاف ہے۔ ولاء میں حدیث ”الولاء لحمة كلحمة النسب لايباع ولا يورث“ کی وجہ سے میراث جاری نہیں ہوتی ہے۔ اور ولاء کے مستحق عصبة الأم یعنی اس کے بھائی مستحق ہوں گے، اور ابوداؤد کی روایت میں بظاہر عمرو بن شعیب کو وہم ہوگیا: كما أشار إليه أبو داؤد ناقلاً عن حميد قال: ”الناس يتهمون عمرو بن شعيب“ (أى ينسبونه الىٰ الوهم والغلط) في هذا لحديث قال أبوداؤد وروى عن أبي بكر وعمر وعثمان خلاف هذا إلا أنه روى عن علي بن أبي طالب بمثل هذا. انتهىٰ.

لیکن حضرت علیؓ سے جمہور کے موافق بھی نقل کیا گیا ہے اور امام احمد کے توریث ولاء کی جو روایت نقل کی جاتی ہے بظاہر ناقلین کا وہم ہے كما يستفاد من المغنى ۲٤٤/۷ وأصل المسئلة في المغني ۷/ ۲۷۰ ثم رأيت شيخنا ذكر هذه المسئلة في الأوجز ٥۰۸/٤ حاكياً عن المغني فليراجع.

محمد یونس عفی عنہ

ترمذی شریف کی ایک حدیث کی تشریح

حدیث پاک میں امانت کا مفہوم ومصداق

سوال: ایک ضروری بات یہ ہے کہ ترمذی شریف ۲/ ۴۱ پر باب ما جاء في رفع الأمانة کے تحت حضرت حذیفہ کی روایت ہے امانت ورفع امانت سے متعلق احقر کو اس حدیث پر شراح کے کلام سے اپنی نااہلی کی وجہ سے تشفی نہیں ہورہی ہے، اگر جناب والا امانت کے مصداق اور حدیث پر صحابی کیا کہنا چاہتے ہیں خصوصا حدیث کا آخری جملہ حتی یقال للرجل ما أجلده الخ، اور ولقد أتی علی زمان الخ کا ایک خلاصہ چند سطروں میں ارقام فرمائیں تو کرم ہوگا۔

عبدالغفار بستوی

جواب: آپ اپنے سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے ایک بات بطور تمہید کے ذہن نشیں کرلیجئے کہ امانت خیانت کی ضد ہے اس کی اصل امن ہے جو سکون قلب، اطمینان وبے خوفی کے لیے بولا جاتا ہے اور یہی امن ایمان کی اصل بھی ہے اسی کی تصدیق کرتے ہیں، جس پر اطمینان ہو غلط بیانی کا خوف نہ ہو اور ایمان لانے والا بھی اپنے ایمان سے مومن بہ کو بے خوف کردیتا ہے اور یہ ایمان کے لیے نہایت لازم ہے، آدمی جتنا ایماندار ہوتا ہے اتنا ہی امانت دار ہوتا ہے۔ اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں امانت سے ایمان اور اس کا لازم دونوں مراد ہیں اور امانت سے مراد وہ فطری ایمان ومعرفت ہے جو عہد الست کے وقت انسان میں ودیعت ہوا یہی ان الأمانة نزلت في جذر قلوب الرجال کا مطلب ہے یعنی اللہ نے اس کی فطرت میں اس کو ودیعت فرمادیا پھر اس فطری ایمان کو جلا ونمو ایمان کسبی، ایمان بالقرآن والسنۃ سے ملا یہی ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنة کا حاصل ہے پھر اس ایمان میں رفتہ رفتہ کمی آئے گی اس کے ساتھ اس کے لازم یعنی امانت میں کمی آئی گی۔ اب آگے زوال امانت ہی کی صورت بیان کرتے ہیں کہ پہلے امانت زائل ہوگی لیکن بالکلیہ زوال نہ ہوگا کچھ اثر رہ جائے گا پھر دوبارہ بالکلیہ زوال ہوجائے گا امانت کی حقیقت تو ختم ہوجائے گی صرف نام نام رہ جائے گا اسی کو ینام الرجل النومة فتقبض الأمانة سے بیان فرماتے ہیں اور ویبقی أثرها مثل المجل سے یہ بتایا ہے کہ جیسے چھالہ نظر تو بہت آتا ہے لیکن اندر کچھ نہیں ہوتا اسی طرح آدمی کی امانت داری کا نام تو رہے گا حقیقت باقی نہ ہوگی آگے ما اعقله ما اظرفه سے اسی کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ

آدمی کی عقل وفہم وقوت فی الدین کا شہرہ تو ہوگا لیکن اس کے دل میں ذرہ برابر امانت نہ ہوگی لقد أتی علی زمان کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ میں کسی معاملہ مثلاً بیع وشراء کرنے میں اپنے مال کے ضیاع کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا ہر شخص سے اس اطمینان پر معاملہ کرلیا کرتا تھا کہ اگر صاحب معاملہ مسلمان ہے تو اس کا ایمان خود ہمارا مال دلادے گا اور اگر نصرانی یعنی ذمی ہے تو حاکم کے ذریعہ حاصل ہوجائے گا۔اور اب تو سوائے چند معین لوگوں کے کسی سے معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۲۹/۴/۱۴۱۰ھ

آداب مباشرت

وطی کرنے کا طریقہ جو حدیث پاک سے مستفاد ہے

سوال: حضرت شیخ مدظلہ نے رمضان کی آخری تاریخ چاندرات میں ایک حدیث بیان فرمائی تھی اور اس سے ہمبستری کا طریقہ بیان فرمایا تھا اس کی تفصیل کیا ہے اور وہ حدیث شریف کیا ہے؟

ایس صدیقی

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم محترم زید مجدکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے:إذا جلس بین شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل یہ حدیث بخاری شریف اور اسی طرح دیگر کتب حدیث میں مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کی شعب اربع کے درمیان بیٹھ کر اس کو مشقت میں ڈالے یعنی اس سے ہمبستری کرے تو غسل واجب ہوجائے گا۔اصل غرض حدیث پاک کی تو یہ ہے کہ اگر إدخال الذکر في الفرج پایا گیا تو غسل واجب ہوجائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔چنانچہ مسلم شریف میں وإن لم ینزل یعنی اگرچہ انزال نہ ہو بھی اس حدیث کے آخر میں موجود ہے۔

شعب اربع کی تفسیر میں شراح حدیث نے مختلف اقوال بیان فرمائے ہیں بعض کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مراد ہیں،بعض کہتے ہیں کہ دونوں ٹانگیں اور دونوں رانیں مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فرج یعنی شرمگاہ کے اطراف اربع مراد ہیں اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ

مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے دونوں ٹانگیں اور دونوں سرین مراد ہیں حضرت شیخ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے یعنی بات تو بہت مختصر مگر بہت سے معانی کیلئے جامع ہوتی تھی تو اگرچہ اس حدیث کی غرض اصلی تو مسئلہ اولی ہی کو بیان کرنا ہے مگر آپ نے بطور اشارہ کے اس حدیث پاک میں وطی کا طریقہ تعلیم فرمادیا کہ وطی عورت کی دونوں ٹانگوں اور دونوں سرین کے بیچ میں بیٹھ کر ہوتی ہے اور جب آدمی اس طرح وطی کرے گا تو بالضرور اسکی ٹانگوں کو اٹھا کر وطی کریگا اس میں ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ جانبین کو لذت آئے گی نہ صرف خاوند کو۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اتفاق سے کسی کا آلہ تناسل کچھ چھوٹا بھی ہوا تو کام چل جائے گا اس لئے کہ جب ٹانگیں اٹھائے تو عورت کی بچہ دانی اوپر کو ہوجائے گی اور تیسرا بڑا اہم فائدہ یہ ہے کہ عورت کی بچہ دانی منکوس ہے یعنی نیچے کی جانب الٹی جھکی ہوتی ہے تو جب ٹانگیں اٹھا کر مباشرت کرے گا تو اس کا منہ سامنے ہوجائے گا اور آلہ تناسل سیدھا اس میں داخل ہوجائے گا تو انزال اندر ہوگا منی ضائع نہ ہوگی اور استقرار حمل میں سہولت ہوگی۔ بارہا حضرت سے یہ مضمون مختلف مجالس درس وغیرہ میں سننے کا اتفاق ہوا ہے جس کا ماحصل جس قدر یاد تھا پیش کردیا گیا۔

والسلام

بندہ محمد یونس

۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

الترغیب والترہیب کی ایک حدیث پاک کے بعض الفاظ کی تحقیق

سوال: ترغیب وترہیب الترغيب في الشهادة (ابواب الجهاد) کی گیارہویں حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ایک لفظ مقصوصة ہے۔

ترغیب کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے ایک نسخہ میں حاشیہ پر ہے، الظاهر مضرجة یہ روایت مجمع الزوائد میں ہونی چاہئے تھی مگر نہ جہاد میں ہے نہ مناقب میں البتہ مناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری طویل روایت میں یہی ٹکڑا آیا ہے وہاں مخضوبة ہے۔

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ في الأصل معصوصة یعنی مصحح نے معصوصة کو بے معنی سمجھ کر مخضوبة بنادیا ہے اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) ان میں درست کیا ہے؟ میرا رجحان مخضوبة کی طرف ہے لیکن کیا متن میں بدل دیا جائے یا

حاشیہ میں تنبیہ کر دیں؟

(ب) یہ روایت اگر آپ کو مجمع الزوائد میں مل جائے تو ذرا جلد وصفحہ لکھئے یا کہیں اور مل سکے تو لکھئے،

(ج) آپ کے پاس جو نسخہ ہے اس میں یہ لفظ کس طرح ہے؟ اور وہ نسخہ کونسا یعنی مطبع اور سن کتابت کے ساتھ تحریر فرمائیے۔

جزاک اللہ تعالیٰ عنی وعن العلم خیراً

مولانا عبداللہ دہلوی ۲۴ر ستمبر ۱۹۷۷ء

جواب: میرے سامنے ترغیب وترہیب کا وہ نسخہ ہے جو حسین آفندی شرف کے مطبع العامرہ الشرفیہ میں ۱۳۲۴ھ میں احمد باجی الجمالی اور محمد امین الخانجی کے خرچ پر چھپا اس میں ۹/ ۲۴۹ پوری حدیث اس طرح مذکور ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”رأيت جعفر بن أبي طالب ملكا يطير في الجنة ذاجنا حين يطير منهما حيث شاء مضرجة قوادمه بالدماء“.

رواه الطبراني باسنادين: إحدهما حسن بایں لفظ یہ روایت بحوالہ طبرانی اور کہیں نہیں ملی اندازہ یہ ہے کہ یہ اسی روایت طویلہ کا ایک ٹکڑا ہے جو حافظ نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں ۹/ ۲۷۳ مناقب میں ذکر فرمائی ہے لیکن اس کے مرفوع ہونے پر طبیعت کو انشراح نہیں ہو پاتا، بظاہر مجمع کی روایت طویلہ میں فاستبان للناس إلى آخره جس میں وہ ٹکڑا واقع ہے ابن عباس کا یا اسماء بنت عمیس کا مقولہ ہے واللہ اعلم۔

مضرجة اور مخضوبة دونوں درست ہیں مجمع کے حاشیہ میں جو مصحف لفظ دیا گیا ہے اس سے مخضوبہ ہی اقرب معلوم ہوتا ہے خیال یہ ہے کہ اصل میں درست لکھئے اور حاشیہ پر تنبیہ کر دیجئے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۱۲ر شوال المکرّم ۱۳۹۷ھ

حدیث پاک میں صوم رمضان کو حج پر کیوں مؤخر کیا جب کہ اس کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے؟

سوال:۔ عرض ضروری اینکہ مشکوٰۃ شریف کی تیسری حدیث (وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال

قال رسول الله ﷺ : ’’بُنـی الإسـلام عـلـی خـمـس شهادة أن لا إله إلا اللّٰه و أن محمدا عبده ورسـولـه و إقـام الصلوة و إيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان متفق عليه میں صوم رمضان‘‘ کوحج سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے جبکہ روزے کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے اور فقہ کی کتابوں میں بھی صوم کو زکوٰۃ اور حج کے درمیان بیان کیا گیا ہے امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

فقط والسلام العارض محمد عبداللہ پورنوی ۷۹/۴/۲۷ء

جواب :- مکرم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ابن عمر کی یہ حدیث دوطرح مروی ہے ایک بتقدیم صوم رمضان على الحج دوسرے بالعکس دوسری صورت متفق علیہ ہے پہلی افراد مسلم میں سے ہے بظاہر پہلی روایت تصرف راوی ہے اس نے تقدیم وتاخیر میں کوئی فرق خاص نہیں سمجھا ہے لیکن فہم راوی دوسرے پر حجت نہیں ہے یہاں تین وجہ سے صوم مستحق تقدیم ہے اول تو اس لئے کہ صوم کی فرضیت حج کی فرضیت سے مقدم ہے اور دوسرے صوم عبادت بدنی ہے اور حج عبادت بدنی و مالی سے مرکب ہے تو صوم کا درجہ مفرد جیسا ہے اور حج کا مرکب جیسا، والمفرد مقدم علی المرکب، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں یہ وارد ہے کہ جب ابن عمر نے حدیث بیان کی اور وصیام رمضان والحج ذکر کیا تو ایک شاگرد نے روایت دہراتے ہوئے والحج وصیام رمضان کہہ دیا حضرت ابن عمر نے فرمایا: لا صيام رمضان والحج هكذا سمعته من رسول الله ﷺ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ابوعوانہ کی روایت میں اس کا عکس واقع ہوا ہے یعنی بتقدیم الحج علی رمضان اور شاگرد نے دہرایا تو صوم کو مقدم کر دیا تو ابن عمر نے فرمایا اجعل صيام رمضان آخر هن كما سمعت من في رسول الله ﷺ اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں لا يقاوم هذا لرواية ما رواه مسلم واللّٰه أعلم اور فقہائے کرام نے صوم رمضان کو مقدم فرمایا ہے اور یہی عامہ محدثین کا طرز ہے لیکن بعض صوم کو حج سے مؤخر ذکر کرتے ہیں جیسے امام بخاری اس لئے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج عبادات فعلیہ ہیں اور صوم عبادت ترکیہ ہے اور فعل ترک سے مقدم ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۵/ج۲ - ۱۳۹۹ھ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کی تشریح

سوال: عن النزال بن سبرة قال: قتل رجل من المسلمين رجلاً من العباد، فذهب أخوه إلیٰ عمر، فكتب عمر أن يقتل، فجعلوا يقولون اقتل حنين فيقول حتى يجيئى الغيظ قال فكتب عمر أن يؤدى ولا يقتل. (طحاوی شریف ۹۵/۲۴، رحیمیہ)

اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

جواب: رجل من العباد سے مراد ذمی ہے اور ذمی پر عبد کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت ہوتے ہیں جیسے غلام آقا کا ماتحت ہوتا ہے اور صحیح أقتل حنين ہے جیسا کہ حاشیہ کا نسخہ ہے یہ ولی المقتول کا نام ہے اثر کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا اس کے بھائی نے حضرت عمر کے یہاں مقدمہ دائر کیا حضرت عمرؓ نے عامل کو خط لکھا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے لوگوں نے ولی دم حنین سے کہنا شروع کیا اقتل اس نے کہا حتى يجئى الغيظ یعنی جب غصہ آ جائے گا تب قتل کروں گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے رویہ سے اس کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تھا اسکے بعد حضرت عمر نے دوسرا خط عامل کو لکھا کہ مقتول کی دیت ادا کر دی جائے اور قاتل کو قتل نہ کیا جائے، امام طحاوی اس فرمان ثانی کی علت یہ بتاتے ہیں کہ جب ولی الدم نے قتل سے توقف کیا تو حضرت عمر کی رائے بدل گئی اور انہیں قتل کے عمد ہونے میں شک ہو گیا اس لئے قتل کی ممانعت کی اور دیت کا حکم دے دیا لیکن یہ اثر مختصر ہے مفصل اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرۃ کا قصہ ہے حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم کو اولاً قاتل کے قتل کا فرمان لکھا اور پھر دیت کا، چنانچہ امام شافعیؒ کتاب الأم (۳۲۱/۷) میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن الحسن: حدثنا أبو حنيفه عن حماد عن إبراهيم أن رجلاً من بني بكر بن وائل قتل رجلاً من أهل الحيرة، فكتب فيه عمر بن الخطاب – رضى الله تعالى عنه – أن يدفع إلى أولياء المقتول فإن شاؤا قتلوا، وإن شاؤا، عفوا، فدفع الرجل إلى ولي المقتول إلى رجل يقال له حنين من أهل الحيرة فقتله فكتب عمر بعد ذلك إن كان الرجل لم يقتل فلا تقتلوه فرأوا أن عمر أراد أن يرضيهم من الدية“.

ورواه البيهقي في المعرفة من طريق الشافعي أنبانا محمد بن الحسن الخ.

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۱۶/رجب ۱۴۰۲ھ

طحاوی شریف کی ایک حدیث کا مطلب

قال الطحاوي: حدثنا ابن مرزوق قال: حدثنا أبو عامر عن شعبة عن الحكم عن مجاهد ح وحدثنا ابن مرزوق قال: حدثنا أبو حذيفة عن سفيان وحبان عن حماد كليهما عن ابن أبي نجيح عن مجاهد "لكم فيها منافع إلى أجل مسمى" قال: في ظهورها وألبانها وأصوافها وأوبارها حتى تصير بدناً.

وحبان کس پر عطف ہے اور سند کی کیا صورت ہے؟

جناب حکیم محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جواب: احقر کے خیال میں حبان ابوحذیفہ پر عطف ہے تحویل کے بعد والی سند میں ابن مرزوق کے دو استاذ ہیں ابوحذیفہ النہدی اور حبان بن ہلال الباہلی البصری ابوحذیفہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں حبان بن ہلال حماد بن سلمہ سے اور سفیان ثوری و حماد بن سلمہ دونوں ابن ابی نجیح سے اب گویا ابن مرزوق کی تحویل کے بعد دو سندیں ہوگئیں۔ اور دونوں کی تصویر یوں ہوگی: ابن مرزوق ثنا أبو حذيفة عن سفيان عن ابن أبي نجيح عن مجاهد الخ: ابن مرزوق ثنا حبان عن حماد بن سلمة عن ابن أبي نجيح عن مجاهد الخ: حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابن ابی نجیح کے تلامذہ میں سفیان ثوری کو ذکر فرمایا ہے اور حماد بن سلمۃ کا تلمذ ابن ابی نجیح سے خود طحاوی کے اگلے اثر سے ثابت ہوتا ہے جو انہوں نے حجاج کے طریق سے ذکر کیا ہے صرف اتنا تامل رہ جاتا ہے کہ کلیہما کے بجائے کلاہما ہونا چاہئے تھا مگر اس طرح کا توسع محدثین کی عبارات میں ہوتا رہتا ہے۔ محمد یونس عفی عنہ

طحاوی شریف کے ایک اثر کی تشریح

مکرمی، محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (۱/۳۱۰ سطر ۲۵) حدثنا فهد إلى آخره کا حاصل سمجھ میں نہیں آیا خاص طور سے ورزقهم كل شهر الفرس عشرة دراهم الخ ۔ سے کیا فرما رہے ہیں ایسی روایت او جز (۳/۲۵۲) پر بھی ہے۔

الجواب: ۔مخدومی مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (۱/ ۲۶۱) اہل شام نے حضرت عمرؓ سے افراس وعبید کی زکوۃ لینے کی درخواست کی تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ سے پیشتر جو میرے دو بڑے یعنی نبی اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ گذرے ہیں انہوں نے اس کی زکوۃ نہیں لی ہے اس لئے میں مشورہ کر کے جواب دونگا صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا ''حسن'' یعنی اچھی بات ہے لے لینا چاہئے۔ حضرت علیؓ خاموش تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کیوں خاموش ہیں حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سب نے مشورہ دیدیا اور مناسب مشورہ دیا بشرطیکہ یہ صدقہ واجبہ اور جزیہ لازمہ نہ سمجھا جائے (کہ اگر نہ دیں تو) یؤخذون بها ان سے زبردستی مطالبہ کیا جائے حضرت عمرؓ نے اموال کے لحاظ سے صدقہ مقرر فرمادیا اور غلام اور گھوڑے کی زکوۃ دس دس درہم اور ہجین کی آٹھ اور برذون یا بغل کی پانچ پانچ درہم سال میں لینے کا حکم دے دیا اور بیت المال سے سب کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا اس کو رزقہم سے بیان کیا ہے گھوڑے کے لئے دس درہم ہجین کے لئے آٹھ اور بغل کے لئے پانچ درہم ماہانہ مقرر فرمادیئے اور غلام کے لئے دو جریب۔ امید ہے کہ اثر کا مطلب حل ہو جائے گا۔

محمد یونس عفی عنہ ۸؍ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

طحاوی شریف کی ایک اور روایت کی تحقیق

سوال: طحاوی (۱/ ۲۶۹) مطبوعہ رحیمیہ (ص: ۲۲۴) باب الرجل ینام الخ کی پہلی و دوسری روایت کیسی ہے اس پر کسی نے کلام کیا ہے یا نہیں یہ دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے یہ روایت کہاں کہاں ہے؟

(حضرت مفتی یحییٰ صاحب)

جواب: الحديث الأول أخرجه الطبراني في المعجم الكبير (٤/ ٢٧٧) حدثنا أحمد بن داؤد المكي ثنا قيس بن حفص الدارمي ثنا مسلمة بن علقمة المازني ثنا دواؤد بن أبي هند عن العباس بن عبد الرحمن مولى بني هاشم ثنا ذومخمر ابن أخي النجاشي قال: كنت مع رسول الله ﷺ في غزاة فسروا من الليل ماسروا، ثم نزلوا فأتاني رسول الله ﷺ فقال: ياذا مِخمَر قلت: لبيك يا رسول الله ﷺ وسعديك، فأخذ برأس ناقتي وقال: أقعد ههنا ولا تكونن لكاعاً الليلة، فأخذت برأس الناقة، فغلبتني عيناى فنمت وانسلت الناقة فذهبت فلم أستيقظ الا بحر الشمس، فأتاني النبي ﷺ فقال: ياذا مخمر قلت: لبيك يارسول الله

وسعديک قال: كنت والله الليلة لكع كما قلت فتنحينا عن ذلک المكان فصلى بنا رسول الله ﷺ فلما قضى الصلوة دعا أن ترد الناقة فجاء ت بها أعصار ريح تسوقها، فلما كان من الغد حين برق الفجر أمر بلالاً فأذن ثم أمره فأقام ثم صلى بنا فلما قضى الصلوة قال هذه صلوتنا بالأمس ثم ائتنف صلوة يومه" ذلک قال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱/ ۳۲۰) العباس بن عبد الرحمن روى عنه داؤد بن أبي هند ولم أر له راوياً غيره وروى هو عن جماعة من الصحابة .انتهى.

قال ابن حجر في تهذيب التهذيب(۵/ ۱۲۱): روى له أبوداؤد في المراسيل وفي كتاب القدر وقال في التقريب مستور من الثالثة، ومسلمة بن علقمة المازني صدوق له أوهام، قاله ابن حجر – قال أبوزرعة: يحدث عن داؤد أحاديث حسانا، وقال الساجي: روي عن داؤد بن أبي هند مناكير، قال العقيلي: له عن داؤد مناكير.

والحديث الثاني أخرجه أحمد (۵/ ۲۲) قال ثنا عفان ثنا همام أنا بشر بن حرب عن سمرة بن جندب قال أحسبه مرفوعاً "من نسي صلوة فليصلها حين يذكر ومن الغد للوقت" حدثنا يونس وسريج قال ثنا حماد عن بشرقال سمعت سمرة قال: "قال رسول الله مثله" بشر بن حرب قال الحافظ في التقريب صدوق فيه لين حضرت ذومخمر کی حدیث میں فلما كان من الغد حين بزغ الشمس، أمر بلالاً فأذن ثم أمره فأقام فصلى بنا الصلوة فلما قضى الصلوة قال هذه صلوتنا بالأمس ہے.

اس عبارت میں دو امر جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں ایک اگلے دن دوبارہ قضا کرنا اور دوسرے طلوع شمس کے بعد قضا کرنا امر ثانی امام طحاوی ہی کی روایت میں ہے اور طبرانی میں حین بزغ الشّمس کے بجائے حین برق الفجر ہے اور یہی محفوظ ہے اول تو اس لئے کہ اگر دوسرے دن بھی طلوع شمس کے بعد ادا کی جاتی ہے تو پہلے دن کی قضا اور دوسرے دن کی نماز میں کوئی فرق ہی نہ ہوتا اور دوسرے اس لئے کہ اس کے آگے طبرانی کی روایت میں ثم ائتنف صلوة يومه ذلک ہے اور دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ہی ہوگی اس کو بلاوجہ قضا کرکے پڑھے یہ جائز ہی نہیں ہے امر اول یعنی دوسرے دن دوبارہ قضا کرنا اس ایک حدیث کے علاوہ میری ناقص معلومات میں اور کسی روایت میں نہیں آیا، ہاں ایسے بعض الفاظ ضرور آئے ہیں جن سے دوسرے دن

مقضیہ کو دوبارہ وقت پر قضا کرنا معلوم ہوتا ہے ابوداؤد (۲۵۶/۱) میں ابوقتادہ کی حدیث میں جس میں لیلة التعریس کا ذکر ہے۔ ”فمن أدرک صلوة الغداة من غد صالحاً فليقض معها مثلها“ ہے۔ قال البيهقي في المعرفة: هكذا رواه خالد بن سمير“ ولم يتابع خالد على هذه الرواية وإنما الصحيح فيه فإذا كان من الغد فليصلها عند وقتها كما رواه مسلم (۲۳۹/۱) ولكن حمله خالد على الوهم وقد صرح في حديث عمران أينهاكم الله عن الربوا ويقبله منكم؟ قلت: حديث عمران أخرجه أحمد وابن خزيمه وابن حبان والطحاوي (۲۳۳/۱) والدار قطني (ص:۱۴۸ والحاكم ص: ۲۷۴ قال العلامه ابن حزم ۲۰۲/۳) يشكل هذا اللفظ ”من أدرک منكم من صلوة الغداة فليقض معها مثلها، وإذا تؤمل فلا إشكال فيه، لأن الضمير فى لغة العرب راجع إلى أقرب مذكور إلا بدليل فالضمير فى ”معها“ راجع إلى الغداة لا إلى الصلوة أى فليقض مع الغداة مثل هذه الصلوة التى يصلى بلا زيادة عليها اى فليؤد ماعليه مثل مافعل كل يوم فتتفق الألفاظ كلها على معنى واحد. انتهى.

بعض لوگوں نے مسلم کے لفظ ”فإن كان الغد فليصلها عند وقتها“ کا مطلب بھی دوبارہ پڑھنا لے لیا اور یہ کہا کہ یہ حکم استحبابی ہے ابوداؤد میں اسی حدیث میں ومن الغد للوقت ہے خطابی فرماتے ہیں (۲۵۲/۱) قوله: ”ومن الغد للوقت“ لا أعلم أحداً من الفقهاء قال بها وجوبا ويشبه أن يكون الأمر به استحباباً ليحرز فضيلة الوقت فى القضا.اھ۔

اسی طرح یہ توجیہ صاحب فیض القدیر نے ابن حبان سے نقل کی ہے لیکن مسلم وغیرہ کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز سو جانے یا بھول جانے سے چھوٹ جاوے تو یاد آنے پر پڑھ لے کیونکہ جس وقت یاد آیا ہے وہی فوت شدہ نماز کا وقت ہے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی قلت تامل کی وجہ سے یہ سمجھ لے کہ اب نماز کا وقت تبدیل ہوگیا اس لئے: ”فإذا كان الغد فليصلها عند وقتها“ کہہ کر یہ بتادیا کہ نماز کا وقت تبدیل نہیں ہوا اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو لفظ ہیں ایک مسلم کا یعنی فاذا كان الغد فليصلها عند وقتها یا اس کے ہم معنی جیسے ابوداؤد میں ابوقتادہ کی حدیث میں اور مسند احمد وطحاوی میں سمرہ کی روایت میں ومن الغد للوقت ہے اس سے بعض نے قضاء فائتہ کا تکرار مراد لیا کہ ایک اس وقت پڑھی جائے جب یاد آئی اور دوسرے دن وقت پر دوبارہ پڑھی جائے اور اس کو حکم استحبابی سمجھا اور مقصود قضاء میں بھی فضیلت وقت کا

حاصل کرنا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے صحیح مطلب یہ ہے کہ آج یاد آنے کے وقت پڑھنے کا حکم ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وقت بدل گیا بلکہ اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی دوسرالفظ ابوداؤد کا ہے: ''**من أدرک منکم صلوة الغداة من غد صالحا فلیقض معها مثلها**''۔ اس کے بارے میں تین رائیں ہیں اول تو یہ کہ یہ لفظ وہم ہے اصل مسلم کا لفظ ہے اور اس سے تکرار قضا نہیں ثابت ہوتا اور دوسرے یہ کہ یہ استحباب پر محمول ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**لم یقل أحد باستحباب ذلک بل عدوا الحدیث غلطا**'' اور تیسری رائے ابن حزم کی ہے ابوداؤد کا لفظ بھی صحیح المعنی ہے اور معها کے معنی **مع الغداة** ہیں ''**مع الصلوة**'' نہیں اور مطلب یہ ہے کہ صبح کے وقت وقت پر پڑھی جائے اور اس مضمون کی تیسری روایت طبرانی وطحاوی کی ہے ان دونوں میں دوبارہ قضا کرنا حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے طحاوی میں بعد طلوع الشمس اور طبرانی میں بعد طلوع الصبح یہی صواب ہے اور دوبارہ قضا کرنے کا ذکر سوائے اس حدیث کے نہیں ہے اگر ثابت مانا جائے تو یہ روایت استحباب پر حمل کی جائے گی کما ذکرہ الخطابی فی حدیث ابی داؤد، واللہ اعلم۔

محمد یونس علی عنہ ۱۸/۳/۱۴۰۳ھ یوم الثلثاء

تقریر بخاری شریف کی ایک عبارت پر شبہ اور اس کا حل

مولوی یونس صاحب رات اتفاق سے اردو تقریر بخاری کسی نے سنائی اس میں (ص۹۲) پر ہرقل کی حدیث: ''**أشراف الناس اتبعوه أم ضعفائهم**'' کے نیچے حاشیہ پر اسکے مناسب حضرت نانوتوی کی تقریر لکھی ہے اول تو مناسب کا لفظ صحیح نہیں اس کے مخالف کا لفظ لکھنا چاہیئے تھا اور پھر دونوں مضمون حدیث کے ہیں ان دونوں میں جمع ہونا چاہیئے تھا جمع کی کوئی توضیح تمہارے ذہن میں ہو تو تحریر فرمادیں کہ پلیٹ پر تصحیح کردی جائے؟

بقلم حبیب اللہ ۲۹/جمادی الثانی ۹۲ھ

جواب:۔ حضرت عالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کے خیال میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ حدیث ہرقل میں اشراف سے مراد اہل نخوت ومتکبرین ہیں اور ضعفاء سے مراد اہل مسکنت ومتواضعین اور ظاہر ہے کہ اہل مسکنت کے یہاں مقبولیت یہ اوپر ہی کی مقبولیت ہے جو ملاء اعلیٰ سے منتقل ہوکر ان پاک دل صاف طینت لوگوں تک پہنچی ہے بخلاف اس مقبولیت کے کہ جو اہل نخوت ومتکبرین سے شروع ہوتی ہے وہ تکبر اور برائی پر مبنی ہوتی ہے وہ آگے نہیں چلتی اور

تقریر میں ضعفاء سے مراد اہل مسکنت ومتواضعین ہی ہیں اور اغنیاء سے مراد اہل نخوت اس لئے کہ عامۃ اہل دنیا میں جب کہ ذی ثروت ہوں تکبر ہوتا ہی ہے الا ماشاء اللہ بخلاف فقراء کے کہ وہ بیچارے اس دنیا سے ہی دور ہوتے ہیں تو اس کے لوازمات سے ان کو کیا سروکار الا ماشاء اللہ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اس صورت میں بھی اکڑتا ہے۔ واللہ اعلم

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب شنبہ یکم رجب ۹۲ھ

طحاوی کے باب ''مایقتل المحرم من الدواب'' کی تشریح اور خلاصہ

طحاوی (ص: ۳۸۴) باب مایقتل المحرم من الدواب کا حاصل مختصر الفاظ میں تحریر فرما کر بھیجئے مجھے اس میں اطمینان نہیں ہوا حضرت ناظم صاحبؒ کی تقریر بھی اس کی گم ہے۔

(حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب)

(طحاوی ۱/۳۲۵) نبی اکرم ﷺ نے پانچ دواب کے قتل کی محرم کو اجازت دی ہے اب اسمیں اختلاف ہے کہ حدیث میں کلب عقور کے قتل کی جو اجازت دی گئی ہے یہ صرف کلب کے ساتھ خاص ہے یا عام ـــــ ائمۃ ثلثہ فرماتے ہیں کہ عام ہے اور کلب عقور سے مراد صرف کلب نہیں ہے بلکہ **کل ماعدا علی الناس وعقرھم** ہے چنانچہ ابوہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے جو سباع کی ایک نوع ہے معلوم ہوا کہ اگر کلب سے نوع مخصوص مراد ہوتی تو ابوہریرہؓ اس کی تفسیر اسد سے نہ کرتے حضرت ابوہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے جو کی ہے یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے جیسے کہتے ہیں ''**ماالاسم**'' جواب دیتے ہیں زید تو اس میں عمرو بکر سب داخل ہوتے ہیں ایک فرد کو ذکر کر کے بقیہ پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے اسی طرح یہاں کلب عقور کی تفسیر اسد سے کر کے بقیہ انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسد کے وصف خاص عدو وعقر میں جو شریک ہوں گے سب مراد ہوں گے امام طحاویؒ فرماتے ہیں یہ ابوہریرہؓ کی تفسیر ہے مرفوع نہیں ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث مرفوع ''**الضبع صید وفیہ کبش**'' اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ضبع کو جو سباع کی قسم میں ہے اپنے دانت اور پنجوں سے شکار کرتا ہے صید قرار دیا اور قاتل پر فدیہ واجب قرار

دیا اگر ہر سبع کے قتل کی اجازت ہوتی تو قاتل ضبع پر جو سبع ہے فدیہ کیوں واجب ہوتا لیکن امام طحاویؒ کا یہ اعتراض جمہور پر وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ لوگ تمام سباع کا قتل جائز نہیں کہتے بلکہ صرف انکا قتل مباح کہتے ہیں جن میں عدوان عقر یعنی حملہ کی صفت ہوتی ہے ضبع میں یہ وصف نہیں ہے)۔

فإن قال قائل: فلم لا تبيحون قتل الذئب؟: سائل کہتا ہے کہ قتل ذئب کی اجازت کیوں نہیں دیتے امام طحاوی کہتے ہیں اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف پانچ حیوانات کے قتل کی اجازت دی ہے مزید کی نہیں اور ان پانچ کی تعیین فرمادی ہے اگر اوروں کے قتل کی بھی اجازت ہوتی تو صرف پانچ ہی کو کیوں ذکر فرماتے **فالذين أباحوا :** امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے قتل ذئب کی اجازت دی ہے سارے ہی سباع کے قتل کی اجازت دی اور جو منع کرتے ہیں وہ سب کے قتل سے منع کرتے ہیں صرف کلب عقور کے قتل کی ورود نص کی وجہ سے اجازت دیتے ہیں **فأما ما روى عن النبي ﷺ فيما يقتل في الإحرام والحرم :** امام طحاویؒ نے اس کے بعد حفصہؓ، ابن عمرؓ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات ذکر کی ہیں جن میں غراب، حدأة، فارة، عقرب، کلب عقور کے قتل کی اجازت وارد ہے پھر ابوسعید کی روایت لائے ہیں جس میں عقرب وحیہ وفارۃ کا ذکر ہے **فهذا ما أباح** الخ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان حیوانات کے قتل کی حضور اکرم ﷺ نے اجازت دی ہے اور سب کو پانچ شمار کیا ہے اس عدد کی تعیین سے معلوم ہوا کہ باقی حیوانات جو مذکورہ حیوانات کے ساتھ وصف سبعیت میں شریک ہیں مراد نہ ہوں گے ورنہ پانچ کے عدد کی تخصیص بے سود ہوگی ہاں وہ دواب داخل ہوں گے جن کے متعلق اجماع ہو گیا ہے کہ یہ مراد ہیں **فان قال: "قائل فقد رأينا الحية"** معترض کہتا ہے کہ حیہ اور جمیع ہوام کا قتل مباح ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے صرف عقرب کا ذکر فرمایا تو جیسے یہاں تنصیص علی العقرب تعیین کو مقتضی نہیں اسی طرح کلب عقور کی تنصیص، تعیین کو مقتضی نہیں ہوگی بلکہ اشارہ ہوگا کہ ان کے امثال کا قتل مباح ہے **قيل له: "قد أوجدناک نصا"** الخ۔ امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کی حدیث الضبع صید وفیہ کبش کے نص سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سارے سباع مراد نہیں ورنہ ضبع کے قتل پر فدیہ نہ آتا: **"ثم رأيناه أباح مع ذلک أيضاً قتل الغراب"** الخ۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو حدیث میں غراب وحدأة کے قتل کی اجازت ہے جو ذی مخلب طیور میں سے ہیں اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ سارے ذی مخلب طیور جیسے باز، شکرہ وغیرہ کو قتل کیا جا سکتا ہے بلکہ اجماع ہے کہ سوائے دونوں منصوص طیور کے اور کسی کا قتل مباح نہیں اور اس پر اجماع ہے کہ عقرب کے حکم میں جس کے قتل کی اجازت ہے سارے ہی ہوام الارض میں داخل ہیں تو

حاصل یہ ہوا کہ حدیث میں تین طرح کے جانوروں کے قتل کی اجازت ہے ایک غراب وحدأۃ ہیں اس میں اجماع ہے کہ باقی ذی مخلب طیوران دونوں کے حکم میں نہیں ہیں اوران کاقتل جائزنہیں ہے دوسری عقرب ہے اس پراجماع ہے کہ سارے ہوام الارض کاحکم وہی ہے جوعقرب کاحکم ہے کہ اس کاقتل جائز ہےاورابن مسعودؓ کی حدیث جوآگے آرہی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حیہ کےقتل کی اجازت دی گئی جوہوام الارض میں سے ہے توباقی ہوام کاحکم بھی یہی ہوگااورمعلوم ہوا کہ عقرب کی ذات مقصودنہیں ہے بلکہ عقرب بول کرہوام الارض مراد ہے تیسری قسم کلب عقور ہےاب یہاں دواحتمال ہیں ایک یہ کہ اس کوعقرب کی طرح جوہوام میں سے ہے عام کیا جاوےاوردوسرے یہ کہ غراب وحدأۃ کی طرح خاص کردیا جائے، **فذو الناب من السباع** امام طحاویؒ فرماتے ہیں ذوناب سباع کوذی مخلب طیر کے حکم میں رکھنا زیادہ انسب ہے کہ دونوں شکار پکڑکرکھانے میں مشترک ہیں بخلاف ''**هوأم الأرض**'' کےاورمزید یہ کہ جابرؓ کی حدیث جوضبع کے بارے میں اوپرنقل کی گئی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ کلب عقور بول کرمطلقاً سبع مرادنہیں ہے**فإن قال قائل إنما جعل** معترض کہتا ہے کہ ضبع کوجوعام سباع کے حکم سے الگ رکھااوراس کاقتل حرام کیا گیااوراس پرفدیہ واجب ہواوہ تواس لئے کہ ضبع کھایا جاتا ہےبخلاف اسدوفہدوغیرہ سباع کے **قيل له قد غلطت في التشبيه** امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اباحت اکل یعنی ماکول ہونا اگرحرمت قتل کا سبب ہوتا توغراب وحدأۃ وفارۃ کسی کاقتل بھی جائز نہ ہوتا اسلئے کہ یہ سب تمہارے یہاں یعنی امام مالک کے یہاں جائزالاکل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اباحتِ اکل حرمتِ قتل کا موجب نہیں ہے بلکہ صید ہونا موجبِ حرمت ہےاورچونکہ یہ سبع ہے لہٰذاہرسبع صید ہوگااورجابرؓ کی حدیث کے تحت اس کاقتل جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ صید جوسبع ہے محرم القتل ہے ہاں کلب عقورتخصیص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے **فان قال قائل: ''فكيف تكون سائر السباع؟**معترض کہتا ہے کہ سارے سباع ضبع کے حکم میں کیسے ہوسکتے ہیں ضبع کھایاجاتا ہےاورباقی سباع کھائےنہیں جاتے**قيل له: قد يكون من الصيد** امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ بعض شکارآدمی کیلئے کھانا جائزنہیں لیکن اگروہ حلال ہواورحرم سے باہر ہوتوانکوپکڑکراپنے کتوں کوکھلاسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ مطلقاً غیر ماکول ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے ضبع انسان کیلئے اگربہت سے علماء کے یہاں جائزالاکل ہےتودوسرے سباع انسان کے کتے کھاسکتے ہیں لہٰذاجیسےضبع کے شکار سے آدمی کا فائدہ ہے دوسرے سباع کے شکارسے بھی فائدہ ہے اگرضبع فائدہ اکل کی وجہ سے ممنوع القتل ہےتودوسرے سباع بھی ممنوع القتل ہوں گےاس لئے کہ ان کے شکارمیں اس کے کتوں کافائدہ ہےوہ کھائیں گے۔

حالت احرام میں کلب عقور اور درندوں کے قتل کرنے کا حکم

مفتی یحییٰ صاحب نے مزید خلاصہ کی خواہش فرمائی اس پر اگلی عبارت لکھی گئی۔

مختصر خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانچ دواب کے قتل کی محرم کو اجازت دی ہے اس میں کلب عقور بھی ہے اب یہ اختلاف ہے کہ کلب عقور کے حکم میں جملہ سباع داخل ہیں یا خاص کلب ہی مراد ہے ائمہ ثلثہ اول کے قائل ہیں اور امام طحاویؒ ثانی کے ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ خاص کلب مراد نہیں بلکہ اس کی صفت سبعیۃ مراد ہے لہذا سارے سباع مراد ہوں گے امام طحاوی نے جواب دیا کہ ابو ہریرہؓ کی تفسیر ان کی اپنی رائے ہے اور حدیث مرفوع سے تو تخصیص ہی معلوم ہوتی ہے حضور اکرم ﷺ نے ضبع کے قتل پر جو سباع کی قسم ہے فدیہ واجب قرار دیا ہے اگر ہر سبع کلب عقور سے مراد ہوتا تو قتل ضبع پر جو سبع ہے فدیہ نہ آتا معلوم ہوا کہ جنس سبع مراد نہیں بلکہ خاص کلب مراد ہے معترض کہتا ہے کہ آپ ذئب کے قتل کی اجازت کیوں نہیں دیتے طحاوی کہتے ہیں اس لیے کہ حدیث میں صرف پانچ کی اجازت وارد ہے اگر ذئب کے قتل کی اجازت دیں گے تو عدو فوت ہو جائے گا اس کے بعد امام طحاوی سے جن دواب کے قتل کی اجازت وارد ہوئی ہے ان کے متعلق روایات ذکر کی ہیں اور پھر آگے ایک لمبی بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث میں تین قسم کے دواب کا ذکر ہے غراب وحدأۃ یہ بالاتفاق مخصوص ہیں یہاں تمام شکاری پرندے مراد نہیں ہے دوسرے فارۃ اسمیں سارے ہوام الارض داخل ہیں اور تیسرے کلب عقور اس میں اختلاف ہے کہ اس میں سارے سباع داخل ہیں اور یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے یا کلب کی خاص ذات مراد ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کلب کو جو ذوناب ہے ذو مخلب طیر یعنی حدأۃ کے حکم میں رکھنا یہ بہ نسبت فارہ و ہوام کے حکم میں رکھنے کے زیادہ اولیٰ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سباع بہائم سباع طیور دونوں شکار کرتے ہیں معترض کہتا ہے کہ ضبع کی روایت سے تخصیص پر استدلال نہیں کر سکتے اس لئے کہ ضبع تو ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے طحاوی نے جواب دیا کہ اباحتِ اکل اگر سببِ حرمتِ قتل ہوتا تو حدأۃ، غراب، فارہ، کسی کا قتل جائز نہ ہوتا اس لئے سب تمہارے یعنی مالکیہ کے یہاں ماکول ہیں بلکہ علت حرمت صید ہوتا ہے لہٰذا جو صید ہوگا اس کا قتل ناجائز ہوگا جیسے ضبع جو سبع ہے اس کا قتل ناجائز ہے صرف کلب تنصیص کی وجہ سے حرمت سے خارج ہوگا معترض نے کہا کہ سارے سباع کو ضبع کے حکم میں نہیں رکھا جا سکتا ہے کیونکہ ضبع ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے امام طحاوی نے جواب دیا کہ دوسرے سباع انسان کے کتے کھا سکتے ہیں لہٰذا سباع کے ماکول ہونے کی مطلقاً نفی صحیح نہیں ہے اور

جب فی الجملہ سب سے ہی فائدہ اکل متعلق ہے کہیں اکل انسان کا کہیں اکل کلاب کا تو ماکول وغیر ماکول کو مابہ الفرق بنانا صحیح نہیں. انتہی حاصل مراد الطحاوی وفیہ منوع وخدشات لاتخفٰی علی المتأمل۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۲/۵/۱۴۰۳ھ

ایک روایت میں حط ورس یا خط ورس

سوال: حیاۃ (۳۱۱/۲، س۶) نیچے سے ''حط ورس'' ہے حاشیہ میں مصنفؒ نے ''خط ورس'' درست ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے جیسا کہ اگلے صفحہ پر (س۲) میں ہے سوال یہ ہے کہ صحیح لفظ کیا ہے میرے خیال میں خط کے بجائے حط ہی درست ہے چھوڑنے اور ہٹانے کے معنی میں البتہ ''ورس'' واؤ سے ٹھیک لگتا ہے دوسرے یہ کہ ترکیب میں اگر ورس مفعول ہے ورسا آنے میں کیا مانع ہے یا الف لام سے کیا مانع ہے اس کی ترکیب اور معنی تحریر کیجئے۔

مولوی عبداللہ

جواب: مصنف عبدالرزاق میں (۴۶۶ ج۹) ''حط ورس'' ہے اور معنی ظاہر ہے: أی أسقط هذا ورس وهو لایجوز للرجل اور بہت ممکن ہے کہ ورس منصوب ہے لغۃ ربیعہ میں منصوب بغیر الف لکھتے ہیں طبقات ابن سعد میں (۵۱۶/۳) تو حط ورس خط ورس ہی ہے لیکن یہ نقطہ کسی کاتب کا سہو ہے بظاہر ضمہ ہوگا لیکن واضح نہ ہونے کے سبب کاتب یا طابع نے نقطہ سمجھ لیا۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مشکوۃ شریف کی ایک روایت کی تحقیق

سیدی ومولائی قبلہ حضرت استاذ محترم صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بصد آداب خدمت اقدس میں عرض ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں مختلف مقامات پر کچھ خلجان ہوگیا ہے ملاقات پر پوچھنے کا ارادہ کیا مگر آنجناب کی بے پناہ شفقت کے باوجود بھی رعب وہیبت کی وجہ سے ہمت نہیں ہوئی اس لئے

تحریری طور سے پوچھ رہا ہوں۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵ پر ایک روایت عن عبداللہ بن أبي بکر قال سمعت أبیاً یقول: کنا ننصرف في رمضان من القیام فنستعجل الخدم بالطعام مخافة فوت السحور وفي أخری مخافة الفجر ہے مشکوٰۃ شریف میں اس کی تخریج موطا سے کی گئی ہے۔ مگر موطا / ۱۴۱ میں سمعت أبي واقع ہوا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روایت موطا کی ہے یا اور کسی کتاب کی اگر موطا ہی کی ہے تو مشکوٰۃ شریف اور موطا میں کھلا تعارض ہے علاوہ ازیں مشکوٰۃ شریف میں سمعت أبیاً صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ اکمال فی اسماء الرجال للمؤلف میں حضرت ابی کا انتقال ۱۹ھ لکھا ہے اور عبداللہ بن ابی بکر کی پیدائش بعد میں ہوئی ہے اس لئے کہ ان کا انتقال ۱۳۵ھ میں ہوا ہے اور کل عمر ستر برس لکھی ہے مگر شراح مشکوٰۃ ملا علی قاری وغیرہ حضرات اس پر سکوت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی بکر کوئی اور ہیں۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ وبارک فیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا مفصل خط ملا تمہاری علمی مشغولیت سے جی خوش ہوا، أللّٰھم زد فزد.

عن عبد اللہ بن أبي بکر قال سمعت أبیاً اسی طرح مشکوٰۃ شریف کے قدیم وجدید نسخوں میں ہے اور شارحین مشکوۃ جیسے صاحب مرقاۃ ۱/ ۱۷۵ مظاہر حق اور اشعۃ اللمعات ۱/ ۵۴۸ نے بھی اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور تنقیح الرواۃ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور یہ غلط ہے اس لئے کہ راوی اثر عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری ہیں اور ان کی ملاقات حضرت ابی بن کعب سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کے بیان کے موافق عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کی وفات ۱۳۵ھ ہجری میں ہوئی ہے جب کہ ان کی عمر ستر سال کی تھی اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۶۵ھ میں ہوئی ہے اور حضرت ابی بن کعب کی وفات صاحب مشکوٰۃ وغیرہ کے بیان پر ۱۹ھ میں ہوئی ہے اس لحاظ سے عبداللہ بن ابی بکر کی ولادت اور ابی بن کعب کی وفات میں چھیالیس سال کا فصل ہے اور ایک قول ابی بن کعب کی وفات میں ۳۲ھ کا ہے تو اٹھائیس سال کا فرق ہوا اور انقطاع کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے کہ عبداللہ بن ابی بکر نے سماع کی تصریح کی ہے غالباً اسی خلجان کو دیکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں عبداللہ کو ابن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قرار دیا ہے مگر یہ بھی صحیح

نہیں ہے اس لئے کہ امام مالک یہ روایت عبداللہ بن ابی بکر سے بلا واسطہ نقل کرتے ہیں اور عبداللہ بن ابی بکر صدیق کی وفات خلافت صدیقی میں شوال ۱۱ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت تک امام مالک کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ ان کی ولادت میں ۹۰/ ۹۳/ ۹۴/ ۹۵ مختلف اقوال ہیں ان میں سے مشہور قول ترانوے کا ہے اسی کو حافظ ذہبی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اس لحاظ سے امام مالک کی ولادت اور عبداللہ بن ابی بکر الصدیق کی وفات میں بیاسی سال کا فاصلہ ہے اور امام مالک مدلس بھی نہیں ہیں تا کہ یہ احتمال قائم کیا جا سکے کہ شاید کسی اور سے سنا ہوگا اور تدلیس کی اور عبداللہ بن ابی بکر صدیق سے معنعناً روایت کر لی صحیح عبد الله بن أبي بكر أنه قال سمعت أبي ہے جیسا کہ موطا امام مالک کے تمام نسخوں میں ہے اسی طرح امام بغوی نے شرح السنۃ ۴/ ۱۲۵ میں بیہقی نے سنن کبریٰ ۲/ ۴۹۷ میں مالک کی سند سے روایت فرمایا اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ۵/ ۳۹ روی مالک عن عبد الله بن أبي بكر عن أبيه قال كنا ننصرف الخ اور لمعات کے ناصیہ پر مشکوٰۃ کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں موطا کے موافق سمعت أبي ہے معلوم نہیں طابع کو کسی نسخہ میں اسی طرح ملا یا ان کی اپنی تصحیح ہے بہر حال فی نفسہ عن عبد الله بن أبي بكر قال سمعت أبي ہی صحیح ہے۔ اور راوی حدیث عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری ہیں اپنے والد ابوبکر بن حزم سے روایت کرتے ہیں۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت میں تصحیف

سوال: مجمع الزوائد (۷/ ۳۲-۳۳) میں ہے: عن أبي عقيل "أنه بات يجر الجرير على ظهره على صاعين من تمر فانفلت بأحدهما إلى أهله".

یہ روایت اصابہ میں طبری کے حوالہ سے اور دوسرے مآخذ میں مختلف الفاظ سے ہے مگر نشان زد لفظ صرف طبرانی کی روایت میں ہے اور بظاہر یہ فانقلب کا مصحف ہے اگر طبرانی کے الفاظ درمنثور وغیرہ میں ملیں تو یہ لفظ ملنے کی توقع ہے یہ سورۂ توبہ کی ۷۹ کی آیت کی تفسیر میں الذين يلمزون المطوعين کے تحت ہوگی۔

جواب: علامہ سیوطیؒ نے الدر المنثور (۳/ ۲۶۲) میں لکھا ہے: أخرج ابن أبي شيبة وابن جرير وابن أبي حاتم والبغوي في معجمه، والطبراني وأبو الشيخ وابن مردويه وأبونعيم فى المعرفة عن أبي عقيل قال بت أجرّ الجرير على ظهرى على صاعين من تمر فانقلبت بأحدهما إلى أهلى يتبلغون به، وجئت بالآخر إلى رسول الله ﷺ أتقرب به إلى ربي،

فأخبرته بالذي كان، فقال أنثره في المسجد فسخر القوم، وقالوا: كان الله غنيا عن صاع هذا المسكين فأنزل الله "الذين يلمزون المطوعين من المؤمنين" الآيتين ۔حافظ بن کثیرؒ نے یہی حدیث بروایۃ ابن جریر الطبری انہیں الفاظ سے نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے رواه الطبراني الخ۔حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں (۳۳۱/۸) طبرانی طبری باوردی کا حوالہ ذکر کیا ہے لیکن طبرانی کے خاص الفاظ نہیں لکھے فالفلت مصحف ہے صحیح فانقلب ہے صاحب مجمع الزوائد نے صرف طبرانی کا حوالہ دیا ہے،طبرانی کی عادت ہے کہ وہ روایت کے مختلف الفاظ بعض اوقات درج کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ بعض میں فانقلبت اور بعض میں فانقلب ہو کسی نے صرف طبرانی کے حوالہ کے وہ الفاظ نہیں لکھے جو صاحب مجمع نے ذکر کئے ہیں۔ فقط

بندہ محمد یونس عفی عنہ

امام نوویؒ کی ایک عبارت کی تحقیق

عزیزم مولوی یونس سلمہ بعد سلام مسنون

مسلم (ص ۱/۳۷٦) نووی آخری سطر سے ایک سطر قبل نووی کی عبارت میں یہ الفاظ ہیں عن الحسن البصري أنه استحب كونهما میرے نزدیک كونهما غلط ہے كونه ہونا چاہئے ضمیر احرام کی طرف ہے تم نے اگر کوئی تنقید پہلے سے لکھ رکھی ہو تو مطلع کرو ورنہ مصری نووی کو دیکھئے۔ فقط زکریا

جواب: كذا في المصرية (۹۳/۸) والتي على هامش القسطلاني (۳۳٦/٦) وفي المرقاة (۱۸٦/۳) ذكر ابن عبد البر أن الجميع استحبوا كونه أثر صلوة نافلة أو فريضة وحكى القاضي وغيره عن الحسن البصري أنه يستحب كونها كذا في المرقاة بضمير التأنيث، ولعل المراد تلبية الإحرام بعدصلوةالفرض اهـ، وفي إكمال الإكمال لأبي عبدالله الأبي (۳۰۲/۳).

(ع) السنة في الإحرام عند الكافة أن يكون أثر صلوة، واستحب مالك أن يكون نافلة ركعتين، فأكثر واستحب الحسن أثر فرض لأنه يروى أن الركعتين كانت صلوة الصبح والأول أظهر فان أحرم أثر فرض، أجزأ عند مالك، ولادم عليه إن أحرم في غير أثر صلوة. اھ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مجمع الزوائد کی ایک عبارت میں تحریف

سوال: أخرج البزار عن ابن عمرؓ قال حضرتني هذه الآية "لن تنالوا البر" الخ...... فقال هی حرة لوجه الله (الحديث) یہ سرخ نشان والا (خط کشیدہ) لفظ مجمع الزوائد (۶/۳۲۶) میں اسی طرح ہے جب کہ مستدرک (۳/۵۶۱) میں فقلت ہے اور یہی اظہر ہے دیکھنا یہ ہے کہ درمنثور یا کہیں اور بزار ہی کی روایت میں فقلت ہے کیا؟

جواب: مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی حافظ ابن کثیر نے (۱/۳۸۱) میں یہ حدیث مسند البزار سے سند ومتن کے ساتھ نقل کی ہے اس میں فقلت ہی ہے پوری روایت مع السند یہ ہے: حدثنا زياد بن يحيىٰ الحساني حدثنا يزيد بن هارون حدثنا محمد بن عمرو عن أبي عمر بن حماس عن حمزة بن عبد الله بن عمر قال: قال عبد الله، حضرتني هذه الآية "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" فذكرت ما أعطاني الله فلم أجد شيئا أحب إلي من جارية لی رومية، فقلت: هي حرة لوجه الله، فلو إني أعود فی شیء جعلته لله لنكحتها، يعنی تزوجتها انتهی، مانقله الحافظ ابن كثير علامہ سیوطیؒ نے الدر المنثور میں (۲/۵۰) یہی روایت نقل کی ہے اور عبد بن حمید اور البزار کی طرف نسبت کی ہے اس میں بھی فقلت هي حرة لوجه الله ہے اور اس میں فلم أجد شيئا أحب إلي من مرجانة جارية لي روایت ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

یزید بن معاویہ کی ایک مرسل روایت کی تحقیق

سوال: حدیث ذیل ترغیب میں الترہیب من الغلول کی آخری سے پہلی حدیث ہے مصنف نے مراسیل ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے مگر تلاش بسیار کے باوجود مراسیل میں نہیں ملی براہ کرم اس کی نشاندہی فرمائیں اور اس کے علاوہ بھی اس کا کوئی مخرج ہو تو تحریر فرمائیں، حدیث یہ ہے: عن يزيد بن معوية أنه كتب إلى أهل البصرة: سلام عليكم أما بعد، فإن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم زماماً من شعر من مغنم فقال رسول الله ﷺ "سألتني زماماً من نار لم يكن لک أن تسألنيه ولم يكن لی أن أعطيه".

(مولوی) محمد عبداللہ طارق دہلوی ۱۲ر مئی ۱۹۷۷ء

جواب: احقر نے بھی یزید بن معویہ کی یہ مرسل روایت مراسیل کے نسخہ مجردہ میں تلاش کی مکرر تقلیب اوراق کے بعد بھی نظر نہیں آئی خیال یہ ہے کہ اس کا منشاء اختلاف نسخ ہے امام منذری نے مراسیل کا حوالہ دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یزید کو مراسیل کے رجال میں شمار کیا ہے لیکن حافظ ابوالحجاج المزی نے تہذیب الکمال میں یزید کو رجال المراسیل میں نہیں لیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کہیں اور اس روایت کا ہونا مستحضر نہیں ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

حکایات صحابہ کے بعض مقامات کی تحقیق وتصحیح

سوال:- (۱) حکایات صحابہ (ص:۸۳) (س ۲۰) غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور شخص ہے یہاں شخص کی جگہ ''کوئی'' مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ مراد حق تعالی شانہ کی ذات اقدس ہے۔

حکایات صحابہ (ص:۱۰۴-س ۱) ''حضرت عمرؓ'' یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ہونا چاہئے جیسا کہ اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) حکایات صحابہ (ص ۱۰۷) (س ۱۶) ''حضرت عمر کو اس کا تحمل'' عبداللہ بن عمر ہوگا جیسا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے

(۳) ایضا (ص ۱۳۷) (س ۱۲) واخلفنی مگر الاذکار للنووی (ص ۱۴۶) اور حصن حصین (ص ۱۴۸) میں واخلف لی بصلۃ لام ہے؟

حکیم مصباح الدین جامعی ربانی بک ڈپو

جواب:- (۱) اس لفظ کے متعلق براہ راست حضرت مدظلہ ہی سے اگر استفسار ہوجاتا تو اچھا تھا مگر اب تو حضرت تشریف لے جاچکے کیونکہ اس لفظ کے باری تعالی پر اطلاق کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں نقل فرمایا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے میں امام بخاری کے نزدیک لفظ شخص کا اطلاق حضرت باری تعالیٰ پر جائز ہے حضرت اقدس مدظلہ نے بظاہر تو لفظ منقول کی پابندی فرمائی ہے اور اسی لئے آگے علام الغیوب کا لفظ بڑھا دیا تاکہ خلاف مقصود کا ایہام نہ ہو۔

۲:- ابن کا لفظ کاتب سے چھوٹ گیا صحیح ابن عمرؓ ہے۔

۳:- حدیث میں دونوں طرح وارد ہے صحیح مسلم وغیرہ میں واخلف لی ہے لام کے صلہ کے ساتھ اور واخلفنی نون کے ساتھ مسند احمد میں ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۰/ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

حیاۃ الصحابہ کے بعض الفاظ حدیث کی تحقیق

سوال:- حیاۃ ۲/ ۲٦٦ سطر ۴ پر ایک لفظ تعزیراً ہے میں نے مجمع البحار سے مختلف مادوں میں تلاش کرنے کے بعد تقذیراً (ق ذ ر) کو ترجیح دی ہے، وہکذا فی کنز العمال جدید ۱۴/ ۲۷۸ ومنتخب الکنز ۴/ ۴۰٦، اور حلیۃ الاولیاء ۱/ ۴۹ میں تعذیراً (ع ذ ر) ہے حیاۃ کی طرح۔

تعذیراً (ع ذ ر) بھی معنی درست ہوسکتا ہے مگر روایۃً اس کی تائید نہیں ہوتی، کیا میری ترجیح سے آپ کو اتفاق ہے؟

ہاں کنز طبع جدید کے محشی کے بقول الجامع الکبیر للسیوطی رقم الحدیث ۲۳۰۳ میں تقدیراً (ق در) ہے یہ تو بظاہر غلط ہے۔

جواب:- تقذیراً بالقاف والذال کا مطلب تو ظاہر ہے اور تعزیزاً بزائین معجمین ہونے کی صورت میں کنایہ ہے ناخوشگواری اور تکلف سے کھانے سے جیسا کہ موٹا کھانا کھانے کے وقت اہل رفاہیت وخوشحال لوگوں کو پیش آتا ہے کہتے ہیں: ’’عزز المطر الأرض، ومنها تعزيزاً لبّدها‘‘ جب بارش سے زمین میں جماؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اجزاء ارض جمع ہوجاتے ہیں ضخامت کی ایک صورت بن جاتی ہے، اور ایک سختی سی آجاتی ہے، موٹے کھانے میں چونکہ خشونت ہوتی ہے اس لیے اس کے کھانے میں کھانے والے کو خوشگواری نہیں ہوتی ہے اور تعذیراً بزای معجمۃ، وبراء مہملۃ تو تحریف ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ تعذیزاً ص (یعنی بغین معجمہ وراء مہملہ وزای معجمہ فی آخرہ) ہو، کہا جاتا ہے غرّزت الناقة تغريزاً إذا ترك حلبها أو كسع ضرعها بماء بارد لينقطع لبنها أو تركت حلبة بين حلبتين (قاموس) اور مقصد یہ ہے کہ رک رک کر کھا رہے تھے معتاد طرز سے نہیں کھا رہے تھے جیسے مرغوب غذا کھائی جاتی ہے وہذا انشاء اللہ اقرب۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حیاۃ الصحابہ کی ایک روایت کی تحقیق

سوال: حیواۃ الصحابہ (۲/۶۲۲) میں سطر آخری "احنق منه" ہے یہ روایت حلیہ سے لی گئی اور حلیہ کے مرتب نے لکھا ہے کہ حلیۃ کے وہ دونوں نسخے جن پر اس کی طباعت کی بنا ہے ان میں سے ایک میں یہ لفظ احفف ہے اور دوسرے میں احق ہے اور یہ دونوں محشی کے خیال میں تصحیف ہے اس لئے اپنے قیاس سے اس نے احنق بنادیا حَنِق کے معنی اشتد غیظہ یہاں مناسب ہیں مگر خود یہ لفظ روایت میں قیاساً لکھا گیا ہے روایۃً نہیں ہے۔

مولوی عبداللہ دہلوی

جواب: حلیۃ الاولیاء کے مطبوعہ نسخہ میں (۱/ ۳۲۸) احنق ہے اور یہی صواب ہے اسی طرح ہونا چاہئے مخطوطین میں جو کچھ محرف ہے صاحب الحلیہ نے یہ روایت بطریق عبداللہ بن الامام احمد عن ابیہ تخریج کی ہے اور کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل بروایۃ ابنہ عبداللہ میں (ص ۱۸۹) اسی طرح احنق ہے اور اسی طرح کتاب الزہد للامام عبداللہ بن المبارک ص ۱۲۶ میں بھی ہے فقط۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۸ر شوال المکرّم ۱۴۰۵ھ

حیاۃ الصحابہ کے بعض الفاظ حدیث کی تحقیق

سوال:- حیوۃ ۱/۲۵۳ میں ایک جگہ الانحات ہے نحت کا مادہ برادہ یا تراشہ کے لیے آتا ہے مگر وہ سیاق وسباق کے مناسب نہیں شاید یہ انحاء جس کے معنی چوڑے پھلوں کے تیر کے آتے ہیں۔

مولوی عبداللہ دہلوی

جواب:- اپنی وسعت کے موافق دوسرے مآخذ میں یہ روایت دیکھنے کی کوشش کی لیکن مل نہ سکی، میرا خیال ہے کہ الانحات محرف ہے صواب الانجاس ہے طبقات ابن سعد میں ۱/ ۲۰۱، اسی مضمون کی ایک روایت میں الفروث آیا ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حیاۃ الصحابہ کی ایک حدیث کے بعض الفاظ کی تحقیق

سوال: حیاۃ اول (ص ۱۵۷. سطر ۹) کے شروع میں جو لفظ حنین ہے اس پر منتخب کنز العمال میں علامت شک ہے یعنی یہاں یہ لفظ پتہ نہیں درست ہے یا نہیں اور اس کے بعد ہی جو لایختبر هما محمد وأصحابه ہے اس پر دار القلم کے محشی نے لکھا ہے کذا فی الاصل و کنز العمال ۔ گویا انہوں نے اس پر شک کا اظہار کیا ہے آپ براہ کرم ان دونوں چیزوں کو دیگر مآخذ میں مراجعت بھی فرمائیں پھر غور فرما کر لکھیں، کیا درست ہے نیز یہ کہ لایختبر هما سے مراد کون سا اختبار ہے؟

جواب: یہ روایت کہیں اور نظر نہیں پڑی سیرت واقدی اور تاریخ ابن عساکر پاس نہیں ہے حنین بظاہر درست ہے عکرمہ فتح مکۃ کے بعد اسلام لائے ہیں اور بظاہر لایختبر ها ہے هما کے بجائے ہا ہے اور ضمیر ہوازن کی طرف عائد ہے سہیل کا مطلب یہ ہے کہ محمد اور ان کے رفقاء نے ہوازن کا تجربہ نہیں کیا تھا اب معلوم ہو جائے گا عکرمہ نے جواب دیا کہ محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ طاقت اور تجربہ پر جنگ ہوتی ہے معاملہ اللہ کی تقدیر پر موقوف ہے اگر آج ناکامی ہوگئی تو کیا ہوا کل کامیابی ہو جائے گی واللہ اعلم فقط۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حیاۃ الصحابہ میں ایک روایت کے بعض الفاظ کی تحقیق

سوال:- حیاۃ ۲/ ۴۸ س:۹ دار القلم ص:۱۷۰ میں ہے: استعمل المقداد ابن الأسود رضي الله عنه على حريدة جبل یہ نشان زدہ عبارت حیاۃ میں اور مجمع الزوائد ۵/ ۲۰۱ میں اسی طرح سے ہے بے نقطہ اصابہ اور حلیہ وغیرہ میں یہ لفظ نہیں ہے اگر کہیں یہی روایت آئی ہو تو اس کے نقطوں کی وضاحت ہو سکتی ہے؟

جواب: حضرت انسؓ کی حدیث کے اصل الفاظ: "إن رسول الله ﷺ استعمل المقداد بن الأسود على جريدة خيل ہے مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہے اور اہمال واقع ہو گیا جریدۃ کے نقطے چھوڑ دئے اور خیل کا جبل بنا دیا کشف الاستار میں (ص ۲۴۲ ج ۲) صحیح چھپا ہے جریدۃ گھوڑے سوار یا گھوڑے سواروں کی جماعت جن میں کوئی پیادہ نہ ہو: قال في القاموس: "الجريدة خيل لارجالة فيها" ولم يتعرض صاحب النهاية عن هذا الحديث مجمع الزوائد میں اس حدیث کے بعد حضرت مقداد کی حدیث "بعثني رسول الله ﷺ مبعثاً" بھی اسی مضمون کی ایک تعبیر ہے کسی سریہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا عامل بنا کر نہیں۔

حیاۃ الصحابہ کے بعض الفاظ حدیث کی تحقیق

سوال: حیاۃ (۲/۲۰۳) س ۱۱، میں جو ''مغضب'' ہے یہ مسند احمد (۳/۴۷۵) میں بھی اور مجمع الزوائد (۶/۳) میں ''معصب'' مگر یہ روایت اسد الغابہ میں احمد بن حفص بن المغیر ہ کے حالات میں ہے اس میں ''مغضب'' ہے جیسا کہ اس کے حوالے سے میں نے ایک اردو کتاب میں ترجمہ دیکھا ہے وہ ترجمہ مغضب کا ہے تو ایک تو اسد الغابہ دیکھ کر اس کی جلد وصفحہ تحریر فرمائیں اور یہ کہ واقعہ اس میں مغضب ہی ہے دوسرے یہ کہ حافظ بن حجرؒ نے الاصابہ میں (۴/۱۳۹) اس مطلوبہ روایت کا ابتدائی حصہ لکھ کر باقی کے لئے نسائی کا حوالہ دیا ہے تو نسائی (مجتبی) میں کہاں ہوگی مزید اس میں کیا راجح ہے؟

جواب: مسند احمد میں (۳/۴۷۵) تو **معصب لمهملتين** ہے اسی طرح مجمع الزوائد (۶/۳) میں بھی لیکن تاریخ القسوی (۱/۴۶۳) میں تغضب فی ابن عمک اور الاستیعاب (۴/۱۲۴) میں بطریق النسائی **تغضب لابن عمک** ہے اور الکنی للبخاری میں (ص:۵۴) **فغضب فی ابن عمه** اس میں کچھ تقدیم وتاخیر اور تحریف ہے (یعنی کنی کے الفاظ میں) بعد میں اس کی تصدیق ہوگئی حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں (۷/۱۱۵) **مغضب فی ابن عمک** ذکر کیا ہے اور تاریخ البخاری کا حوالہ دیا ہے تاریخ سے مراد الکنی ہے اسلئے کہ وہ تاریخ کا ایک جزء ہے پھر بخاری کی تاریخ صغیر میں (۱/۵۷) علی الصواب ملی اور اس کے الفاظ **معضب فی ابن عمک** ہیں اسی طرح سیر اعلام النبلاء میں بھی ہے (ص:۳۷۹) یہ روایت نسائی کی سنن کبری میں ہے کما ذکرہ المزی فی تحفۃ الاشراف اور کبری ہی کے طریق سے ابن عبد البر نے استیعاب میں لی ہے جس کا لفظ اوپر نقل ہوا اسد الغابہ تو نہیں ہے مدرسہ میں ایک ہی نسخہ ہے اسلئے وہ میرے پاس نہیں۔

حیاۃ الصحابہ کی ایک روایت کی تحقیق

سوال: مجمع الزوائد (۹/۲۲۸) کی روایت میں ہے: ''**فسلكنا فی ثنية ضعينة فنفرجمل**'' یہ شاید ''الضغنۃ'' ہوگا جو عسرۃ المرور کے مفہوم میں ہے یہ روایت ذرا فرق سے مستدرک (۴/۴) میں بھی ہے میرا قیاس درست ہے یا ضعینہ ہی درست ہے اگر ضعینہ یاء کے ساتھ ہی ہے تو کیا مراد ہے یہ روایت حیاۃ الصحابہ طبع حیدرآباد میں (۱/۳۵۵) پر اور طبع دار القلم میں (۱/۵۵۰) پر ہے؟

جواب: اس لفظ کی پوری تحقیق نہیں ہوسکی ممکن ہے کہ **ضغينه بالضاد والغين المعجمتين** ہو جیسا کہ آپ نے لکھا ہے لیکن تھوڑا ساتأمل یہ ہے کہ یہ لفظ ثنیہ کی صفت بن رہا ہے اور **ضغينة دابة عسرة الانقياد** کیلئے آئے گا **فان الضعف في الدابة** ''**أن تكون عسرة الانقياد كما في النهاية**'' بظاہر صعینہ ہیں دشوار کے معنی ہے واللہ اعلم۔

سوال: حیاۃ (۲/۳۰۳، س۳) میں ہے، **وفرض لمن شهدا أحدا ثلاثة آلاف**، یہ روایت مسند احمد (۳/۴۷۵) کنز العمال (طبع دوم) ۴/۳۷۴۔ اسی روایت میں بحوالۂ بیہقی احد کی جگہ الحدیبیہ ہے (بیہقی ۶/۳۴۹) پہلے تو مسند اور بیہقی دیکھنے کی ضرورت ہے اور پھر اگر دونوں میں مذکورہ فرق موجود ہو تو پھر آپ یہ فرمائیں کہ اس کو اختلاف روایات مان کر خاموشی اختیار کر لی جائے یا ان دونوں میں سے کوئی ایک غلط ہے؟

جواب: مسند احمد (۳/۴۷۵) اور وہیں سے مجمع الزوائد میں (۶/۳): ''**فرض لمن شهد أحدا ثلثة آلاف**'' ہے اور تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی (۱/۴۶۳) اور وہیں سے بیہقی (۶/۳۴۹) میں اور بیہقی سے کنز العمال میں نقل ہوئی اور اس میں احد کی جگہ الحدیبیہ ہے عبداللہ بن المبارک پر دار و مدار ہے کہیں اور یہ روایت کسی دوسرے طریق سے نہیں ملی ابن سعد نے طبقات میں (۳/۲۹۶) ایک روایت نقل کی ہے اس میں: ''**فبدأ لمن شهد بدراً من المهاجرين والأنصار، ففرض لكل رجل منهم خمسة آلاف درهم في كل سنة حليفهم ومولاهم معهم بالسواء، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر من مهاجرة الحبشه، ومن شهد أحداً أربعة آلاف درهم لكل رجل منهم** الخ'' ہے لیکن عام آثار میں جو ابو عبید نے الأموال (ص:۲۸۷) میں اور دوسرے حضرات نے نقل کیا ہے مہاجرین کیلئے ۵ر ہزار اور انصار کیلئے چار ہزار کا ذکر ہے اور یہی راجح ہے۔

سوال: ایک معضلہ یہ حل فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ حیاۃ (۲/۲۰۱، س۱۰) میں حضرت عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہا ہے اسی طرح (۲/۲۰۲، س۱۰، دس ۱۱) بالکل مختلف روایت اور مختلف ماخذ میں ہے جبکہ الاصابہ (۲/۴۶۱) میں عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا اخ کہا ہے نہ کہ ابن الاخ پہلی (۲/۲۰۲) والی روایت مجمع الزوائد (۶/۴) سے ہے وہاں بھی اسی طرح ہے اور یہی روایت کنز العمال طبع جدید (۵/۳۴۵) میں ہے اس میں **فجاءه طلحة بن عبيد الله بابنه** عثمان برائے (۲/۴۱۶، مص ۴۱۸) ہے یہ بھی غلط ہے سوال یہ ہے کہ حیاۃ (ص:۲۰۲-۲۰۱) کی روایتیں دو مختلف ماخذ

سے ہیں دونوں میں کیسے خلط ہوا، اور بقیہ (۲۰۱) والی روایت معمولی لفظی فرق سے نقل کرتے ہیں تو اس میں بھی غلط ہوا؟ تو یہ کیا بات ہے؟ کیا ہم اصابہ کے بیان کو قول فیصل سمجھیں اور ان سب کو غلط سمجھیں بیہقی میں بھی عثمان بن عبید اللہ کو طلحہ بن عبید اللہ کا بھائی ہی کہا ہے اور بدایۃ یہی درست معلوم ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی دقیق بات اور پوشیدہ ہو، توجیہ فرما کر حل فرمائیے کرم ہوگا۔

فقط والسلام محمد عبداللہ دہلوی

جواب: حیوۃ الصحابہ میں عثمان بن عبداللہ مکبر ہے اسی طرح مجمع الزوائد کشف الاستار (۲/۲۹۲) میں بھی ہے اور الاصابہ میں عثمان بن عبید اللہ مصغر ہے احتمال کے درجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ عثمان بن عبداللہ بن عثمان کا سلسلۂ نسب عثمان بن عبداللہ بن عبید اللہ ابن عثمان ہے عبداللہ کو روایت میں ان کے جد عثمان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور الاصابہ میں عثمان بن عبید اللہ کو ان کے باپ عبید اللہ بن عثمان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور کنز العمال اور منتخب الکنز (۲/۱۶۳) میں بظاہر تحریف ہوگئی اصل میں تھا ابن عثمان اور نسبت الی الجد کی گئی اور محرف ہوکر بابنہ ہوگیا لیکن ایک کھٹک رہ جاتی ہے کہ عثمان بن عبداللہ بن عثمان کا ترجمہ کہیں نہیں حالانکہ طلحہ کے بھتیجے یا تو صحابی ہوں گے یا تابعی ایک احتمال یہ ہے کہ اصل میں بأخیہ ہو اور صحیح عثمان بن عبید اللہ بن عثمان ہو یعنی عثمان کے باپ کا نام عبداللہ مکبر نہ ہو بلکہ عبید اللہ بالتصغیر ہو اس صورت میں یہ وہی صحابی ہوں گے جنہیں حافظ بن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے پھر متعدد کتابوں سے اس کی تصدیق ہوئی امام ابن ابی شیبۃ نے المصنف میں مطولا (۱۲/۳۰۶) اور انہیں کے طریق سے امام بیہقی نے السنن الکبری میں مختصراً (۶/۳۵۰) عن زيد بن الخباب عن أبي معشر عن عمر مولى غفرة وغیرہ یہی روایت مفصل نقل کی ہے اس میں فجاء ہ طلحه بن عبيد الله بأخيه عثمان واقع ہوا ہے اسی طرح قاضی ابو یوسف نے الخراج میں (۴۳) عن أبي معشر عن مولى غفره وغیرہ یہی روایت مفصل نقل کی ہے اس میں بھی اسی طرح فجاء طلحه بن عبيد الله باخيه، واقع ہوا ہے اقرب یہ ہے کہ یہی من حیث الروایۃ راجح ہے۔

اس لئے کہ روایت کا مدار ابو معشر پر ہے اور ان سے دو شخص قاضی ابو یوسف اور زید بن الخباب باخیہ نقل کرتے ہیں اور بزار (۱/۴۰۷) کی روایت میں تنہا حسین بن محمد اس کے خلاف نقل کرتے ہیں امام طحاوی نے بھی روایت معانی الآثار میں (۲/۱۴۶) بطريق محمد بن أبي رجا الهاشمي عن أبى معشر عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر بن عبد الله مولى غفرة نقل ہے اس کے الفاظ سے بھی بھائی ہونا معلوم ہوتا

ہے ہاں دوسری روایت جو حیوۃ الصحابہ میں بحوالہ ابن عساکر ابن اخ واقع ہوا ہے وہ بزار کی روایت کی مؤید ہے لیکن وجدان یہ ہے کہ اول ہی صواب ہے اور اصابہ کا بیان راجح ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

جیش اسامہ کی کتنی تعداد تھی

سوال: جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی صحیح تعداد کیا ہے یہ تحقیق طلب ہے حیاۃ الصحابہ (۴۱۴/۱) میں کنز العمال قدیم (۱۲۹/۳) جدید (۳۵۰/۵) کے حوالے سے، سبع مائۃ ہے جبکہ ابن عساکر (۱۲۴/۱) میں ''ثلاثۃ آلاف'' ہے اس میں صحیح یا راجح کیا ہے براہ کرم تحریر فرمائیں مجھے ثلاثۃ آلاف راجح معلوم ہوتا ہے مگر حوالہ پیش نظر نہیں ہے۔

مولوی عبداللہ دہلوی

جواب: دونوں روایتیں صحیح ہیں ابن عساکر کی روایت میں پوری تعداد مذکور ہے اور کنز العمال میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو قریشی تھے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں (۱۵۲/۸): ''**وعند الواقدي أن عدة ذلك الجيش (أى حبيش أسامة) كانت ثلثة آلاف، فيهم سبعة مائة من قريش وفيه عن أبي هريره كانت عدة الجيش سبع مائة'' انتهى. فقط**

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مصری لشکر کے امیر عقبہ بن عامر تھے یا حضرت فضالہ؟

سوال: اس وقت مختصراً مطلب کی بات عرض کرتا ہوں جواب سے مطلع فرمائے طویل جواب کی مہلت نہ ہو تو وقتی طور پر جو ہو سکے لکھ دیجئے یا املاء کرا دیجئے۔

ترغیب وترہیب **أبواب الجهاد، الترهيب من أن يموت الإنسان ولم يغز** الخ کی پہلی حدیث **عن أبي عمران بن هـ... وعلى مصر عقبة بن عامر رضي الله عنه وعلى الجماعة فضالة بن عبيد رضي الله عنه** میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل مصر کی ٹکڑی کے امیر عقبہ بن عامر اور باقی کے فضالہ بن عبید تھے، یا یہ مطلب ہے کہ پورے لشکر کے امیر تو فضالہ تھے اور ان میں سے اہل مصر کے ماتحت امیر عقبہ تھے، یعنی

سوال یہ ہے کہ عقبہ فضالہ کی امارت میں تھے یا علیحدہ تھے؟

جواب: یہ حدیث امام ترمذی نے سورۃ بقرہ کی تفسیر میں/ ۱۲۱ اسی لفظ سے روایت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مصری لشکر کے امیر عقبہ بن عامر تھے اور سارے لشکر کے سپہ سالار حضرت فضالہ تھے البتہ یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس روایت کے طرق میں اختلاف ہے کہ حضرت فضالہ مطلقاً امیر لشکر تھے یا لشکر کے کسی خاص حصہ اور مخصوص جماعت کے اسلم ابی عمران کے تلمیذ یزید بن ابی حبیب کے نیچے یہ اختلاف ہوا ہے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اور انہیں سے امام ترمذی نے ابو عاصم النبیل کی روایت سے حیوۃ بن شریح نے جو یزید بن ابی حبیب کے تلمیذ ہیں اس روایت میں **علی أهل مصر عقبة بن عامر وعلی الجماعة فضالة بن عبید** نقل کیا ہے اور مستدرک حاکم میں ۲/ ۲۷۵ عبداللہ بن یزید المقری کی روایت میں حیوۃ بن شریح سے **علی أهل مصر عقبة بن عامر الجهني وعلی أهل الشام فضالة بن عبید الأنصاري** کا لفظ ہے اسی طرح سے عبداللہ بن یزید المقری سے امام نسائی نے سنن کبریٰ میں اور ابن جریر الطبری نے التفسیر میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فضالہ صرف شامی لشکر کے امیر وسالار تھے اور امام ابو داؤد نے عبداللہ بن وہب کی روایت سے حیوۃ اور ابن لہیعہ سے اسی حدیث میں ''**وعلی الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الولید**'' نقل کیا ہے فضالہ یا عقبہ بن عامر کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اسی سند سے طبری ۲/ ۱۱۵ کی روایت میں ''**وعلی أهل مصر عقبه ابن عامر وعلی الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الولید**'' ہے۔ اب سب روایتوں اور اسانید کو سامنے رکھ کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سپہ سالار اعظم تو عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے اور ان کی ماتحتی میں حضرت فضالہ لشکر شامی کے اور عقبہ بن عامر لشکر مصری کے سالار تھے اور ترمذی کی روایت سے اگرچہ حضرت فضالہ کا سارے لشکر کا امیر ہونا معلوم ہوتا ہے مگر ابو داؤد کی روایت کو اس کے بالمقابل دو وجہ سے ترجیح ہے اول تو اس لئے کہ نسائی وطبری وحاکم کی روایت میں فضالہ کا صرف لشکر شامی کا امیر ہونا مذکور ہے لہٰذا ''**الروایات تفسر بعضها بعضاً**'' کے قاعدہ کے مطابق ترمذی والی روایت کے اطلاق کو دوسری روایت مقیدہ پر محمول کیا جائے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فتوح کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید ہی تھے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**وأخرج ابن عساکر من طرق کثیرة أنه کان یؤمر علی غزو الروم أیام معاویة کتب رجل**'' اور تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث میں جس غزوہ کا تذکرہ ہے وہ امیر معاویہ کے عہد میں پیش آیا۔

عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کی وفات ۴۶ھ میں ہوئی ہے اور امیر معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی ہے۔

باب (۹)

متفرقات

حضرت معاویہ کا اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانا اجتہادی خطا تھی یا نہیں؟

سوال: اسی طرح زید حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی یہ کہتا ہے کہ انہوں نے بعض مصالح کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کردیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی اس اجتہادی غلطی کا امت کو کیسا خمیازہ بھگتنا پڑا... زید کا یہ قول کیسا ہے حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں تو اجتہادی غلطی کے مرتکب مانے گئے ہیں کیا یزید کو ولی عہد نامزد کرنے کے معاملہ میں بھی سنت کسریٰ وقیصر کا متبع کہا جائے گا اور ان کے اس فعل کو بھی اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

المستفتی: اعجاز اختر آگرہ

جواب: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللہ اللہ في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله يوشک أن يأخذه". (رواه الترمزي. ۲۲۶/۲ عن عبدالله بن مغفل۔

انبیاء کے بعد حضرات صحابہؓ کا مرتبہ ہے ان کے مقام رفیع کی رعایت ضروری ہے ان سے بتقاضائے بشریت لغزشیں بھی ہوئی ہیں۔لیکن وہ ان کے کمالات ومحاسن کے سامنے پاسنگ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اگر ان سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ معذور تھے اور کسی خاص سبب کو سامنے رکھ کر ہی ایسا کیا ہے حضرت معاویہؓ سے واقعی اجتہادی غلطی ہوئی کہ یزید کو ولی عہد بنادیا انہوں نے اپنے بیٹے کو اس

لائق خیال کیا اور سمجھا کہ مسلمانوں کا بہی خواہ اور دین کی فکر والا ثابت ہوگا مگر ایسا ثابت نہیں ہوا، اس میں ان سے چوک ہوگئی مگر یہ بات بضرورت اس طرح بیان کرنے میں جس میں ان کی تنقیص نہ ہوتی ہو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ اس سے تنقیص نکلتی ہو تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے اور ایسا شخص سلف صالح کے طرز سے ہٹا ہوا ہے قیصر وکسریٰ بھی اپنی اولاد کو حکومت کے لیے نامزد کرتے تھے مگر ان کا مقصد صرف دنیاداری ہوتی تھی اور ایک صحابی سے یہ بعید ہے اس لئے ان کے فعل کو قیصر وکسریٰ کے فعل سے تشبیہ دینا درست نہیں۔ محمد یونس عفیٰ عنہ

اور بعض صحابہ جیسے عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق سے علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء (ص۱۸۳) میں جو نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسکو سنت کسریٰ وقیصر قرار دیا ہے في رواية للحاكم ٤/ ٤٨١ سنة هرقل وقيصر وكذا في رواية الإسمعيلي كذا في الفتح، وقد نقلت عبارته في هامش الصحيح (ص:۷۱۵) وہ اس لحاظ سے کہ بیٹے کو نامزد کیا اولاد کی نامزدگی خلفاء راشدین کے یہاں نہیں تھی یہ یقیناً کسریٰ وقیصر کا طرز ہے۔ محمد یونس عفی عنہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محمد بن عبداللہ لکھنے اور محمد رسول اللہ نہ لکھنے پر اشکال وجواب

سوال: جوامع الکلم (جلد اول، ص۔۱۳) میں تحریر ہے کہ:

''واقعہ حدیبیہ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کاتب تھے رسول اللہ نے عہد نامہ لکھوایا کہ (یہ محمد رسول اللہ کی جانب سے) تو کفار مکہ نے کہا اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو مخالفت نہ کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ اس طرح لکھو محمد بن عبداللہ کی طرف سے۔ چونکہ اس حکم میں ایک عذر اور حیلہ جوئی تھی (جو صداقت کے منافی تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے) کیا فی الواقع حضرت علی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا تھا اس میں عذر اور حیلہ جوئی مدنظر تھی اور وہ حکم صداقت کے بھی خلاف تھا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ہی وجوہ کی بناء پر حکم رسول کی تعمیل نہ کی تھی؟ اور یہ بات جو عرض کی گئی ہے صحیح اور درست ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عذر اور حیلہ جوئی نہ کرنا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا وصف خصوصی تھا نہ کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ من ذلک)

جواب: واقعہ تو صحیح ہے جب کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب ہونے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا تھا مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اس کے محمد بن عبد اللہ لکھنے کا امر فرمایا اور یہ کہ محمد رسول اللہ کا لفظ مٹادیں حضرت علی نے انکار کر دیا:

عن البراء بن عازب قال اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم في ذي القعدة فأبي أهل مكة أن يدعوه يدخل مكة حتى قاضاهم (صالحهم) على أن يقيم بها ثلثة أيام فلما كتبوا الكتاب كتبوا "هذا ما قاضانا عليه محمد رسول الله قالوا: لا نقر بهذا لو نعلم أنک رسول الله ما منعناک شيئاً ولكن أنت محمد بن عبد الله" فقال: "أنا رسول الله أنا محمد بن عبد الله ثم قال لعلي، امح رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال على: لا والله لا أمحوک أبداً، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكتاب، وليس يحسن يكتب، فكتب "هذا ما قاضي محمد بن عبد الله" الحديث رواه البخاري (ص ٦١٠) ورواه في موضع آخر (ص ٣٧١) بلفظ لماصالح رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الحديبية كتب علي بينهم كتاباً فكتب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال المشركون: "لا تكتب محمد رسول الله لو كنت رسولاً لم نقاتلک، فقال لعلي امحه، قال علي ما أنا بالذي امحاه فمحاه رسول الله ﷺ بيده". الحديث وأخرجه مسلم (ص۔١٠٤-١٠٥/٢) لیکن حضرت علی کے محو کے انکار کی مذکورہ علت غلط ہے انہوں نے تو حسن ادب کی وجہ سے انکار کیا تھا۔

جیسا کہ واللہ لا أمحوک سے معلوم ہوتا ہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ لفظ رسول اللہ کو آپ کے نام سے الگ کر دیں اور مٹادیں قال النووي (١٠٤) "وهذا الذي فعله علي من باب الأدب المستحب لأنه لم يفهم من النبي صلى الله عليه وسلم تحتيم محو على نفسه ولهذا لم ينكر، ولو حتم محوه بنفسه، لم يجز لعلي تركه، ولما أقره النبي صلى الله عليه وسلم على المخالفة". انتهى. حیلہ جوئی کی علت اور اس کو خلاف صداقت قرار دینا کسی شیعہ کا قول ہے جو اپنی کور باطنی کی وجہ سے حضرت علی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نعوذ باللہ افضل مانتے ہیں حدیث کے پہلے طریق میں تو صاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: أنا رسول الله وأنا محمد بن عبد الله مذکور ہے پھر خلاف صداقت کیا بات ہوئی اور نبی کی طرف خلاف صداقت بات کی نسبت کوئی بد باطن منافق ہی کر سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین

القوسین عبارت لکھنے والا کوئی عبداللہ بن سبا یہودی کا ہم عقیدہ ہے جو ظاہرا مسلمان ہوگیا تھا اور در پردہ یہودی تھا اوراہل بیت کی موالات ظاہر کرکے طرح طرح کے باطل عقائد پھیلائے اور شیعوں کو گمراہ کیا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ ''کرم اللہ وجہہ'' کیوں کہا جاتا ہے

سوال:۔ حضرت علیؓ کے اسم مبارک کے ساتھ کرم اللہ وجہ کیوں کہا جاتا ہے؟ عبیداللہ کاندھلوی۔

جواب:۔ حضرت گنگوہی اپنے فتاوی میں (ص ۹۷) لکھتے ہیں چونکہ حضرت علیؓ کو خوارج بلفظ ''سوّد اللہ وجہہ'' اپنی خباثت سے یاد کرتے ہیں اسی واسطے اہل سنت نے کرم اللہ وجہہ مقرر کیا اور علامہ شمس الدین السخاوی فتح المغیث ۲/۱۶۴ میں لکھتے ہیں:

''وفي تاريخ اربل لابن المسلوقي عن بعضهم أنه كان يسأل عن تخصيصهم علياً بكرم الله وجهه فرأى في المنام من قال له لأنه لم يسجد لصنم قط''۔

یہ توجیہ بظاہر ضعیف ہے اس لئے کہ بہت سے صحابہ جیسے حضرات حسنین، ابن زبیر، نعمان بن بشیر وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اصنام کو سجدہ نہیں کیا لہٰذا ان کے لئے بھی کرم اللہ وجہہ استعمال کرنا چاہئے۔ اقرب حضرت گنگوہی کی توجیہ معلوم ہوتی ہے لیکن مجھے متقدمین میں سے کسی کے کلام میں یاد نہیں۔ واللہ اعلم

مقدرات میں تغیر ہوسکتا ہے یا نہیں حنفیہ واشاعرہ کے مسلک کی توضیح

تنبیہ: حنفیہ واشاعرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مقدرات میں تغیر ہوسکتا ہے یا نہیں حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور اشعریہ اس کے خلاف کہتے ہیں اشاعرہ حدیث ابن مسعود مرفوعاً ''ان أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه وبينها إلاذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها''.

رواه البخاري ومسلم وأبوداؤد والترمذي وابن ماجه وأحمد.

اور اس کے امثال سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فيسبق عليه الكتاب''، معلوم ہوا وہ جو کتاب میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اور حنفیہ آیت کریمہ: ''يمحو الله مايشاء ويثبت وعنده أم الكتاب'' کے امثال سے استدلال فرماتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ اختلاف لفظی ہے علم الٰہی

میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے ہر تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے حافظ ابن حجر حدیث ابن مسعودؓ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں ۱۱/ ۴۲۷: والحق أن النزاع لفظي، وإن الذي سبق في علم الله لا يتغير ولايتبدل وإن الذي يجوز عليه التغير، والتبديل مايبدو للناس من عمل العامل، ولايبعد أن يتعلق ذلک بما في علم الحفظة، والموكلين بالآدمي، فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة في العمر والنقص وأما ما في علم الله فلامحو فيه ولا إثبات، والعلم عندالله انتهى.

اس روایت کی تحقیق کہ ''سورۃ فاتحہ اور معوذتین'' کلام اللہ کا جزء نہیں ہیں

کلام اللہ اور کلام من اللہ کا فرق

ایک سوال کا جواب عنایت فرمائیں سورۃ فاتحہ کلام اللہ کا جز نہیں ہے کیا کوئی روایت یا کسی کا قول ایسا ہے؟ اب ایک بات اور ذہن میں آ گئی کلام اللہ اور کلام من اللہ میں کیا فرق ہو جائے گا؟

(سید امتیاز حسین صاحب

در مکتوب حضرت اقدس ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جواب: مخدومنا المکرّم زادت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کسی روایت میں سورۃ فاتحہ کا انکار وارد نہیں ہے بلکہ صحیح بخاری شریف میں (ص ۶۴۲) حضرت ابو سعید بن المعلی سے روایت ہے: كنت أصلي في المسجد فدعاني رسول الله ﷺ فلم أجبه، فقلت: ''يارسول الله ﷺ! إني كنت أصلي'' فقال: ''ألم يقل الله استجيبوا الله: ''وللرسول إذا دعاكم'' ثم قال لأعلمنک سورة هي أعظم السور في القرآن قبل أن تخرج من المسجد، ثم أخذ بيدي فلما أن أراد أن يخرج قلت له: ألم تقل لأعلمنک سور ة هي أعظم سورة من القرآن''. قال: الحمد لله رب العالمين هي السبع المثاني، والقرآن العظيم الذي أوتيته.

البتہ ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں جریر بن عبدالحمید سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کے مصحف میں سورۃ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھے: ولفظه وليس فيه الحمد لله ولا المعوذتان كذا نقله السيوطي في الإتقان (۱/ ۶۴) لیکن یہ نقل بظاہر مشکل ہے اس لیے کہ جریر بن عبدالحمید الرازی نے ۱۸۸ھ میں وفات پائی ہے جبکہ ان کی عمر اکہتر سال کی تھی، تو اس حساب سے ان کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی، اور حضرت ابن مسعود کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی ہے اس لحاظ سے ابن مسعود کی وفات اور جریر کی ولادت میں پچاسی یا چوراسی سال کا

فرق ہے لیکن اتقان میں ہے(۱/ ۶۵) أخـرج أبوعبيد عن ابن سيرين قال كتب أبي بن كعب في مـصـحفه فاتحة الكتاب والمعوذتين واللّٰهم إنا نستعينك واللّٰهم إياك نعبد وتركهن ابن مسعود وكتب عثمان منهن فاتحة الكتاب والمعوذتين.

لیکن بظاہر اس میں وہم ہوگیا امام نووی شرح المہذب (ص ۳۹۶/ ۳) میں لکھتے ہیں: أجـــمـــع الـمسلـمـون عـلى أن المعوذتين، والفاتحة، وسائر السور المكتوبة في المصحف قرآن، وأن مـن جـحد شيئاً منه كفر، ومانقل عن ابن مسعود فى الفاتحة، والمعوذتين باطل، ليس بـصـحيـح عنه قال ابن حزم في أول كتابه "المجاز" هذا كذب على ابن مسعود موضوع، وإنما صح عنه قرأة عـاصم عن زرو فيها الفاتحة، والمعوذتان انتهى. وهكذا قال ابن حزم في أول المحلى وكذا في كتاب القدح المعلى تتميم المجلى والله أعلم.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

آیت "ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِه" کی ضمیر کے مرجع کی تحقیق

قدم روح کا غلط استدلال اور اس کا جواب

سوال:- سورة الٓمّ السجدة (پارہ ۲۱) کی آیت ۹، اس طرح ہے: "ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِه وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَوَالأَفْئِدَةَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ".

اس آیت میں لفظ روحہ کو اکثر مفسرین نے اللہ کی طرف منسوب کیا ہے یعنی یہ مطلب لیا ہے کہ جب اس نے (اللہ نے) اس کو (آدم کو) سنوار دیا اور اس میں اپنی (اللہ کی) روح کو پھونکا کیا۔ جناب والا کی نظر میں کوئی مفسر ایسا بھی ہے جس نے اس کو آدمؑ کی طرف منسوب کیا ہو یعنی یہ مطلب لیا ہو کہ جب اس نے (اللہ نے) اس کو (آدم کو) سنوار دیا اور اس میں اسکی (آدم کی) روح کو پھونکا۔

ماجد علی خان از امریکہ

درمکتوب حضرت شیخ الحدیث صاحب، ایک اپریل ۷۳ء

جواب:- آیت کریمہ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِه کی ضمیر مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے چنانچہ اس کے لئے ایک درجن سے زائد تفاسیر کی مراجعت کی گئی مگر کہیں بھی آدم کی طرف

ارجاعِ ضمیر کا تذکرہ نہیں ملا بلکہ تقریباً سارے ہی اضافت کے تشریفی ہونے کی تصریح کرتے ہیں کذا صرح به الرازی فی الکبیر (٦٥٧/٦) والبيضاوي في تفسيره (١٨٦/٢) والشهاب الخفاجي (١٤٩/٧) والقنوي (٩٦/٦) في حاشيتيهما على البيضاوي وأبو السعود (٧٥١/٦،هامش الكبير) وأبوحيان في البحر المحيط (١٩٩/٧) وفي النهر الماد وصاحب الخازن (٤٤٥/٣) والسيد محمود الآلوسي في روح المعاني (١١١/٢١) وصاحب روح البيان (١١١/٧) وصاحب جامع البيان (ص ٣٥٧) والصاوي في حاشية الجلالين (٢١٧/٣) وصاحب الجواهر (١٩١/١٥) وغيرهم.

اگرچہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آدمؑ کی طرف ضمیر لوٹائی جا سکتی ہے، مگر دو وجہ سے اس میں اشکال ہے ایک تو یہ کہ پھر لفظ من کا بظاہر کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک دوسری آیت میں: ''فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ'' وارد ہے جو پارہ ۱۴ سورۃ حجر رکوع تین کی آیت ۲۹ ہے اور اس میں صاف روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے آپ کو غالباً یہ شبہ ہوگا کہ اس آیت سے قدم روح پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض ملاحدہ نے کیا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۃ جاثیہ پارہ ۲۵ رکوع ۲ میں ارشاد ہے: ''وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْه'' الآية، تو اگر یہ مان لیا جائے کہ روح قدیم ہے اس لیے کہ من روحه فرمایا گیا ہے اور ضمیر اللہ کی طرف ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا جز ہوگی تو پھر یہ لازم آئے گا کہ تمام ''مافي السمٰوات وما في الأرض نعوذ بالله تعالیٰ'' کا جز ہو اور قدیم اور اس کا اہل ملل سماویہ میں سے شاید کوئی بھی قائل نہیں۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

تفسیر سے متعلق ایک سوال کا جواب

سوال:- قرآن کریم میں وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ہے اور شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل ذکر ص: ۱۴۹ میں مفصل تسبیح کا ذکر فرمایا ہے اہل کشف حضرات تسبیح دوسری چیزوں کی سمجھ لیتے ہیں اور روایت بھی نقل کی، کیا یہ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ کے معارض ہے اگر ہے تو

تطبیق اور توفیق کی صورت کیا ہوگی۔

جواب :- **لاتفقھون تسبیحھم** سے مراد یہ ہے کہ تم سب لوگ نہیں سمجھتے اس سے بعض کے سمجھنے کی نفی نہیں ہوتی، بخاری شریف میں حضرت ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ ’’**ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل**‘‘۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

سورۃ واقعہ میں ’’فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ‘‘ کا تعلق آخرت سے ہے یا موت کے وقت سے؟

از محمد عمر دہلی، ۲۹/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ، م ۵ فروری ۱۹۸۱ء جمعرات

سوال :-

مکرم و محترم بندہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پوچھا تھا کہ سورۂ واقعہ میں ’’فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ‘‘ الخ. کے بارے میں بیان القرآن معارف القرآن وغیرہ میں بتایا ہے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے لیکن سیرۃ النبی (ج:۴) میں غالباً سید سلیمان ندوی صاحب نے اس کو موت کے وقت کے بارے میں لکھا ہے پوچھنا یہ ہے کہ موت کے وقت سے اس کا تعلق کسی تفسیر میں ہو تو صرف ان تفسیروں کا آپ نام لکھ دیں تاکہ اگر ہم بیان میں اس کو موت کے وقت سے جوڑیں اور کوئی پوچھے تو جواب دینا آسان ہو اور اگر کسی نے بھی موت سے نہیں جوڑا تو یہ بھی لکھدیں تاکہ ہم اسے بیان نہ کریں۔ فقط والسلام

جواب لکھ کر یوسف کو دیدیں وہ مجھ پہ بھیج دے گا۔

جواب : مخدوم و مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی پرچہ ملا بیان القرآن وغیرہ میں جو تفسیر بیان کی گئی ہے صاحب روح المعانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور سید صاحب نے جو تفسیر اختیار کی ہے درمنثور وغیرہ میں سلف سے نقل کی گئی ہے:

قال السیوطي (۶/۱۶۶): أخرج ابن أبي شیبة وأحمد في الزھد وعبد بن حمید وابن

الـمنذرعن الربيع بن خيثم في قوله ”فأما إن كان من المقربين فروح وريحان“ قال هذا له عند الـمـوت، و”جـنـة نعيم“ قال تخبأله الجنة إلى يوم يبعث، و”أما إن كان من المكذبين الضالين فـنـزل مـن حـميم“ قال هذا عند الموت، و”تصلية جحيم“ قال تخبأله الجحيم إلى يوم يبعث وأخـرج أبـوالقاسم بن مندة في كتاب الأهوال والأيمان بالسوال عن سلمان قال: قال رسول الله صـلـى الله عليه وسلم أن أول ما يبشر به المؤمن عند الوفاة بروح وريحان وجنة نعيم وأن أول مـا يبشـر بـه الـمـؤمن في قبره أن يقال اُبَشِّرُبرضا الله تعالیٰ، والجنة قدمت خير مقدم قد غـفـر الله لـمـن شيـعک إلـى قبـرک، وصـدق مـن شهدلک ويستجاب لمن استغفرلک، وأخرج عبد بن حميد وابن جرير وأبوالقاسم بن مندة في كتاب السؤال عن الحسن في قوله: ”فـروح وريـحان“ قال ذلک في الآخرة فاستفهمه بعض القوم فقال: ”أما والله أنهم ليسرون بـذلک عـن الـمـوت“ وأخـرج الـمروزي في الجنائز وابن جرير عن الحسن، قال: ”تخرج روح المؤمن من جسده في ريحانة، ثم قرأ ”فأما إن كان من المقربين فروح وريحان“.

اس مضمون کی تفسیر متعدد تابعین قتادہ ابوعمران الجونی ابوالعالیۃ وغیرہ سے نقل کی ہے: وأخـــرج ابـــن جـريـر وابن المنذر عن ابن عباس في قوله: ”فسلام لک من أصحاب اليمين“ قال: ”تأتيه الـمـلائـكة بالسلام من قبل الله تسلم عليه وتخبره أنه من أصحاب اليمين“ وأخرج بن أبي حـاتـم عـن ابـن عباس في قوله: ”وأما إن كان من المكذبين الضالين فنزل من حميم“ قال: ”لايـخـرج الـكـافـر مـن دارالـدنيـاحتـى يشـرب كأساً من حميم“ وأخرج ابن مردويه عن عبـدالـرحـمـن بـن أبي ليلیٰ عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ”فأما إن كان من المقربين فروح وريحان“ قال: ”هذا في الدنيا وأما إن كان من المكذبين الضالين فنزل من حـميـم وتصلية جحيم“ قال: ”هذا في الدنيا“ وأخرج أحمد وابن المنذر وابن مردويه عن عبـد الرحمن ابن أبي ليلى، قال: حدثني فلان بن فلان سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أحب لقاء الله أحب الله لقاء ه ومن كره لقاء الله كره الله لقاء ه فأكب القوم يبكون، فـقـالـوا إنا نكره الموت قال ليس ذلک ولكنه إذا حضر ”فأما أن كان من المقربين فروح وريـحـان وجـنـة نـعيم“ فإذا بشر بذلک أحب لقاء الله والله للقاء ه أحب، وأما إن كا ن من المكذبين الضالين فنزل من حميم فإذا بشر بذلک كره لقاء الله والله للقاء ه أكره.

اور بھی اس قسم کی روایات اور آثار ذکر فرماتے ہیں اور جتنا اوپر لکھا گیا سب حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تفسیر کے صریح مطابق ہے بعد میں تفسیر ابن کثیر (ص ۴/۳۰۱) میں بھی اس طرح کی تفسیریں ملیں۔

فقط والسلام　　　محتاج دعوات

بندہ محمد یونس عفی عنہ　　　لیلۃ الاحد ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی مبارک کس عہد میں کس کے ہاتھ سے کہاں گری

محترم المقام حضرت الاستاذ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) شمائل ترمذی میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی انگوٹھی بئر اریس میں حضرت معیقیب کے ہاتھ سے گری ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ سے گری ہے اس میں صحیح و محقق کیا ہے اور دفع تعارض کی کیا صورت ہے

جواب　عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) انگوٹھی مبارک علی المشہور حضرت عثمان کے ہاتھ سے گری ہے:

وقد وقع ذلک في صحيح البخاري (ص ٨٧٢) عن ابن عمر قال لبس الخاتم بعد النبي ﷺ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان حتى وقع من عثمان في بئر اريس. اور صحیح مسلم وشمائل ترمذی وغیرہما میں حضرت معیقیب کے ہاتھ سے گرنا مذکور ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: وهذا يدل على أن نسبتة إلى عثمان مجازية أو بالعكس كذا في حاشية البخاري عن الفتح.

پردہ کی مشروعیت کس سن میں ہوئی

سوال :- پردے کی مشروعیت کس سن میں ہوئی اس کے حوالہ کی ضرورت ہے؟

جواب :- نزول حجاب حضرت زینب کے نکاح میں ہوا جس کا مفصل قصہ بخاری (ص ۷۰۷ و ۷۰۶) ومسلم (ص ۴۶۱) وغیرہما میں موجود ہے۔ اب یہ کہ یہ کس سن کا واقعہ ہے اس میں تین قول ہیں واقدی کہتے ہیں کہ ذی القعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (ص ۷/۳۳۲): ما قال الواقدي مردود، والمشهور أن الحجاب قال في ذي القعده سنة أربع، وهو قول جماعة وصححه الدمياطي وقد جزم خليفة وأبو عبيدة وغير واحد بأنه قال سنة ثلاث انتهى۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ　　　۵/ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

اعتکاف کی ابتداء کس سال ہوئی

سوال:- اعتکاف کی ابتدا کس سال ہوئی؟

محفوظ الرحمان سلطان پوری

جواب:- اصل اعتکاف تو سنت قدیمہ ہے حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: **نذرت أن اعتكف ليلة في المسجد الحرام، رواه البخاري وفي مسلم يوماً، وجمع ابن حبان بأن النذر كان اعتكاف يوم وليلة.**

اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت ابراہیمی ہے جس کے کچھ آثار باقی تھے، لیکن اعتکاف مسنون کی ابتدا تو بظاہر ہجرت کے بعد ہے صوم کی فرضیت شعبان ۲ھ میں ہوئی ہے اور خیال یہ ہے کہ اعتکاف مسنون اسکے بعد شروع ہوا تصریح کہیں نہیں ملی البتہ بدائع میں اتنی عبارت ہے:

"**ولم يترك الاعتكاف منذ دخل المدينة إلى أن مات** ﷺ" انتہی۔ اس سے یہ معلوم ضرور ہو گیا کہ ہجرت کے بعد سے یہ سنت ہمیشہ معمول بہا رہی واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مالکی عالم سے تعلم کے سلسلہ میں مشورہ

منطق پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے اقوال

آپ (یعنی مولانا الحاج عبدالحفیظ صاحب) نے لکھا ہے کہ مالکی عالم سے تعلم کے سلسلہ میں خیال ہے اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے سلفاً وخلفاً مذاہب مختلفہ کے اصحاب ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے آئے ہیں اور مالکیہ تو حنفیہ کے ساتھ مسائل فرعیہ میں بہت قرب تر ہیں۔ آپ رفع یدین فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل معروفہ ہی کو لیلیں تو بہت قرب ملے گا البتہ منطق وغیرہ کے بارے میں بندہ کا خیال ہے کہ ایک آدھ کتاب بغرض علم اصطلاح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی حدیث وقرآن کا مطالعہ اس سے چندر چند زیادہ ہوتا کہ منطق کی وجہ سے طبیعت پر کوئی اثر نہ ہونے پائے خود یہ مختلف فیہ علم ہے ایک جم غفیر اس کی تحریم کی قائل جیسے سراج الدین قزوینی حنفی، ابن العربی مالکی، الباجی، ابن ابی زید طرطوشی، ابن المنیر وغیرہ مالکیہ اور امام

شافعی اوران کے اتباع میں سے امام الحرمین، غزالی، ابن الصلاح، امام نووی، ابن دقیق العید، وغیرہ ابن الجوزی، سعد الدین الجارثی ابن تیمیہ وغیرہم حنابلہ میں سے ہیں لیکن اس کے برخلاف تعلیما وتعلماً ایک جماعت عظیمہ جواز کی قائل اور بعض واجب تک کہہ ڈالتے ہیں مگر یہ سب غلو ہے صاحب سلم المنورق کہتے ہیں:

والخلف في جواز الاشتغال	بـــه عـلـــى ثـلا ثة أقـوال
فابن الصلاح والنووي حرما	وقال قوم، ينبغي أن يعلما
والقولة المشهورة الصحيحة	جـوازه لـكـامـل القـريـحة
مـمـارس السنة والكتاب	ليهتدي بـه إلى الصواب

ہمارے مشائخ کے یہاں تو تمہیں معلوم ہے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا دستور ہے لیکن بقدر ضرورت اور ہمارے حضرت اقدس قطب الوجود حضرت گنگوہی اس علم سے بہت ہی نفرت فرماتے تھے جیسا کہ تذکرۃ الرشید ۲/۵۰ میں مذکور ہے لیکن ان سب کا محل ہمارے یہاں یہ ہے کہ اسی کا ہوکر رہ جائے۔ البتہ کتاب وسنت کا علم اگر غالب ہو تو کچھ بھی کامل القریحہ کے لیے حرج نہیں ہے علم مناظرہ میں معلوم نہیں وہاں کون سی کتاب چلتی ہے۔ ہمارے یہاں تو رشیدیہ شرح شریفیہ متداول ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

”رحم“ کا مشتق منہ اور اشتقاق لغوی واصطلاحی کا فرق

سئلت عن قول البخاري ص: ٦٨٩ في تفسير سورة الكهف: رحما من الرحم وهي أشد مبالغة من الرحمة، ويظن أنه من الرحيم مشتق من الرحمة، ففي قول البخاري يلزم الاشتقاق من المشتق، فهل لهذا أصل؟

فأجبت بأنه ليس المراد الاشتقاق الاصطلاحي بل المعنى أنه نقل إلى هذا المعني ثم رأيت البخاري قال: في كتاب الأنبياء في باب قوله: وإلى ثمود أخاهم صالحاً سمى حطيم البيت حجراً كأنه مشتق من محطوم مثل قتيل من مقتول انتهى.

قال الحافظ ابن حجر ٦/٢٦٩ قوله مشتق ليس هو محمولاً على الاشتقاق الذى حدث اصطلاحه وقال العيني ٧/٣٧٨ قوله كأنه مشتق من محطوم الخ.

أراد أن الحطيم بمعني المحطوم كما أن القتيل بمعنى المقتول يعني فعيل ولكنه بمعني مفعول و ليس فيه اشتقاق إصطلاحي وقال الشيخ زكريا الأنصاري في تحفة الباري ١٤٦/٧، أراد بذلک أن فعيلا بمعنى مفعول لا أنه مشتق منه اصطلاحاً انتهى.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اشعار ”صبت علي مصائب الخ کی تحقیق

سئلت عن قول فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها ؎

صبت علي مصائب لو أنها صبت على الأيام صرن لياليا

هل هو من قولها؟ و من ذكر ذلک أن هذا الشعر قالته فاطمة رضي الله تعالى عنها؟

جواب: فأجبت أن العلامة نور الدين السمهودي رحمه الله تعالى ذكر في كتابه وفاء الوفاء بأخبار د ار المصطفى صلى الله عليه وآله وصبحه وسلم ٤٤٤/٢، ما نصه وفي تحفة ابن عساكر من طريق طاهر بن يحيى الحسينى، قال: حدثني أبي عن جدي عن جعفر بن محمد عن أبيه عن علي رضى الله تعالىٰ عنه، قال: لما رمس رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء ت فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها، فوقفت على قبره – صلى الله عليه وسلم – وأخذت قبضة من تراب القبر، ووضعت على عينها وبكت وأنشأت تقول.

ما ذا على من شم تربة أحمد
أن لا يشم مدى الزمان غواليا
صبت علي مصائب لوأنها
صبّت على الأيام صرن لياليا

ثم وقفت بعد ذلک على أن ابن النجار أخرجه في الدرة الثمينة في تاريخ المدينة ٣٨٧/٢، قال: أنبأنا أبوجعفر الواسطي عن أبي طالب عن ابن يوسف أخبرنا أبو الحسن بن الآبنوسي عن عمر بن شاهين أخبرنا محمد بن موسى حدثنا أحمد بن محمد الكاتب حدثني طاهر بن يحيى حدثني أبي عن جدي عن جعفر بن محمد عن أبيه عن أبي طالبؓ قال: لما رمس رسول الله جاء ت فاطمة فوقفت على قبره وأخذت قبضة من تراب القبر فوضعته على

عينها وبكت وأنشأت تقول:

مـا ذا عـلـى مـن شـم تـربة أحـمـد
أن لا يشـم مـدى الـزمـان غـواليـا
صبـت عـلـي مـصـائـب لـو أنهـا
صبّـت عـلـى الأيـام عـدن ليـاليـا

هـكـذا فـى تاريخه ”عدن“ و هكذا نقله ابن قدامة في المغنى والقسطلاني۳/۲۸۲ في شرح البخاري.

وہ سات آدمی کون ہیں جنھوں نے بادشاہ کے دربار میں اعلان حق کیا

سـوال :- وہ سات آدمی کون ہیں جنھوں نے ایک بادشاہ کے دربار میں حق کا اعلان کیا اور ان کی تاریخ کیا ہے؟ خورشید احمد امام مسجد تاروالی پنجاب

جـواب :- وہ سات آدمی اصحاب کہف ہیں جیسا کہ سورہ کہف میں ان کا قصہ مذکور ہے۔ کتب تفسیر میں ان کی تاریخ دیکھی جاسکتی ہے۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

ایک عربی وفارسی عبارت کا ترجمہ

سوال :- درج ذیل عبارت کا ترجمہ کردیجئے، نوازش ہوگی۔

الـحـمـد لله الـذي أنشانا بتصريفه و آثرنا بتشريفه و شرفنا بتكليفه و كلفنا بالنظر في عجائب تاليفه و الصلوة على محمد خير البرية وعلى آله وأصحابه وعترته أمابعد!

چنیں گوید مؤلف ایں کتاب محمد بن عمر المدعو بفخر الرازی کہ چوں ایزد تعالیٰ مرا از مواہب علمی ومطالب علمی حصہ بداد و در مباحث عقلی ومناہج نقلی بر خاطر کشاد پیوستہ بمقتضائے تکلیف الٰہی در تبلیغ آں جدمی نمودم وعقد مشکلات را بدست فکرت می کشودم۔

جـواب :- تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مختلف حالات[1] میں ادل بدل کر بنایا اور ہم

[1] اکثر تصریف ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے کے لئے آتا ہے یہاں مراد وہ اطوار مختلفہ ہیں جو انسان پر نطفہ علقہ مضغہ کی شکلوں میں طاری ہوتے ہیں پھر جا کر انسان کی صورت حاصل ہوتی ہے۔

کو اپنی تشریف وتکریم کے ساتھ خاص فرمایا اور اپنے احکام تکلیفیہ (جن کا بندہ مکلّف ہے) کے ذریعہ شرافت بخشی اور اپنی عجیب تالیف[۲] (یعنی قرآن پاک یا مخلوقات) میں نظر (غور وفکر) کرنیکا مکلّف بنایا اور درود نازل ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ کی مخلوقات میں سب سے افضل ہیں اور ان کے آل واصحاب واولاد پر۔

حمد وصلوۃ کے بعد اس کتاب کا مولف محمد بن عمر جسے فخر رازی کہتے ہیں عرض کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے علمی عطایا ومطالب کا حصہ عطا فرمایا اور عقلی مباحث اور نقلی طریقوں کے دروازے دل پر کھولے اللہ تعالیٰ کے مکلّف بنانے کے تقاضے کے مطابق ہمیشہ اس کی تبلیغ میں کوشاں رہا اور مسائل مشکلہ کی گتھیوں کو فکر کے ہاتھ سے کھولتا رہا۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ ۲۵/شعبان ۱۴۰۱ھ

''کن حدیث بو ہریرۃ را شمار'' کس کا شعر ہے؟

سوال:- شعر کن حدیث بو ہریرۃ را شمار الخ حضرت ناظم صاحب سے سنا تھا یہ حضرت ہی کا اپنا شعر ہے یا کسی اور کا؟

جواب:- کن حدیث بو ہریرۃ را شمار پنج الف وسہ صد و ہفتاد وچار

یہ حضرت اقدس ناظم صاحب مدظلہ کا شعر ہے اور یہی عدد تمام اہل علم نے بتایا ہے البتہ مرقاۃ میں پہلی جگہ جہاں ابو ہریرہ کا نام آیا ہے وہاں ۷۴ کے بجائے ۶۴ لکھا گیا ہے وهو سهو.

بنده محمد يونس

ابواب الجنة

ابن ماجه ص: ۱۱٦ باب ماجاء في ثواب من أصيب بولده والفتح ص: ٤١ فضائل أبي بكر و ٤٣٥/٦، بدء الخلق باب صفة أبواب الجنة ومسند أحمد ٤٤٨/٥، مسند معاذ بن جبل و جمع الجوامع للسيوطي، مسند أنس ص: ٤٣٧، وتذكرة المعاد للقاضى ثناء الله ص: ٤٤ الباب الخامس والدارمي ص: ۳۸۰، ابن كثير ٦٦/٤ سورة الزمر وراجع الحاوى للفتاوى ١٠٥/٤ للسيوطي، فإنه جمع روايات كثيرة.

بنده محمد يونس عفي عنه

---

[۲] اگر تالیف سے مراد قرآن پاک ہے تو ان آیات کی طرف اشارہ ہوگا جس میں قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب وحکم وارد ہوا ہے اور اگر مخلوقات ہو تو سورہ غاشیہ وغیرہ کی آیات کی طرف اشارہ ہوگا۔

باب(۱۱)

مجموعۂ رسائل

رسالہ نمبر(۱)

إرشاد اللّبِيبُ

إلى

حديث التحبيب

تاليف

حضرة العلامة الشيخ محمد يونس الجونفوري حفظه الله

بسم الله الرحمن الرحيم

ألـحـمـدلله الـلـطيف الـخبيـرالـسـميـع الـبـصيـرالـذي أرسـل الرسل والأنبيـاء للإنذار والتبشيـر،وختـم بـأبـي القاسم البشيرالنذير، السراج المنير ،صلى الله عـليـه وسلم وعلى آله وصحبه مصابيح الدجى ونجوم الاهتداء.

أمـابـعـد :فـقـد ورد على شيخنا (أعني. الإمام العلامة الحافظ البارع محمد زكرياشيخ الحديث بمظاهرعلوم وهوالمراد بشيخنا إذا أطلقت في كلامي) سوالان:

الأول ان مـاذكرفى المنبهات من تحبيب ثلث الى النبى صلى ا لله عليه وسلم و أخر إلى أبي بكرؓو أخـر إلى عمرؓو أخـرعثـمـانؓ واخـرالـى عليؓ إلى آخر ماذكر،هل له أصل في كتب الحديث؟ ومن خرجه؟وهل المنبهات للحافظ ابن حجر العسقلاني الشهير أو لغيره؟

فأجاب (حضرة الشيخ) لازالت عتبته مشفوهة الطالبين ماحاصله:

"أن الـروايـة المذكور ة ذكـرهـا الـمـحـب الـطـبـري فـي الـرياض النضرة، وعنها أخذ القسطلاني في المواهب، ولعل صاحب المنبهات أخذها عنها.

وأمـا أن الـمـنبهـات لـمـن هـي؟ فـكـتـب فـي صـدر صـحـيـفة نسخهامنبهات ابن حجر الـعـسـقـلانـي وعـلـى بـعـضهاحواش وتصحيحات لبعض العلماء، وعدها في أواخر التهذيب واللسان في مصنفات الحافظ.

وأمـامـا اعتـرض بـعـضهم ان صاحب كشف الظنون لماذكرلم يذكروفاة مؤلفها مع أن الـحـافـظ العسقلانى معروف الوفاة، فـلـيـس مـن الإسـتـدلال فى شئى، فان قد عرف من عادة صـاحـب كشف الظنون أنه كثيراً أما يترك الوفيات،وهذاالجزري لما ذكر صاحب الكشف كـتـابـه الـمـعـروف فـي الـقـر ء ات العشر ترك سن وفاة مؤلفه (اعني الجزري) مع ان شهرته مـعـلـومة، نـعـم يشكل عليه أن مساق رواياته تنافى شأن الحافظ، ولكنه قد عرف التساهل فى باب التصوف،وقد عده الشيخ العارف التهانوي في الكتب المفيدة، انتهى".

فأردت (بتوفيق الله) أن أكتب ايضاجوابا لهذين السوالين .

وقـدرتبـت الـجـواب وهـذّبتـه فـى رسـالة مستقلة سميتها ”بإرشاد اللبيب إلى حديث التـحبيب“الـلهـم تـقبـلهـا بـقبـول حسـن كـما تقبلت من خليلك سيدنا إبراهيم وحبيبك وصفيك ونجيك وخليلك وعبدك ورسولك سيدنامحمد صلى الله عليه وسلم.

فنقول: أما الحديث ففيه كلام في مواضع.

ألأول: من خرجه؟ومالفظه؟

والثاني: في تحقيق لفظ ثلث.

والثالث:بيان معناه على تقرير ثبوته.

والرابع:في شرح الحديث.

والخامس: في الزيادة الواردة في المنبهات وغيرها.

أمـا الأول:فـنقول:قال الحافظ (١١/٦٩٢) أخـرجـه الـنسائي وغيره بسند صحيح في العشرة من سننه (ص٩٣) من طريقين:

مـن طريق سيارين حاتم عن جعفربن سليمان عن ثابت عن أنسؓقال قال رسول الله صلى عليه وسلم:حُبِّبَ إلىّ النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوة.

ومـن طـريـق سـلام أبـي الـمـنـذرعـن ثـابت عن أنسؓقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:حبب إلي من الدنيا النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلاة :

ومن طريق سيار رواه أحمد في الزهد والحاكم في المستدرك (٤/١٦٠) قال الحاكم هذ ا حديث صحيح على شرط مسلم، وأقره الذهبي.

قـلـت :وهـو وهم، فان سياربن حاتم ماخرج له مسلم، إنما أخرج له أبوداود والترمذي والـنسـائـي، فـقد رقم له في الميزان دت س، ورقم له في تهذيب التهذيب والتقريب ت س ق فعلى هذا أخرج له الترمذي (في الدعوات ٢/١٨٢) والنسائي وابن ماجه،ورقم الخزرجي في الخلاصةدس ق ، فعلى هذا أخرج له أبوداودوالنسائي وابن ماجه

فـاتـفقت علا متهم على النسائي واختلفت فيما سواه، فاتفق العلامه الذهبي والخزرجي عـلـى إخـراج حـديثـه عـنـد أبـودود، واختـلفا في الترمذي فأثبته العلامه الذهبي وسكت عنه

الخزرجي.

ووافـق الـحـافـظ ابـن حجر الحافظ الذهبي في التر مذي، واختلفا في ابن ماجه، فأثبته الحافظ وسكت عنه العلامة الذهبي ووافق الخزرجي الحافظ.

وأيّـامـا كان، فلم يرقم أحد أن مسلما أخرج لسياربن حاتم، فكيف يكون الحديث على شـرطه؟ فإن المراد بشرط الشيخين أن يكون رجالهما مع باقي شروط الصحيح، كماصرح به الحافظ فى شرح النخبة (ص١٣).

وقـال السـخاوي في فتح المغيث (ص ٨١): ثـم مـا الـمـراد بقوله على شرطهما؟ فعند الـنـووي وابـن دقـيـق الـعـيـد والـذهـبـي تبـعـا لابـن الصلاح هو أن يكون رجال ذلك الإسناد الـمـحـكـوم عـليه بأعيانهم في كتابيهما. وتصرف الحاكم يقوّيه، فاذا كان عند ه الحديث قد اخـرجـا معا أو أحدهما لروايته قال صحيح على شرطهما أو أحدهما، وإذا كان بعض رواته لم يخرجا له قال: صحيح الإسناد حسب.

ويتـأيـد بـأنـه حـكـم على حديث من طريق أبي عثمان بأنه صحيح الاسناد ثم قال: وأبو عثـمـان هذا ليس هو النهدي، ولو كان النهدي لحكمت بالحديث على شرطهما، وان خالف الحاكم ذلك فيحمل على السهو والنسيان ككثير من أحواله.

ولا يـنافيه قوله في خطبة مستدركه: ”وأنا استعين الله على إخراج أحاديث رواتها ثقات واحتج بمثلها الشيخان أو أحدهما“.

لأنـا نـقـول: الـمثلية أعـم مـن أن تـكـون فـي الأعيان، أو الأوصاف لا انحصار لها في الأوصـاف لـكـنهـا فـى أحدهما حقيقة وفي الآخر مجاز، فاستعمل المجاز حيث قال عقب ما يـكـون عـن نـفـس رواتهما على شرطهما، والحقيقة حيث قال عقب ما هو عن أمثال رواتهما صحيح، أفاده شيخنا اهـ.

فـإذا كـان الـمـراد مـن شرطهما أن يكون رجالهما فكيف سا غ للحاكم أن يحكم على حـديـث أحـد رواتـه لـم يخرج له واحد منهما أنه على شرط مسلم؟ ولو سلم أن مراد الحاكم بكون الحديث على شرطهما أو شرط أحدهما أن يكون رجال الإسناد مثل رجال الشيخين أو أحدهما في الأوصاف كما هو الظاهر من خطبة كتابه المستدرك، وكما فهمه العراقي، لا أن

يـكـون أعيـان رجـالهـمـا أو أحدهما في السند كما أفاده الحافظ وغيره، فكيف ساغ للذهبي موافقة الحاكم على دعواه؟ فإن الذهبي لا يقول بمثلية الأوصاف.

ثـم سيـار بـن حاتم قال أبو داود عن القواريرى: لم يكن له عقل. قلت: يتهم بالكذب؟ قال لا، وذكـره ابـن حبـان في الثقات، وقال: كان جماعا للرقائق، وقال أبو أحمد الحاكم: في حديثه بـعـض المناكير، وقال العقيلي: أحاديثه مناكير، وضعفه ابن المديني وقال الأزدى: عنده مناكير، قال الذهبي: هو رواية جعفر بن سليمان صالح الحديث، وقال الحافظ: صدوق له أوهام.

وجعفر بن سليمان شيخ سيار! قال الذهبي: صدوق في نفسه ينفرد بأحاديث عدت مما يـنكر، واختلف في الإحتجاج بها، فذكر أحاديث وقال: غالب ذلك في صحيح مسلم، وقال الحافظ في التقريب: صدوق زاهد لكنه كان يتشيع.

قـلـت: فـالإسناد جيد كما قال العراقي في تخريج الإحياء (٢/ ٨٢) وكذا قال المناوي والـعـزيزي في شرحي الجامع الصغير، ومن طريق سلام أخرجه أحمد (٣/ ٨٤١) و (٣/ ٩٩١) و (٣/ ٥٨٢)، وابـن أبـي شيبة وابـن سـعـد والبـزاروأبـو يـعلى وابن عدي في الكامل وأعله به والـعـقيلي كذلك، كما في تخريج الكشاف للحافظ (ص ٧٤) ومـن هذا الوجه أبو عوانة في مستخرجه على الصحيح والطبراني في الأوسط كما في المقاصد الحسنة للسخاوي.

قـال الـحافظ وقال الدارقطني في علله: رواه أبو المنذر سلام، وسلام بن أبي الصهباء و جـعـفـر بـن سـليمان فرووه عن ثابت عن أنس، وخالفهم حماد بن زيد عن ثابت مرسلاً وكذا رواه مـحـمـد بـن ثـابـت البـصـري، والمرسل أشبه بالصواب، وقد رواه عبد الله بن أحمد في زيادات الزهد عن غير أبيه من طريق يوسف بن عطية عن ثابت مرسلاً أيضاً.

قـلـت: قـال الذهبي في الميزان في ترجمة سلام بن سلمان أبي المنذر المزني البصري الـقـاري قـال ابـن مـعيـن: لا بأس به، وعنه رواية أخرى لا شيء، ويحتمل أن يكون أراد سلاما الطويل، وقال أبو حاتم: صدوق صالح الحديث، وقال العقيلي: لا يتابع على حديثه.

حـدثنا محمد بن إسماعيل حدثنا عفان حدثنا سلام أبو المنذر حدثنا ثابت عن أنس قال رسـول الله صـلـى الله عـليـه وسـلـم: حبـب إلـي من الدنيا النساء والطيب وجعل قرة عيني في الصلاة، قال العقيلي: وقد روى من غير هذا الوجه بسند فيه لين أيضا.

قال الذهبي: قلت حديث عفان أخرجه النسائى وإسناده قوي اهـ.

قال الحافظ: وله طريق أخرى معلولة عند الطبراني في الأوسط عن محمدبن عبد الله الحضرمي عن يحي بن عثمان الحربي عن الهقل بن زياد عن الأوزاعي عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن أنس مثله.

قلت: كذا أخرجه الطبراني في الصغير (ص ٣٥١) عن الفضل بن عثمان القرطبي البغدادي عن يحيى بن عثمان الحربي به لكن مقتصراً على جملة "وجعلت قرة عينى في الصلاة".

ومن طريق الطبراني في الصغير، أخرجه الخطيب في التاريخ (١٧٣/٢١) في ترجمة الفضل بن عباس القرطمي قال أخبرنا محمد بن عبد الله بن أحمد بن شهريار التاجر بأصبهان أخبرنا سليمان بن أحمد أيوب الطبراني حدثنا الفضل بن العباس القرطمي البغدادي حدثنا يحيى بن عثمان به، قال الطبراني لم يروه عن الأوزاعي الا الهقل تفرد به يحيى اهـ.

قلت كذا وقع الإختلاف في الفضل بن العباس هل هو القرطبي بالباء الموحدة التحتية كما في الصغير أو القرطمى بالميم كما في تاريخ الخطيب؟

تنبيه: لفظ الحديث عند البيهقي من طريق علي بن الجعد عن سلام إنما حبب إلي من دنياكم النساء.

ثم اعلم أن الحافظ قال في التلخيص (ص ٨٧٢): رواه النسائي وإسناده حسن ولا أدري أي الطريقين أرادو مما يجب التنبيه عليه أن الزرقاني قال في شرح المواهب (٧٥/٥) أخرجه الإمام أحمد في كتاب الزهد ووهم من عزاه لمسنده، الخ. وقال المناوي كما في الإتحاف (٣١٣/٥) عزوه لمسند أحمد باطل، فانه لم يخرجه فيه وإنما أخرجه في كتاب الزهد، فعزوه إلى المسند سبق ذهن أو قلم، قال وقد نبّه عليه السيوطي في حاشية البيضاوي اهـ.

قلت: هذا وهم وخطأ منشأ ذلك التقليد، فقد أخرجه أحمد في مسنده في أربعة مواضع.

الأول (٨٢١/٣): عن أبي عبيدة عن سلام أبى المنذر.

والثاني (٨٢١/٣): عن أبي سعيد مولى بني هاشم عن سلام.

والثالث (٩٩١/٣): عن أبي عبيدة أيضاً وسماه ههنا خالداً عن سلام.

والرابع (٣/ ٥٨٤): عن عفان عن سلام ولم يذكر "من الدنيا" في الموضع الثالث، وقال في الثلثة الأول "جعل قرة عيني" وفي الرابع "جعلت".

وقد عزاه إلى أحمد الحافظ ابن حجر في الكاف الشافِ في تخريج أحاديث الكشاف وتلميذه الحافظ السخاوي في المقاصد الحسنة في الأحاديث المشتهرة على الألسنة وعلم له السيوطي في الجامعين له، وكذا عزاه إليه قبلهم الحافظ ابن كثير في البداية والنهاية (٦/ ٦٢) وأخرجه من طريق أبي عبيده وأبي سعيد وكذا عزاه إليه صاحب المشكوة ص ٩٤٤ وابن حجر المكي في الفتاوى الحديثية (ص ٧٩١) وليس الخبر كالمعاينة، وراه أحمد والحاكم والطبراني والخطيب في التاريخ (٦/ ٦٥) عن ابن عباس مرفوعا، وفي المقاصد صححه ابن حبان ولكن مر المناوي على هذا الحديث في شرح الجامع الصغير وقد علم فيه السيوطي لأحمد ولم يتكلم بشيء.

وأما الثاني : أنه اشتهر على الألسنة بلفظ "حِبّب إلي من دنياكم ثلث" بزيادة "ثلث" وكذلك ذكره الغزالي فى الإحياء فى ثلثة مواضع: الأول فى النكاح، والثاني في ذم الدنيا وفى. كيمائے سعادت (ص ٥٣١) له والثالث في كتاب المحبة (٤/ ٥٥٤) والشيخ القطب الجيلاني في المقالة السادسة من فتوح الغيب الذي جمعه ولده أبو عبد الرحمن عيسى (ص ١٣) وفي مواعيظه المسمى بالفتح الرباني (ص ٥٤) في المجلس السابع والخامس والعشرين (ص ٥٧١) والزمخشري في تفسير آل عمران من الكشاف (١/ ٤٠٤) عند قوله تعالى (فِيْهِ آياتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيْم) الآية، وتبعه البيضاوى في أنوار التنزيل وأسرار التأويل والنسفي في مدارك التنزيل وحقائق التأويل، والقنوي وشيخ زاده من محشى البيضاوي، وكذا ذكره العارف محي الدين أبو عبد الله محمد بن علي المعروف بابن عربي الطائى الحاتمي الأندلسي في فصوص الحكم في حكمة فردية في كلمة محمديه (ص ٥٤٤) ولكن لم نجده في شيء من طرق هذا الحديث، وقد قال الحافظ في تخريج الكشاف: ليس في شيء من طرقه لفظ ثلث، بل أوله عند الجميع "حبب إلي من دنياكم النساء" وزيادة ثلث تفسد المعنى على أن الإمام أبا بكر بن فورك شرحه في جزء مفرد باثباتها وكذلك أورده الغزالي في الإحياء واشتهر على الألسنة، وقال في التلخيص الحبير (ص ٨٧٢) تبعاً لأصله

أعني البدر المنير لشيخه سراج الدين ابن الملقن وقد اشتهر على الألسنة بزيادة ثلث وشرحه الإمـام أبـو بكر بن فورك في جزء مفرد على ذلك، وكذلك ذكره الغزالي في الإحياء ولم نجد لفظ ثلث في شيء من طرقه المسندة، الخ.

وقـال تـلـميذه الحافظ السخاوى في المقاصد الحسنة: وما استقر في هذا الحديث من زيـادة ثلث فلم أقف عليها إلا في الموضعين من الإحياء وفي تفسير آل عمران من الكشاف، وما رأيتهـا في شيء من طرق هذا الحديث بعد مزيد التفتيش، وبذلك صرح الزركشي فقال: إنه لم يرد فيه لفظ ثلث، وزيادته محيلة للمعنى فإن الصلاة ليست من الدنيا.

قـال: وقـد تـكلم أبو بكر بن فورك على معناه فى جزئه ووجّه ما ثبت فيه الثلث، وكذا قال الولى العراقي (أى في أما ليه كما في المواهب): ليست هذه اللفظة وهي ثلث في شيء من كتب الحديث وهي مفسدة للمعنى، فإن الصلاة ليست من أمور الدنيا. اهـ.

قـلـت: كذا قال أبوه الحافظ زين الدين عبدالرحيم بن الحسين العراقي كما في الإتحاف (١١٣/٥) قـال الـعـراقـى رواه الـنسـائى والحاكم من حديث أنس باسناد جيد وضعفه العقيلي، وسـكـت الـعراقي هنا ولم ينبه على هذه الزياده رأيا للإختصار واتكا لا على الإشتهار مع أنه ذكر في أماليه أن هذه اللفظة ليست في شيء من كتب الحديث وهى تفسد المعنى. اهـ.

قـال الزبيدي: ووجدت بخط الكمال الدميري ما نصه: لفظة ثلث ليست في النسائى ولا أدرى مـا حـالهـا عـنـد الـحـاكم، وهى زيادة مفسدة للمعنى، وقد أجاب عنها جماعة فلم يتقنوا، وقاس الزمخشري عليها فيه آيات بينات، وقد أخطأ في القياس، اهـ.

قـلـت: وهـي ليسـت عـند الحاكم أيضا، وقال الحافظ ابن القيم في الهدى (٨٣/١): من رواه حبب إليّ من دنيا كم ثلث فقد وهم، ولم يقل صلى الله عليه وسلم ثلث، والصلاة ليست من أمور الدنيا التى يضاف إليها.

وقـال فـي الـجـواب الـكافي لمن سأل عن الدواء الشافي (ص ٦٢٣) بـعـد ما ذكر لفظ النسائي: هذا لفظ الحديث لا ما يرويه بعضهم: حبب إلي من دنيا كم ثلث، اهـ.

وقال الحافظ ابن كثير فى البداية والنهاية (٦٢/٦) بعد ذكر لفظ النسائى وأحمد: وقد روى مـن وجـه آخـر بـلـفـظ حبب إلي من دنياكم ثلث: الطيب والنساء وجعلت قرة عينى في

الصلاة، وليس بمحفوظ بهذا فإن الصلوة ليست من أمور الدنيا، وإنما هي من أهم شئون الآخرة اهـ.

وقال المناوي في شرح الجامع الصغير (٣٩٤/١): من زاد ثلث فقد وهم وقال الشوكاني في الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة (ص٧٧): قال العقيلي ليست فى شيء من كتب الحديث، وكذا قال الزركشي وابن حجر، اهـ، كذا وقع في نسخ الفوائد، قال العقيلي والله أعلم بما هو الصواب.

ونقل الشهاب الخفاجي في حواشيه على البيضاوي المسماة بعناية القاضي وكفاية الراضي (٩٤/٣) عن الطيبي أنه قال: لفظ ثلث ليس في كتب الحديث، وظن الشهاب في شرح الشفاء المسمى بنسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض (٨٥٤/١) من إنكار الحفاظ هذه اللفظة أن المراد أنها مدرجة في الحديث، وتعقبه الزرقاني في شرح المواهب (٩٥/٥) فقال: إنه زعم من لا إلمام له بالفن، فالمدرج الملحق بالحديث من قول راو بلا ظهور فصل.

وتصدى الشهاب في حواشى البيضاوي لإثباته فقال (٩٤/٣): لكن إثباتها كما وقع للزمخشري وقع للراغب أيضاً وحسن الظن بهم يقتضي أنهم ظفروا به في رواية وليس هذا محلا للرواية بالمعني ولا للسهو ولا مانع من جعل الصلاة الواقعة في الدنيا منها، لانه ليس المراد بها ما يكون صرف أمور دنيوية، بل ما يقع فيها وان كان له تعلق بالآخرة وتغيير التعبير إشارة إلى مغايرته لما قبله اهـ. وإلى ذلک يميل كلامه في شرح الشفاء.

وكذا تصدى علي القاري لإثباته في الموضوعات الكبير (ص٩٣) فقال في حرف الحاء حديث "حبب إلي من دنياكم ثلث الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلاة" قال الزركشي: رواه النسائى والحاكم من حديث أنس بدون لفظ ثلث، وقال السخاوي لم أقف على لفظ ثلاث إلا في موضعين من الإحياء وفي تفسير آل عمران من الكشاف. وما رأيتهما فيشيء من طرق هذا الحديث بعد مزيد التفتيش، قال وزيادته محيلة للمعني فإن الصلاة ليست من الدنيا.

قال القاري قلت: وصحته من جهة المبنى فقد قال السيوطى في تخريج أحاديث الشفاء لكن عند أحمد من حديث عائشة: كان يعجب نبي الله صلى الله عليه وسلم ثلثة أشياء، النساء

والـطيب والطعام، فأصاب اثنتين ولم يصب واحدة، أصاب النساء والطيب ولم يصب الطعام، وقال: اسناده صحيح إلا أن فيه رجلاً لم يسم، قال القاري قلت: فيصير إسناده حسنا.

وأما صحته من جهة المعنى فلوقوع قرة عينه في الدنيا جعل كأنه منها، ويؤيده ما جاء في رواية، الطيب والنساء وقرة عيني في الصلاة، وناقضه في المصنوع فقال: حديث "حبب إلى من دنياكم النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوة". رواه النسائي في سننه والطبراني في الأوسط.

وأما زيادة ثلث الواقعة في كلام الغزالي وغيره فلا أصل لها كما قاله الحفاظ وإن تكلف الإمام ابن فورک فی توجیهها اهـ، وقال فی شرح الشفاء (١/٧٥٤) وليس زيادة ثلاث في صحيح الروايات، وقال في موضع آخر من الشرح المذكور (٢/١٢١): رواه النسائي والحاكم في مستدركه من حديث أنس باسناد جيد وضعفه العقيلي وليس فيه لفظ ثلاث وإنما وقع في بعض الكتب كالإحياء وغيره، فما وقع في بعض النسخ يعني من الشفاء من لفظ ثلاث بعد دنياكم فخطأ فاحش.

ومما يدل على بطلانه تغيير سياق الحديث وتعبيره بقوله "وجعلت قرة عيني في الصلاة" إيماء إلى أن قرة العين ليست من الدنيا لا سيما من الدنيا المضافة إلى غيره صلى الله عليه وسلم ودفعاً لما تكلف بعضهم من أن الصلاة حيث كانت واقعة في الدنيا صحت إضافته إليها في الجملة، اهـ. فبين في هذا الكلام أن لفظ ثلاث أنما وقع فی بعض الكتب لا في كتب الحديث، وأما ما وقع في بعض نسخ الشفاء فهو خطأ يدل على ذلک تغيير السياق، واختاره القاضي إيماء إلى أنها ليست من الدنيا ودفعاً لتوجيه البعض بأنه باعتبار الوقوع في الدنيا.

وأما الثالث: ما معنى الحديث على تقدير ثبوتها فيه؟

قال الشهاب في نسيم الرياض (١/٨٥٤) ومن أثبتها افترقوا فرقتين.

فرقة قالت: إن المراد بأمور الدنيا ما وقع في الدنيا لذة كان أو عبادة، فالصلاة من أمورها على هذا فليست زيادة ثلاث مخلة بالمعنى كما توهم. اهـ.

قلت: قال الإمام أبو حامد محمد بن محمد الغزالي في كتاب ذم الدنيا من إحياء علوم الدين (٣/٩١) جعل الصلاة من جملة تلذذ الدنيا، وذلک لأن كل ما يدخل في الحس

والـمشاهدة فهـو مـن عـالـم الشهـادـة وهـو من الدنيا. والتلذذ بتحريک الجوارح بالركوع والسجود إنما يكون في الدنيا فلذلک أضافها إلى الدنيا. اهـ.

ويقرب منه ما وجهه الإمام أبو بكر محمد بن الحسن بن فورک على ما حكاه الزرقاني (٨٥/٥) عـن السـخـاوى عـنـه فـقال: الصلاة طاعة المطيع فى الدنيا لربه تعالى فهي منها وقتاً ومـحـلا لا حـكـماً واسماً، والطيب والنساء من الدنيا وقتاً وحكماً ومحلاً ووصفاً، ولهذا أفرد الصلاة ليدل على أنها مخصوصة بأنها في الدنيا وهي وصلة إلى الآخرة وبها تقر عينه وعين من يفعل مثله على التحقيق، لأنها إتصال بالله ومناجاة له ووقوف بين يديه وخشوع له وتقرب إليه ولهيبتهـا (كـذا فـي نسختنا والظاهر بهيئتها، والله اعلم) يرجو العبد التقريب والتقديم والنجاة والإيناس والرحمة والمنزلة.

وإنـما ذكر العبادة وهو يريد المعبود كما يقال الحجر من البيت لانه متصل به والداخل فيه كالداخل في البيت ولأنه العبادة تذكر بالمعبود وتقرب إليه والشيء يضاف إلى الشيء إذا كـان لـه بـه تـعـلـق وسـبـب كـحـديث سبقت رحمتي على غضبي، قالوا معناه: سبق المرحوم الـمغضوب عليه، لأن السبق في الرحمة والغضب لا يصح لأنهما وصفان راجعان إلى الإرادة مـن صفات الذات، وكل ما وقع فى التوسط مما يراد به الآخرة فليس من الدنيا، وما كان منها مـما يراد به الدنيا فهو من الدنيا، ولذا قال صلى الله عليه وسلم: الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ما أريد به وجه الله اهـ.

وفـرقة ذهبـت إلـى أنـه نـوع مـن البديع يسمونه الطى وهو أن يذكر جمعا يريد تفصيله فيـذكـر بـعـضـاً مـنـه ويتـرک بـعـضـا لنكتة، وإلي هذا ذهب الزمخشري في الكشاف وتبعه البيـضـاوي فـي أنوار التنزيل والنسفي فى المدارک، قال الزمخشري في الأجوبة التي أجاب بهـا عـن الإشـكـال الـوارد على قوله تعالى (فِيْهِ آياتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إبْرَاهِيْمَ) بأنه كيف صح بيان الجماعة بالواحد؟ قال: يجوز أن يراد فيه آيات بينات مقام إبراهيم وأمن من دخله، لأن الإثنين نوع من الجمع كالثلثة والأربعة، ويجوز أن تذكرهاتان الأيتان ويطوي ذكر غيرهما دلالة على تكاثر الآيات كأنه قيل فيه آيات بينات مقام إبراهيم وأمن من دخله وكثير سواهما.

ونحوه في طي الذكر قول جرير:

كانت حنيفة أثلاثا فثلثهم　　　من العبيد وثلث مواليها

ومنه قوله عليه السلام: حبب إلي من دنيا كم ثلث الطيب والنساء وقرة عيني في الصلاة فقوله قرة عيني في الصلاة ليس بمعطوف على المذكورين وإنما هو كلام مبتدأ، لأن الثلث المذكورة ينبغي أن تكون من أمور الدنيا والصلاة ليست من أمور الدنيا بل هو من أهم شؤن الآخرة، ولكن لما ذكر الأمرين فكرّ في نفسه بالإمداد القدسية وقال: مالي وللدنيا؟ فأعرض عن ذكر الثالثة وذكر شيئا آخر من أمور الآخرة، فقوله "وقرة عيني في الصلاة" مذكور فى موضع الثالثة، وليس هو الثالثة، قاله ابن التمجيد (٣/ ٠٩ قنوي) وغيره من محشى البيضاوي.

قلت: لم نرو "قرة عيني في الصلاة" بدون "جعلت" أو "جعل" في شيء من روايات الحديث، وهذا اللفظ أعني قوله جعل أو جعلت قرة عيني في الصلاة أوضح وأبين في المطلوب حيث غير في التعبير وأتى لها بعبارة مستقلة.

قال الخطيب الكازروني في حاشية البيضاوي (٢/ ٢٣) هذا المعني يعني قول الفرقة الثانية أولى: وأحسن كما لا يخفى على ذوى البصائر، فلذا حمل العلماء الحديث على هذا المحمل، ووجه حسنه أنه صلى الله عليه وسلم لما عد الإثنين همّ بالإعراض عن الأمور الدنيوية فكأنه قال في نفسه، مالي ولأمور الدنيا، فأعرض عنهما وذكرشيئاً عظيماً يتعلق بالآخرة. انتهى.

قال القنوي (٤/ ١٩) هذا إذا لم يجعل قرة عيني في الصلاة من الدنيا، لكن الأكثرين ذهبوا إلى أنها من الدنيابمعنى ما يقع في الدنيا و إن تعلق بالآخرة، كقوله عليه الصلاة والسلام الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ذكر الله وما والاه، حيث عد ذكر الله من الدنيا لوقوعه فيها.

غاية الأمر أنه غير الأسلوب تنبيهاً على مغايرتها لما قبله.اهـ.

ثم الإستشهاد من قول جرير بانه ذكر حنيفة أنها كانت أثلاثاً فذكر الثلثين وطوى ذكر الثالث، كأنه قيل: والثالث من الأخيار الذين ليسوا موالي ولا عبيداً ويحكي أنه بعض بنى حنيفة سئل: من أى الأثلاث هو من بيت جرير؟ فقال من الثالث الملغى، ذكر الدماميني لكن قال الشهاب (١/ ٨٥٤): لاشاهد فيما ذكر لأنه ذكرقبيلةبنى حنيفة وجعلها أثلاثا عبيداً

وموالي حلفاء فبقى نفس القبيلة وصميمها وهى مذكورة أولاً.

واشتهد القسطلاني في المواهب بقول الشاعر:

إن الاحـامـرة الثلثة أهلكت مـالي وكنت بهن قدما مولعا

الخمر والماء القراح وأطلى بـالـزعـفـران فلا أزال مولعا

واعتـرض الشهـاب بـأنـه لا شاهد فيه، فالثالث وهو قوله و أطلـى الخ، على ما تقدم في الـحديث وتعقبه الزرقاني (٥/٨٥) فـقـال الطلاء ليس من الثلثة فهو مثل الآية والحديث، ولم يـفهـم مـن قـال لا شـاهـد فيـه لأنـه على نهجه، إذا المراد التنظير على الطى وأنه مستعمل في الـقـرآن وشـعـر الـعرب، اهـ. قلت: فيه نظر لا يخفى وفي صحاح الجوهري وأهلك الرجال الأحمران اللحم والخمر، فإذا قلت الأحامرة دخل فيه الخلوق.

وأنشد الأصمعي:

أن الأحـامـرة الثلثة أهلكت مـالي وكنت بهن قدما مولعا

الراح واللحم السمينة وأطلى بـالـزعـفران فلن أزال مولعا

حكاه الزرقانى فلم يذكر الماء، وكلام الصحاح يقوى النظر الذي أشرتُ إليه.

ثم الماء سماه أحمر مجازاً.

قيـل والثالث المطوي في الحديث لو ذكره لقال الحسنان أى الحسن والحسين رضى الله تعالى عنهما حكاه العلوى فيما ذكره عبد الهادي البوفالى في حاشية المدارك (٤/٤).

قلت: ولعل هذا القائل استأنس بما روى من كثرة محبته صلى الله عليه وسلم إياهما.

فـقد روى البخارى ومسلم عن البراء قال: رأيت النبى صلى الله عليه وسلم والحسن بن عـلي على عاتقه يقول "أللهم إني أحبه فاحبه" ورويا فيه عن أبي هريرة عنه صلى الله عليه وسلم 'اللهم إني أحبه فأحبّه وأحب من يحبه'.

وأخـرجـه الـبـخـاري عـن ابن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هما ريحانى من الدنيا وأخرجه الترمذي بلفظ أن الحسن والحسين هما ريحاني من الدنيا.

وأخـرجـه التـرمـذى في جامعه والنسائى في خصائص علي (ص ٦٢) عن أسامة بن زيد فيهما مرفوعاً هذان أبناى وابنا إبنتي أللهم إني أجهّما فاحبهما وأحب من يحبهما.

وأخـرجــه الـتـرمـذي وابـن ماجـه وأحمد (٤/ ٢٧) والـدولابـي فـي الكنى (١/ ٨٨١) والحاكم (٣/ ٧١) عـن يعلى بن مرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حسين مني وأنا مـن حسين أحب الله من أحب حسيناً، حسين سبط من الأسباط، قال الحاكم صحيح الإسناد، وأقره الذهبي، وفي الباب أخبار كثيرة.

قـلـت: لـكـن في هذا القيل نظر، فإنه صلى الله عليه وسلم قد باح بمجيتهما في مواضع كثيرة فأى شيء منعه عن ذكر مجيتهما ههنا.

وقـال غيره أن الثالث المطوى الطعام، لما أخرج الإمام أحمد (٦/ ٢٧) قال حدثنا محمد بـن عبد الله ثنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن رجل حدثه عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه من الدنيا ثلاثة الطعام والنساء والطيب فأصاب ثنتين ولم يصب واحدة، أصاب النساء والطيب ولم يصب الطعام ورواته ثقات إلا أن فيه مبهماً وهو الراوي عن عائشة.

قـال القاري فيكون الإسناد حسناً، قلت: في ذلك نظر فإن الحسن لذاته ما خف ضبط نـاقـلـه مع بقية الشروط المعتبرة في الصحيح من عدل راويه واتصال السند وكونه غير معلل ولاشـاذ عـلـى مـا فـى شـرح الـنخبة، والحسن لغيره هو الضعيف الذي تعددت طرقه وانجبر ضـعـفـه، فـأما كون الحديث حسنا لذاته فباطل لأنه يشترط فيه عدالة راويه والحال أن الرجل لايـدري فـكيف بـعـدالتـه، وأمـا كون حسنا لغيره فلا يصح أيضا فإنه لم يتعدد طرقه في الجزء الـمقصود وهو الطعام، فقالوا: إنـه صـلـى الله عليه وسلم طوى ذكر الطعام لخسته عنده، وهذا هو النكتة في طيه.

وقـال الشيخ عبد الحق فى اللمعات: ويجوز أن يكون الأمر الثالث الغير المذكور في هذا الـحـديـث هـو الـخيل، واستند لذلك بما رواه النسائي (٤/ ٤٩) قـال لـم يكن شيء أحب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد النساء من الخيل، كذا قال في شرح السعادة (ص ٥٩).

وقـال التسـتـري فـي شرح الأربعين على ما حكاه السيوطي في "زهر الربى" من في هذا الحديث بمعنى فى لان هذه من الدين لا من الدنيا اهـ.

وهـذا تـوجيه آخر للحديث بأنه لم يجعلها من الدنيا بل من الأمور الواقعة في الدنيا فهو جواب ثالث.

والفرق بين هذا التوجيه والتوجيه الأول أن مفاد هذا التوجيه أن هذه ليست من الدنيا بل من الأمور الواقعة فيها، ومفاد الأول أنها من الدنيا مجازا.

ثم كل هذه التوجيهات إنما يصار إليها إذا سلم أن الحديث مخرج بلفظ ثلث، ولم يثبت ذلك كما صرح به الحفاظ من ابن كثير وابن القيم والحافظ ابن حجر والسخاوي وغيرهم، على مامر تفاصيل أقوالهم، ولعل الدميري إلى هذا أشار بقوله وقاس الزمخشري عليها فيه آيات بينات وقد أخطأ في القياس بأنه إنما يصار إلى اثبات الطى في الحديث لو ثبتت هذه الزيادة فيه ولم يثبت، فهو قياس خطأ، والله اعلم.

ثم قول الشهاب أن حسن الظن يقتضى بالذين أوردوا الحديث بالزيادة المذكورة أنهم ظفروا به في رواية الخ. فهذا محض ظن وتخمين لا يجدي نفعاً حتى يرد بسند.

وهذا ابن فورك تكلم على لفظ ثلث، والظاهر أنه لم يذكر له سنداً فإنه لو ذكره لذكره الحافظ ابن حجر والسخاوي تليمذه وغيرهما وقد قالوا: لا اعتداد بروايات الصوفية والمفسرين والفقهاء حتى يثبت ذلك في كتاب من كتب الحديث مسنداً، والمراد بهم الذين لا يذكرون الحديث بالأسانيد، وهذا الحديث لا تكاد تجد بهذه الزيادة إلا في كتاب صوفي كابن عربي أو مفسر كالزمخشرى أو فقيه كالغزالي وهو مع ذلك صوفي، وحاشا من ذلك حط شأنهم والله عليم بضمائر القلوب.

وأما كلام القاري فمتناقض كما تقدم فليس أحد كلاميه بأولى من الآخر مع أن الكلام في ثبوت اللفظة فى هذا الحديث ولم يثبت، والتفاته إلى بيان المعنى إنما هو على تقدير ثبوتها، والله أعلم بحقائق الأمور، ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً.

واما الرابع: ففي شرح الحديث:

قوله: حبب إلي من دنياكم: حبب بضم الحاء المهملة وتشديد الباء الموحدة التحتية المكسورة ماض مجهول من التحبيب، قال الطيبي (٥/٣٨٣) جئ بالفعل مجهولاً دلالة على أن ذلك لم يكن من جبلته وطبعه وأنه مجبور على الحب رحمة للعباد وترؤفا بهم، وقال ابن حجر الهيثمي في الفتاوى الحديثية (ص ٨٩١) وعدل عن "أحببت" إلى "حبب" أشارة إلى أنه صلى الله عليه وسلم معصوم لا يبتدئ أمرا من تلقاء نفسه وأنه محفوظ في محبته للنساء

معصوم من الخطأ فيه، ولذلك افتتن سليمان على نبينا وعليه الصلاة والسلام في قوله (اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ)، ووكل يوسف عليه الصلاة والسلام إلى اختياره وما أحبه لما قال (رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ) اهـ.

وقال من دنياكم: أضافها إليهم للإيذان بأن لا علاقة له بها، قاله التستري في شرح الأربعين، وقال ابن حجر الهيثمي وعدل إلى دنيا كم ليصون نفسه الشريفة عن إضافتها إلى الدنيا، وإضافة الدنيا إليها لأنه كان ممنوعا من التطلع لشيء منها اهـ وقال الزبيدي (٥/ ٣١١) قال من دنياكم ولم يقل من هذه الدنيا لأن كل واحد ناظر إليها وإن تفاوتوا فيه، وأما هو فلم يلتفت إلا إلى ما ترتب عليه مُهمّ دينيّ اهـ.

قلت: لكن الوارد في أكثر الطرق من الدنيا معرفا باللام من غير إضافة وهو للعهد، والمراد دنياهم، ويمكن أن يقال لا ضرورة إلى حمل المعرف على المضاف ولا ضرر في كون الأمرين من الدنيا، وأما أن تعلقه صلى الله عليه وسلم بالدنيا فهو معلوم أنه ليس كتعلقنا بها، وسيظهر عن قريب إن شاء الله.

قوله النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلاة: قال السيوطي في "زهر الربى" (٢/ ٩٣) قال بعضهم فى هذا (يعني فى حبه للنساء) قولان:

أحدهما أنه زيادة في الإبتلاء والتكليف حتى لا يلهو بما حبب إليه من النساء عما كلف من أداء الرسالة فيكون ذلك أكثر لمشاقه وأعظم لأجره.

والثاني لتكون خلواته مع ما يشاهدها من نسائه فيزول عنه ما يرميه به المشركون من أنه ساحر أو شاعر فيكون تحبيبهن إليه على وجه اللطف به، وعلى القول الأول على وجه الإبتلاء وعلى القولين فهو له فضيلة اهـ.

قلت: وذلك البعض الرويانى ذكر هما في بحره كما فى الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي، وذكر القاضي عياض في الشفاء أن النكاح مما يتفق التمدح بكثرته والفخر بوفوره شرعا وعادة فإنه دليل الكمال وصحة الذكورية، ولم يزل التفاخر بكثرته عادةً معروفة والتمادح به سيرة ماضية وسنة مأثورة في الشرع، وقد قال ابن عباس أفضل هذه الأمة أكثرها نساء مشيرا إليه صلى الله عليه وسلم وقد قال صلى الله عليه وسلم تناكحوا تناسلوا فإني أباهي

بـكـم الأمـم يـوم الـقـيـامة، ونهـى عـن التبتل مع ما فيه من قمع الشهوة وغض البصر الذين نبه عـليهـما بقوله صلى الله عليه وسلم من كان ذا طول فليتزوج فانه أغض للبصر واحصن للفرج إلى أن قال أن عدم القدرة على النكاح نقص وإنما الفضل في كونها موجودة.

ثـم قـمـعهـا إمـا بـمجاهدة كعيسىٰ عليه الصلاة والسلام أو بكفاية من الله كيحيى عليه الصلاة والسـلام فـضيلة زائدة لكونها شاغلة في كثير من الأوقات حاطّة إلى الدنيا، ثم هي في حق مـن أقـدر عليها وملكها وقام بالواجب فيها ولم تشغله عن ربه درجة عليا وهي درجة نبينا صـلـى الله عـلـيـه وسلم الذي لم تشغله كثرتهن عن عبادة ربه بل زاده ذلک عبادة لتحصينهن وقيـامـه بـحقوقهن واكتسابه لهن وهدايته إيـاهـن بل صرح أنها ليست من حظوظ دنياه، وإن كانت من حظوظ دنيا غيره، فقال عليه الصلاة والسلام حبب إلى من دنيا كم، فدل أن حبه لما ذكر من النساء والطيب الذين هما من أمر دنيا غيره، واستعماله لذلک ليس لدنياه بل لآخرته للفوائد التي ذكرناها في التزويج وللقاء الملائكة في الطيب.

ولانـه أيـضـا مـمـا يـحض على الجماع ويعين عليه ويحرک أسبابه، وكان حبه لهاتين الـخـصـلتين لأجل غيره وقمع شهوته وكان حبه الحقيقي المختص بذاته في مشاهدة جبروت مـولاه ومـنـاجـاتـه، ولـذٰلک ميـز بينى الحبين وفصل بين الحالين فقال وجعلت قرة عيني في الصلاة، فـقـد سـاوى يحيى وعيسى في كفاية فتنتهن وزاد فضيلة بالقيام بهن، وكان صلى الله عليه وسلم ممن أقدر على القوة في هذا وأعطى الكثير ولذلک أبيح له مالم يبح لغيره.

وقـال الشيخ تقى الدين السبكى فى إباحة نكاح أكثر من أربع لرسول الله صلى الله عليه وسـلـم: إن الله تـعالى أراد نقل بواطن الشريعة وظواهرها وما يستحى من ذكره وما لا يستحي مـنـه وكـان رسـول الله صلى الله عليه وسلم أشد الناس حياء فجعل الله تعالى له نسوة ينقلن من الشـرع ما يرينه من أفعاله ويسمعنه من أقواله التي قد يستحى من الإفصاح بها بحضرة الرجال ليتـكـمـل نـقـل الشـريعة، وأكثر عدد النساء ليكثر الناقلون لهذا النوع، ومنهن عرف مسائل الـغـسـل والـحيـض والعدة ونحوها، قال ولم يكن ذلک لشهوة منه في النكاح ولا كان يحب الوطي للذة البشرية، ومعاذ الله وإنما حبب إليه النساء لنقلهن عنه ما يستحي هو من الإمعان في التلفظ به فاحبهن لما فيه الإعانة على نقل الشريعة في هذه الأبواب.

وأيـضـاً فـقـد نقلن ما لم ينقله غير هن مما رأينه في منامه وحالة خلوته من الآيات البينات على نبوته ومن جده واجتهاده في العبادة ومن أمور يشهد كل ذى لب أنها لاتكون إلا لنبي وما كان يشاهدها غيرهن، فحصل بذلك خير عظيم اهـ.

قال الترمذي الحكيم في نوادر الأصول (٢/٣) إن الأنبياء صلوات الله عليهم قد زيدوا فـي الـنـكـاح لـفـضـل نبـوتهم، وذلك أن النور إذا امتلأ الصدر منه ففاض في العروق التذّت الـنفس والعروق فأثارت الشهوة وقواها وريح الشهوة إذا قويت فإنما تقويه من القلب والنفس فـعـنـدهـا يجد القوة، وعن سعيد ابن المسيب أن النبيين عليهم الصلاة والسلام يفضلون على الناس بالجماع وذلك لما فيهم من اللذة .اهـ.

وفـي صحيح البخاري عن محمد بن بشار عن معاذ بن هشام عن أبيه عن قتادة عن أنس قال كنا نتحدث أنه صلى الله عليه وسلم أعطى قوة ثلاثين أى رجلاً.

ووقـع في رواية الإسماعيلي والبيهقي (٧/٥٤) مـن طـريق أبي موسى محمد بن المثنى عـن مـعـاذ بـن هشـام أربـعيـن بدل ثلاثين وهي شاذة من هذا الوجه كما قال الحافظ في شرح البخاري.

وأخرج ابن سعد (٨/١٣٩) عـن الـواقـدي عن معمر عن ابن طاؤس عن أبيه قال أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوة أربعين رجلاً فى الجماع.

وأخـرجـه عـن الواقدي عن أسامة بن زيد الليثي عن صفوان بن سليم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقينى جبرئيل بقدر فاكلت منها واعطيت قوة أربعين رجلا في الجماع.

وفيهـمـا الـواقدي شيخ ابن سعد وهو ضعيف عند الأكثرين وقواه بعضهم قال ابن كثير فـي البداية والنهاية (ص ٢٣٥) وهـو صـدوق فـي نفسه مكثار اهـ. قلت: هكذا وجدت إسناد حـديث صفوان بن سليم عن الواقدي عن أسامة ابن زيد الليثي عن صفوان في نسخة الطبقات التى بأيدينا.

وذكـره السيوطي في الخصائص (١/٦٩) فـقـال أخرج ابن سعد أنا عبيد الله بن موسى عـن أسـامة بـن زيـد عـن صفوان بن سليم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أتاني جبريل بـقـدر فأكلت منها فأعطيت قوة أربعين رجلا في الجماع، وهكذا ساق الإسناد القسطلانى في

المواهب (١٩٥/٤) والـزرقاني في شرح المواهب (٦٣/٥) وقـال وصـلـه أبو نعيم والديلمي عـن صفوان عن عطاء بن يسار عن أبى هريرة رفعه لكن فيه سفيان بن وكيع ضعيف جدا، وقال في موضع آخر (١٩٥/٤) قـال أبـو زرعة الرازي كان يتهم بالكذب، و أورده ابن الجوزي في الموضوع ونوزع بأن له شواهد.

قـلـت: ما أورد ابن الجوزي هذا الحديث فى الموضوع، بل إنما أورد حديث الهريسة وهـو الذي أخرجه أبو نعيم في الطب من طريق سفيان بن وكيع كما فى اللآلي (ص ٤٥٢) وفي الـحـلية لأبـى نعيم عن مجاهد أعطى قوة أربعين رجلا كل رجل من رجال أهل الجنة، كذا في عمدة القاري (٢١٧/٣) وعزاه الحافظ لصفة الجنة له.

وأخـرج أبو نعيم في صفة الجنة كما في الفتح (٣٢٤/١) مـن حديث عبد الله بن عمرو رفـعـه أعطيت قوة أربـعـيـن فـي الـبـطـش والـجـمـا ع، وأخرجه الحارث بن أبى أسامة كما في الخصائص الكبرى (٧٠/١) بلفظ النكاح.

وأخرج الترمذي (٨٠/٢) فـي صفة الجنة من حديث عمران القطان عن قتادة عن أنس عـن الـنبي صـلى الله عليه وسلم قال يعطى المؤمن في الجنة قوة كذا وكذا من الجماع قيل يا رسـول الله أو يـطـيـق ذلـك؟ قـال يـعـطـى قوة مائة، قال الترمذي هذا حديث صحيح غريب لا نعرفه إلا من حديث قتادة عن أنس إلا من حديث عمران القطان.

قلت: عمران القطان مختلف فيه وهو عندي صدوق يهم، ثم رأيت الحافظ صرح به في التـقـريب وقال ورمى برأى الخوارج قال ابن القيم فى حادى الأوراح (٣٤٩/١) هذا حديث صحيح.

ولـلحديث شاهد أخرجه أحمد (٣٧١/٤ و ٣٦٧) عـن زيد ابن أرقم قال قال لي رسول الله صـلـى الله عليه وسلم إن الـرجـل مـن أهـل الـجنة يعطى قوة مائة رجل في الأكل والشرب والشهوة والجماع، فعلى هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف.

وأخرج الحارث ابن أبى أسامة كما في الخصائص (٧٠/١) عن مجاهد قال أعطي رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسـلم قوة بضع وأربعين رجلا كل رجل من أهل الجنة، فعلى هذا يزيد على أربـعـة آلاف فـإن الـبـضـع مـا بـيـن الثلث إلى التسع وقيل ما بين الواحد إلى العشرة لأنه قطعة من

العدد، فعلى هذا أنه صلى الله عليه وسلم كان صابرا عنهن غاية الصبر مع كثرة الإشتياق إليهن.

وقال ابن الحاج في المدخل: أنظر إلى حكمة قوله عليه الصلاة والسلام حُبب ولم يقل أحببت وقال من دنياكم فأضافها إليهم دونه عليه الصلاة والسلام فدل على أن حبه كان خالصاً بمولاه تبارك وتعالى، وجعلت قرة عيني في الصلاة فكان عليه الصلاة والسلام بشرى الظاهر ملكوتي الباطن وكان عليه الصلاة والسلام لا يأتي إلى شيء من الأحوال البشرية إلا تأنيسا لأمته وتشريعا لها لا أنه محتاج إلى شئ من ذلک ألا ترى إلى قوله تعالى (قُلْ لاَ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَائِنُ اللهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلاَ أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَک) فقال لكم ولم يقل إنى ملک، فلم ينف الملكية عنه إلا بالنسبة أعنى في معانيه عليه الصلاة السلام لا في ذاته الكريمة، إذ أنه عليه الصلاة والسلام يلحق بشريته ما يلحق البشر.

ولهذا قال سيدي الشيخ أبو الحسن الشاذ لي هو بشر ليس كالأبشار كما أن الياقوت حجر ليس كالأحجار، وهذا منه رحمه الله تعالى على سبيل التقريب للفهوم فدل على أنه صلى الله عليه وسلم كان ملكى الباطن، ومن كان ملكى الباطن ملک نفسه، انتهى.

وقال التستري في شرح الأربعين فيما حكاه السيوطي في زهر الربي (٢/٩٣) في هذا الحديث إشارة إلى وفاته صلى الله عليه وسلم باصلى الدين وهما التعظيم لأمر الله والشفقة على خلق الله وهما كما لا قوَّتيه النظرية والعملية.

فان كمال الأولى بمعرفة الله والتعظيم دليل عليها لأنه لا يتحقق بدونها الصلاة لكونها مناجاة الله تعالىٰ على ما قال ﷺ المصلى يناجى ربه نتيجة التعظيم على ما يلوح من أركانها ووظائفها.

وكمال الثانية في الشفقة وحسن المعاملة مع الخلق.

وأولى الخلق بالنسبة إلى كل واحد من الناس نفسه وبدنه، كما قال صلى الله عليه وسلم إبدأ بنفسک ثم بمن تعول، والطيب أخص اللذات بالنفس ومباشرة النساء ألذ الأشياء بالنسبة إلى البدن مع ما يتضمن من حفظ الصحة وبقاء النسل المستمر لنظام الوجود.

ثم إن معاملة النساء أصعب من معاملة الرجال لأنهن أرق دينا وأضعف عقلا واضيق خلقاً كما قال صلى الله عليه وسلم ما رأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم

مـن إحـداكـن فهـو عـليـه الـصلاة والسلام أحسن معاملتهن بحيث عوتب بقوله تعالى (تَبْتَغِيْ مَـرَضَـاتَ اَزْوَاجِکَ) وكـان صـدور ذلک مـنـه طبـعـا لا تـكلفا كما يفعل الرجل ما يحبه من الأفـعـال، فـإذا كـانـت معاملته معهن هذا فما ظنک بـمعاملته مع الرجل الذين هم أكمل عقلا وأمثل دينا وأحسن خلقاً.

وقوله وجعلت قرة عيني في الصلاة إشارة إلى أن كمال القوة النظرية أهم عنده وأشرف فـي نفس الأمر، وأما تأخيره فللتدرج التعليمي من الأدنى إلى ألأعلى وقدّم الطيب على النساء لتقدم حظ النفس، انتهى.

وقـال ابـن القيم في الهدى لما كانت الرائحة الطيبة غذاء الروح، والروح مطية القوى، والـقوى تزداد بالطيب وهو ينقح الدماغ والقلب وسـائر العضاء الباطنية ويفرح القلب ويسر الـنـفـس ويـنـشـط الـروح وهو أصدق شئ للروح وأشده ملايمة لها، وبينه وبين الروح الطيبة نسبة قريبة كان أحد المحبوبين من الدنيا إلى أطيب الطيّبين صلوات الله عليه وسلامه.

وفى صحيح البخاري أنه صلى الله عليه وسلم كان لايرد الطيب وفي صحيح مسلم عنه صلى الله عليه وسلم من عرض عليه ريحان فلا يرده فإنه طيب الريح خفيف المحمل وفى سنن أبـى داود والنسائى عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم من عرض عليه طيب فلا يرده فانه خفيف المحمل، وفي مسند البزار عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إن الله طيب يحب الـطيـب، نـظيف يـحـب الـنـظـافة، كـريـم يـحـب الكرم، جواد يحب الجود، فنظفوا أفنائكم وساحاتكم، ولا تشبهوا باليهود يجمعون الأكبا في دورهم، والاكبا الزبالة وذكر ابن أبى شيبة أنـه صـلى الله عليه وسلم كان له سكة يتطيب منها، وصح عنه أنه قال أن لله حقاً على كل مسلم أن يـغتسـل فـي كـل سبـعة أيـام وان كـان لـه طيـب أن يمس منه، وفى الطيب من الخاصية أن الـمـلائـكة تـحبـه والشيـاطيـن تـنفر عنه، وأحب شيء إلى الشياطين الرائحة المنتنة الكريهة فـالاوراح الـطيبة تـحـب الـرائحة الطيبة والأرواح الخبيثة تحب الرائحة الخبيثة، وكل روح تـمـيـل إلـى مـايـناسبها. فالخبيثت للخبيثين والخبيثون للخبيثات والطيبات للطيبين والطيبون لـلـطيبـات وهـذا وان كـان فـى الـنسـاء والـرجـال فـانـه يتناول الأعمال والأقوال والمطاعم والمشارب والملابس والارائح إما بعموم لفظه أو بعموم معناه انتهى.

وقال الترمذي الحكيم في نوادر الأصول (٢/٢) الطيب يزكى الفؤاد وذلك أن أصل الطيب إنما خرج من الجنة وكان تزود آدم عليه السلام منها بورقة تستربها فرحم وتركت عليه فمن ذلك أصل الطيب اهـ.

قلت: الذي تحصل من كلام أهل العلم في الحكمة في حبه صلى الله عليه وسلم النساء عشرة أوجه كما ذكرها الحافظ في الفتح (٩٩/٩) فقال:

أحدها أن يكثر من يشاهد أحواله الباطنة فينتفى عنه ما يظن به المشركون من أنه ساحر أو غير ذلك قلت قاله الروياني في بحره كما تقدم.

ثانيها لتتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم.

ثالثها للزيادة في تألفهم.

رابعها للزياده في التكليف حيث كلف أن لا يشغله ما حبب إليه منهن عن المبالغة في التبليغ، قلت قاله الروياني.

خامسها لتكثر عشيرته من جهة نسائه فتزداد أعوانه على من يحاربه.

سادسها نقل الأحكام الشرعية التي لا يطلع عليها الرجال لان أكثر ما يقع مع الزوجة مما شأنه أن يختفى مثله، قلت ذكر التقى السبكى كما سبق.

سابعها الاطلاع على محاسن أخلاقه الباطنة فقد تزوج أم حبيبة وأبوها إذ ذاك يعاديه وصفية بعد قتل أبيها وعمها وزوجها، فلو لم يكن أكمل الخلق في خلقه لنفرن منه بل الذي وقع أنه كان أحب اليهن من جميع أهلهن.

ثامنها إظهار المعجزة البالغة في خرق العادة لكونه كان لايجد ما يشبع به من القوت غالباً وان وجد كان يؤثر بأكثره ويصوم كثيراً ويواصل، ومع ذلك فكان يطوف على نسائه في الليلة الواحدة كما في البخاري عن أنس ولا يطاق ذلك إلا مع قوة البدن وقوة تابعة لما يقوم به من استعمال المقويات من ماكول ومشروب وهى عنده نادرة أو معدومة وقد أمر من لم يقدر على مؤن النكاح بالصوم وأشار إلى أن كثرته تكسر شهوته فقال من استطاع منكم الباءة فليتزوج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء، أخرجه البخاري ومسلم عن ابن مسعود فانخرقت هذه العادة في حقه صلى الله عليه وسلم.

وتاسعها وعاشرها ما تقدم نقله عن صاحب الشفاء من تحصينهن والقيام بحقوقهن، إنتهى كلامه مع البسط في الوجه الثامن أخذاً من كلامه ثم قال الحافظ وكانه أراد بالتحصين قصر طرفهن عليه فلا يتطلعن إلى غيره بخلاف العزبة فإن العفيفة تتطلع بالطبع البشرى إلى التزويج وذلك هو الوصف اللائق بهن اهـ.

قلت: وههنا وجه حادى عشر وهو الحث لأمته على تكثير النسل ذكره الحافظ في التلخيص الحبير (ص٢٨٧) قلت وقد حث رسول الله صلى الله عليه وسلم أمته على ذلك في أحاديث، منها حديث معقل بن يسار مرفوعاً تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم أخرجه أبو داود والنسائي والحاكم (١٧٢/٤) والبيهقي (٨١/٧) وقال الحاكم صحيح الإسناد وأقره الذهبي، ومنها حديث أنس أخرجه أحمد في مسنده (١٥٨/٣) والبيهقي في سننه (٨١/٧) قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالباء ة وينهى عن التبتل نهيا شديدا ويقول تزوجوا الودود الولود فانى مكاثر الأنبياء يوم القيامة، قال الحافظ في التلخيص (ص٢٧٨) صححه ابن حبان، ومنها حديث أبى أمامة مرفوعا بلفظ تزوجوا فانى مكاثر بكم الأمم ولاتكونوا كرهبانية النصارى أخرجه البيهقي (٧٨/٧) وفيه محمد ابن ثابت وهو ضعيف، وفي الباب أخبار كثيرة.

ووجه الثاني عشر ذكره القاضي في الشفاء وهو هداية اياهن كما تقدم قال القاري أى بالعلوم الدينية لاسيما ما يجب عليهن.

وجه الثالث عشر وهو أن النكاح من سنن المرسلين وقد أمر صلى الله عليه وسلم بالاقتداء بهديهم فقد أخرج أحمد (٤٢١/٥) والترمذي وابن أبي شيبة وأبو الليث السمر قندي في تنبيه الغافلين في باب الحياء عن أبي أيوب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواک والنكاح وإسناده ضعيف وحسنة الترمذي لشواهده، قال تعالى (فبهداهم اقتده).

تنبيه: قال القاضي أبو بكر ابن العربى في العارضة (٢٩٩/٤) يقول فيه (يعنى حديث أبى أيوب عباد بن العوام: الحناء بحاء مهملة ونون، والمشهور في الرواية الحياء بالياء المعجمة باثنين من تحتها و الحاء المهملة، ورواية عباد أشبه بما قارنها من التعطر والسواک

اهـ وقال ابن القيم في الهدى (١٣٦/٢) روى فـي الـجامع بالنون والياء وسمعت أبا الحجاج الـحـافظ يقول الصواب أنه الختان وسقطت النون من الحاشية، وكذلك رواه المحاملي عن شيخ أبي عيسى الترمذي اهـ.)

وقـال الـحـافظ ابن الحجر (٢٨٤/١٠) واختـلـف فـي ضبـط الـحياء فقيل بفتح الحاء الـمهـمـلة والتحتانية الخفيفة وقد ثبت في الصحيحين أن الحياء من الإيمان، وقيل هى بكسر الـمهـمـلة وتشـديـد الـنـون فعلى الأول خصلة معنوية تتعلق بتحسين الخلق وعلى الثاني هي خصلة حسية تتعلق بتحسين البدن.

وأخـرج الـبـزار والـبـغـوي فـي معجم الصحابة والحكيم الترمذي في نوادر الأصول من طريق فليح بن عبد الله الخطمي عن أبيه عن جده رفعه خمس من سنن المرسلين فذكر الأربعة الـمـذكورة إلا النكاح وزاد الحلم والحجامة، والحلم بكسر المهملة وسكون اللام وهو مما يقوى الضبط الأول في حديث أبي أيوب، انتهى كلام الحافظ.

وقال الطيبي في شرح المشكوة (٣٦٣/١) اختصر المظهر كلام التوربشتي حيث قال في الـحيـاء ثـلاث روايـات إحـداهـا بالحاء المهملة والياء التحتانية يعنى به أن ما يقتضى الحياء من الـديـن كستـر العورة وترک الفواحش وغير ذلک لا الحياء الجبلي نفسه فإن جميع الناس فيه مشتـرک وثـانيهـا الختان بخاء معجمة وتاء فوقها نقطتان وهو من سنة الأنبياء كما سبق، وثالثها الـحـنـاء بـالحاء المهملة والنون المشددة وهو ما يخضب به، وهذه الرواية غير صحيحة ولعلها تـصحيف، لأنه يحرم على الرجال خضاب اليد والرجل تشبها بالنساء وأما خضاب الشعر به فلم يكن قبل نبينا صلى الله عليه وسلم فلا يصح اسناده إلى المرسلين، انتهى.

وفـي السعاية (١١١/١) وفـي شـرح الـمـصـابيح للبيضاوي روى الحياء بالياء التحتية وبـالـنـون وهـو أوفـق لـلـتـعطر وهو بحذف مضاف أى استعمال الحناء فان الحناء نفسه ليس بسـنـة، والـذي ذكـره فـي الـحديث تصحيف فاحش كما صرح به النووي في شرح المهذب (٢٧٥/١) وعبـارتـه بعد ذكر الحديث المذكور قوله الحياء بالياء لا بالنون وإنما ضبطته لانى رأيتـه مـن صـحـفـه فى عصرنا، وقد ذكر الإمام الحافظ أبو موسى الأصبهاني هذا الحديث في كتـابـه الاسـتـغـنـاء في استعمال الحناء وأوضحه وقال هو مختلف في اسناده ومتنه ويروى عن

عـائشة وابـن عبـاس وأنـس وجد مليح كلهم عن النبي ﷺ قال واتفقوا على لفظ الحياء، قال وكذا رواه الطبرانى والدار قطني وأبو الشيخ وابن مندة وأبو نعيم وغيرهم من الحفاظ والأئمة قال وكذا هو فى مسند الإمام أحمد وغيره انتهى كلامه، وتبعه ابن حجر المكى.

ثم ههنا وجه رابع عشر وهو ترويح النفس وإيناسها بالمجالسة والنظر والملاعبة إراحة للقلب وتقوية له على العبادة فهن سبب للنشاط والرغبة في العبادة باعتبار أن النفس إذا عييت بالمداومة على العمل فأبت وحجمت فإذا روّحت باللذات فى بعض الأوقات قويت ونشطت ذكـره الـغزالي في الإحياء وكيمياء سعادت (ص ١٣٥) ولهـذا الـوجوه استكثر النبى صلى الله عليه وسلم من النساء.

وأمـا الـحـكـمة فـي حبه صلى الله عليه وسلم الطيب فوجوه، الأول أن فيه تقوية القلب وتـزكيته والثاني أنه يقوى الدماغ، والثالث أنه نشاط للروح، والرابع المناسبة الذاتية له صلى الله عليه وسلم في كونه أطيب الطيبين والجنس إلى الجنس يميل، والخامس أن الله تعالى يحبه كما سبق فى رواية الزار وله شواهد كثيرة والسادس أن الملائكة تحبه، والسابع أن الشياطين تـنـفر منه، الثامن أنه من أسباب الجماع بل من أعلاها فاشتمل على فوائد الجماع، والتاسع أن فيه راحة الجليس، والعاشر أن أصله من الجنة كما سبق.

فائدة: قـال ابن القيم في الهدى وفي كتاب الزهد للإمام أحمد في هذا الحديث زيادة لـطيفة وهى أصبر عن الطعام والشراب ولا أصبر عنهن وقال كذلک الزركشى، قال الزرقاني في شرح المواهب(٥/٥٧) والزبيدي في الاتحاف (٥/٣١٢) وتـعقبه السيوطي بأنه مر على كتاب الزهد مرارا فلم يجدها فيه لكن فى زوائده لابنه عبد الله بن أحمد عن أنس مرفوعاً قرة عيـنـي فـي الصلاة وحبّب إليّ النساء والطيب الجائع يشبع والظمان يروى وأنا لا أشبع من النساء، فلعله أراد هذه الطريق قال الزبيدى وهذا قد رواه الديلمي كذلک اهـ.

قـلـت: فـي قلبي من هذا التعقب شيء فإن ابن القيم لم يقتصر على ذكر هذه الزيادة فى الهـدى فـقـط بـل ذكرها في الطب النبوى (ص ١٦٩) بهـذا لـلـفـظ وقال في الجواب الكافي (ص٣٢٦) وزاد الإمـام أحمد فى كتاب الزهد في هذا الحديث أصبر عن الطعام والشراب ولا أصبر عنهن، وقال في موضع آخر من هذا الكتاب (ص ٢٨٣) في كتاب الزهد للإمام أحمد من

حـديث يوسف بن عطية الصفار عن ثابت البنانی عن أنس‬ؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم حبب إلي من دنياكم الطيب والنساء أصبر عن الطعام والشراب ولا أصبر عنهن اهـ قلت لكن يوسف مجمع علی ضعفه قلت فلعل هذا مبنی علی اختلاف النسخ.

تنبيه: رد بعضهم وهو ابن حجر المكي الهيثمي ما ورد في رواية البيهقي من الحصر بقوله إنما حبب الخ، بما رواه النسائی عن أنس لم يكن شئ أحب إلی رسول الله صلی الله عليه وسم بعد النساء من الخيل ثم قال أو يقال أن غيرهما لم تبلغ محبته كمحبته لهما اهـ وسئل العلامة السيوطی لم بدأ بالنساء وأخر الصلاة فأجاب (۱/ ۳۵۵، حاوي) لما كان المقصود من سياق الحديث بيان ما أصابه النبي صلی الله عليه وسلم من متاع الدنيا بدأ به كما قال في الحديث الآخر ما أصبنا من ديناكم هذه إلا النساء ولما كان الذي حبب إليه من متاع الدنيا هو أفضلها وهو النساء بدليل قوله في الحديث الآخر الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة ناسب أن يضم إليه بيان أفضل الأمور الدينية وذلک الصلاة فإنها أفضل العبادات بعد الإيمان فكان الحديث علی أسلوب البلاغة من جمعه بين أفضل أمور الدنيا وأفضل أمور الدين، وفي ذلک ضم الشئ إلی نظيره، وعبر في أمر الدين بعبارة أبلغ مما عبربه في أمر الدنيا حيث اقتصر في أمر الدنيا علی مجرد التحيب وقال فی أمر الدين جعلت قرة عينی في الصلاة فإن فی قرة العين من التعظيم فی المحبة مالا يخفی انتهی.

وفي الفصوص للعارف ابن عربي وشرحه للعارف الجامي (ص ٤٤٥) ابتدأ بذكر النساء وأخر الصلاة ذلک لأن المرأة جزء من الرجل في أصل ظهور عينها ومعرفة الجزء الذی هو المرأة مقدمة علی معرفة الكل الذيهو الرجل من أفراد الإنسان، ومعرفة الإنسان بنفسه مقدمة علی معرفته بربه، فإن معرفته بربهٖ نتيجة عن معرفته بنفسه لذلک قال عليه الصلاة والسلام من عرف نفسه فقد عرف ربه، فمعرفة المرأة مقدمة علی معرفة ربه ومن البين أن الصلاة مما تتفرع علی معرفة الرب فلذٰلک قدمت النساء علی الصلاة اهـ.

قلت: حديث من عرف نفسه فقد عرف ربه قال ابن تيمية موضوع، وكذا عده الصغاني في الموضوعات (ص ٤) وقال السمعاني: إنه لا يعرف مرفوعاً وإنما يحكی عن يحيی بن معاذ الرازي من قوله، وقال النووي أنه ليس بثابت كما في الحاوي (۲/ ۲۳۹).

وفي مجمع البحار (۱۳۲/۳) وقرة عيني في الصلاة تكميل دافع لو هم أنه صلى الله عليه وسلم كان مائلا إلى معاشرة أرباب الخدور ومشتغلا بهن عن معالي الأمور كتكميل في حديث لم يكن أحب إليه صلى الله عليه وسلم بعد النساء من الخيل ليؤذن بأنه مع هذا بطلٌ مِقدام في الكرِّوا لفرِّ مع الأعداء، انتهى. وفي قوله صلى الله عليه وسلم جعلت قرة عيني إشارة إلى أن المحبة الشديدة للصلوة داخلة في جبلته وخلقته لما في الجعل من معني الخلق، قال الله تعالىٰ (جعل الظلمات والنور) أى خلقها، وقرة العين كناية عن غاية الفرح والسرور ونهاية البهجة والحبور وعبار ة عن تمام الروح والراحة وكمال النعيم واللذة وإشارة إلى لقاء المحبوب ورمز إلى حصول المطلوب، لأن القرة إما من القر بالضم وهو البرد أو من القر بالفتح وهو السكون والقرار، وبرد العين وسكونها قرارها إنما يحصل بالفوز بالمطلوب ولقائه وبه يحصل الفرح والسرور.

ثم الصلاة تحتمل أن يراد بها الصلوة المعروفة ذات القيام والقعود والركوع والسجود أو الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم.

فإن كان الثاني كما حكاه الإمام ابن فورک عن بعضهم فالمعني أن غاية فرحه صلى الله عليه وسلم وسروره في الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم فإن معنى صلواتنا عليه ان نسأل الله تعالى أن يصلى عليه كما قد علم أصحابه حين قالوا: يا رسول الله! قد علمنا أو عرفنا كيف السلام عليک فكيف الصلاة؟ قال: قولوا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنک حميد مجيد، أخرجه الجماعة عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال لقيني كعب بن عجرة فقال ألا اهدى لک هدية؟ خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يا رسول الله قد علمنا، الحديث. ولفظه عند ابن أبى حاتم كما فى تفسير الحافظ ابن كثير (۵۰۷/۳) من طريق يزيد بن أبى زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن كعب بن عجرة قال لما نزلت (ان الله وملئكته يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما) قال قلنا يا رسول الله ! قد علمنا السلام عليک فكيف الصلوة عليک؟ قال قولوا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم انک حميد مجيد،

وبارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد فلما كان الله تعالىٰ هو المصلى عليه، وصلاة الله تعالىٰ رحمته، وتعلق الرحمة بالمرحوم عـلـى قـدر منزلته عند الرحمن الرحيم ومنزلته صلى الله عليه وسلم عند الرحمن ابلغ المنازل لايـدرى مـنتهـا ها فيكون تعلق الرحمة به صلى الله عليه وسلم ابلغ وذلک إنما يكون بتوجه الـرحيـم ابـلغ توجه، وإذا كان كذلک فهو المطلب الأعلى والمقصد الاسنى فإنه سبحانه هو المجبوب الأعظم وتوجه المطلوب هو المطلوب والله أعلم.

وان كـان الـمـراد الأول أعـنـي الـصلاة المعروفة كما هو المتبادر وعليه مشى أكثرهم فـمعناه أن قرة عينه صلى الله عليه وسلم وفرحها وبهجتها وقرارها وسكونها في اشتغاله باعلى عبادات ربه وهو الصلوة فإنها سبب المناجاة معه تعالى، قال عليه الصلاة والسلام في المصلى أنـه يـناجى ربه، أخرجه الشيخان وفيها السجود وهو يحصل به القرب منه تبارک وتعالى قال عـليه الصلاة والسلام أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد رواه مسلم عن أبى هريرة، وأى شئ أعلى وأبهى وأسنى من قرب المحبوب ومناجاته.

ثـم عـلـى هذا اختلفوا هل تلک القرة خاصة بالنبي صلى الله عليه وسلم أو عامة؟ فقيل خـاصة بـه صـلـى الله عـلـيـه وسـلم وإليه الاشارة في قوله صلى الله عليه وسلم قرة عليني حيث أضـاف القرة إلى عينه، قال العارف عبد العزيز المهدوي وقرة العين لا تكون لمجاهد ولا لمن يدفع الشيطان عنه بل هي لمن استراح من المجاهدة والدفع قال ابن عباد لما كانت منزلة نبينا مـحمد صلى الله عليه وسلم عند ربه أشرف المنازل ومرتبته في المعرفة به أرفع الرتب بحيث لايتـصـور أن يشـاركـه في ذلک غيره أو يحل به سواه كانت قرة عينه في صلوته على حسب ذلک فـمـن قـال إن ذلک خـاصة لا نفراده بالمرتبة العليا والخاصية الكبرى فقوله صحيح، وعـليه ظاهر قوله صلى الله عليه وسلم وجعلت قرة عيني في الصلاة بعد قوله إنما حبِّب إليّ من الدنيا الطيب والنساء، ولا شک أن حبه لهذين الأمرين ليس على قياس حب غيره لهما، وإنما ذلک لوجود الخاصية التى اقتضت منه ذلک اهـ.

وقيـل أنهـا عـامة لـه ولـغيره، وهو الظاهر من قول العارف التاج بن عطاء السكندري حين سـئـل أن قوله صلى الله عليه وسلم وجعلت قرة عيني في الصلاة هل ذلک خاص به أم لغيره منه

شـرب ونصيب؟ فقال فى الحكم (ص ٨٥) ان قـرـة الـعين بالشهود على قدر المعرفة بالمشهود فالرسول صلوات الله عليه وسلامه ليس معرفة غيره كمعرفته فليس قرة عينه كقرته اهـ.

قال عبد الله الشرقاوي (ص ٨٥) وحـاصـل الجواب أن قرة العين ليست خاصة به صلى الله عـليـه وسـلم بل كما تكون له تكون لغيره لكن قرة عينه أعظم من قرة عين غيره ومعلوم أن قرة الـعيـن لا تحصل إلا لمن ذهبت عنه الوساوس النفسانية والشيطانية، وأما من كان معمورا فيها فقليل أن تحصل له قرة عين أو حضور قلب بين يدى سبحانه وتعالىٰ اهـ.

قـال التاج ابن عطاء وإنما قلنا أن قرة عينه في صلوته بشهود جلال شهوده لأنه قد أشار إلـى ذلـك يـقـولـه في الصلاة ولم يقل بالصلاة إذ هو صلوات الله عليه وسلامه لاتقر عينه بغير ربـه، وكيف وهـو يـدل على هذا المقام ويأمر به من سواه بقوله صلوات الله عليه وسلامه أعبد الله كـأنـك تـراه، ومـحال أن يراه ويشهد معه سواه، فإن قال قائل قد تكون قرة العين بالصلوة لانهـا فـضـل من الله بارزة من عين منة الله فكيف لايفرح بها وكيف لاتكون قرة العين بها، وقد قـال سبـحـانـه (قل بفضل الله وبرجمته فبذٰلك فليفرحوا، الآية) فاعلم أن الآية قد اومأت إلى الجواب لمن تدبر سر الخطاب إذ قال فبذلك فليفرحوا ما قال فلذلك فليفرح يا محمد قل لهـم فـليفرحوا بالاحسان والتفضل وليكن فرحك أنت بالمتفضل كما قال في الآية الأخرى (فذرهم فى خوضهم يلعبون).

قال عبد الله الشرقاوي (ص ٨٦) معناه المطابقي قل الله أنزله أى القرآن ومعناه الإشاري الـمراد قل الله، أى افرح به لابغيره (ثم ذرهم في خوضهم يلعبون) وهو فرحهم بغيرالله سبحانه قـال ويؤخـذ مـن ذلك أن قـرة العين قد تكون بنفس الصلاة للعلة السابقة لكن ذلك لغيره صـلـى الله عليه وسلم لاله، فان قرة عينه إنما تكون بمشاهدة محبوبه، وغيره يشاركه فيه على حسب مقامه كما مر، انتهى.

وقال الشيخ عبدالحق في لمعات التنقيح وقوله في الصلاة دون أن يقول الصلاة، إشارة إلـى أن الـفـرح والسرور والإطمينان إنما يحصل بالإحسان ومشاهدة الحق على حسب قوله كـأنـك تـراه الـذي يـحـصـل لـه فـى الصلاة لا بنفس الصلاة لأنها مما سوى ذات الله تعالى، والـمـشـاهـدة إنـمـا يـحصل بمطالعة الذات، نعم الصلاة نعمة الله وفضل منه وحصول الفرح

بـنعمته وفضله أيضاً مقام على كما قال تعالى (قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا) لكنه دون مـقـام مشـاهـدة المفضل والمنعم ومقامه صلى الله عليه وسلم أعلى وأرفع، ولذلك قال فليفرحوا غيبة أو خطابا ولم يقل فلتفرح وليفرح المؤمنون بفضل الله عليهم وليكن فرحك يا مـحـمد بى، ويمكن أن يكون البعض أخص خواص إلا أنه نصيب من هذا المقام لمتابعته صلى الله عليه وسلم ولكن قر ة الـعيـن بالشهود على قدر المشهود، ولما كان معرفته صلى الله عليه وسـلم أكمل من معرفة كل عارف كان شهوده أتم من شهودهم فلا يكون قرة عيونهم مثل قرة عينه صلى الله عليه وسلم انتهى.

وأما الخامس: ففي الزيادة:

قـال الـمـحب الطبرى في الرياض النضرة في مناقب العشرة (١/٣٦) روى أنه لما قال صـلـى الله عـليه وسلم حبب إلى من دنياكم ثلاث الطيب والنساء وجعل قرة عيني في الصلاة، قـال أبـو بـكـر وأنـا يـا رسـول الله جبب إلى من الدنيا ثلاث: النظر إلى وجهك وجمع المال لـلأنـفـاق عـليک والتوسل بقرابتک إليک، وقال عمر وأنا يا رسول الله جبب إلى من الدنيا ثـلث: الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر والقيام بأمر الله، وقال عثمان وأنا يا رسول الله حب إليّ من الدنيا ثلث: إطعام الجائع وإرواء الظمآن وكسوة العاري، وقال على ابن أبي طالب وأنا يـا رسول الله حبب إلي من الدنيا ثلث: الصوم في الصيف وإقراء الضيف والضرب بين يديک بالسيف، أخرجه الخجندي أنتهى.

والـخـجـنـدي هـو إبراهيم بن محمد بن عبداللطيف الخجندى كما فى خطبة الرياض النضرة (١/٦).

وفـي نسيـم الرياض (١/٤٥٨) بـلـفـظ روى أن الـنـبـي صـلـى الله عليه وسلم جلس مع أصـحـابـه الأربـعة رضـي الله تـعـالـى عـنهم فقال حبب إلى من دنياكم ثلاث: الطيب والنساء وجـعلت قرة عيـنـى فـى الـصـلاـة، فـقـال أبو بكر وأنا يا رسول الله حبب إلى من الدنيا ثلث: الـجـلـوس بيـن يديک والنظر إليک وإنفاق جميع مالي عليک، وقال عمر وأنا يا رسول الله حبِّب إلى من الدنيا ثلث: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وحفظ الحدود وقال عثمان وأنا يـا رسـول الله حُـبـب إلـى من الدنيا ثلث، إفشاء السلام وإطعام الطعام والصلاة باليل الناس ينام

وقـال عـلـي وأنـا يـا رسـول الله حُـبـب إلـي الخ من الدنيا ثلث: إقراء الضيف والصوم بالصيف والـضـرب بيـن يديک بالسيف،فنزل جبريل عليه الصلاة والسلام وأنا يا رسول الله حبب إلى من دنيا كم ثلث: حب المساكين وتبليغ الرسائل للمسلمين وأداء الأمانة، وإذا النداء من قبل الله وهو يقول أن الله يحب من دنيا كم ثلث: بدن صابر ولسان ذاكر و قلب شاكر انتهى.

وفـي الـمـنبهـات عـن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: حبب إلى من دنياكم ثلث: الـطيـب والـنساء وجعلت قرة عيني في الصلاة، وكان معه أصحابه جلوساً فقال أبو بكر الصديق صـدقـت يـا رسـول الـلـه وحـبـب إلي من الدنيا ثلث: النظر إلي وجه رسول الله وإنفاق مالى على رسـول الله وأن يـكـون ابـنـتي تـحت رسول الله فقال عمر صدقت يا أبا بكر و حُبب إلي من الدنيا ثلث: الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر والثوب الخلق فقال عثمان صدقت يا عمر و حبب إلى مـن الـدنـيـا ثـلـث: إشبـا ع الـجيعان وكسوة العريان وتلاوة القرآن، فقال على صدقت يا عثمان وحـبـب إلـى مـن الـدنـيـا ثـلـث: الـخدمة للضيف والصوم فى الصيف والضرب بالسيف فبيناهم كـذلـک إذ جـاء جبرئيل وقال أرسلنى الله تبارک وتعالى لما سمع مقالتكم وأمرک أن تسئلني عـمـا أحب إن كنت من أهل الدنيا ، فقال ما تحب إن كنت من أهل الدنيا؟ فقال: إرشاد الضالين ومـؤانسة الغرباء القانتين ومعاونة العيال المعسرين، وقال جبرئيل يحب رب العزة جل جلاله من عـبـاده ثـلـث خصال: بذل الإستطاعة والبكاء عند الندامة والصبر عند الفاقة، قلت: ولا يصح من ذلـک شئ بل تكاد لا توجد بسند صحيح ولا حسن ولا ضعيف، انتهى ما يتعلق بالحديث.

وأمـا الـمـنبهـات فـلـمن هي؟ فاقول أنها ليست من مصنفات الحافظ الشهير ابن حجر العسقلاني ولا من تاليفات الشيخ ابن حجر الهيثمي المكى لامور.

الأول إن مساق رواياتها يأبي عن أن يكون هذا الكتاب من تأليف أحدهما.

والـثـانـي أن مـن دأبـهـمـا خصوصاً من دأب الحافظ أن يعزو الحديث إلى من خرجه من أصـحـاب الـصحاح الستة وغيرها، بل الحافظ التزم في فتح الباري أن وجد في كلام أحد من الـمشـائـخ الـذيـن يـنـقـل كـلامهـم حـديثاً ولم يعز ذلـک القائل ذلـک الحديث إلى أحد من الـمـخـرجـيـن فيـعـزه إليـه، وقـد صـنـف كتبا في التخريج كتخريج الرافعي وتخريج الكشاف وتـخـريـج الأذكـار وتـخريج المشكوة وغير ذلـک، فبعيد عنه أن يصنف تصنيفاً مستقلا ولا

ينسب حديثاً منه إلى مخرجه.

والثـالث: أن هذا الحديث الذي ذكره في المنبهات مطولا بلفظة ثلث قد أنكر الحافظ وجودها في كتب الحديث كما مر فكيف يثبته في الكتاب.

ثـم الـزيـادة على جعلت قرة عيني فى الصلاة لا يوجد في شئ من الكتب المسندة وهل الـحـافـظ يجترئ على ذلك، وكذلك ابن حجر المكى ذكر في الفتاوى الحديثية إنكارهم وجود لفظة ثلث في الحديث وأقرهم فهل يظن أنه يذكر ه مع هذه الزيادة.

والـرابـع أن الحافظ نسبه هكذا! أحمد بن على بن محمد بن محمد بن على بن محمود بن أحمد بن أحمد الكناني العسقلاني المصري، كذا حكاه في أول الفتح عن التبر المسبوك فـي ذيـل الـمـلـوك لـلـسـخـاوي وفي آخر الفتح فرغ منه جامعه أحمد بن علي بن محمد بن مـحـمـد بـن عـلـى بـن أحـمـد بـن حـجر الكناني النسب العسقلاني الأصل المصري المولد والمنشاء نزيل القاهرة.

وأمـا الشيـخ ابـن حـجـر الهيثمي المكى فهو أحمد بن محمد بن على بن حجر كما في جلاء العينين (ص ۱۸) لـلـسيـد نعمان الآلوسي، وفى مقدمة الفتاوى الكبرى (۱/۳) هو أحمد بن محمد بدر الدين بن محمد شمس الدين بن على نور الدين بن حجر.

وأما مؤلف المنبهات فهو على ما فى كشف الظنون (ص ۳٤) زين القضاة أحمد بن محمد الـحجري فالظاهر أنه سقط لفظة محمد فبقي أحمد بن الحجرى فظن بعض الظانين أن الياء وقع سهواً فجعله أحمد بن الحجر ثم أختصره فسماه ابن حجر ونسب إليه الكتاب والله أعلم.

وأيـضـاً الـحـافـظ لـقب بقاضى القضاة لازين القضاة وأما ابن حجر المكى فلم أر أحدا ذكره فيمن تقلد القضا.

والـخـامـس أن فيـه من الروايات ما فيه وصمة الوضع كالحديث الأول الذى ذكره في بـاب الثـمـانـي بـقـولـه قـال الـنبى عليه السلام ثمانية أشياء لا تشبع من ثمانية العين من النظر والأرض مـن المطر، والأنثى من الذكر، والعالم من العلم والسائل من المسئلة، والحريص من الـجـمـع والبـحـر مـن الـمـاء والـنـار مـن الـحطب ، فقد ذكر ابن طاهر المقدسي في تذكرة الموضوعات (ص ۱۱) أربـع لا يشبعن من أربع: أرض من مطر وانثىٰ من ذكر، وعين من نظر،

وعـالـم مـن عـلـم وقال فيه حسين بن علوان وعبد السلام بن عبدالقدوس وهما ضعيفان، قلت حسيـن بـن عـلـوان كذاب يضع الحديث، وعبد السلام يروى الموضوعات كما فى الميزان، وقد ذكره الفتنى أيضا فى تذكرة الموضوعات.

نـعـم لـفضل العلم شواهد: منها حديث أنس عند الحاكم (١/٩٢) والبيهقي في شعب الإيـمان مرفوعاً منهومان لا يشبعان منهوم في العلم لا يشبع منه ومنهوم في الدنيا لا يشبع منها، قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين وأقره الذهبي.

وذكـره صـاحب المنبهات حديثا في باب السباعى بلفظ قال النبي صلى الله عليه وسلم الـدنيـا دار مـن لادار لـه، ومـال مـن لا مال له، ولها يجمع من لاعقل له، ويشتغل بشهوتها من لافهـم لـه، وعـليهـا يـعـاقـب من لا علم له، ولها يحسد من لالب له، ولها يسعى من لايقين له، وذكره الغزالي في الإحياء (٣/١٧٤) بـلفظ وقال صلى الله عليه وسلم الدنيا دار من لا دار له، ومـال من لا مال له، ولها يجمع من لا عقل له، وعليها يعادى من لاعلم له، وعليها يحسد من لا فقه له، ولها يسعى من لايقين له.

قلت: أخرج أحمد (٦/٧١) مـن طـريق ذويد عن أبي إسحاق عن زرعة عن عائشة قالت: قال رسـول الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم الدنيا دار من لا دار له، ولها يجمع من لا عقل له، انتهى. ولم يذكر بقيته قال العراقي وزاد بن أبي الدنيا والبيهقي في الشعب من طريقه ومال من لا مال له انتهى.

فهـذا الـمـخـرج مثل الحافظ العراقي لم يجد الزائد على الخصال الثلث فهل كان لتـلـمـيـذه الـحـافـظ ابن حجر أن يزيد على مالا يوجد في كتب الحديث؟ وكذلك ذكر الـزبيـدي الـقـدر الـذى ذكره العراقي ولو وجد الحافظ كله لنسبه كما لا يخفى على من اطلع على دأب الحافظ.

وذكـر فـي الـمـنبهات أيضاً في باب الرباعى قال النبى صلى الله عليه وسلم إذا كان يوم الـقيـامة يـوضـع الـميـزان فيؤتى بأهل الصلاة فيوفون أجورهم بالميزان ثم يؤتى بأهل الصوم فيـوفـون أجـورهم بالميزان ثم يؤتى بأهل الحج فيوفون أجورهم بالميزان ثم يؤتى بأهل البلاء لايـنـصب لهم ميزان ولا ينشرلهم ديوان فيوفون أجورهم بغير حساب حتى يتمنى أهل العافية أن لو كانوا بمنزلتهم من كثرة ثواب الله تعالىٰ، ولم نجد مثله في كتب الحديث.

نعم أخرج ابن مردويه كما في اللآلي (ص ٥٥٤) ما يقرب منه من طريق بكر بن خنيس عن ضـرار بـن عـمـرو عن يزيد الرقاشى عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أن الله إذا أحـب عبدا وأراد أن يصافيه صب عليه البلاء صبا وثج عليه ثجا إلى أن قال وتنصب الموازين يوم الـقيـمة فيوتى بأهل الصلا ة فيـوفـون أجـورهـم بـالموازين ويؤتى باهل الصيام فيوفون أجورهم بـالموازين ويؤتى باهل البلاء فلا ينصب لهم ميزان ولا ينشر لهم ديوان ويصب عليهم الأجر صبا بغير حساب حتى يتمنى أهل العافية أنهم كانوا في الدنيا تقرض أجسادهم بالمقاريض بما يذهب بـه أهـل البـلاء من الفضل، وذلک قوله (إنما يوفى الصّٰبرون أجرهم بغير حساب) ومن بكر إلى يـزيـد كـلهـم ضعفاء متروكون فبعيد أن يصنف الحافظ كتابا ولا يذكر أصل اللفظ ولا ينبه على مرتبة الحديث، وقد استقصى السيوطي ألفاظه لكن ليس لفظ يوافق لفظ المنبهات.

ومثـل هـذا كثيـر فـي هـذا الكتاب، فالذى أجزم به أنها ليست من مؤلفات الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ والله اعلم وعلمه أتم وأحكم.

بنده محمد يونس غفرله

(رسالہ نمبر۲)

أحاديث النهي عن الخصاء والترغيب في تزويج الولود

حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ خصاء کی ممانعت اورتزویج ولود کی ترغیب پر کچھ روایات جمع کردو، اس پر مندرجہ ذیل روایات جمع کی گئیں۔

أحاديث النهي عن الخصاء

الحديث (١) عن عبد الله بن مسعود قال: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس معنا نساء، فقلنا ألا نختصى؟ فنهانا عن ذلک، ثم رخص لنا أن نستمتع، فكان أحدنا ينكح المرأة بالثوب إلى أجل، ثم قرأ عبد الله "يأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ" متفق عليه، مشكوة ص:٢٧٣، بخاري ص:٧٥٩.

الحديث (٢) عن أبي هريرة قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! إني رجل شاب وإني أخاف على نفسي العنت ولا أجد ما أتزوج به النساء، فأذن لی أن اختصي، قال: فسكت عني، ثم قلت له مثل ذلک، فسكت عني ثم قلت له مثل ذلک فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أباهرير ة! قد جف القلم بما أنت لاق، فاختص على ذلک أو دع. أخرجه البيهقي (ص: ٧٩) وأخرجه البخاري (ص: ٧٥٩) دون قوله "فاذن لي أن اختصى"، وترجم عليه "ما يكره من التبتل والخصاء"، وترجم عليه البيهقي "باب النهى عن التبتل والإخصاء".

الحديث (٣) عن سعد بن مسعود أن عثمان بن مظعون أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ائذن لنا بالإختصاء، فقال رسول الله ﷺ: ليس منا من خصي ولا اختصى إن خصاء أمتي الصيام، فقال: يا رسول الله! أئذن لنا في السياحة، فقال: إن سياحة أمتي الجهاد في سبيل

الله، فـقـال: يـا رسـول الله أئذن لنا في الترهب، فقال: إن تـرهـب أمتـي الجلوس في المساجد إنتـظـار الصلوة، أخرجه ابن المبارك فى الزهد (ص ٢٩) وقـال صاحب المشكوة (ص ٦٢): رواه (أى البغوي) في شرح السنة قال القاري: بإسناد فيه مقال.

الحديث (٤) عـن عبد الله بن عمرو قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال أئذن لى أن اختـصى فقال رسول الله ﷺ: خصاء أمتي الصيا م والقيام، رواه أحمد (٢/١٧٣) وفيه ابن لهيعة وقال الهيثمي (٤/٢٥٢): رواه أحمد والطبراني ورجاله ثقات وفي بعضهم كلام.

قلت: والمراد بالبعض هو ابن لهيعة.

الحديث (٥) عـن يـحيـى ابـن أبي كثير قال حدثنى رجل عن جابر بن عبد الله قال: جاء شاب إلى رسول الله ﷺ فقال: أتأذن لي في الخصاء؟ فقال: صم وسل الله من فضله، وراه أحمد (٣/٣٧٨ – ٣٨٢).

الحديث (٦) عـن عثـمان بن مظعون أنه قال: يا رسول الله! إنّي رجل تشق علي هذه العزبة في المغازي، فتأذن لي في الخصاء فأختصى؟ قال: لا، ولكن عليك يا ابن مظعون بـالـصيام فإنه مجفرة، رواه الطبراني، وفيه عبد المالک بن قدامة الجمحي وثقه ابن معين وغيره وضّعفه جماعة وبقية رجاله ثقات، كذا في مجمع الزوائد (٤/٣٥٣).

الحديث (٧) عن ابن عباس قال: شكا رجل إلى رسول الله ﷺ العزوبة فقال: "ألا اختـصـى؟ فـقـال له النبى ﷺ ليس منا من خصي واختصى ولكن صم ووفر شعر جسدک". رواه الطبراني وفيه معلى بن هلال و هو متروک، كذا في مجمع الزوائد (٤/٢٥٤).

الحديث (٨) عن سعيد بن العاص أن عثمان بن مظعون قال: يا رسول الله! أئذن لي في الاختـصاء، فقال له رسول الله ﷺ: ان الله قد أبدلنا بالرهبانية الحنفية السمحة والتكبير على كـل شـرف، فـان كـنـت مـنـا فـاصـنـع كما نصنع". رواه الطبراني وفيه إبراهيم بن زكريا وهو ضعيف، كذا فى مجمع الزوائد (٤/٢٥٢).

الحديث (٩) عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: "لا تخصوا ما ينمى خلق الله" اخرجه الدار قطني من طريق عمر بن إسماعيل عن نافع عنه، كذا في الأوجز (٦/٣٢٩) عن الزرقاني.

الحديث (١٠) عـن ابن مسعود قال نهى رسول الله ﷺ أن يخصى أحد من بني آدم.

أخـرجه الطبراني وابن عدي، كذا في الأوجز عن الزرقاني وعزاه في منتخب الكنز (٦/٣٩٠) للطبراني فقط.

الحديث (١١) عـن ابـن عباس مرفوعاً: لا إخصاء في الإسلام ولا بنيان كنيسة. رواه البيهقي كذا في منتخب الكنز (٦/٣٩٠).

الحديث (١٢) نهـي عـن الإخـصـاء (ابـن عساكر عن ابن عمر) كذا في كنز العمال (٨/٢٣٧).

الحديث (١٣) عـن عبد الله بن عمر "أنه كان يكره الإخصاء ويقول فيه تمام الخلق، رواه مالك فى الموطا". (أوجز ٦/٣٢٩).

أحاديث الترغيب في نكاح الولود

الحديث (١) عن معقل بن يسار قال قال رسول الله ﷺ: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم، رواه أبو داود والنسائي والحاكم (١/١٦٢) والبيهقي في سننه (٧/٨١) وأقره المنذري (٢/٤١) والذهبي وصححه وكذا صححه العراقي (٢/٣٧).

الحديث (٢) عـن أنـس بـن مالك قال: كان رسول الله ﷺ يأمر بالباء ة وينهى عن التبتـل نهيـاً شـديداً، يقول: "تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة". رواه أحمد (٣/١٥٨) وسعيد بن منصور (١/١٢٢) وكـذا الطبراني فى الأوسط والبيهقي في سننه (٧/٨١) وابـن حبـان فـي صـحيح من طريق حفص بن عمر عن أنس، قال الهيثمي (٤/٢٥٢) وقـد ذكره ابن أبي حاتم وروى عنه جماعة وبقية رجاله رجال الصحيح، وقال في موضع آخر (٤/٢٥٨) رواه أحمد والطبراني في الأوسط وإسناده حسن. قلت: ورواه البيهقي أيضاً.

الحديث (٣) عـن مـعـاوية بـن حيـدة قال قال رسول الله ﷺ: سوداء ولود خير من حسنـاء لا تلد، إني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة حتى بالسقط مجنطئاً على باب الجنة يقال له ادخـل الـجنة فيقول: يا رب وأبواي، فيقال له: أدخل الجنة أنت وأبواك، رواه الطبرانى وفيه علـي بـن الـربيـع وهو ضعيف، كذا في مجمع الزوائد (٤/٢٥٨) وذكـره فـي مـنتخب الكنز (٦/٣٩٠) أيضاً.

الحديث (٤) وعـن حـرمـلة بـن الـنعمان قال قال رسول الله ﷺ: امرأة ولود ودود أحـب إلـى الله مـن حسـنـاء لاتـلد، إني مكاثر بكم الأمم، أخرجه ابن قانع من طريق محمد بن سوقة عن ميمون بن أبي شبيب عن حرملة، ذكر الحافظ ابن حجر في الإصابة (٢/٢) ومحمد بـن سـوقه فيه كلام، وقال الحافظ في التلخيص (ص ٢٧٨): أخـرجه الدار قطني في المؤتلف وابن قانع في الصحابة.

الحديث (٥) عـن أبـي أذيـنة الـصدفي أن رسـول الله ﷺ قال: خير نسائكم الودود الـولـود الـمـواتية الـمـواسية إذا اتـقيـن الله، وشـر نسـائـكم المتبرجـات المتخيلات، وهن الـمـنـافـقـات، لا يدخل الجنة منهن الا مثل الغراب الأعصم، أخرجه البيهقي في سننه الكبرى (٨٢/٧) وابـن الـسكن في معرفة الصحابة، كما في الإصابة (٥/٧) مـن طريق موسى بن على بن رباح عن أبيه عن أبي أذينة، قال البيهقي: وقد روى بإسناد صحيح عن سليمان بن يسار عن النبي ﷺ مرسلاً إلى قوله إذا اتقين الله.

الحديث (٦) النساء ثلاثة أصناف، صنف كالوعاء تحمل وتضع، وصنف كالعر وهو الـجرب، وصنف ودود ولود مسلمة تعين زوجها على إيمانه وهو خير له من الكنز، أبو الشيخ عـن ابـن عـمـر والـرامهـرمزي في الأمثال عن جابر وفيه أرطاة بن المنذر عن عبد الله بن دينار البهراني وهما ضعيفان، كذا فى الكنز (٢٤٤/٨) ومنتخب الكنز (٣٩٥/٦).

الحديث (٧) عن ابن عمر أن عمر تزوج امرأة فأصابها شمطاء وقال: حصير في بيت خيـر من إمرأة لاتـلـد والله مـا أقـر بـكـن شهوة ولكنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: تزوجوا الـودود الـولـود فـإنـي مـكـاثـر بـكم الأمم يوم القيامة، أخرجه الخطيب وسنده جيد، كذا في منتخب الكنز (٣٩٦/٦).

الحديث (٨) وأخـرج عبد الرزاق (١٦٠/٦) عـن هشـام بـن حسـان عن محمد بن سيـريـن قـال قـال رسـول الله ﷺ: دعوا الحسناء العاقر وتزوجوا السوداء الولود فإني أكاثر بـكـم الأمـم يـوم الـقيامة حتى السقط يظل مجنطئًا أى متغضبا فيقال له: أدخل الجنة، فيقول: حتـى يـدخـل أبواي، فيقال: أدخل أنت وأبواک (قلت: وهو مرسل صحيح)، قال المحشى:

أخـرجـه طب مـن حـديـث مـعـاوية بن حيدة وطس من حديث سهل بن حنيف كما فى الكنز (۲۳۸/۸ - ۲۳۹) قـلـت: حـديـث سهل لا ذكر فيه للولود وحديث معاوية بن حيدة قد تقدم على(۳).

الحديث (۹) أخرج عبد الرزاق (۱٦۰/٦) عـن مـعـمـر عن عبد الملك بن عمير وعـاصـم بـن بهـدلة أن رجـلا أتـى الـنبـي ﷺ فـقال: ابنة عم لى ذات ميسم وقال وهي عاقر أفـأتزوجها؟ فنهاه عنها مرتين أو ثلثاً، ثم قال: لمرأة سوداء ولود أحب إلي منها، أما علمت إني مـكـاثـر بـكم الأمم وأن اطفال الأمم المسلمين يقال لهم يوم القيامة "أدخلوا الجنة" فيتعلقون بـأحـقّـاء أبـائهـم وأمهـاتهـم، فيـقولون: ربنا! آبائنا وأمهاتنا، قال فيقال لهم: أدخلوا الجنة أنتم وآبـائهـم وأمهـاتهـم، قـال: ثـم يـجـيء السـقـط فيقال له: أدخل الجنة قال فيظل محبنطئاً أى متقعساً، فيقول: أى رب أبي وأمي! حتى يلحق به أبواه.

الحديث (۱۰) وأخرج عبدالرزاق (٦۱/٦) قال أخبرت أن رجلا قال يا نبي الله! ابنة عـم عـاقـراً فـأردت أن أنـكحها، قال: لا تنكحها ثم عاد الثانية والثالثة في مجالس شتى، فكل ذلك يـقـول الـنبـي ﷺ لا تـنـكـحهـا، ثم قال النبي ﷺ أن تنكح سود اء ولوداً خير من أن تنكحها حسناء جملاء لا تلد.

الحديث (۱۱) عـن عياض بن غنم قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا عياض، لا تزوجن عـجـوزاً ولا عـاقـراً فـإنـي مكاثر بكم الأمم، رواه الطبرانى وفيه معاوية بن يحى الصدفي وهو ضـعيف كـذا فى مجمع الزوائد (۲۵۸/٤) وقـال الـحافظ في التلخيص (ص: ۲۷۸) أخـرجه الحاكم وإسناده ضعيف.

الحديث (۱۲) عـن أبـي مـوسـى أن رجلاً أتـى الـنبي ﷺ: فقال: إن امرأة أعجبتنى لاتـلـد، فـأتزوجها؟ قال: لا، فأعرض عنها ثم تتبعها نفسه، فأتى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! أعـجبتنى هذه المرأة ونحوها، أعجبنى دلها ونحوها فأتزوجها، قال: فامرأة سوداء ولود أحب الي مـنهـا، أمـا شـعـرت أنـي مـكاثر بكم الأمم يوم القيامة، فيجيء ذراري المسلمين آخذين بـحقوي آبائهم فيقال لهم: أدخلوا الجنة، حتى أرى السقط محبنطئاً متقا عسا فيقال له: أدخل

الـجـنة، فيقول: يارب وأبواي، فيقول الله عزوجل: أدخل أنت وأبواک، أخرجه أبو يعلى وفيه راو ولم يسم، قاله البوصيرى، كذا فى المطالب العالية (٢/ ٢٤) وهامشه.

الحديث (١٣) عـن عبـد الله قـال قال رسول الله ﷺ: ذرو الحسناء العقيم وعليكم بالسوداء الولود فإنى مكاثر بكم حتى السقط يظل محبنطئًا بباب الجنة، فيقال له: أدخل الجنة فيـقـول: حتى يدخل والدى معى، أخرجه أبو يعلى وفيه عمرو بن الحصين شيخ أبى يعلى، قال الـدار قـطنى متروک وقال البوصيرى فيه حسان بن سياه وهو ضعيف، والأظهر والداي معي، كذا في المطالب العالية وهامشه (٢/ ٢٣) وذكره في الكنز (٨/ ٢٤٢) معزواً لابن عدي.

الحديث (١٤) عن كعب بن عجرة قال: قال رسول الله ﷺ ألا أخبركم بنسائكم من أهل الجنة؟ الودود الولود التي إذا ظلمت أو ظلمت قالت لا أذوق غمضاً حتى ترضى، أخرجه أبـو يـعـلـى وفيه حسين بن يزيد الطحان وشيخه سعيد بن خثيم وشيخه محمد بن خالد الضبي فـكـلاهما لابأس به وفيه السري بن إسماعيل ضعيف جداً،وأخرجه الهيثمي (٤/ ٣١٢) معزواً للطبراني وقال: السرى بن إسماعيل متروک وضعفه البوصيري لضعف السري بن إسماعيل، والـغـمـض الـنوم، كذا في المطالب العالية وحاشيتها لمولانا الشيخ حبيب الرحمن المحدث الأعظمي.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

رسالہ نمبر۳

عربی زبان کی فضیلت سے متعلق روایات کا مجموعہ

(مکتوب حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم)

عزیزانم مولویان یونس وعاقل وسلمان سلمہم بعد سلام مسنون

میں پہلے بھی کم از کم دو خطوں میں لکھ چکا ہوں کہ اس سال ہندوستان کی آخری شب میں عربی کی فضیلت پر ایک رسالہ خواب میں لکھنا شروع کیا تھا میں تو خواب لکھوار ہا تھا مگر مجھ پر یہ اعتراض ہے کہ ایک ایک چیز دس خطوں میں لکھی جاتی ہے۔

مگر یہاں آنے کے بعد کچھ تو مشغولی کچھ بیماری اور دونوں سے بڑھ کر یہ کہ کتابیں نہیں ملتیں۔

عزیزم محمد بنوری نے کراچی سے کچھ حدیثیں لکھ کر بھیجی ہیں اور لآلی سے اس پر انکار بھی۔

اس کے متعلق ایک تو یہ لکھنا ہے کہ لآلی میں صرف انکار ہی ہے یا اختلاف بھی، نیز اللآلي المصنوعة کے ساتھ تعقبات علی الموضوعات ہے، اس میں بھی دیکھنا ہے کہ ان پر تعقب کیا ہے یا نہیں۔

الحديث (۱) عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً: أحبّ العرب لثلث لأني عربي والقرآن عربيّ وكلام أهل الجنة عربي، درمنثور (۴/۳) وأخرجه العقيلي وقال: منكر لا أصل له، كما في فيض القدير (۱/۱۷۹).

یہ روایت مشکوۃ (ص:۵۵۳) میں بھی ہے رواه البيهقي في شعب الإيمان اس میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ درمنثور میں یہ لفظ مفرد ہے اور مشکوۃ میں جمع أحبوا ہے۔

الحديث (۲) عن أبي هريرة مرفوعاً أنا عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي. در منثور (۳/۴).

الحديث (۳) عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تلا (قرآناً عربياً) ثم قال: ألهم اسماعيل هذا اللسان العربي إلهاماً. (حواله بالا)

الحديث (۴) عن ابن عمر مرفوعاً: كلام أهل الجنة بالعربية وكلام أهل السماء

وكلام أهل الموقف بالعربية بين يدي الله، موضوع آفته عثمان، كما في اللآلي المصنوعة (۲/ ۱۵۱).

الحديث (٥) عن عن ابن عمر مرفوعا: من أحسن منكم أن يتكلم بالعربية فلا يتكلمنّ بالفارسية فإنه يورث النفاق، قال الذهبي: عمر كذّبه ابن معين وتركه الجماعة. (حواله بالا)

اس کومستدرک حاکم میں بھی دیکھ لیں۔

الحديث (٦) عن أنس مرفوعاً: من تكلم بالفارسية زادت فى خسته ونقصت من مروءته. وتعقبه الذهبي وقال: إسناده واهٍ بمرة وقال الدار قطني: تفرد به طلحة وهو منكر الحديث. (حواله بالا) واتهمه غيره بالوضع.

اس حدیث کا مطلب مفتی محمود کے مشورہ سے وضاحت سے لکھیں۔

الحديث (٧) عن عمر قال: يا رسول الله مالک أفصحنا ولم تخرج من بين أظهرنا؟ قال: كان لغة إسماعيل قد درست، فجاء بها جبريل فحفظنيها فحفظتها. أخرجه ابن عساكر كما في المزهر (۱/ ۳۵).

الحديث (٨) عن ابن عباس: إن آدم عليه السلام كان لغته فى الجنة العربية فلما عصى سلبه الله العربية فتكلم بالسريانية فلما تاب رد الله عليه العربية. كذا فى المزهر (۱/ ۳۰).

الحديث (٩) عن عمر: لا تعلموا رطانة الأعاجم. كذا في اللآلي (۲/ ۱۵۱).

الحديث (١٠) عن عمر سمع رجلا يتكلم بالفارسية في الطواف فأخذ بعضديه وقال: ابتغ إلى العربية سبيلاً. (حواله بالا).

الحديث (١١) وعنه قال: تعلموا العربية فإنها تزيد في المروءة. (حواله بالا)

الحديث (١٢) عن مقاتل: كلام أهل السماء العربية، اهـ مختصراً. در منثور (٦/ ١٣).

الحديث (١٣) عن مجاهد: نزل القرآن بلسان قريش وهو كلامهم. در منثور (٤/ ٣)

یہ فہرست میں نے اس واسطے بھیجی ہے تاکہ تم دوستوں کو مراجعت میں سہولت ہو۔

ان روایات کے متعلق کوئی توثیق یا تجرتح ملے تو اس کا بھی اضافہ کردیں اور بھی کوئی روایت ملے تو جلد لکھیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب

۶/۳/۲۰ ۷ء مدینہ طیبہ

جواب از احقر محمد یونس عفی عنہ

اصل جواب تو بھیج دیا گیا ہے اور اس وقت عجلت میں اس کو نقل نہیں کیا جاسکا البتہ اس کی یادداشتیں تھیں مناسب معلوم ہوا کہ انہیں یہاں لکھ دیا جائے تاکہ ضیاع سے محفوظ ہو جائیں۔

اولاً روایات مذکورہ فی السوال کے متعلق عرض ہے اس کے بعد مزید بعض روایات ذکر کی جائیں گی۔

الحديث (۱) حديث ابن عباس مرفوعاً: أحبوا العرب لثلث لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي.

أخرجه الطبراني في الكبير والأوسط والحاكم في مستدركه (۸۷/٤) وعلوم الحديث (ص ١٦٢) له والبيهقي في الشعب ومناقب الشافعي (٣٣/١) وتـمّام في فوائده والعقيلى في الضعفاء كلهم من حديث العلاء بن عمرو الحنفي حدثنا يحيى بن يزيد الأشعري عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس به.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح، وقال الهيثمي (٥٢/١٠) العلاء بن عمرو الحنفي مجمع على ضعفه، قلت: وشيخه يحيى بن يزيد الأشعري أيضاً ضعيف، وقد تفردا به كما قاله الطبراني والبيهقي، قال ابن أبي حاتم في العلل: سالت أبي عن هذا الحديث فقال هذا حديث كذب، وقال العقيلي حديث منكر لا أصل له، وأورده ابن الجوزى فى الموضوعات (٤١/٢): وقال يحيى يروى المقلوبات عن الأثبات فبطل الاحتجاج به.

وتعقب السيوطي في اللآلي (ص ٤٤٢) علي ابن الجوزي بما لايجدى نفعاً فقال: إنما أورده العقيلي في ترجمة العلاء بن عمرو علي أنه من مناكيره وكذا صاحب الميزان، وقال الحافظ ابن حجر في اللسان: ذكره ابن حبان في الثقات وقال صالح جزرة: لابأس به، وقال أبو حاتم: كتبت عنه وما أعلم الاخيراً، انتهى.

قلت: لكن الحافظ ابن حجر ذكر الحديث في اللسان وختم كلامه بنقل كلام العقيلي ولم يتعقبه لشيء ولم يحكم العقيلي بالنكارة فقط بل حكم عليه بأنه لا أصل له، وصرح الذهبي بأنه موضوع وحكم عليه أبو حاتم الرازى بأنه كذب، قال السيوطي: وقد تابع يحيى محمد بن الفضل: أخرجه الحاكم وتعقبه الذهبي في مختصر المستدرك فقال محمد بن الفضل متهم فلا

يصلح للمتابعات، قال وأظن الحديث موضوعاً قال السيوطي في التعقبات: والحديث ضعيف لا صحيح ولا موضوع، وقال في اللآلي: وله شاهد، فذكر حديث أبي هريرة الذي يأتي بعده.

ونـقـل العلامة أحمد بن مبارک السجلماسي في الأبريز (ص ۱۰۸) عن شيخه العارف الكبير الشيخ السيد عبد العزيز الدباغ أنه ليس بحديث، لم يقله النبي صلى الله عليه وسلم.

الحديث (۲) حـديـث أبي هريرة مرفوعاً: أنا عربى الخ، أخرجه الطبراني في معجمه الأوسط من حديث عبد العزيز بن عمران حدثنا شبل بن العلاء عن أبيه عن جده عن أبي هريرة قـال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا عربي والقرآن عربي ولسان أهل الجنة عربي، قال الـذهـبي فـي الـمـغـنـي: شبل بن العلاء بن عبد الرحمن قال ابن عدى له مناكير وقال الهيثمي (۱۰/۵۳) عبـد الـعـزيـز بـن عـمـران متروک، وقال السخاوي في المقاصد (ص ۲۳) هو مع ضعفه أصح من حديث ابن عباس، وقال العراقي في محجة القرب: حديث أبى هريرة أصح من حـديـث ابن عباس وشبل ابن العلاء احتج به ابن حبان في صحيحه وقال: إنه مستقيم الأمر في الـحـديـث لكن الراوي عنه عبد العزيز بن عمران الزهري متروک قال له النسائى وغيره: فلا يـصـح هـذا الحديث انتهى. كذا في تنزيه الشريعة (۲/۳۱) وهـذا الـحديث جعله السخاوي والسيوطي شاهداً لحديث ابن عباس.

فائده: هـكذا لفظ الحديث أحبوا، بصيغة الجمع في المستدرک وعلوم الحديث و مـنـاقـب الشـافـعي لـلبيهـقـي، وكذا نقله الذهبي وابن حجر عن الضعفاء للعقيلى، وكذا نقله الهيثـمـي فـي مـجـمـع الزوائد عن المعجم الكبير والأوسط للطبراني وصاحب المشكوة عن شعب البيهقي، وهكذا ذكره العراقي في القرب والسخاوي في المقاصد والسيوطي في اللآلى والتعقبات، وتفرد السيوطي في الدر المنثور بإيراده "أحب" باللفظ المفرد.

الحديث (۳) حـديـث جابر: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم تلا (قرآنا عربياً لقوم يعلمون) ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألهم إسماعيل هذا اللسان إلهاماً.

أخـرجه الحاكم في المستدرک (۲/۴۳۹) وقـال: صحيح الإسناد وقال الذهبي: كان حـقـه أن يـقـول: على شرط مسلم ولكن مدار الحديث على إبراهيم بن إسحاق العقيلى وكان

ممن يسرق الحديث. انتهى.

وذكـره السيـوطـي في الجامع الصغير وعزاه إلى الحاكم في المستدرک والبيهقي في الشعب، ونقل شارحه المناوي في فيض القدير (١٦١/٢) عن البيهقي الصواب مرسل.

قـلـت: وأخرجه الحاكم في موضع آخر (٣٤٣/٢) مـن طـريق الفضل الشعراني ثنا أبو ثـابـت مـحـمـد بن عبد الله حدثني إبراهيم بن سعد عن سفيان عن جعفر بن محمد عن أبيه عن جـابـر قـال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألهم إبراهيم الخليل عليه السلام هذا اللسان العربي إلهاما، وقال: هذا حديث غريب صحيح على شرط الشيخين إن كان الفضل بن محمد حـفـظـه متـصلاً عـن أبـي ثابت، فقد حدثناه أبو علي الحافظ عن النسائى عن عبيد الله بن سعد الـزهـري ثـنـا عـمـي عـن أبيـه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرسلاً نحوه.

قـلـت: ولـو صـح هـذا الـحديث فالمعني العربية الفصحىٰ، والاافأصل العربية كان قبل ذلک، ففى البخاري (ص ٤٧٥) فـي حـديـث ابـن عبـاس فـي قصة نقل إبراهيم هاجر وابنها إسـمـاعيـل إلـى أرض مـكة وإتيـان جرهم "وشب الغلام وتعلم العربية منهم" قال الحافظ ابن حجر (٢١٢/٧) فيـه إشـعـار بأن لسان أمه وأبيه لم يكن عربياً وفيه تضعيف لقول من روى أنه أول من تكلم بالعربية.

وقـد وقع ذلک من حديث ابن عباس عند الحاكم في المستدرک بلفظ: أول من نطق بـالـعـربية إسـماعيل، وروى الزبير بن بكار في النسب من حديث علي بإسناد حسن قال: أول مـن فتـق الله لسانه بالعربية المبينة إسماعيل، وبهذا القيد يجمع بين الخبرين فتكون أوليته فى ذلک بـحـسـب الزيادة في البيان لا الأولية المطلقة، فتكون بعد تعلمه أصل العربية من جرهم ألهمه الله العربية الفصيحة المبينة فنطق بها.

ويشهـد لهذا ما حكاه ابن هشام عن الشرقي بن قطامي أن عربية إسماعيل كانت أفصح من عربية يعرب بن قحطان وبقايا حمير وجرهم، ويحتمل أن تكون الأولية في الحديث مقيدة بـالـنسبة إلـى بقية أخواته من ولد إبراهيم، فإسمعيل أول من نطق بالعربية من ولد إبراهيم قال

ابن دريد في كتاب الوشاح: أول من نطق بالعربية يعرب بن قحطان ثم إسمٰعيل. انتهى.

الحديث (٤) حديث ابن عمر مرفوعاً: كلام أهل الجنة بالعربية وكلام أهل السماء بالعربية وكلام أهل الموقف بالعربية، لم أجده في اللآلى ولا فروعه كالتعقبات وتنزيه الشريعة، وذكره الذهبي في الميزان في ترجمة عثمان بن فائد برواية ابن حبان في الضعفاء، قال الذهبي: هذا موضوع والأفة عثمان.

الحديث (٥) حديث ابن عمر مرفوعاً: من أحسن منكم أن يتكلم بالعربية فلا يتكلمن بالفارسية فإنها تورث النفاق. أخرجه الحاكم في المستدرك (٤/ ٤٧) من طريق عمر بن هارون عن أسامة بن زيد الليثي عن نافع عن ابن عمر به، قال الذهبي: عمر كذبه ابن معين وتركه الجماعة، قال المناوى في فيض القدير (٦/ ٣٨): فكان للمصنف أى السيوطي حذفه أى من الجامع الصغير، قال الذهبي في الميزان بعد نقل كلام أئمة الفن في تضعيف عمر بن هارون: كان من أوعية العلم على ضعفه وكثرة مناكيره وما أظنه ممن يتعمد الباطل، انتهى.

قلت: هذا الحديث منكر بلاشك، فالألسنة كلها من الرب تعالىٰ قال تعالى (وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ).

الحديث (٦) حديث أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تكلم بالفارسية زادت في خسته ونقصت من مروء ته، أخرجه الحاكم من طريق طلحة بن زيد عن الأوزاعي عن يحيى بن أبي كثير عن أنس به، قال الذهبي: "ليس بصحيح وإسناده واه بمرة". وذكره الذهبي فى الميزان فأشار إلى نكارته.

تنبيه: قوله زادت في خسته هكذا في تذكرة الموضوعات للفتنى (ص ١١٣) وفى المستدرك زادت في خبثه ولعله تصحيف وأما زادت فى حسبه أو حسنه فمصحف بلا شك.

الحديث (٧) حديث عمر قال: يا رسول الله! مالك أفصحنا ولم تخرج من بين أظهرنا؟ قال: كانت لغة إسماعيل قد درست فجاء بها جبريل فحفظنيها، أخرجه ابن عساكر كذا في المزهر.

قلت: أخرجه الحاكم في علوم الحديث (ص ١٤٤) من طريق حامد بن أبى حمزة

السكري قال ثنا علي بن الحسين بن واقد قال حدثني أبي عن عبد الله بن بريدة عن أبيه عن عمر قال قلت: يا رسول الله فذكره، قال الحاكم (ص١٤٥) ولهذا الحديث علة عجيبة حدثني أبو عبد الله محمدبن العباس الضبى من أصل كتابه قال أخبرنا أحمد بن علي بن رزين الفاشاني من أصل كتابه قال حدثنا علي بن خشرم قال ثنا علي بن الحسين بن واقد قال بلغني أن عمر قال فذكره وحامد بن أبي حمزة السكري لم أجد له ترجمة.

الحديث (٨) حديث ابن عباس: أن آدم عليه السلام كان لغته في الجنة العربية فلما عصى سلبه الله، فتكلم بالسريانية فلما تاب رد الله العربية، أخرجه ابن عساكر كذا في المزهر (١/٣٠)، ولم أقف على إسناده وظني أنه لا أصل له وفى البلغة في أصول اللغة قال ابن حبيب: كان اللسان الأول الذي نزل به آدم من الجنة عربياً إلى أن بعد العهد وطال فحرف سريانيا، والسريانية تشارک اللغة العربية في أشياء شركة ظاهرة، انتهى.

الحديث (٩-١٠-١١) آثار عمر الثلثة، لم أقف على أسانيدها وذكر الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي في شرح سفر السعادة (ص ٥٥٩) الأثرين الأولين (٩، ١٠) وقال رواهما البيهقي الأول في السنن والثاني في الشعب والأثر الثالث لعمر لم أقف عليه.

الحديث (١٢-١٣) وأثر مقاتل وكذا أثر مجاهد لم أقف عليهما في غير الدر المنثور.

اضافه

(١) قال محجن بن عبد الرحمن الكوفي أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج على أصحابه وهم يقولون لسلمان: ما نسبک؟ فقال: ما نسبة رجل خلق من التراب والى التراب يعود، إن ثقلت موازينى فما أكرم نسبي!! وإن خفت موازيني فما أذل نسبي!! ثم تلا الآية (فمن ثقلت موازينه) فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ويحک يا سلمان! أحب العرب لثلث نبيک عربي وقرآنک عربي ولسانک في الجنة عربي.

هكذا أورده البخاري في تاريخه الكبير (٤/٤) تعليقاً.

(٢) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسى بيده ما أنزل الله وحيا قط على نبي بينه وبينه الا بالعربية ثم يكون هو بعد يبلغه قومه بلسانه.

رواه الطبراني في الأوسط وفيه سليمان بن أرقم متروك، كذا في مجمع الزوائد (ص۱۰۵۳) وأورده ابن الجوزي في الموضوعات ونقل عن ابن عدي لا يصح، سليمان بن أرقم متروك ليس بشئ، وتعقبه السيوطي في اللآلي (۱/۱۱) بأن الشيخ بدر الدين الزركشي قال في نكته على ابن الصلاح: بين قولنا لم يصح وبين قولنا موضوع بون كبير، فإن الوضع إثبات الكذب والاختلاق، وقول لم يصح، لايلزم منه اثبات العدم إنما هو إخبار عن عدم الثبوت وفرق بين الأمرين. انتهى.

وسليمان بن أرقم: أخرج له أبو داود والنسائي والترمذي وهو وإن كان متروكاً فلم يتهم بكذب ولا وضع انتهى، وقال العراقي في القرب (ص ١٤) رواه الطبراني في المعجم الأوسط وقال: حسن رواته كلهم ثقات، انتهى. كذا في مختصر القرب، وليراجع أصل القرب، فإن الحكم بكون الحديث حسنا لايصح، ولذا لم يحكم بحسنه أحد من الهيثمي والسيوطي وابن عراق، والحديث واهي الاسناد فلا وجه لتحسينه.

(۳) عن أبي بكر بن عياش عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس قال: كان جبرئيل عليه السلام يوحى إليه بالعربية وينزل هو إلى كل نبي بلسان قومه.

أخرجه ابن مردويه كذا في اللآلي (۱۱) والدر المنثور (۷۰/٤) وجعله السيوطى في اللآلي وابن عراق في تنزيه الشريعة (۱٤۰/۱) شاهداً لحديث أبي هريرة السابق.

قلت: أبو بكر بن عياش سيء الحفظ، والكلبي متهم فلا يجدي الإستشهاد شيئاً.

(۴) عن سفيان الثوري قال: لم ينزل وحي إلا بالعربية ثم يترجم كل نبي لقومه بلسانهم، قال: ولسان يوم القيامة سريانية ومن دخل الجنة تكلم بالعربية، أخرجه ابن المنذر وابن أبي حاتم كذا فى الدر المنثور (۷۱/٤).

احقر محمد یونس عفی عنه

رسالہ نمبر (۴)

فضائل مدینہ سے متعلق مجموعۂ روایات

ایک سوال آیا تھا اور اس میں بہت سی روایات کتابوں کے نام کے ساتھ تھیں اور بعض کا حوالہ نہیں تھا، سائل نے یہ معلوم کیا تھا کہ یہ روایتیں مذکورہ کتابوں میں کس صفحہ اور کس باب میں ہیں اور جن کا مخرج مذکور نہیں ان کا حوالہ چاہئے۔ اس میں بعض متقدمین کی ایسی کتابوں کے حوالے تھے جو اپنے پاس نہیں ہیں اس لئے ان کتابوں کے متعلق کوئی بات نہیں کہی جاسکتی اور جو روایتیں مل سکیں وہ درج کی جاتی ہیں۔

فضل المدينة

سوال:(١) في صحيح البخاري من حديث ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال رأيت امراة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدينة حتى نزلت بمهيعة فتاولتها أن وباء المدينة نقل الى مهيعة.

جواب: (١) أخرجه البخاري في التعبير (ص ١٠٤٢) في باب المرأة السوداء، وكذا في الباب الذي قبله، والباب الذي بعده.

سوال:(٢) وفى رواية لما أمره بالهجرة إليها قال أللهم إنک أخرجتنى من أحب بلادک إلى فاسكنّي في أحبّ بلادک إليک.

جواب: (٢) الحديث الثاني أخرجه الحاكم في مستدركه (٣/٣) فى كتاب الهجرة عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اللهم إنک أخرجتني من أحب البلاد إليّ، فأسكنّى أحب البلاد إليک، فأسكنه الله المدينة". قال الحاكم: رواته مدنيون من بيت أبي سعيد المقبري.

قال الذهبي: لكنه موضوع، فقد ثبت أن أحب البلاد إلى الله مكة، وسعد ليس بثقة.

سوال:(٣) وفـي رواية لابـن زبّـالة أن المدينة تنفى خبث الرجال كما ينفى الكير خبث الحديد.

جواب:(٣) الحديث الثالث لم أقف عليه، فإن كتاب ابن زبالة ليس عندنا، وأشار إلـى هـذه الرواية السمهودي في وفاء الوفاء (١/٢٩). وقـد ورد مـعناه في الصحيحين من حـديـث أبـي هـريـرـة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أمرت بقرية تأكل القرى يـقـولـون: يثـرب – وهـي الـمـديـنة – تـنـفى الناس كما ينفى الكير خبث الحديد". رواه البـخـاري فـي بـاب فـضـل الـمـدينة، وأنها تنفى الناس. ومسلم في الحج (ص ٤٤٤) وفي البـخـاري فـي بـاب الـمدينة تنفي الخبث من حديث زيد بن ثابت قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إنها تنفى الرجال كما تنفى النار خبث الحديد".

سوال:(٤) روى ابن النجار عن محمد بن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه فـي قـولـه تـعـالـىٰ وَقُـلْ رَبِّ اَدْخِـلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّیْ مِنْ لَدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِيْراً.

جواب:(٤) الحديث الرابع لم أصادفه في كتاب، وليس كتاب ابن النجار عندي.

وقـد أخـرج مـعـنـى ذلک الـزبـيـر بـن بكار كما نقل عنه السيوطي في الدر المنثور (١/١٩٩) عـن زيـد بـن أسـلـم فـى الآية قال: "جعل الله (مدخل صدق) المدينة (ومخرج صدق) مكة (سلطانا نصيراً) الأنصار".

وأخـرج الحاكم في مستدركه (٣/٣) عـن ابن عباس: "كان رسول الله صلى الله عليه وسـلـم بـمـكة فـأمر بالهجرة، وأنزل عليه (وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّیْ مِنْ لَدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِيْراً). قال الحاكم: صحيح الإسناد وأقره الذهبي.

قـلـت: فيـه نـظـر، فـإن مـداره على قابوس بن أبي ظبيان، وقابوس فيه لين، كما قال الـحـافـظ ابـن حـجـر في التقريب، وقال أحمد: لم يكن بذاک ولم يكن من النقد الجيد، وأحسن أحوال هذا الإسناد أن يكون حسناً.

وأخـرج الـحاكم أيضاً (٣/٣) والبيهـقـي فـي الـدلائل عن قتادة قوله تعالى (قُلْ رَبِّ اَدْخِـلْـنِـیْ مُـدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ) فأخرجه الله من مكة إلى المدينة مخرج

صـدق وأدخـله الدينة مدخل صدق، قال: ونبي الله صلى الله عليه وسلم قد علم أنه لا طاقة له بهذا الأمر إلا بسلطان، فسأل سلطاناً نصيراً لكتاب الله وحدود الله ولفرائض الله ولإقامة كتاب الله، وأن السلطان عزة من الله جعله بين أظهر عباده، ولولا ذلك لأغار بعضهم على بعض وأكل شديدهم ضعيفهم.

سوال: (٥) عـن أم الـمؤمنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت كل البلاد فتحت بالسيف وافتتحت المدينة بالقرآن.

جواب:(٥) الـحديث الخامس أخرجه البيهقي في الشعب، كما في منتخب الكنز فـي فضائل المدنية (٣٥٣/٥) وكـذا أخـرجـه البزار، وفيه محمد بن الحسن بن زبالة وهو ضعيف، كما في مجمع الزوائد (ص٢٩٨) في باب فضل المدينة.

سوال: (٦) سالم بن عبد الله بن عمر قال سمعت أبي يقول أشتد الجهد بالمدينة وغـلا السعر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إصبر وايا أهل المدينة، وأبشر وأفاني قد بـاركـت عـلى صاعكم و مدكم كلوا جميعاً ولا تفرّقُوا فإن طعام الرجل يكفى الإثنين فمن صبر على لاوائها وشدتها كنت له شفيعا وكنت له شهيداً يوم القيامة و من خرج عنها رغبة عـمـا فيهـا أبـدل الله عـزوجـل فيها من هو خير منه ومن نواها أوكادها بسوء أذا به الله كما يذوب الملح فى الماء.

جواب:(٦) الـحـديـث السـادس ذكـره صاحب منتخب الكنز (٣٥٦/٥) وقال: تفرد به عمرو بن دينار البصري، وهو لين، وسقط اسم المخرج، وذكر الهيثمي في مجمع الزوائد (٣٠٥/٣) في آخر الحج فى باب الصبر على جهد المدينة عن مسند البزار بنحوه وقال: رجاله رجال الصحيح.

سوال: (٧) نـقـل ابـن الـنجار أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من أخاف أهل المدينة ظلما أخافه الله وعليه لعنة الله والملئكة والناس أجمعين.

جواب:(٧) الـحـديث السابع هكذا نفله السمهودي في وفاء الوفاء (٣٢/١) عن ابن النجار.

سوال: (٨) وفـي رواية من أخاف أهلها فقد أخاف ما بين هذين ووضع يديه على

جنبيه تحت ثدييه.

جواب:(٨) الحديث الثامن لم أصادفه في كتاب.

سوال: (٩) وفـي رواية ابـن زبالة من أخاف أهل المدينة أو ظلمهم أخافه الله يوم الفزع الأكبر وعليه لعنة الله الحديث.

جواب:(٩) الحديث التاسع لم أره وروى معنى الحديث في أحاديث آخر.

سوال(١٠) ابن النجار عن معقل بن يسار رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المدنية مهاجري فيها مضجعي.

جواب:(١٠) هذا الحديث ذكر ه السمهودي فى الفصل الثالث من الباب الأول مـن وفاء الوفاء (١/٣٣) وزاد: "ومـنـهـا مبـعـثـي، حـقيق على أمتي خفظ جيراني ما اجتنبوا الـكبـائر، فمن حفظهم كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقى من طينة الخبال". قيل للمزني ما طينة الخبال؟ قال: عصارة أهل النار، انتهى.

قيل المراد بالمزني معقل بن يسار الصحابي راوى الحديث.

سوال(١١) عـن عـلي بن أبى طالب رضي الله عنه قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كنا بحرة السقيا التي كانت لسعد بن أبي وقاص رضي الله عنه فقال رسـول الله صلى الله عليه وسلم إيتوني بوضوء فلما توضاء قام، واستقبل القبلة ثم كبّر قال: ألـلهـم إن إبـراهيـم كان عبدك وخليلك دعاك لأهل مكة بالبركة وأنا محمد عبدك ورسـولك أدعوك لأهل المدينة أن تبارك لهم في مدهم وصاعهم مثل ما باركت لأهل مكة ومع البركة بركتين.

جواب: (١١) الـحـديـث الـحـادي عشـر أخـرجـه أحمد (١/١١٥) والـتـرمذي (١/٢٣٠) ولـفـظـهـمـا "مثلي ما باركت" قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، وذكر السمهودي في وفاء الوفاء ألفاظه المختلفة (١/٣٧)

سوال(١٢) وفـي رواية ابـن زبـالة فيهـا قبري، وفيها مبعثي حقيق على أمتى حفظ جيـرانـي مـا اجتـنـبـوا الـكبـائـر مـن حـفـظهم كنت له شهيداً أو شفيعا يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقي من طينة الخبال سئل المزني عن طينة الخبال قال: عصارة أهل النار.

جواب: (١٢)الحديث الثاني عشرذكره السمهودي في وفاء الوفاء (١/ ٣٣) برواية ابن زبالة وهو الحديث العاشر المتقدم.

سوال (١٣) نقل ابن زبالة عن سعيد بن المسيب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أشرف على المدينة فرفع يديه حتى رؤي عفرة إبطيه، ثم قال أللهم من أرادني وأهل بلدي بسوء فعجل هلاكه.

جواب:(١٣) الحديث الثالث عشر نقله السمهودي في وفا والوفاء (١/ ٣١) في الفصل الثاني من الباب الأول برواية ابن زبالة.

في فضل المسجد النبوي

سوال(١٤) في رواية عن عائشة رضي الله عنها أنا خاتم الأنبياء ومسجدي خاتم مساجد الأنبياء أحق المساجد أن يزار وتركب إليه الرواحل صلوة في مسجدي هذا أفضل من ألف صلوة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام.

جواب:(١٤) الحديث الرابع عشر أخرجه البزار ولفظه: "يشد إليه الرواحل، المسجد الحرام ومسجدي وصلوة الخ" كذا نقله العلامة السمهودي في وفاء الوفاء (١/ ٢٩٨) في الفصل الخامس من الباب الرابع، قال الهيثمي (٤/ ٤): فيه موسى بن عبيدة وهو ضعيف.

سوال(١٥) نقل ابن زبالة هو مسجدي هذا وفي كل خير.

جواب:(١٥) الحديث الخامس عشر لم أقف على هذا اللفظ، وليس عندي كتاب ابن زبالة، ولم أقف عليه في كتاب آخر، وقد سرحت النظر في وفاء الوفاء من مواضع شتى.

سوال(١٦) روينا من حديث أحمدؒ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلى في مسجدي أربعين صلوة كتب له براء ة من النار وبراء ة من العذاب وبرئ من النفاق.

جواب:(١٦) الحديث السادس عشر أخرجه أحمد (٣/ ١٥٥) عن أنس بن

مـالک عـن الـنبي صلى الله عليه وسلم قال: "من صلى في مسجدي أربعين صلوة لا تفوته صلوة كتبـت لـه بـراءـة من النار، ونجاة من العذاب، وبرىء من النفاق". قال الهيثمي في مـجمع الزوائد (٤/٨) فـي كـتـاب الـحـج فـي باب من صلى بالمدينة أربعين صلوة، رواه أحمد والطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات.

سوال (١٧) رويـنـا في تحفة الذاكرين لابن عساكر من حديث عطاء عن جابر أن رسـول الله صلى الله عليه وسلم قال صلوة في مسجدي أفضل من ألف صلوة فيما سواه إلا المسجد الحرام وصلوة في المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلوٰة فيما سواه.

جواب: (١٧) الـحـديـث الـسـابـع عشـر أخرجـه أحمد (٣/٣٤٣) وابـن مـاجـه (ص١٠٢) وإسناده صحيح.

سوال (١٨) وفـي رواية صلوة فـي مسـجـدى أفـضـل من ألف صلوة في غيره إلا المسجد الحرام وصلوة في المسجد الحرام تعدل مائة ألف صلوة.

جواب: (١٨) الـحـديـث الثـامـن عشـر لـم أقف عـلـى لـفظه، وقد تقدم معناه في الحديث السابع عشر.

سوال (١٩) ابـن الـنـجـار عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أن رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم قـال مـن خرج على طهر لايريد إلا الصلوة في مسجدي حتى يصلى فيه كان بمنزلة حجة.

جواب (١٩) الـحـديـث التاسع عشر ذكره السمهودي فى وفاء الوفاء (١/٣٠١) وقـال أسـنـد ذلک ابـن زبـالة ومن طريقه ابن النجار. وفي إسناده يوسف بن طهمان، وهو ضـعيف عـنـد الـبـخـاري وابـن عـدي، وذكره ابن حبان في الثقات انتهى. وقال الذهبي في الميزان: هو واهٍ.

سوال (٢٠) وبـه إلـى سهـل بـن سـعـد أن النبي صلى الله عليه وسلم قال من دخل مسـجـدي هـذا يتـعـلـم فيـه خيـراً أو يـعـلـمه كأن بمنزلة المجاهد في سبيل الله ومن دخله لغيرذلک من أحاديث الناس كان كالذي يرى ما يعجبه وهو لغيره.

جواب (٢٠) الـحـديـث العشرون أخرجه الطبراني في المعجم الكبير عن سهل بن

سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من دخل مسجدي هذا ليتعلم خيراً أو يعلمه كان بمنزلة المجاهد في سبيل الله، ومن دخله بغير ذلك من أحاديث الناس كان بمنزلة الذي يرى ما يعجبه وهو شيء لغيره"، وفيه يعقوب بن حميد بن كاسب، قال الهيثمي (١/١٢٣) وثقه البخاري وابن حبان، وضعفه النسائي وغيره، ولم يستندوا في ضعفه إلا إلى أنه محدود وسماعه صحيح. انتهى.

واللفظ الذي ذكر في السوال عزاه السمعودي في الوفاء (١/٣٠١) لابن زبالة ويحيى بن الحسين، وللحديث شاهد من حديث أبي هريرة أخرجه ابن ماجة (ص ٢٠).

في فضل ما بين القبر والمنبر

سوال (٢١) فيهما من حديث ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة.

جواب (٢١) الحديث الحادي والعشرون هكذا نقله نور الدين السمهودي في وفاء الوفاء (١/٣٠٢) وعزاه للشيخين، وهو وهم، فإنهما لم يخرجاه من حديث ابن عمر بل أخرجاه (ص ١٥٩ و ٤٤٦) من حديث عبد الله بن زيد بن عاصم المازني وأبي هريرة وليس عندهما لفظ قبري بل عندهما لفظ بيتي، وزاد أبو هريرة في روايته "ومنبري على حوضى"، وحديث ابن عمر بلفظ "ما بين قبري" أخرجه الطبراني كما في فتح الباري (٤/٤٧١) ولكن نقل الحافظ نور الدين الهيثمي في مجمع الزوائد حديث ابن عمر معزياً للطبراني بلفظ "ما بين بيتي ومنبري" فالله أعلم.

والظاهر أن لفظ قبري غير ثابت عنه صلى الله عليه وسلم لأنه قاله في حيوته، ولو كان قال لفظ "قبري" لاحتج الصحابة على دفنه في حجرته بهذا اللفظ، ولم ينقل احتجاج أحد بهذا اللفظ، والله أعلم. وقد جزم القرطبي وابن تيمية وابن حجر العسقلاني بأن لفظ "قبري" خطأ من بعض الرواة.

سوال (٢٢) وبه إلى جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما بين حجرتي إلى منبري روضة من رياض الجنة وإن منبري على ترعة من ترع الجنة.

الجواب (٢٢) الـحـديث الثاني والعشرون أخرجه أحمد (٣/٣٨٩) بلفظ "أن ما بيـنـي مـنبري إلى حجرتي". وفي إسناده علي بن زيد بن جدعان، وفيه كلام من جهة حفظه وقد وثق.

سوال(٢٣) ما نقله رزين من حديث أم سلمه أنها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يعني وهو على المنبر إني لعلى حوضي الآن.

جواب (٢٣) الـحـديـث الثالث والعشرون لم أقف عليه تاماً، وأشار إليه نور الدين السمهودي (١/٣٠٣) وعزاه لابن عساكر ويحيى بن الحسين.

في فضل أهل قباء ومسجدهم

سوال(٢٤) روى ابـن الـنـجار بسنده إلى عويم بن ساعدة أن النبي صلى الله عليه وسـلـم قـال لأهل قباء إن الله قد أحسن الثناء عليكم في كتابه العزيز فقال فيه رجال يحبّون ان يتطهروا. الآية.

جواب (٢٤) الـحـديـث الـرابع والعشرون أخرجه أحمد (٣/٤٢٢) وابـن خزيمة (١/٤٥) والطبراني (٢/٢٣) والحاكم (١/١٥٥) من طريق شرحبيل بن سعد عن عويم بن ساعدة الأنصاري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لأهل قباء: "إن الله قد أحسن الثناء عليكم فـى الـطهـور وقـال (فِيْـهِ رِجَـالٌ يُـحِبُّوْنَ أنْ يَّتَطَهَّرُوا) حتى انقضت الآية، فقال لهم: ما هذا الـطهـور؟ فـقالوا: مانعلم شيئاً إلا انه كان لنا جيران من اليهود وكانوا يغسلون أدبارهم من الغائط فغسلنا كما غسلوا صححه الحاكم وأقره الذهبي.

قـلـت: شرحبيل بن سعد قال ابن معين والنسائي: ضعيف، وقال الدار قطني: ضعيف يـعتبـر بـه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الحافظ في التقريب: صدوق اختلط بآخرة، وقـال فـي تهذيب التهذيب: وفي سماعه من عويم بن ساعدة نظر، لأن عويمامات في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم ويقال: في خلافة عمر، انتهى.

قـلـت: هذا الثاني هو الراجح، فقد أخرج البخاري (ص ١٠٠٩) في قصة سقيفة بنى سـاعدة حين توفى الله نبيه صلى الله عليه وسلم "أن الأنصار اجتمعوا في سقيفة بنى ساعدة

فقلت لأبي بكر: انطلق بنا إلى إخواننا من الأنصار، فانطلقنا فلما دنونا منهم لقينا منهم رجلان صالحان". الحديث والرجلان هما عويم بن ساعدة ومعن بن عدى كما فى حديث السقيفة، هذا عند أحمد (١/٥٦) وابن سعد (٣/٤٦٠) وابن حبان (١/٢٩٢).

سوال (٢٥) وفي رواية ابن حبان كل يوم سبت

جواب (٢٥) الحديث الخامس والعشرون ذكره السمهودي في وفاء الوفاء (١٩/٢) برواية ابن حبان.

سوال (٢٦) حكى ابن النجار أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان يأتي قباء يوم الإثنين ويوم الخميس فجاء يوماً فلم يجد فيه أحداً من أهله فقال والذي نفسي بيده لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبابكر في أصحابه ننقل حجارته على بطوننا ويوسّسه رسول الله صلى الله عليه وسلم وجبريل عليه السلام يؤم به البيت.

الجواب (٢٦) الحديث السادس والعشرون نقله نور الدين السمهودي في وفاء الوفاء (٢٠/٢) في الفصل الثاني من الباب الخامس، وعزاه ليحيى بن الحسين بروايته عن أبي غزية قال: "كان عمر بن الخطاب يأتي قباء يوم الإثنين ويوم الخميس، فجاء يوماً من تلك الأيام فلم يجد فيه أحداً من أهله فقال: والذي نفسي بيده لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر في أصحابه ننقل حجارته على بطوننا يوسسه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده وجبريل يوم به البيت، ومحلوف عمر بالله لو كان مسجدنا هذا بطرف من الأطراف لضربنا إليه أكباد الأبل، ثم قال: أكسروا لى سعفة واجتنبوا العواهن أى ما يلى القلب من السعف، فقطعوا السعفة فأتى بها فأخذ رزمة، فربطها فمسحه، قالوا: نحن نكفيك يا أمير المؤمنين قال لا تكفونيه". انتهى.

سوال (٢٧) روى البخاري في الصحيح كان سالم مولى أبي حذيفة رضي الله عنه يوم المهاجرين الأولين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ورضي عنهم في مسجد قباء فيهم أبوبكر وعمر.

جواب (٢٧) الحديث السابع والعشرون أخرجه البخاري في الأحكام في باب استقضاء الموالي (ص١٠٦٤).

سوال (۲۸) عـن (أبـي أمـامة بـن) سهـل بن حنيف عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسـلـم قـال: مـن تـوضـأ فـاسـبـغ الوضوء وجاء مسجد قباء فصلى فيه ركعتين كان له أجر عمرة.

جواب (۲۸) الـحـديث الثامن والعشرون أخرجه ابن ماجه (ص ۱۰۳) في الصلوة فـي بـاب مـاجاء في الصلوة في مسجد قباء وأحمد في مسنده (۴۸۷/۳) من طريق محمد بـن سـليـمـان الـكـرمـاني عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تطهر في بيته ثم أتى مسجد قباء فصلى فيه صلوة كان له كأجر عمرة".

مـحـمـد بـن سـليمان ذكره ابن حبان في الثقات، وأخرجه الحاكم في المستدرك (۱۲/۳) مـن هـذا الوجه بنحوه وصححه، وأقره الذهبي، وأخرجه النسائي أيضاً (۱۱۳/۱ كتاب المساجد، فضل مسجد قباء والصلوة فيه) من هذا الوجه بنحوه.

واللفظ المذكور في السوال كانه لابن زبالة أو غيره ولم أجده.

سوال (۲۹) نـقـل الطبراني في معجمه عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من توضأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء يركع فيه أربع ركعات كان ذلك عدل رقبة.

جواب (۲۹) الـحـديـث التاسع والعشرون أخرجه الطبراني في المعجم الكبير عن سهـل بـن حـنيف قـال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من توضأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء فركع فيه أربع ركعات كان ذلك عدل رقبة".

قال الهيثمي في المجمع (۱۱/۴): فـي إسناده موسى بن عبيدة وهو ضعيف، قلت: رواه ابن شبّة من طريق موسى بن عبيدة بلفظ: "كان له عدل عمرة". كذا نقله السمهودي (۱۸/۲).

سوال (۳۰) روت عائشة بنت سعد بن أبي وقاص عن أبيها رضي الله عنه قال والله لأن أصـلي في مسجد قباء ركعتين أحب إلى من أن آتى بيت المقدس مرتين ولويعلمون ما فيه لضربوا إليه اكباد الإبل.

جواب (۳۰) الـحـديـث الثـلاثـون أخرجه ابن شبّه في أخبار المدينة بسند صحيح كما فى وفاء الوفاء ۱۹/۲ في الفصل الثاني من الباب الخامس وليس فيه "والله".

سوال(۳۱) روى نافع عن ابن عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى الى الاسطوان.

جواب(۳۱) الحديث الحادي والثلاثون الظاهر أنّ هدا الحديث مختصر من حديث ذكره العلامة نور الدين السمهودي في وفاء الوفاء (ص ۲/۲۱)، وعزاه لعمر بن شبّة مؤرخ المدينة عن ابن رقيش قال: بنیٰ رسول الله ﷺ مسجد قباء وقدم القبلة إلى موضعها اليوم، وقال: جبرئيل يؤمّ بى البيت"، قال ابن رقيش: فحدثني نافع: أن ابن عمر رض كان بعد إذا جاء مسجد قباء صلّى إلى الأسطوان المخلّقة يقصد بذلک مسجد النبي ﷺ الأول.

متفرقات

سوال (۳۲) نقل رزين عن نعيم بن عبد الله عن أبيه انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وهو على منبره إن قدمي الآن على ترعة من ترع الجنة أتدرون ماالترعة؟

جواب(۳۲) الحديث الثاني والثلاثون لم أره، ولعل صاحب جامع الأصول نقله عن رزين.

سوال (۳۳) ورواه أبوداؤد فى سننه وقيل عمله غلام سعيد بن العاص يقال له باقول وقيل عمله غلام رجل من بنى مخزوم حكاهما ابن زبالة ايضا.

جواب(۳۳) الحديث الثالث والثلاثون الذي أشير إليه بقول السائل: أخرجه أبو داود، هو ما أخرجه في الجمعة في باب اتّخاذ المنبر (۲/۱۷۷) من طريق أبي عاصم من ابن أبي روّاد عن نافع عن ابن عمر رض أنّ النبي ﷺ لما بدن قال له تميم الداري ألا أتخذ لک منبراً يا رسول الله! يجمع أو يحمل عظامک؟ قال بلى، فاتخذ له منبراً مرقاتين.

قال السمهودي في الفصل الرابع من الباب الرابع من وفاء والوفاء (۱/۲۸۰): نقل إبن زبالة الإختلاف في الذي عمل المنبر، فقيل: غلام نصيبة المخزومي، وقيل: غلام للعباس رض، وقيل: غلام لسعيدين بن العاص رض يقال له، باقول، (بمؤحّدةِ وقاف مضمومة)، وقيل: غلام لإمرأة من الأنصار من بنى ساعدةً، أو لإمرأة لرجل منهم يقال له "مينا".

وقوله "يقال له مينا" يحتمل المولىٰ وزوج المرأة، لكن عند يحىٰ قال إسمعيل بن عبد الله: الذي عمل المنبر غلام الأنصارية واسمه 'ميناء' وعند ابن بشكوال عن ابن أبي أويس: عمل المنبر غلام لإمرأة من الأنصار من بنى سلمة أو بنى ساعدة أو امرأة لرجل منهم يقال له 'مينا' وهذا محتمل كالأوّل، وقيل: عمله تميم الداري، هذا حاصل ما ذكره ابن زبالة انتهى، وفي اسم صانع المنبر أقوال ذكرها السمهودي وقبله الحافظ ابن حجر في فتح الباري في الجمعة في باب الخطبة على المنبر (٣/٤٨)، ورجّح الحافظ ابن حجر أن اسمه ميمون، كما وقع في رواية قاسم بن أصبغ وأبي سعد في شرف المصطفى.

سوال (٣٤) أخرجه ابوداؤد وروى البيهقي أيضاً من حديث أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أقربكم مني يوم القيامة في كل موطن أكثركم على صلوٰة في الدنيا فمن صلّى على يوم الجمعة وليلة الجمعة قضى الله له مائة حاجة سعبين من حوائج الآخرة وثلثين من حوائج الدنيا.

جواب (٣٤) الحديث الرابع والثلاثون الذي أشير إليه في قول السائل: أخرجه أبودواؤد، لم يتعين ما أراد به، وليس عندي الكتاب الذي نقلت عبارة السوال منه.

وظني أنه أراد به حديث أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجعلوا بيوتكم قبوراً، ولا تجعلوا قبري عيداً، وصلوا على فإن صلوتكم تبلغني حيث كنتم.

أخرجه أبو داود في آخر الحج في باب زيارة القبور (٣/٢٠٧ بذل) وأحمد (٢/٣٦٧)، قال النووي في الأذكار وشرح المهذب (٩/٢٧٥) والحافظ ابن حجر في الفتح (٧/٢٩٧): أسناده صحيح، وقال ابن القيم في إغاثة اللهفان: إسناده حسن رواته كلهم ثقات مشاهير، وتبعه ابن عبد الهادي في الصارم المنكي (ص ١٧٤)، وقال في موضع آخر من الصارم (ص ٢٩٧): وهو حديث حسن جيد الإسناد، وله شواهد كثيرة يرتقى بها إلى درجة الصحة.

تنبيه: هذا الحديث عزاه صاحب المشكوة (ص ٨٦) للنسائى وهو وهم، فإن النسائى لم يخرجه.

وحديث أنس أخرجه البيهقي في حياة الأنبياء بسند ضعيف، وكذا ابن بشكوال

وأبـو اليمن بن عساكر وهو عند التيمي في ترغيبه، والديلمي في مسنده الفردوس له وأبي عمرو بن مندة في الأول من فوائده بلفظ: ”من صلى على يوم الجمعة وليلة الجمعة مأة من الـصـلوة قضى الله له مأة حاجة، سبعين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنيا، ووكل الله بـذلک مـلكاً يدخله على قبري كما تدخل عليكم الهدايا، إن علمي بعد موتى كعلمي في الحياة“ كذا في القول البديع (ص١٥٦) في الباب الرابع.

سوال (٣٥) روينـا فـي سـنن أبي داؤد وقال كنت قايد أبي كعب بن مالک حين ذهـب بصره فكنت إذا خرجت به إلى الجمعة فسمع الأذان بها صلى على أبي امامة أسعد بن زرارة فـمـكـثـت حيـنـا عـلـى ذلک لا يسمع الأذان للجمعة إلاّ صلّى عليه واستغفر له فسالته عن ذلک الخ.

جواب (٣٥) الـحـديث الخامس والثلاثون أخرجه أبو داود (١٧١/٢ بذل) في أبواب الجمعة في باب الجمعة في القرى من طريق محمد بن إسحاق عن محمد بن أبي أمامة بن سهل عـن أبيـه عـن عبـد الرحمن بن كعب بن مالک ، وكان قايد كعب أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيـه كـعب بن مالک ”أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترجم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زراره؟ قال: لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بيـاضة فـي نـقيـع يـقـال له نقيع الخضمات، قلت: كم أنتم يومئذ؟ قال: أربعون“، وصححه ابن خـزيـمة وابـن حبان وابن حزم، وقال البيهقي (١٧٧/٣) هـذا حـديـث حسن الإسناد صحيح، واللفظ المذكور في السوال أخرجه ابن إسحق في سيرته (٢٣٧ تهذيب السيرة لابن هشام) إلا قوله ”فسألته عن ذلک“، فكأنه مختصر من لفظ ابن إسحاق، والله أعلم.

سوال (٣٦) وفـي رواية النسائي ياتيني وهو معتكف في المسجد فيتكيُ على عتبة باب حجرتي فاغسل رأسه وأنا في حجرتي وسائره في المسجد.

جواب (٣٦) الـحـديـث الـسـادس والـثـلاثـون أخرجه أحمد (٨٦/٦) حـدثـنا أبو الـمغيرة ثنا الأوزاعي قال لنا الزهري عن عروة عن عائشة قالت: ”كان رسول الله صلى الله عـليـه وسـلـم يـأتيني وهو معتكف في المسجد حتى يتكى على باب حجرتي فأغسل رأسه وأنـا فـي حجرتى وسائر جسده في المسجد“، وأخرجه أيضاً (٢٧٢/٦) من وجه آخر قال

حـدثـنـا يـعقوب أنا ابن أخي ابن شهاب عن عمه قال أخبرني عروة عن عائشة: "أنها كانت تـرجل رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي طامث ورسول الله صلى الله عليه وسلم عاكف في المسجد، فيتكى إلى أسكفة باب عائشة فتغسل رأسه وهي في حجرتها".

الإسنادان صحيحان، ولم أجده في السنن الصغرى للنسائي ولعله في السنن الكبرى له في الإعتكاف.

سوال (۳۷) وروي مـن حـديـث الـدار قـطني عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من زار قبري و جيت له شفاعتي.

جواب (۳۷) الـحـديـث السـابع والثلاثون أخرجه الدار قطني في كتاب الحج من سننه (ص ۲۸۰) مـن طـريـق مـوسـى بـن هـلال الـعبـدي عـن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر مـرفـوعاً. وكذا أخرجه العقيلي وابن عدي والبيهقي من هذا الوجه. ولكن اختلفت الرواة فقال بـعـضهـم: عن عبيد الله بن عمر مصغرا كما في الدار قطني والعقيلى، وقال بعضهم: عن عبد الله بـن عـمـر مـكبـرا وأخـرجه ابن عدي والبيهقي بالوجهين ورجح ابن عدي أنه من رواية عبدالله المكبر المضعف لا من رواية عبيد الله المصغر الثقة.

قال البيهقي: وعلى الوجهين منكر عن نافع عن ابن عمر.

ورواه ابـن خـزيـمة فـي صـحيحه من طريق موسى بن هلال وقال: إن صح الخبر فإن في القلب من إسناده. ثم رجح أنه من رواية عبد الله بن عمر العمري المكبر لا المصغر وصرح بأن الثقة لايروي هذا الخبر المنكر.

وقال العقيلي: لا يصح حديث موسى ولا يتابع عليه والرواية في هذا الباب فيها لين.
وجـعـلـه الـذهبـي في الميزان منكراً فقال في ترجمة موسىٰ المذكور: أنكر ما روى فذكر هـذا الـحديث وكذا عدهٔ ابن عبد الهادي منكراً لكن صححه ابن السكن في إيراده إياه في أثـنـاء السـنـن الـصـحـاح لـه، وعبـد الحق في الأحكام في سكوته عنه، والشيخ تقي الدين السبـكـي مـن الـمتـأخرين بإعتبار مجموع طرقه، وبسط الكلام عليها ابن عبد الهادي في الصارم المنكي والحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير (ص ۲۲۱).

سوال (۳۸) وفى الحديث: "فإن صلوٰتكم تبلغني أينما كنتم".

جواب (۳۸) الحديث الثامن والثلاثون طرف من حديث أبي هريرة المتقدم في الرابع والثلاثين بلفظ "حيث كنتم"،وأخرجه أحمد لفظ "حيثما كنتم"، وأما لفظ "أينما كنتم" فلم أقف عليه في هذا الحديث.

نعم ولفظ "أينما" في حديث آخر أخرجه أبويعلى في مسنده حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة حدثنا زيد بن الحباب حدثنا جعفر. (وهو جعفر بن إبراهيم بن محمد بن على بن عبد الله بن جعفر ابن أبي طالب ذى الجناحين روى عن علي بن عمر بن علي بن الحسين روي عنه زيد بن الحباب وإسمعيل بن أبي أويس سمعت أبي يقول ذلک كذا في الجرح والتعديل) بن إبراهيم من ولد ذى الجناحين حدثنا علي بن عمر عن أبيه عن على بن الحسين أنه رأى رجلاً يجيءُ إلى فرجة كانت عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم يدخل فيها فيدعوفنهاه فقال ألا "أحدثک حديثاً سمعته من أبي عن جدي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تتخذوا قبري عيداً ولا بيوتكم قبوراً فإن تسليمكم تبلغني أينما كنتم وهذا الحديث هكذا نقله الحافظ ابن عبدالهادي في الصارم المنكى ۱۰۹ والحافظ نورالدين الهيثمي في مجمع الزاوائد ۳/٤ عن مسند أبي يعلى، وقال فيه جعفر بن إبراهيم الجعفري ذكره ابن أبي حاتم ٤٧٤/١ ولم يذكرفيه جرحاً وبقية رجاله ثقات، ونقله الحافظ ابن حجر في المطالب العالية ۳۷۲/۱ عن مسند ابن أبي شيبة بلفظ: "صلوا على فان صلوتكم وتسليمكم يبلغني حيثما كنتم" وذكر أن أبا يعلى. رواه عن ابن أبي شيبة ونقله السخاوي في القول البديع عن ابن أبي شيبة بلفظ وسلّموا على فإن تسليمكم يبلغني أينما كنتم، قلت: ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه ٣٧٥/٢ بلفظ صلوا على فإن صلوتكم تبلغني حيث ما كنتم ورواه القاضي إسمعيل في فضل الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم ٣٦ بلفظ وصلوا على، وسلموا حيثما كنتم فسيبلغني سلامكم وصلوتكم ورواه الخطيب في الموضح ٥٣/٢ بلفظ، وصلوا على حيثما كنتم، فإن صلوتكم وتسليمكم يبلغني حيثما كنتم، قال ابن عبد الهادي: هذا الحديث مما أخرجه الحافظ أبوعبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي فيما أختاره من الأحاديث الجياد الزائدة على ما في الصحيحين، وهو أعلى مرتبة من تصحيح الحاكم وهو قريب من تصحيح الترمذي وأبي حاتم البستي ونحوهما فإن الغلط في هذا قليل ليس هو مثل صحيح الحاكم

فـان فيـه أحاديث كثيرة يـظهـر أنهـا كـذب موضوعة فلهذا انحطّت درجته عن درجة غيره. انتهـى. وقال في موضع آخر ۲۸۱: وهـو حـديث محفوظ عن علي بن الحسين زين العابدين وله شواهد كثيرة وقال السخاوي هذا حديث حسن وله شواهد،.

قـلـت: ومـنها حديث أبي هريرة المذكور في الرابع والثلثين قلت علي بن عمرو أبو عمر بن علي ذكرهما أبوحاتم الرازي ولم يذكر جرحاً ۳/۱۲٤/ ۳/۱۹٦ـ

سوال(۳۹) وحديث ما من احمد يسلم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحى حتى أرد عليه.

جواب: (۳۹) الـحديث التاسع والثلاثون أخرجه أحمد ۵۲۷/۲ حدثنا عبدالله بن يزيد ثنا حيوة ثـنـا أبو صخر أن يزيد بن عبدالله بن قسيط أخبره عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ما من أحد يسلم عليّ إلارد الله إلى روحي حتى أرد عليه السلام".

وأخرجه البيهقي ۲٤۵/۵ من طريق المقري بهذا اللفظ وأخرجه أبوداؤد ۲۰۷/۳ من هذا الـوجـه بـلـفـظ: "رد الله عـلـيّ روحـي" وسـكـت عنه أبوداؤد وقال النووي في شرح المهذب ۲۷٤/۸ والسبكى في شفاء السقام: إسناده صحيح.

وقال الحافظ ابن حجر في الفتح ۲۹۷/۷: رواتـه ثقات وقال السخاوى في القول البديع ۱۵۵: إسـنـاده حسـن قـال ابـن عبد الهادي في الصارم المنكي ۱۷۵: هـذا الـحديث هو الذي اعتـمد عليه الإمام أحمد وأبوداؤد وغيرهما من الأئمة في مسئلة الزيارة وهو أجود ماستدل به في هذا الباب. ومع هذا فلا يسلم من مقال في إسناده ونزاع في دلالته.

ثـم تـكـلـم على إسناده مطولا بما حاصله أنه تفرد به أبو صخر عن ابن قسيط وتفرد به ابـن قسيط عن أبي هريرة وأبوصخر هو حميد بن زياد مولى بني هاشم وهو ابن أبي المخارق الـخـراط صاحب العباء سكن مصر. قال البخاري: قال بعضهم: حماد، وقال بعضهم: حميد بن صخر. وقال ابومسعود الدمشقي: حميد بن صخر أبومودود الخراط.

ويـقـال إنهـمـا إثـنـان والصحيح أنه واحد وهو حميد بن زياد أبوصخر وهو مختلف فيه فـوثـقـه بـعـضهم و تكلم فيه آخرون واختلفت الرواية عن يحيٰى بن معين فقال فى رواية بن أبي مـريـم وإسـحـق بـن مـنصور ضعيف، وقال في رواية عثمان الدارمي عنه: ليس به باس وحكى الـدارمـي في موضع آخر عنه ثقة وقال عبدالله بن أحمد عن أبيه: ليس به بأس. وحكى العقيلى

عن أحمد قال: حميد بن صخر ضعيف.

وكذا نقل جماعة كالدولابي وابن عدي عن النسائي قال: حميد بن صخر يروى عنه حاتم بن إسمعيل ضعيف لكن الذي في الضعفاء للنسائي حميد بن صخر يروى عنه حاتم بن إسمعيل ليس بالقوي. وقال في كتاب الكنى: أبوصخر حميد بن زياد المدني ليس بالقوي.

وقال ابن عبدالبر : أبوصخر الخراط حميد بن زياد المصري هو حميد بن أبي المخارق ليس به بأس عند جميعهم. وقال ابن عدى بعد أن روى له ثلثة أحاديث: هوعندي صالح الحديث إنما أنكر عليه هذان الحديثان: "المؤمن يألف " وفي القدرية. وسائر حديثه أرجو أن يكون مستقيما. وقال في موضع آخر : حميد بن صخر يروي عنه حاتم بن إسمعيل ضعيف قاله النسائي وروي له ثلثة أحاديث غير ما ذكر في حميد ابن زياد، ثم قال: ولحاتم بن إسمعيل عن حميد أحاديث غيرما ذكرته وفي بعض هذه الأحاديث عن المقبري، ويزيد الرقاشي مالا يتابع عليه.

قال ابن عبدالهادي: هكذا فرق ابن عدي بينهما والصحيح أنهما رجل واحد وهو أبوصخر حميد بن زياد لكن حاتم بن إسمعيل كان يسميه حميد بن صخر، وسماه بعضهم حماد وقد روي له الجماعة كلهم، أما البخاري ففي الأدب المفرد والنسائي في مسند علي.

وقد عرف اختلاف الأئمة في عدالته واسمه وكنيته واسم أبيه فما تفرد من الحديث ولم يتابعه عليه أحد لا ينهض إلى درجة الصحيح بل يستشهد به ويعتبر به وقد ذكر بعض الأئمة أنه على شرط مسلم وفي ذلک نظر فإن ابن قسيط وإن كان مسلم قد روى في صحيحه من رواية أبي صخر عنه لكنه لم يخرج من روايته عن أبي هريرة شيئاً فلو كان قد أخرج في الأصول حديثاً من رواية أبي صخر عن ابن قسيط عن أبي هريرة أمكن أن يقال في هذا الحديث أنه على شرطه.

وأورد مسلم رواية أبي صخر متابعة وهكذا عادة مسلم غالباً إذا روى لرجل قد تكلم فيه ونسب إلى ضعف لسوء حفظه وقلة ضبطه إنما يروي له في الشواهد والمتابعات ولا يخرج له شيئاً انفرد به ولم يتابع عليه.

فعلم أن هذا الحديث الذي تفرد به أبوصخر عن ابن قسيط عن أبي هرير ة لا ينبغي أن يقال هو على شرط مسلم وإنما هو حديث إسناده مقارب وهو صالح لأن يكون متابعاً لغيره وعاضداً له انتهى ملخصاً.

قلت: أبوصخر حميد بن زياد هذا قال البغوي: مدني صالح الحديث. وقال الدار قطني: ثقة

وذكـره ابن حبان في الثقات ونقل ابن أبي حاتم ١/٢٢٢ عـن عثمان الدارمي عن ابن معين ثقة لابأس به فحديثه لا ينحط عن درجة الحسن وقد قال ابن عبدالبر أنه لا بأس به عند جمعيهم. والله اعلم.

سوال (٤٠)وروى مـالك بسنده الى سويد بن النعمان رضي الله عنه أنه خرج مع النبى ﷺ عـام خيبـر فـنزل فصلى العصر ثم دعا بالأزواد .فلم يؤت الا بالسويق.فأكل وأكلنا.ثم قام الى المغرب فمضمض ومضمضنا.ثم صلى ولم يتوضأ.

جواب (٤٠) الـحـديـث الأربـعـون حـديـث سـويـد بن النعمان أخرجه مالك في الـمـوطـا فـي بـاب تـرك الوضوء مما مسّت النار ١/٥٦ وأخـرجـه الـبـخاري في باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ.٣٤.

سوال (٤١) وفـي رواية:"إن الأنبيـاء لايتـركـون فـى قبـورهم بعدأربعين ليلة ولـكـنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ فى الصور"،وله شواهدفى الصحيح.منهاقوله عليه الصلوة والسلام:"مررت بموسى وهو قائم يصلى فى قبره".

الجواب (٤١) الـحـديـث الـحادى والاربـعون أخرجه البيهقي في حيوة الأنبياء من طـريـق مـحـمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن ثابت عن أنس عن النبى صلى الله عليه وسلم قـال: "إن الأنبيـاء لايتـركـون فـي قبورهم بعد أربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدي الله تعالىٰ حتى يُنفخ في الصور".

ومـحـمـد أحـد فـقهـاء الـكوفة صدوق ولكنه سيء الحفظ قال البيهقي: إن صح بهذا اللفظ فـالمراد والله أعلم لا يتركون يصلون إلا هذا المقدار ثم يكونون مصلين فيما بين يدى الله تعالىٰ كذا في فتح البارى ٧/٢٩٦ ووفاء الوفاء ٢/٤٠٥ وغيرهما.

تنبيه: ذكـر الـغـزالي ثم الرافعي حديثا مرفوعاً: أنا أكرم على ربي من أن يتركني في قبري بـعد ثلث قال الحافظ ابن حجر (٧/٢٩٦): ولاأصل له إلا أن أخذ من رواية ابن أبي ليلى هذه وليس الأخذ بجيد لأن رواية ابن أبي ليلى قابلة للتاويل أى كما تقدم.

وأما الشاهد الذي أشير إليه في السوال:

"إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ فـي الصور" وله شواهد في الصحيح منها قوله عليه الصلوة والسلام: "مررت بموسى وهو قائم

يصلي في قبره".

فأخرجه مسلم في الفضائل ٢٦٨/٢ من طريق حماد بن سلمة عن ثابت وسليمان التيمي عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلى في قبره.

سوال (٤٢) وفي حديث أبى ذر فى صفة المعراج :أنه لقى الأنبياء فى السموات وكلموه وكلمهم".

جواب (٤٢) الحديث الثانى والأربعون حديث أبي ذر في صفة المعراج أخرجه البخاري في كتاب الصلوة في باب كيف فرضت الصلوة ليلة الإسراء ومسلم في الإيمان في أحاديث الإسراء ٩٢/١ مطولا وفيه ذكر لقاء النبي صلى الله عليه وسلم آدم وعيسى و إدريس و موسى وإبراهيم عليهم الصلوٰة والسلام وسلامه عليهم، وجوابهم قول إبراهيم و آدم عليهما السلام مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح وقول غيرهما مرحباً بالنبي الصالح والأخ الصالح و كلام موسى معه في مراجعة ربه في تخفيف الصلوٰة وذكر في حديث مالك بن صعصعة عند الشيخين لقاء ه صلى الله عليه وسلم يوسف وهارون عليهما السلام أيضاً.

سوال (٤٣) وفي الصحيح :"إن رسول الله ﷺ قد مر بوادى الأزرق فقال: كأني أنظر إلى موسى هابطا من الثنية وله جوار إلى الله بالتلبية،ثم أتى على ثنية هرشى فقال: كأني أنظر الى يونس بن متى على ناقة حمراء جعدة"، الحديث.

جواب (٤٣) الحديث الثالث والأربعون أخرجه مسلم في الإيمان في أحاديث الاسراء ٩٤/١ عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مربوداى الأزرق فقال: أي واد هذا؟ فقالوا: هذا وادى الأزرق قال كأني أنظر إلى موسى ها بطاً من الثنية وله جوار الى الله بالتلبية ثم اتى على ثنية هرشى فقال اى ثنية هذه؟ قالوا، ثنية هرشى قال كأني أنظر أبي يونس بن متى على ناقة حمراء جعدة عليه جبة من صوف خطام ناقته خلبة، وهو يلبى هذا الحديث تفرد به مسلم عن البخاري.

سوال (٤٤)روينا في صحيح البخاري من حديث أنس بن مالك رضـ قال:"كان

أبوطلحةؓ أكثر أنصاري بالمدينة مالامن نخل،وكان أحب أمواله اليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد. وكان رسول اللهﷺيدخلهاويشرب من ماء فيهاطيب. الحديث.

جواب (٤٤) الحديث الرابع والأربعون أخرجه البخاري في الزكوٰة في باب الزكوٰة على الأقارب والوكالة، والوصايا، والتفسير، وغيرها ومسلم في الزكوٰة ١/٣٢٣ عن أنس قال كان أبو طلحة أكثر أنصاري بالمدينة مالا وكان أحب أمواله إليه بيرحاء و كانت مستقبلة المسجد وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب فلما نزلت: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قام أبوطلحة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله (صلى الله عليه وسلم) إن الله يقول في كتابه لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وإن أحب أموالي إليّ بيرحاء وإنها صدقة لله أرجوا برها وذخرها عند الله فضعها يارسول الله حيث شئت. فقال بخ ذلك مال رابح ذلك مال رابح قد سمعت ما قلت فيها وإنى أرى أن تجعلها في الأقربين، قال إفعل يارسول الله صلى الله عليه وسلم فقسمها أبوطلحة في أقاربه وبنى عمه.

سوال (٤٥) وينا في صحيح البخاري من حديث أبى عبد الرحمن السلمى أن عثمانؓ حيث حوصر أشرف على الناس وقال :أنشدكم ولا أنشد إلا أصحاب النبى ﷺ ألستم تعلمون"الخ،

جواب (٤٥) الحديث الخامس والأربعون أخرجه البخاري في الوقف في باب إذا وقف أرضا أو بئراً ٣٨٩ عن أبي عبد الرحمن أن عثمان حيث حوصر أشرف عليهم، فقال أنشدكم بالله ولا أنشد إلا أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الستم تعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال من حفر بئر رومة فله الجنة فحفرتها الستم تعلمون أنه قال من جهر جيش العسرة فله الجنة فجهزتهم قال فصدقوه بما قال.

سوال (٤٦) وفي الصحيح من حديث عائشة "أنهادخلت عليه فسألهاعن كفن النبى ﷺ فأخبرته،وسألهاعن وفاته فى أى يوم؟فذكرت له يوم الإثنين وكان سؤاله عوم الاثنين فعرف به ، وقال: أرجو فيما بيني وبين الليلة ،وكان عليه ثوب يمرض فيه ردع من زعفران"

جواب (٤٦) الحديث السادس والأربعون أخرجه البخاري مفصلا فى اواخر

الجنائز فی باب موت یوم الاثنین ١٨٦.

سوال (٤٧) وفـي الـصـحيح من قوله ﷺ ”إن أمـن الـنـاس عـلـی فی صحبته وماله أبـوبـكـر،ولـو كـنـت متـخـذا مـن أمتـی خليلا لاتخذت أبابكر خليلا،ولكن أخوة الاسلام ومودته.لايبقين فی المسجد“.الخ.

جواب(٤٧) الـحـديث السابع والأربعون أخرجه البخاري في المساجد في باب الخوخة والممر في المسجداً ٦٧/١ ومسلم في الفضائل ٢٧٢/٢ عن أبي سعيد الخدري قال خطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال إن الله سبحانه خيّر عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فـاختـار مـا عند الله فبكى أبوبكر فقلت في نفسی مايبكی هذا الشيخ إن يكن الله خير عبدا بيـن الـدنيـا و بيـن ما عنده فاختار ما عندالله عزوجل فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هـو الـعبـد وكان أبوبكر أعلمنا فقال يا أبابكر لا تبک أن أمن الناس على في صحبته وماله أبـوبـكـر ولـو كنت متخذا من أمتي خليلاً لا تخذت أبابكر ولكن إخوة الإسلام ومودته لا يـبـقيـن فـي الـمسجد باب إلا سُدّ إلا باب أبي بكر هذا لفظ البخاري وأخرجه البخاري في الهجرة (٥٥٢) بلفظ قريب منه وبذلک اللفظ أخرجه مسلم.

سوال(٤٨) وفـي الصحيح من حديث الجذع مافيه كفاية،قيل:وكان موضعه عند الأسطوانة التی تلی القبر،وهي عن يسار الأسطوانة المخلقة.

جواب (٤٨) الـحـديـث الشـامـن والأربـعـون أخرجه البخاري في الجمعة في باب الـخطبة على المنبر ١٢٥ عـن جـابـر قال: كان جذع يقوم عليه النبي صلى الله عليه وسلم، فـلـمـا وضـع لـه الـمنبر سمعت للجذع مثل اصوات العشار حتى نزل النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده عليه. انتهى.

وفـي حـنيـن الجذع أحاديث كثير ة عـن ابـن عـمـر أخـرجـه البخاري وبريده أخرجه الـدارمـي وابـن عباس أخرجه أحمد وابن سعد والدارمي وابن ماجة وأبونعيم والبيهقي وأنس أخـرجـه الـدارمي والترمذي وابن خزيمة وأبويعلى و أبو عوانة والبيهقي وأبونعيم وأبي سعيد أخـرجـه أمن أبي شيبة والدارمي وأبونعيم وسهل بن سعد أخرجه ابن سعد وإسحق بن راهويه والبيهقي وأم سلمة. أخرجه البيهقي وأبونعيم وأبي بن كعب، أخرجه الدارمي وابن ماجه وابن

سـعـد، وأبـو يعلى، والبيهقي، والبغوي، وأبونعيم، وعائشة، أخرجه الطبراني، وأبونيعم، وغير ذلک من الأحاديث وذكر هذه الأحاديث السيوطي في الخصائص الكبرىٰ ٧٦/٢ والحافظ ابـن حجر في الفتح ٤١٥/٧ قـال البيهـقـي قصة حنين الجذع من الأمور الظاهرة التي حملها الخلف عن السلف ورواية الأخبار الخاصة فيها كالتكلف.

سوال (٤٩) رويـنا في صحيح مسلم من حديث عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ كـلـما كانت ليلتها يخرج آخر الليل إلى البقيع فيقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين أتاكم ما توعدون غداً مؤجّلون وإناّ'' الخ

جواب (٤٩) الحديث التاسع والأربعون أخرجه مسلم في أواخر الجنائز ٣١٣/١ تاماً وبعد سبعة منه ينتهى كتاب الجنائز.

سوال (٥٠) وفيـه أيـضـاً عن عائشةؓ قالت: الّا أحدثكم عن رسول الله ﷺ وعنّى؟ قـلـنا: بلى! قالت: لما كانب ليلى التي كان رسول الله ﷺ فيها عندي،انقلب فوضع رداء ه وخـلـع نـعليه فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه فاضطجع، فلم يلبث الّا أن ظنّ أنى قد رقدت، فاخذ رداء ه رويداً'' الخ

جواب (٥٠) الـحـديـث الـخـمسـون أيـضـاً أخـرجه مسلم تاماً في أواخر الجنائز ٣١٣/١ بعد الحديث المتقدم.

سوال (٥١) رويـنـا فـي صـحيح مسلم من حديث عمر بن الخطابؓ قال: ''سمعت رسول الله ﷺ يـقـول بـوادي الـعـقيق: أتاني الليلة آتٍ فقال: صلّ في هذا الوادي المبارک وقـل ''عمرة فـي حـجة'' وكـان عبـد الله ينيخ بالوادي يتحرّي معرّس النبي ﷺ ويقول: هو أسفل من المسجد الذي ببطن الوادى''.

جواب (٥١) الـحـديـث الـحادي والخمسون أخرجه البخاري في الحج فى باب قـول الـنبـى صـلـى الله عـليه وسلم العقيق وادٍ مبارک عن عمر قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم بوادي العقيق يقول اتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارک وقـل عـمرة في حجة وهذا الحديث مما تفرد به البخاري عن مسلم، ومن عزاه لمسلم فوهم وأما قوله وكان عبد الله بن عمر ينيخ فأخرجه البخاري ٢٠٨ في الباب المذكور ومسلم في

الحج ٤٣٥.

سوال (٥٢) وبسند ابن النجّار إلى سعد بن أبي وقاصؓ قال: ركب رسول الله ﷺ إلى العقيق ثم رجع فقال: يا عائشة! جئنا من هذا العقيق فما ألين موطئه وأعذب ماء ه فقلت: يا رسول الله أفلا ننقل إليه؟ فقال: كيف وقد ابتنى الناس".

جواب (٥٢) الحديث الثاني والخمسون ذكره العلامة نورالدين السمهودي في الفصل الأول من الباب السابع ١٨٧/٢ برواية بن زبالة عن عامر بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ركب إلى العقيق ثم رجع فقال يا عائشة جئنا من هذا العقيق فما ألين موطئه وأعذاب ماء ه قالت فقلت يارسول الله صلى الله عليه وسلم أفلا ننتقل إليه قال كيف وقد ابتني الناس. انتهى. وليس عندي كتاب ابن النجار.

سوال (٥٣) عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال: من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها، فإن من مات بالمدينة شفعت له يوم القيامة".

جواب (٥٣) الحديث الثالث والخمسون أخرجه أبوالقاسم البغوي حدثنا الصلت بن مسعود الجحدري حدثنا سفين بن موسى حدثنا أيوب عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: "من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت فإن من مات بالمدينة أشفع له يوم القيامة".

هكذا نقله الحافظ ابن عبد الهادي في الصارم المنكي ص ٤٠ والحديث أخرجه أحمد ١٥٤/٢ والترمذي ٢٣١/٢ بلفظ "من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت فإني أشفع لمن يموت بها".

وله شواهد من حديث سبيعة الأسلمية أخرجه الطبراني في الكبير وفيه عبد الله بن عكرمة لا يعرف حاله و عن إمراة يتيمة كانت عند النبي صلى الله عليه وسلم أخرجه الطبراني في الكبير بإسناد حسن كما في مجمع الزوائد في باب فيمن يموت بالمدينة جعلنا الله منهم.

سوال (٥٤) وفي رواية: "غبار المدينة يطفئى الجذام".

الجواب (٥٤) الحديث الرابع والخمسون ذكره السمهودي في وفاء الوفاء ٤٨/١ في الفصل السادس من الباب الأول وظاهر كلامه أن هذا اللفظ أخرجه ابن زبالة. والله أعلم.

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعہ ۱۴/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

رسالہ نمبر (۵)

منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجموعۂ روایات

(۱) منبر نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کے بارے میں روایات مختلف ہیں:

فعنداحمد (ص۲۲۶/۳) من حديث أنس ابنوا لى منبرا أراد أن يسمعهم فبنوا له عتبتين.

وعند الطبراني في الكبير من حديث سهل بن سعد فعمل له منبراً له عتبتان وجلس عليهما

وعند ابن سعد (۲۵۰/۱) من حديث ابى هريرة ثم عمل درجتنين ومقعدا وفيه الواقدي.

وعند بن خزيمة (۱٤۰/۳) من حديث أنس فصنع له منبراً له درجتان ويقعد على الثالثه.

وعند أبي داؤد (۱۷۸/۲) من حديث بن عمر فاتخذ له منبراً مرقاتين وعند البيهقي (۱۹٦/۵) من حديثه فاتخذله مرقاتين أو ثلاثة.

وعند أحمد (۱۰۹/۲) من حديثه ايضاً فصنعوا له منبراًثلث مراقٍ وعند الدارمي (۳٦۷/۱) من حديث سهل بن سعد فجعلوا له مرقاتين أوثلثاً.

وعند مسلم (۲۰٦/۱) من حديث سهل أيضاً فعمل هذه الثلث درجات.

وعند أحمد (۳۳۹/۵) من حديثه فعمل المنبر ثلث درجات.

وعند البيهقي (۱۹۵/۳) من حديثه فعمل له هذه الدرجات الثلث.

وعند ابن سعد (۲۵۲/۱) من حديثه فعمل هذه ا لثلث الدرجات من طرفاء الغابة وعنده من حديثه قطع للنبيﷺ ثلٰث درجات من طرفاء الغابة.

وعند أحمد (۱۳۷/۵) من حديث أبي ابن كعب فصنع له ثلث درجات على المنبر.

وعند عبد الله بن أحمد في زوائد مسند أبيه (۱۳۸/۵) من حديث أبي أيضاً فصنع له ثلث درجات هي التي على المنبر، وعنده أيضاً (۱۳۹/۵) من حديثه فصنعوا له ثلث درجات.

وعند ابن سعد (۲۵۲/۱) من حديثه فصنع له ثلث درجات هنّ اللاتى على المنبر أعلى المنبر.

وأخرج اسمٰعيل القاضي في فضل الصلوة على النبي ﷺ (ص۳۵) والحاكم في

الـمستـدرک عـن کعب بن عجره قال: قال رسول الله ﷺ أحـضـر وا الـمنبر فحضرنا فلما ارتقی الدرجة قال: آمین، ثم ارتقی الدرجة الثانیة، فقال آمین ثم ارتقی الدرجة الثالثة فقال آمین فلما فرغ نزل عن المنبر قال فقلنا له یا رسول الله ﷺ لقد سمعنا منک الیوم شیاً ماکنا نسمعه قال إن جبرائیل عرض لی فقال بعُد من أدرک رمضان، فلم یغفر له فقلت: آمین، فلما رقیت الثانیة قال بعد من ذکرت عنده فلم یصل علیک فقلت آمین، فلمارقیت الثالثة قال بعُد من أدرک أبویه الکبر أو أحدهما فلم یدخلاه الجنة فقلت: آمین. قال الحاکم صحیح الإسناد ونحوه حدیث مالک بن حویرث عند ابن حبان في صحیحه.

وحدیث عبد الله ابن الحارث بن جزء عند الطبرانی والبزار بإسناد واهٍ.

وحدیث جابر عند یحیٰ بن الحسن في تاریخ المدینة في کلها ذکر ثلث درجاتز

وعند الطبرانی فی الأوسط مجمع (۲/۱۸۲) من حدیث عائشه فجعل له المنبر أربع مراقٍ وفیه صالح بن حیان وهو ضعیف وعند یحیٰ بن الحسن في تاریخ المدینة منقطعاًعن ابن أبي الزناد، وغیره ثم عملها درجتین ومجلساً کذا في الوفاء (۱/۲۷۸).

وعند ابن عبد البر في الإستیعاب عن باقوم الرومي قال صنعت لرسول الله ﷺ منبراً من طرفاء وله ثلٰث درجات المقعده ودرجتیه قال ابن عبد البر وإسناده لیس بالقائم (وفاء ۱/۲۸۰).

وروی یحیٰ عن ابن ابی الزناد أن النبی ﷺ کان یجلس علی المجلس ویضع رجلیه علی الدرجة الثانیه فلما ولی أبوبکر قام علی الدرجة الثانیه ووضع رجلیه علی الدرجة السفلیٰ فلما ولّی عمر قام علی الدرجة السفلیٰ ووضع رجلیه علی الأرض رجلیه إذا قعد فلما ولّي عثمان فعل ذلک ست سنین من خلافته ثم علا الیٰ موضع النبی ﷺ ثم قال قالوا فلما استخلف معویة زاد في المنبر فجعل له ست درجات (وفاء ۱/۲۸۲).

وروی ابن زباله عن ابن قطن قلع مروان بن الحکم منبر رسول الله ﷺ وکان درجتین والمجلس وأراد أن یبعث به إلی معاویة قال فکسفت الشمس حتیٰ راینا النجوم قال فزاد فیه ست درجات وروی ابن النجار زیادة مروان فیه وأنه صار تسع درجات بالمجلس.

ان روایات وآثار کے دیکھنے سے چھ الفاظ ملتے ہیں (۱)عتبین (۲)مرقاتین (۳)مرقاتین اوثلثه (۴)درجتین ومقعداًوفی لفظ مجلس (۵)ثلث درجات (۶)أربع مراق لفظ ثالث شک راوی ہے لفظ

اول وثانی ورابع میں کوئی اختلاف نہیں ہے بعض نے مجلس کوذکرکیا بعض نے نہیں کیا لفظ خامس اکثر روایات میں وارد ہوا ہے اس سے بظاہر تین درجات معلوم ہوتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں تین درجے تھے جس میں مجلس بھی شامل تھی اور بعض کی رائے ہے کہ مجلس خارج ہے صاحب وفاءالوفا نے بہت سے آثار کے بعدلکھا ہے(۱؍۲۸۳):

وجميع ما قدمنا من كلام المؤرخين يقتضى لا تفافهم علىٰ أن منبره ﷺ كان درجتين غير المجس ونقله ابن النجار عن الواقدي وقال الكمال الدميري في شرح المنهاج وكان ﷺ منبره ثلث درج غير الدرجةالتى تسمىٰ بالمستراح.

وقال ابن عابد ين(١/٥٥٢) ومنبره ﷺ كان له ثلث درجات غير المسماة بالمستراح وكذا قال ابن حجر المكى في التحفة (٢/٢٥٩) وقال الخفاجي (٣/٦١) وكان له درجة ثلثا ومن قال اثنتين اسقط محل قيامه ﷺ وقيل إنه كان أكثر من ثلث ۔اھ۔

علامہ سمھو دی کی رائے یہ ہے کہ دودرجے اور ایک مجلس تھی جن روایات میں تین درجات کا ذکر ہے انکی رائے ہیکہ مجلس پر مجازاً درجہ کا اطلاق کردیا اور حضوراقدس ﷺ جبرئیل کے آمین کہنے کے وقت مجلس پر چڑھ گئے تھے بہرحال روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کا کلام بھی۔ چارمراقی والی روایت بظاہر وہم ہے یا پھر یہ کہا جائے کہ مجلس کومستقل درجہ شمار کرلیا.واللہ اعلم۔

محمد یونس عفیٰ عنہ

رسالہ نمبر (٦)

تحقیق لواء النبي ﷺ وأصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنھم

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے جھنڈے کس رنگ کے ہوتے تھے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ:

سوال (۱) غزوات وسرایا میں جو لواء (جھنڈے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عنایت فرماتے تھے ان کا رنگ کیسا تھا اور اس کے اوپر کیا لکھا ہوا تھا؟

(۲) نیز عید کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لئے تشریف لے جاتے تھے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے آگے جو عصا لے کر چلتے تھے بتایا جاتا ہے کہ اس پر رمح (نیزہ) لگا ہوا تھا، کیا اس کے اوپر کوئی جھنڈا بھی ہوتا تھا؟ اگر ہوتا تھا تو اس کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟

حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرماتے ہوئے اس حدیث کو عربی متن اور حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

(۳) علاوہ ازیں خلفاء راشدین کے زمانے میں کیا جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ اگر ایک ہی قسم کے تھے تو ان کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟؟ اور اگر الگ الگ تھے تو ان کی نوعیت کیا تھی؟ بینوا توجروا عند اللہ۔

عبدالکریم پاریکھ، ناگپور، الہند

۲۹/ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

جواب: (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کے لئے کتب حدیث وسیر میں عام طور پر دو لفظ آئے ہیں، لواء اور رایۃ:

ففي شرح المواهب (۳/ ۲۷۶) أول راية عقدها عليه الصلوة والسلام كانت لحمزةؓ وأول سرية بعثها كانت له لواء، كما جزم ابن عقبة وأبو معشر والواقدى وابن سعد في آخرين، وصححه ابن عبد البر، انتهىٰ.

بعضوں کا خیال ہے کہ دونوں مترادف ہیں، لیکن قاضی ابن العربی کی رائے ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔

لواء وہ جھنڈا ہے جس میں نیزے کے اوپر کپڑا لپیٹ دیا جائے اور رایہ میں نیزہ یا کسی لمبی چیز میں کپڑا باندھ دیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑتا اور حرکت کرتا رہتا ہے، بعضوں نے اور بھی فرق کیا ہے، روایات کے عام الفاظ سے بھی تفریق ہی معلوم ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھنڈے صحابہ کو عنایت فرمائے اور ان کو لواء سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے تتبع و تلاش میں ایک روایت کو چھوڑ کر سب جگہ ان کا رنگ سفید ہی ملتا ہے۔

ابن سعد نے سریۂ حمزہ (۶/۱) سریۂ عبیدۃ بن الحارث (۲/۷، سریۂ سعد بن ابی وقاص (۲/۷) غزوۃ الابواء (۲/۸) غزوۂ بواط (۲/۸) غزوہ طلب کرز بن جابر الفہری (۲/۹) غزوہ ذی العشیرۃ (۲/۹) غزوہ بنو قینقاع (۲/۲۹) غزوۂ خیبر (۲/۱۰۶) سریۂ موتہ (۲/۱۲۸) سریۂ عمرو بن العاص الی ذات السلاسل (۲/۱۳۱) سریہ علی بن ابی طالب الی القلس صنم طی (۲/۱۶۴) میں لواء ابیض لکھا ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے، بعض جگہ ماتن نے تصریح کی ہے اور بعض جگہ شارح نے (۱/۳۹۰/۳۹۱/۳۹۳/۳۹۴/۳۹۵/۳۹۷/۴۵۷)، (ص ۲/۲۲/۲۶۹/۲۷۸)، (۳/۵۳) اسی طرح غزوہ بنی سلیم (ص ۴۵۵) میں بھی لکھا ہے اور ابن ہشام (ص ۳۵۱ ج ا) میں غزوہ بدر میں اور روایات کے متعلق کتب سیر میں سیاہ رنگ وارد ہے، اور کتب حدیث میں سوداء صفراء حمراء بیضاء مختلف رنگ مذکور ہیں اب آگے کچھ احادیث الویہ وروایات کے رنگ کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

(۱) "عن جابرؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم دخل مكة ولواه أبيض" رواه الترمذی (۱/ ۲۰۱) وأبوداود (٦/ ٣٦٢) بذل، وابن ماجه (ص: ۲۰۷) والحاكم (۱/ ۱۰٤) والبيهقى (٦/٣٦٢) من طريق يحى بن آدم عن شريک عن عمار الدهني عن أبی الزبير عنه، قال الترمذی: هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث يحى بن آدم عن شريک، وسألت محمدا (البخاري) عن هذا الحديث فلم يعرفه الا من حديث يحيى بن

آدم عن شريک ، وقال: حدثنا غير واحد عن شريک عن عمار عن أبی الزبير عن جابرؓ : أن النبی صلی الله عليه وسلم دخل مكة وعليه عمامة سوداء، قال محمد البخاری : والحديث هو هذا ، انتهى.

(٢)عن جابر بن عبد الله "أن راية االنبی صلى الله عليه وسلم كانت سوداء" رواه الطبرانی فی المعجم الصغير (٢ / ١١١) بسند حسن رجاله ثقات، وقال الهيثمی(٥ / ٣٢١) رواه الطبراني في الثلاثة، وفي إسناد الكبير شريک النخعي، وثقه النسائي وغيره ، وفيه ضعف وبقية رجاله ثقات.

(٣)عن يونس بن عبيد مولیٰ محمد بن القاسم قال: بعثنی محمدبن القاسم الی البراء بن عازبؓ يسأله عن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: كانت سوداء مربّعة من نمرة، رواه أحمد (٤ / ٢٩٧) وأبوداود (٣ / ٤٣٨ ، بذل) والترمذي (١ / ٢٠١) والبخاري في التاريخ والطبراني في الأوسط (٥ / ٣٦٨) والبيهقي (٩ / ٣٩٣) قال الترمذي: هذاحديث حسن ، وكذا حسنه الذهبي.

(٤) عن الحارث بن حسان البكریؓ قال: قدمناالمدينة فا ذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قائم على المنبر وبلال قائم بين يديه متقلد السيف واذا رايات سود، وسألت ماهذه الرايات؟ قالوا: عمرو بن العاصؓ قدم من غزاة، أخرجه أحمد (٣ / ٨٤١) وابن ماجه (ص ٢٠٧) والبيهقي (٦ / ٣٦٣) من طريق أبي بكر بن عياش عن عاصم عن الحارث به، قال البيهقي: ورواه سلام بن المنذر عن عاصم عن أبي وائل عن الحارث بن حسان، وقال في متنه: "فإذا راية سوداء تخفق، فقلت: ماشأن الناس؟ قالوا : هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد أن يبعث عمرو بن العاص وجها" قلت: أخرجه أحمد هكذا من هذا الوجه.

وروى عبد الرزاق (٥ / ٢٨٨)عن ابن جريج قال: حدثت عن شقيق بن سلمة عن رجل "رأی راية رسول الله صلى الله عليه وسلم التی عقدها لعمرو بن العاصؓ سوداء. "

(٥)عن سماک عن رجل من قومه عن آخر منهم قال : "رأيت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم صفراء" رواه أبوداود (٣ / ٤٣٨ ، بذل) والبيهقي (٦ / ٣٦٣) وفي إسناده مبهم.

(٦)عن مزيدة العبديؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم عقد رايات الأنصار فجعلهن

صفرا، رواه الطبراني (٢/ ٣٤٧) وفيه محمد بن الليث ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات، كذا في مجمع الزوائد (٥/ ٣٢١).

قلت: فيه هودا العقرى مجهول الحال.

(٧) عـن كـريـز بـن سـامة: "أن الـنبـى صـلـى الله عـليـه وسلم عقد رايةً لبنى سليم حمراء"رواه الطبراني (١٩/ ١٨٩) وفيه من لم أعرفهم، كذا فى المجمع (٥/ ٣٢١).

قـلـت: وراواه أبـو نعيم فى الصحابة من طريق الرحال بن المنذر العامرى حدثناأبى عـن أبيـه عـن كـريـز كما في الإصابة ، قال ابن عبد البر (١/ ٢٣٤)حـديثـه يدور على هذا الإسناد.

قلت: والرحال بن المنذر وأبوه وجده لا يعرفون، لم يذكرهم أحد في الرجال.

(٨) عـن ابـن جـريـج قال: أخبرني رجل من أهل المدينة أن راية النبي صلى الله عليه وسلم كانت تكون بيضاء ولوائهٗ أسود، رواه عبد الرزاق (٥/ ٢٨٩).

(٩) عـن ابـن عبـاسؓ قال: كانت راية النبي صلى الله عليه وسلم سوداء، ولواوه أبيض. رواه الترمذى (١/ ٢٠١) وابن ماجه (ص ٢٠٧) والحاكم (٢/ ١٠٥) والبيهقي (٦/ ٢٦٢) من طـريـق يحيى بن اسحاق السيلحينى عن يزيد بن حيان عن عن أبي مجلز عنه، قال الترمذي : هـذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ابن عباسؓ، انتهى. وقال الذهبي: يزيد بن حيـان ضـعيفٌ، قـلـت: قال ابن الجنيد عن ابن معين ليس به بأس، وقال البخاري: عنده غلط كثيـر، وذكـره ابـن حبان في الثقات ووقال: يخطى، ورواه أبويعلىٰ والطبراني من طريق حيان بـن عبيـد الله عـن أبـي مـجـلـز عـن ابن عباسؓ به، قال ابن أبي حاتم في حيان هذا سمعت أبى يقول: هوصدوق وسيأتى فيه بقية كلام الأ ئمة فى الحديث الذى بعده.

(١٠) عن بريدةؓ أن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت سوداء، ولوائهٗ أبيض ، رواه أبـو يـعـلـىٰ والـطـبـرانـي وابن عدي من طريق حيان بن عبيد الله المذكور في الحديث السـابـق عـن عبـد الله بـن بـريـدة عن أبيه ،قال البخاري في راويه حيان: ذكر الصلت منه الإختلاط، وذكره ابن عدي في الضعفاء، وقال: عامة حديثه أفراد إنفرد بها، وذكر العقيلى لـه حـديثـا وقـال: لا يتـابع عليه وقال أبو حاتم : صدوق، وقال إسحاق بن راهوية : حدثنا

روح بن عبادة ثنا حيان بن عبيد الله وكان رجل صدق وذكره ابن حبان في الثقات.

(**تنبيه**) كل من أخرج هذا الحديث فجمعه مع حديث ابن عباسؓ ، لأنهم أخرجوه من طريق حيان المذكور، قال: حدثنا أبو مجلز عن ابن عباسؓ ، وحدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه.

قال الهيثمي: رواه أبو يعلى والطبراني، وفيه حيان بن عبيد الله قال الذهبى: بيض له ابن أبي حاتم فهو مجهول، وبقية رجال أبي يعلىٰ ثقات، انتهى.

قلت : الذي قال فيه الذهبي: بيض له ابن أبى حاتم،هو رجل آخر، وهو حيان بن عبدالله أو عبيد الله المروزي، والراوي للحديث حيان بن عبيد الله بن حيان أبو زهير العدوي البصري، ونقل فيه الذهبي قول البخاري، وقال فيه ابن أبي حاتم عن أبيه: صدوق، كما تقدم، وذكر الذهبي هذا الحديث في الميزان، فلعله أشار إلى ضعفه، والله أعلم.

(١١) عن ابن عباسؓ قال: كان مكتوباً على رأية رسول الله صلى الله عليه وسلم لا إله إلا الله محمد رسول الله، رواه أبو الشيخ وسنده واه ، كذا في الفتح.

(١٢) عن ابن عباسؓ قال: كانت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم سوداء، ولوائهٔ أبيض، مكتوب عليه ، لا إله إلا الله محمد رسول الله، رواه الطبراني في الأوسط (١/ ١٧١) وفيه حيان بن عبيد الله المذكور سابقا، وبقية رجاله رجال الصحيح، قال الهيثمى: رواه الترمذي وابن ماجه إنتهى، فكأنه أشار إلى شذوذ ذكر الكتابة.

وقال ابن سعد في غزوة خيبر (٢/ ١٠٦) ولم تكن الرايا ت إلا يوم خيبر، إنما كانت الألوية، فكانت راية النبى صلى الله عليه وسلم سوداء من برد لعائشةؓ تدعى: العقاب ولوائه أبيض.

ولما بعث علياؓ الى اليمن عقد له لواء ، قال الواقدى: أخذ عمامة فلفها مثنية مربعة فجعلها في رأس الرمح ثم دفعها إليه، كذا في شرح المواهب (٣/ ١٠٣).

وقال في سرية عمرو بن العاصؓ إلى ذات السلاسل (٢/ ١٣١) فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عمرو بن العاصؓ فعقد له لواء أبيض وجعل معه راية سوداء.

وقال في سرية على بن أبى طالب إلى القلس صنم طى (٢/ ١٦٤) بعث رسول الله

صلى الله عليه وسلم علی بن أبی طالبؓ فی خمسین ومأة رجل من الأنصار علی مائة بعیر وخمسین فرسا ومعه رایة سوداء، ولواء أبیض،

وقال ابن اسحاق فی غزوة بدر: ودفع اللواء إلی مصعب بن عمیر، قال ابن هشام (۱/ ۶۱۲) وکان أبیض قال ابن إسحاق: وکان أمام رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیتان سوداوان إحدهما مع علی بن ابی طالبؓ یقال لها: العقاب، والأ خری مع بعض الأنصار، وقال ابن هشام: وکانت رایة الأنصار مع سعد بن معاذؓ.

ان تمام روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الویہ ورایات کے الوان کی تفصیل معلوم ہوگئی اور حدیث نمبر ۱۱۱ اور ۱۱۲ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رایہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

(۲) کسی روایت میں یہ نہیں ملا کہ حضرت بلالؓ عصا لے کر عید کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے تھے، ہاں نیزہ کا تذکرہ ضرور وارد ہے۔

اتنا تو صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ عید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا۔

ولفظه: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا خرج یوم العید أمر بالحربة فتوضع بین یدیه، فیصلي إلیها والناس ورائه و وکان یفعل ذلک في السفر، فمن ثم اتخذها الأمراء، قال الحافظ: وقد روی عمر بن شبّة فی أخبار المدینة من حدیث سعد القرظؓ، أن النجاشی أهد ی إلی النبي صلی الله علیه وسلم حربة فأمسکها لنفسه فهي التي یمشی بها مع الإمام یوم العید، انتهی.

وأخرج الطبراني في الکبیر من حدیث سعد القرظؓ أن النجاشي بعث إلی النبی صلی الله علیه وسلم بثلاث عنزات فأمسکها النبي صلی الله علیه وسلم واحدة لنفسه، وأعطی علیاًؓ واحدة، وعمرؓ واحدة، وکان بلالؓ یمشی بها بین یدیه في العیدین فیصلی إلیها، قال الهیثمي (۲/ ۵۸) في إسناده من لم یسم.

کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس پر کوئی جھنڈا لگا ہوا تھا، بظاہر جھنڈا وغیرہ کچھ نہیں تھا اور نہ ہی اس پر کچھ لکھا ہوا تھا، والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

(۳) خلفاء راشدین کے جھنڈے کس رنگ کے تھے؟ اس کے متعلق کہیں کوئی چیز نظر سے نہیں گذری،

ان حضرات کی سیر وسوانح دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے، یا کسی اور سے معلوم کرلیا جائے، صرف ایک روایت سے کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

قال سعيد بن منصور في سننه (٢/٢٢٢) حدثنا عبد الله بن وهب أخبرني عمرو بن الحارث أن يزيد من أبي حبيب حدثه : أن أول من عقد اللواء الأبيض معاوية بن أبي سفيان إنما كانت الرايات سوداء، إنتهى.

لیکن یہ حدیث بظاہر مشکل ہے، ماقبل میں متعدد روایات سے دور نبوی میں الویہ کا ابیض ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر محمد یونس عفی عنہ
شب ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۷

فائده

الفرق بين اللواء والرأية

اللـواء والرأية هما يطلقان على العلم الذي يكون عند صاحب الجيش قال ابن تيمية (النبواة ص ٢٢٧) وإنّما سميت الرأية لأنها ترى فيعلم صاحبها وكذالك العلَم يُعلم فيعلم صاحبه قلت: وسمي لواء لأن الثوب يلوي فيه على رأس الرمح كما سيأتى عن ابن العربي ويكـون سبباً لِليِّ الـنـاس أى إمـالتهـم إلـى صـاحبه واختُلف فى اللواء والرأية فقيل هما متـرادفان وعزاه ابن حجر لجماعة من أهل اللغة ومشى عليه صاحب القاموس إذ فسرهما بـالـعـلم وكذا مشى عليه من أهل السير والتأريخ (ابن إسحاق ص(٢/٣ ٧) ابن هشام وابن جرير (٣/١٢–١٣) وابن حبان (١/١٤٢) فـذكروا في قصة واحدة مرة لفظ اللواء وأخرى لفظ الرأى وكانه هو راى البخارى حيث ترجم باللواء وأورد تحتها حديث الرأية أيضاً ولم يـصـح عـنده الأحاديث التي سنذكرها في التفرقة بينهما ولكن اعتمدها غيره وقال محمد بـن الـحـسـن فى السير الكبير ينبغي أن تكون ألوية المسلمين بيضا والرايا ت سودا وعلى هـذا جـاء ت الأخبار وترجم الترمذى بالألوية ثم ترجم بالراية وأورد تحت الأولى حديث الـلـواء وتـحـت الثانيةحديث الرأية وإلى التفرقة ذهب الواقدي وابن سعد قال ابن العربي ص ١٧٧ : اللواء ما يعقد فى طرف الرمح ويلوى معه، والراية ثوب يجعل في طرف الرمح ويخلى كهيئته تصفقه الرياح .

ثـم قيـل الـلـواء الـعـلم الضخم وهو علامة لمحل الأمير يدور معه حيث دار والراية يتـولاهـا صـاحـب الـحرب، قال السرخسي في شرح السير الكبير ١/٧١: الـلـواء للإمام والـرايات للقواد، ونقله صاحب البحر الرائق ٤/٧٣ عن الظهرية، وقيل اللواء دون الرأية وجزم به الجوهري وتبعه الرازي في مختار الصحاح والفيومي في المصباح، ويشير إليه ما تقدم عن ابن العربي من تفسيرهما.

بنده محمد يونس غفرله